

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

سیرت

مُصْطَفَىٰ جَانِ حَمِيمَتِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

ساکن حضرت ابا احمد بن محمد

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى رَسُوْلِكَ الَّذِى لَا يَمُوتُ وَلَا يَمُرُّ بِالْمَوْتِ
لِحَسْبِ مَغْفِرَةٍ وَاٰخِرٌ عَظِيْمٌ

جلد اول

افادات

شیخ الاسلام والمسلمین

امام احمد رضا خان محدث بریلوی

رحمة الله عليه

ششیل
برادرز
اردو بازار لاہور



وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

تصانیف اعلیٰ حضرت کے ماخوذ سیرت الرسول ﷺ کا

عظیم علمی و تحقیقی مجموعہ

سیرت مطہری علیہ السلام

جمع ترتیب

افادات

محمد علی قاری ضوی

شیخ الاسلام والمسلمین
رحمۃ اللہ علیہ
امام احمد رضا خان محدث بریلوی

جلد اول



زبیہ سنٹر نزد سولہ ماڈل ہائی سکول، ہم، اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006

شبیر برادرز

الافتاء والفتاویٰ

جمہ حقوت سیرت اشرفیہ مطہرین

مصطفیٰ جانِ رحمت

جلد 1

رِسْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ

شیخ الاسلام والمسلمین

امام احمد رضا خان محدث بریلوی

افادات

محمد علی قادی ضوی

جمع و ترتیب

ملک شبیر حسین

ناشر

مئی 2007ء اور 1428ھ

بن اشاعت

اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور

طابع

فیضی گرافکس دیوار کیت لاہور

سرورق

1600 روپے

قیمت



عرضِ ناشر

ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص ہے جس نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد و شمار درود و سلام، صبح و شام نازل ہو جو جانِ رحمت ہیں، شمعِ بزمِ ہدایت ہیں، گلِ باغِ رسالت ہیں، نوشہِ بزمِ جنت ہیں، نائبِ دستِ قدرت ہیں، قاسمِ کنزِ نعمت ہیں

ان کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود

ان کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود

ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

اللہ تعالیٰ کا بے حد و شمار احسان ہے کہ اس نے ہمیں اپنے پیارے حبیب کے لائے ہوئے دینِ متین کی خدمت کرنے کی سعادت و توفیق عطا کی ہے۔ الحمد للہ! آپ کا ادارہ شبیر برادرز عرصہ دراز سے مختلف موضوعات پر مشتمل اسلامی کتب کی نشر و اشاعت میں مصروف ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی، حضرت مولانا محمد عیسیٰ قادری رضوی کی تالیف ”سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت“ ہے۔ جسے انہوں نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد دین و ملت شیخ الاسلام و المسلمین امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف کتابوں میں سے انتخاب کے بعد مرتب کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کی علمی جلالت اور فنی عظمت کا قائل ہر صاحبِ علم و مطالعہ شخص ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ کتاب آپ کی معلومات میں بیش بہا اضافے کا باعث اور سبب بنے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔

آپ کا مخلص
ملک شبیر حسین

فہرست مضامین

جلد اول

صفحات	مضامین
37	● کلمۃ الناشر (از: علامہ عبدالستار ہمدانی، مصروف)
49	● تقریظ (از: علامہ سید عارف صاحب رضوی)
57	● مقدمۃ الكتاب
69	● سبب تالیف
77	● سیرت نگاری میں امام احمد رضا کا تفرد و امتیاز
82	● طرز تالیف
87	● تشکر و امتنان
91	■ <u>سیرت اور اس کے مصنفین</u>
93	● امام زہری اور فن سیرت
94	● زہری کے تلامذہ سیرت
94	● موسیٰ بن عقبہ اور سیرت
95	● محمد بن اسحاق اور سیرت
96	● ابن ہشام اور سیرت
97	● ابن سعد اور سیرت

98	امام بخاری اور سیرت	●
98	امام طبری اور سیرت	●
99	چند مصنفین سیرت	●
102	بعض مصنفین سیرت کا مختصر سوانحی خاکہ	●
102	عروہ بن زبیر	●
102	امام شعبی	●
102	وہب بن منبہ	●
103	عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری	●
103	محمد بن مسلم بن شہاب زہری	●
103	یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق الشقی	●
104	موسیٰ بن عقبہ الاسدی	●
104	ہشام بن عروہ بن زبیر	●
104	محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی	●
105	عمر بن راشد الازدی	●
105	عبدالرحمن بن عبدالعزیز الاوسی	●
105	محمد بن صالح بن دینار التمار	●
105	ابومعشر نجیح المدنی	●
106	عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن المحزومی	●

106 عبد الملک بن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم انصاری	•
106 علی بن مجاہد الرازی الکندی	•
106 زیاد بن عبد اللہ بن الطفیل البرکائی	•
107 سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری	•
107 ابو محمد یحییٰ بن سعید بن ابان الاموی	•
107 ولید بن مسلم القرشی	•
107 یونس بن بکیر	•
108 محمد بن عمرو الواقدی الاسلمی	•
108 یعقوب بن ابراہیم الزہری	•
108 عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری	•
108 عبد الملک بن ہشام الحمیری	•
109 علی بن محمد المدائنی	•
109 عمر بن شبہ البصری	•
109 محمد بن عیسیٰ ترمذی	•
109 ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم	•
110 ابو بکر احمد بن خیرمہ	•
110 محمد بن عائد دمشقی	•
111 کتب سیرت	•

111	روض الانف	●
111	سیرت دمیاطی	●
111	سیرت خلاطی	●
111	سیرت گازرونی	●
112	سیرت ابن ابی طے	●
112	سیرت مغلطائی	●
112	شرف المصطفیٰ	●
112	شرف المصطفیٰ	●
112	اکتفانی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثة	●
112	سیرت ابن عبدالبر	●
113	عیون الاثر	●
113	نور النبر اس فی سیرت ابن سید الناس	●
113	سیرت منظوم	●
113	مواہب لدنیہ	●
113	زرقانی علیٰ المواہب	●
114	سیرت حلبی	●
114	مدارج النبوة	●
114	صحت ماخذ	●
116	تاریخ سیرت پر ایک اجمالی نظر	●

جزیرۃ العرب

123	
125 عرب کی وجہ تسمیہ
125 جغرافیہ
126 عرب کے اقوام و قبائل
127 بنو قحطان
127 قبائل قضاء
128 قبائل کہلان
128 قبائل ازد
129 یہود
129 عرب کی قدیم حکومتیں
130 عرب اور تہذیب و تمدن
132 عرب کے مذاہب
134 عقیدہ توحید اور عرب
135 نصرانیت، یہودیت اور مجوسیت
136 اہل عرب اور مذہب حنفی
138 عرب مذاہب میں بے اعتدالیاں
139 اہل عرب کی خصوصیات
140 فراست و ذہانت

- 142 اہل عرب کی قوت حافظہ ●
- 144 اہل عرب کی سخاوت و فیاضی ●
- 146 اہل عرب کی شجاعت ●
- 147 اہل عرب کی شان و فائے عہد ●
- 150 اہل عرب کی غیرت و حمیت ●
- 151 اہل عرب کی لغو عادات ●
- 153 مقتول کی دیت ●
- 154 معاقرہ ●
- 155 چراگا ہوں پر اجارہ داری ●
- 155 عرب میں شادی بیاہ کے طریقے ●
- 158 بچیوں کو زندہ درگور کرنا ●
- 161 کعبہ معظمہ اور اس کے معمار ■
- 163 معمار کعبہ ●
- 165 حضرت ابراہیم علیہ السلام ●
- 166 نمرود سے مکالمہ ●
- 168 بت نہیں بولتے ●
- 170 آتش کدہ یا گل کدہ ●
- 171 حضرت اسماعیل علیہ السلام ●

173 حضرت اسماعیل کی قربانی	●
174 ذبح کون تھا؟	●
179 حضرت اسماعیل کا نکاح اور باپ کی وصیت	●
180 خانہ کعبہ کی تعمیر	●
183 کعبہ کی تولیت	●
183 غلاف کعبہ	●
183 زینت کعبہ	●
184 مکہ مکرمہ	●
188 زم زم کا سراغ	●
191 اصحاب فیل کا واقعہ	●
199	شب میلاد اور عجائب قدرت الہی کا ظہور	■
203 آمد رسول کی بشارات و پیشین گوئیاں	●
205 دشمنان اسلام اور مستشرقین کے نظریات و تحقیقات پر تنقیدی نظر	●
212 حکمرانوں کی نوید و خوشخبریاں	●
217 ہرقل نے بعثت نبوی کا ستارا دیکھا	●
218 سلمان الفارسی	●
225	توریت و انجیل وغیرہ سے بشارتیں	■
231 زبور کی بشارتیں	●

- 233 صحائف انبیاء میں ذکر جمیل ●
- 235 صحیفہ ابراہیم میں ذکر جمیل ●
- 235 کتاب حقوق میں ذکر جمیل ●
- 237 صحیفہ شعیا میں ذکر جمیل ●
- 242 بشارات پر مشتمل مزید چند روایات ●
- 242 یوشع یہودی کا قول ●
- 243 وسیلہ حضور سے فتح کی دعا ●
- 243 کتب سابقہ میں حضور کے اوصاف ●
- 244 زید بن عمرو کی تلاش ●
- 245 ایک یہودی کا قبول اسلام ●
- 245 تبع حمیری کا قبول اسلام ●
- 247 ایک یہودی کے خط میں حضور کا تذکرہ ●
- 247 قبائل یہود کا حسد و عناد ●
- 247 عبداللہ بن سوریہ یہودی سے حضور کی گفتگو ●
- 248 طلحہ بن عبید اللہ کی متابعت ●
- 249 انبیائے کرام علیہم السلام کی تصاویر ●
- 250 دو یہودیوں کی عداوت ●
- 251 مخیر لیق یہودی کی وصیت ●

253	آیات قرآنیہ در ثنائے مصطفیٰ	■
255 حضور کی رسالت عامہ	●
258 وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا	●
260 حضور انور اللہ کی دلیل ہیں	●
261 دعائے ابراہیم	●
261 فائدہ	●
264 محبت خداوندی اور اتباع رسول	●
273 خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ	●
277 فائدہ	●
278 انشراح صدر و رفعت ذکر	●
281 نور مصطفیٰ ﷺ	●
288 بشریت مصطفیٰ ﷺ	●
289 فائدہ	●
290 فائدہ	●
291 حضور انور حاضر و ناظر ہیں	●
294 فائدے	●
295 حضور کی حفاظت و صیانت کا خدائی وعدہ	●
296 حضور کی تعظیم و توقیر	●

301	علم غیب مصطفیٰ ﷺ	●
304	معراج مقدس	●
312	فائدہ	●
314	شفاعت مصطفیٰ ﷺ	●
318	بیعت نبی بیعت خدا	●
320	امت پر حضور کی شفقت و رحمت	●
323	اطاعت رسول اطاعت خدا	●
325	شان اقدس میں تنقیص و گستاخی کا حکم	●
327	انبیاء کرام پر حضور کی افضلیت	●
330	انبیاء کرام سے عہد و میثاق	●
332	خلق عظیم	●
333	حیات اقدس کی قسم	●
334	ساجدین میں حضور کا دورہ فرمانا	●
337	حضور کے تشریحی اختیارات	●
338	مالک کوثر ﷺ	●
342	درود کا حکم اور اس کا مقصد	●
343	فائدے	●
344	پورا قرآن حضور کی نعت ہے	●

349	سرور کونین ﷺ کے فضائل و کمالات احادیث کی روشنی میں
351 خاندانی شرافت
352 اولاد آدم میں سب سے مکرم
352 خزان ارض کی کنجیاں حضور کے قبضے میں
353 حضور پر مخصوص انعامات الہیہ
354 دعائے ابراہیم و نوید عیسیٰ
355 ساق عرش پر حضور کا اسم مبارک
355 سراپائے اقدس
359 جسم اطہر کی نظافت و پاکیزگی
359 فہم و ذکاء
362 فصاحت و بلاغت
364 حضور کی شرم و حیا
365 حضور کی شان تو اضع
367 وفائے عہد
368 صلہ رحمی
369 حضور کی صداقت و امانت اور عفت و پاک دامنی
372 روزانہ کے معمولات
373 خشیت الہی

- 374 حضور کی شان استغفار و توبہ ●
- 376 استغفار کی حکمتیں ●
- 377 حضور کی شان عدل ●
- 378 حضور کا وقار و ہیبت ●
- 380 حضور کا ظاہری حسن و جمال ●

383 نسب پاک سید لولاک ﷺ ■

- 385 خاندانی شرافت ●
- 386 نسب کی صحت ●
- 389 انتخاب باری تعالیٰ ●
- 391 حضور افضل ترین قبیلہ میں پیدا ہوئے ●
- 393 نفس میں سب سے بہتر جان حضور ●
- 395 حضور کا نسب و سبب غیر منقطع ہے ●
- 397 حضور سے قرابت کا نفع ●
- 397 اکیس پشت تک نسب شریف ●
- 398 حضور افضل خاندان میں تشریف لائے ●

401 قریش کے فضائل و مناقب ■

- 403 قریش ●
- 403 ہاشم ●

- 404 عبد المطلب ●
- 406 اصحاب فیل کا واقعہ ●
- 407 حضرت عبد اللہ ●
- 410 قریش کی خلافت و امامت ●
- 413 قریش کی خصوصیات ●
- 415 قریش برکت کے درخت ہیں ●
- 417 قریش صاحب عزت ہیں ●
- 418 بنی ہاشم کی تعظیم و تکریم ●
- 418 قریش کی شجاعت و شرافت ●
- 420 قریش کی امانت و دیانت ●
- 421 بنی ہاشم و قریش کی چار خصلتیں ●
- 421 قریش کی عورتیں نیک ہیں ●
- 422 عرب غیر عرب کے کفو نہیں ●
- 422 قریش قیامت میں آگے ہوں گے ●
- 422 روز قیامت حضور سے قریب تر قریش ہوں گے ●
- 423 روز قیامت ترجیح قریش کو ہوگی ●
- 424 خلافت کے لیے قریشیت شرط ہے ●
- 430 خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی ●

435

استقرار نطفہ زکیہ و مدت حمل

439

..... استقرار نطفہ کی تاریخ و دن ●

440

..... انبیاء کرام کے نطفے ●

441

..... مدت حمل ●

443

ولادت طیبہ

446

..... ایک یہودی کی پکار ●

447

..... شام کے محلات روشن ہو گئے ●

448

..... مقامات متبرکہ کی سیر ●

449

..... محمد نام رکھنے کی بشارت ●

449

..... آمنہ کا خوف زائل ہو گیا ●

450

..... آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ●

451

..... جس کے سجدے کو مخراب کعبہ جھکی ●

452

..... حضور ختنہ شدہ پیدا ہوئے ●

453

..... حیرت انگیز نشانیاں ●

453

..... حضرت آمنہ کی وفات ●

454

..... اللہ اللہ وہ بچنے کی پھبن ●

455

..... ولادت اقدس کی تاریخ و تفصیل ●

458

..... فائدہ ●

- 460 ۱۲ ربیع الاول میں اظہار مسرت کا حکم ہے ●
- 460 ولادت کی خوشی سے ابولہب کو فائدہ ہوا ●
- 461 ذکر میلاد مبارک ●
- 462 حضور اللہ کی نعمت ہیں ●
- 463 تعظیم حضور کا حکم مطلق ہے ●
- 463 مجلس میلاد میں حضور تشریف فرما ہوتے ہیں ●
- 464 ربیع الاول مسرت کا مہینہ ہے ●
- 465 ذکر نبی ذکر خدا ہے ●
- 466 ماہ ربیع الاول میں ولادت کی حکمت ●
- 467 مقامات انبیاء کی سیر ●
- 467 ابولہب کے عذاب میں تخفیف ●
- 468 وقت ولادت نور کی تابانی ●
- 469 وقت ولادت رضوان کی بشارت ●
- 470 محمد و احمد نام رکھنے کی بشارت ●
- 471 ایک راہب کا استفسار ●
- 471 بشارت میلاد الرسول ●
- 472 ولادت اقدس سے قبل شہادت ایمان ●
- 474 مقوقس شاہ مصر کی تصدیق ولادت ●
- 475 میلاد النبی پر خاص تارے کا طلوع ●

- 475 یہودی علماء کے ہاں ذکر ولادت ●
- 476 احبار کی زبان پر حضور کا تذکرہ ●
- 476 اہل یثرب کو میلاد النبی کی بشارت ●
- 477 یوشع کی زبان پر ذکر ولادت ●
- 477 شب ولادت ایک یہودی کا تجسس ●
- 478 میلاد مبارک کے موضوع پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ایک تقریر ●
- 478 حضور اسم اللہ ہیں ●
- 479 حضور ہادی ہیں ●
- 480 اقسام کلمہ سے حضور کی توصیف ●
- 481 حضور اصل کمال ہیں ●
- 482 حضور قاسم نعمت ہیں ●
- 482 حروف جر سے حضور کی توصیف ●
- 483 اول و آخر ظاہر و باطن ●
- 484 حضور کی حقیقت صرف خدا جانتا ہے ●
- 486 خواب و بیداری میں حضور کی زیارت ●
- 486 حضور آئینہ خدا ساز ہیں ●
- 487 حضور آفتاب حقیقت ہیں ●
- 487 اسم اقدس سے تعریف ●
- 488 حضور رب کی تجلی ہیں ●

489 حضور دونوں جہان کی رحمت ہیں	●
491 حضور نعمت اللہ ہیں	●
492 مجلس میلاد مبارک	●
493 ساق عرش پر حضور کا اسم گرامی	●
494 حضرت شیث کو آدم کی وصیت	●
494 میلاد مبارک کی پہلی انجمن	●
495 انبیاء نے مجلس میلاد منعقد کی	●
496 عرش و فرش پر محفل میلاد	●
497 فرشتوں میں میلاد کی خوشی	●
498 اشعار	●
503	شق صدر مبارک	■
506 شق صدر مبارک کتنی بار ہوا	●
507 انشراح صدر مبارک	●
509	اہل فترت اور موحّدین	■
511 اہل عرب کی عبادات	●
514 بعض اہل حق	●
514 قس بن ساعدہ الایادی	●
516 زید بن عمرو بن نفیل	●

- 517 اسعد ابوبکر الحمیری ●
- 518 سیف بن ذی یزن ●
- 520 ورقہ بن نوفل القرشی ●
- 522 اہل فترت کے اقسام ●
- 525 اہل فترت کا حکم اور مذہب اشاعرہ ●
- 526 اشاعرہ کے استدلال پر ماتریدیہ کا نقد ●
- 528 قول اشاعرہ پر اہل فترت کا فرہیں ●
- 528 اہل فترت سے متعلق بعض اشاعرہ کا موقف ●
- 531 اہل فترت سے متعلق ماتریدیہ کا موقف ●
- 532 روز قیامت اہل فترت کا امتحان ●
- 533 زید بن عمرو کی شہادت ایمان ●
- 534 اہل فترت اور حضور کا واسطہ ●
- 535 حضور کے والدین کریمین ■
- 537 حضرت عبداللہ ●
- 538 حضرت آمنہ کی وفات ●
- 539 حضور کے ابوین کا ایمان ●
- 543 حضور بہترین قرن و طبقہ میں پیدا ہوئے ●
- 543 زمین پر سات مسلمانوں کا ہونا ضروری ●

- 545 حضور کے آباء و امہات موحّد تھے ●
- 547 والدین کے موحّد ہونے پر عذاب ابو طالب سے استدلال ●
- 550 عبدالمطلب کے دخول جنت سے استدلال ●
- 553 کافر آباء پر فخر جائز نہیں ●
- 557 مسلم و کافر کے درمیان نسب منقطع ہے ●
- 557 زید بن عمرو کی مغفرت سے استدلال ●
- 558 حضور کے آباء سب سے بہتر تھے ●
- 559 مقام نبوت ●
- 561 تشبیہات باہرہ ●
- 562 زندہ ہونے کے بعد ایمان لائے ●
- 563 آباء و امہات میں کوئی کافر نہ تھا ●
- 564 ایمان ابوین کے مسئلہ میں احتیاط کا تقاضا ●
- 566 ناموں سے ایمان والدین پر استدلال ●
- 573 نجات ابوین کے قائلین علماء و ائمہ ●
- 579 حضرت آمنہ کے اشعار ●
- 581 ایک عالم کا تفکر اور عبرت قاہرہ ●
- 580 حضور کے آباء و امہات اہل توحید ہیں ●
- 583 والدین کریمین کی شفاعت ●
- 584 والدین کریمین زندہ ہو کر ایمان لائے ●

ابوطالب کی کفالت

587

589 آپ کی دعا سے بارش ●

590 ایمان ابوطالب کی بحث ●

594 کفر ابوطالب پر آیات اور مفسرین کا اجماع ●

596 مشرکین کے لیے استغفار جائز نہیں ●

597 ابوطالب کے لیے استغفار کی ممانعت ●

599 ابوطالب ایمان سے دور رہے ●

600 ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ●

606 مرنے کے بعد ابوطالب کو دبا دیا گیا ●

608 ابوطالب کا ترکہ عقیل و طالب کو ملا ●

609 ابو قحافہ کا اسلام اور ابو بکر کا گریہ ●

610 جنتی کھانا کافروں پر حرام ہے ●

612 اللہ و رسول کی مشیت ●

612 کفر ابوطالب پر فقہاء کی عبارات ●

615 کفر ابوطالب پر چند روایات ●

618 اقسام کفر اور کفر ابوطالب ●

621 چچا کو باپ کہنا عرب کی عادت ہے ●

622 ایک روایت کی تاویل ●

- 624 اسلام ابوطالب کی روایات صحیح نہیں ہیں ●
- 627 کفر ابوطالب پر علماء کا اجماع ہے ●
- 629 رافضیوں کے شبہ کا جواب ●
- 630 ابوطالب کا خاتمہ کفر پر ہوا ●
- 630 دنیاوی محبت دلیل ایمان نہیں ●
- 632 ابوطالب کے عدم ایمان میں حکمتیں ●
- 634 صرف مدح و نعت سبب اسلام نہیں ●
- 635 ابوطالب نے اپنے بیٹوں کو ایمان کی وصیت کی ●
- 637 ایک شبہ کا جواب ●
- 644 ابوطالب کا کفر عام کافروں جیسا نہیں ●
- 645 حضور سے علاقہ کی اہمیت ●
- 646 ابوطالب کا جذبہ حمایت ●
- 647 ابوطالب کا قصیدہ مدیحہ ●
- 650 دعائے استسقاء میں ابوطالب کا شعر پڑھا گیا ●
- 653 اعلان نبوت سے پہلے حضور ﷺ کی چند پاکیزہ سرگرمیاں ■
- 655 سفر شام اور بحیرئ راہب ●
- 656 جنگ فجار ●
- 656 حلف الفضول ●

- 657 ملک شام کا دوسرا سفر ●
- 659 حضرت خدیجہ سے نکاح ●
- 661 مخصوص احباب ●
- 662 غیر معمولی کردار ●
- 665 کعبہ شریف کی تعمیر ■
- 668 کعبہ کتنی بار تعمیر کیا گیا ●
- 670 مصلحت کے باعث حضور نے تعمیر کعبہ نہیں فرمائی ●
- 672 کعبہ کا قندیل ●
- 673 مسجد حرام کی توسیع کے لیے جنت کی ضمانت ●
- 675 وحی کا بیان ■
- 677 وحی کی ابتدا ●
- 678 غار حرا میں خلوت گزینی ●
- 679 تنبیہ ●
- 679 نزول جبریل اور پہلی وحی ●
- 680 جبریل کے دبانے میں حکمت ●
- 680 ما انا بقاری، امیت پر محمول ہے ●
- 681 وضو اور نماز کی تلقین ●
- 682 حضور کا اضطراب اور خدیجہ کا تسلی دینا ●

- 682 حضور ورقہ بن نوفل کے پاس ●
- 684 وحی کے مراتب ●
- 687 جبریل کی آمد ●
- 687 وحی کی کیفیت ●
- 688 پہلی وحی اور نماز ●
- 690 مختلف انداز میں جبریل کی آمد ●
- 693 وحی کی تاخیر پر کافروں کو رب کا جواب ●
- 695 دعوت اسلام کے تین دور ■
- 697 پہلا دور ●
- 698 دوسرا دور ●
- 698 تیسرا دور ●
- 699 رحمت عالم پر ظلم و ستم ●
- 701 چند شریر کفار ●
- 702 مسلمانوں پر مظالم ●
- 706 کفار کا وفد بارگاہ رسالت میں ●
- 707 قریش کا وفد ابوطالب کے پاس ●
- 709 ہجرت حبشہ ■
- 711 نجاشی ●

- 712 کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں ●
- 714 نجاشی کا اسلام اور نماز جنازہ ●
- 718 تلک الغرائق العلیٰ کی بحث ●
- 722 حبشہ کی طرف دوسری ہجرت ●
- 725 شعب ابی طالب و جنات کی آمد و بیعت ■
- 729 غم کا سال ۱۰ نبوی ●
- 729 حضرت خدیجہ الکبریٰ کی وفات ●
- 730 طائف کا سفر ●
- 732 قبائل میں تبلیغ اسلام ●
- 734 جنات کی آمد و بیعت ●
- 737 جنات کی خوراک ●
- 738 جن سب سے پہلے نماز فجر میں آئے ●
- 738 لیلة الجن میں وضو ●
- 739 ہجرت سے قبل مدینہ میں آفتاب رسالت کی ضیاء پاشیاں ■
- 742 مدینہ میں اسلام کیوں کر پھیلا ●
- 743 بیعت عقبہ اولیٰ ●
- 744 بیعت عقبہ ثانیہ ●

747

ہجرت مدینہ

749

..... کفار کا نفرنس ●

751

..... ہجرت رسول کا واقعہ ●

753

..... کاشانہ نبوت کا محاصرہ ●

754

..... اے شہر مکہ! ●

754

..... تاجدار کائنات غار ثور میں ●

756

..... سوانٹ کا انعام ●

757

..... ام معبد کی بکری ●

757

..... سراقہ کا گھوڑا ●

759

..... شہنشاہ رسالت مدینہ میں ●

760

..... سرور عالم کلثوم بن ہدم کے مکان میں ●

760

..... مسجد قباء ●

761

..... مسجد الجمعة ●

763

..... ابو ایوب انصاری کا مکان ●

765

..... بیر رومہ کے بدلے میں عثمان نے جنت خریدی ●

766

..... فرضیت جمعہ ●

767

..... سب سے پہلا جمعہ ●

767

..... ہجرت سے حضور کی تخصیص ●

- 768 بہترین ہجرت ●
- 768 ہاتف نے ہجرت کی خبر دی ●
- 770 حضرت شعبا اور حضور کی ہجرت ●
- 770 کعب احبار کو ہجرت اقدس کی اطلاع ●
- 771 احبار کی زبان پر ہجرت رسول کا تذکرہ ●
- 772 حضرت حاطب کی حاضر جوابی ●
- 772 عبداللہ بن سلام کا اظہار خوشی ●
- 773 خاتم المہاجرین ●
- 773 حضور کی آمد اور اہل مدینہ کا اظہار مسرت ●
- 774 غار ثور میں صدیق کی جاں نثاری ●
- 776 اشعار ●
- 777 مسجد نبوی اور اس کی تعمیر ■
- 780 ازواج مطہرات کے مکانات ●
- 780 مہاجرین کے گھر ●
- 781 منبر شریف ●
- 784 منبر رسول کا مقام ●
- 786 مسجد نبوی کی مشعلیں ●
- 787 زمانہ ولید میں تعمیر اور قدم مبارک کا ظاہر ہونا ●

- 787 مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ●
- 788 مسجد نبوی میں نماز کا ثواب ●
- 788 مسجد نبوی کا طول و عرض ●
- 790 مسجد نبوی کی تعمیر حضور نے فرمائی ●
- 790 مسجد نبوی کے تین دروازے تھے ●
- 791 حضرت عثمان نے مسجد نبوی میں توسیع کی ●
- 792 منبر رسول اور اس کا احترام ●

795 اذان کی ابتداء ■

- 799 عبداللہ بن زید نے خواب میں اذان دیکھی ●
- 801 پہلی اذان ●
- 802 نوار کے گھر کی چھت پر اذان ●
- 802 سفر میں اذان ●
- 803 حضور کی اذان ●
- 805 حضور کو اذان کی تعلیم ●

807 حضور علیہ السلام کا یہودیوں سے تاریخی معاہدہ ... ■

- 815 انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات ●
- 817 مہاجرین کے درمیان عقد مواخات ●
- 818 نماز کی رکعتوں میں اضافہ ●

- 818 عبداللہ بن زبیر کی پیاداش ●
- 818 تحویل قبلہ ●
- 821 جہاد و قتال کا حکم ■
- 827 عدم قتال کا حکم منسوخ ہے ●
- 832 حکم جہاد ●
- 834 جہاد فرض کفایہ ہے ●
- 834 قتال کا صریح حکم ●
- 836 جہاد میں کافروں سے مدد لینے کی ممانعت ●
- 838 جہاد میں کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت ●
- 839 حضور نے جہاد میں مشرکین سے مدد نہیں لی ●
- 841 استعانت کی بعض روایات کا حال ●
- 844 صفوان بن امیہ سے استعانت کے روشن جواب ●
- 846 استعانت ذمی سے جائز حربی سے حرام ●
- 847 ذمی کتابی سے استعانت جائز مشرک سے حرام ہے ●
- 849 اقسام استعانت اور ان کے احکام ●
- 850 مسخر کافر سے استعانت جائز ہے ●
- 851 استعانت کے جواز و عدم جواز کے پہلو ●
- 851 استخدا م کی چار صورتیں اور ان کے احکام ●

- 852 کافر کو محرری پر نوکر رکھنے کی ممانعت ●
- 854 کافر کی تعظیم حرام ہے ●
- 855 مقہور کافر سے صرف استعانت جائز ہے ●
- 856 کافر سے استعانت کا ایک اور جواب ●
- 857 جہاد کے اقسام ●
- 858 منافقین کو مسجد سے نکال دیا گیا ●
- 858 کفار و منافقین پر سختی کا حکم ●
- 860 ۸۰/۱۸۰ جی قیدی ●
- 860 جہاد ذریعہ رزق ہے ●
- 861 رسول جہاد ●
- 863 اشعار ●
- 865 غزوات نبوی ﷺ ■
- 867 غزوہ اور سریہ کی تعریف ●
- 867 غزوات و سرایا کی تعداد ●
- 872 سریہ حمزہ ●
- 872 سریہ عبیدہ بن الحارث ●
- 873 سریہ سعد بن ابی وقاص ●
- 873 غزوۃ البواء ●

- 875 غزوہ بواط ●
- 875 غزوہ صفوان ●
- 875 غزوہ ذی العشرہ ●
- 876 سریہ عبداللہ بن جحش ●
- 877 اسلامی جنگوں میں مقتولین کی تعداد ●

883

غزوہ بدر ■

- 886 غزوہ بدر کب ہوا ●
- 886 مسلمانوں کی تعداد ●
- 887 مسلمانوں کا سامان حرب ●
- 887 کفار کی تعداد ●
- 888 غزوہ بدر کا سبب ●
- 889 خدا کا وعدہ ●
- 892 مدینہ کو واپسی ●
- 893 مردوں سے کلام فرمانا ●
- 893 ضروری تنبیہ ●
- 894 شہدائے بدر ●
- 895 دونوں لشکر کا موازنہ ●
- 895 مجاہدین بدر کے فضائل ●

- 895 بدر کی غنیمت میں عثمان کا حصہ ●
- 896 حضور نے مشرک سے مدد نہیں لی ●
- 898 کفار کی لاشوں سے خطاب ●
- 902 فرشتوں کی مدد ●
- 902 بدر میں کفار کے مقام موت کی نشان دہی ●
- 903 اشعار ●
- 904 غزوہ بنی قینقاع ●
- 905 غزوہ سولق ●
- 906 ۲ھ کے متفرق واقعات ●
- 907 غزوہ احد ■
- 909 غزوہ احد کا سبب ●
- 911 مدینہ پر چڑھائی ●
- 911 مسلمانوں کی تیاری اور جوش ●
- 912 یہود کی امداد ٹھکرادی ●
- 913 بچوں کا جوش جہاد ●
- 914 شہدائے کرام ●
- 915 قبور شہداء کی زیارت ●
- 915 حضرت طلحہ کا کارنامہ ●

- 916 حضور نے یہود سے مدد نہیں لی ●
- 916 شہدائے احد کی تدفین کا حکم ●
- 917 شہدائے احد پر سلام و دعا ●
- 918 شہداء سلام کا جواب دیتے ہیں ●
- 919 حضرت حمزہ کی شہادت اور نماز جنازہ ●
- 921 حضرت حمزہ کا مقام معرفت ●
- 921 حضرت حمزہ دافع بلا ہیں ●
- 921 حضور ﷺ، مصعب بن عمیر کی قبر پر ●
- 922 غزوہ غطفان ●
- 924 ۳ھ کے واقعات متفرقہ ●

925 ہجرت کا چوتھا سال ■

- 927 سریہ ابو سلمہ ●
- 927 سریہ عبداللہ بن انیس ●
- 927 حادثہ رجب ●
- 931 حضرت خبیب کی قبر ●
- 931 حضرت زید کی شہادت ●

933 واقعہ ہیر معونہ ■

- 936 رؤسائے نجد کے نام حضور ﷺ کا مکتوب گرامی ●

- 937 حرام بن ملحان کی شہادت ●
- 938 عامر بن طفیل کی امداد طلبی ●
- 939 اصحاب معونہ کے رہبر ●
- 940 حضرت منذر کی شہادت ●
- 940 اکعب بن زید ●
- 941 شہدائے معونہ کی حضور نے خبر دینی ●
- 942 پیر معونہ کے اصحاب قراء تھے ●
- 942 انصار و مہاجرین ●
- 943 قنوت نازلہ ●
- 945 غزوة بنو نضیر ■
- 950 ازواج مطہرات کا نفقہ ●
- 951 بدر صغریٰ ●
- 951 ۳ھ کے متفرق واقعات ●
- 955 غزوة ذات الرقاع ■
- 958 ایک اعرابی کی شرارت ●
- 958 حضرت جابر کی شادی ●
- 959 حضرت جابر کا اونٹ ●



کلمہ الناشر

از: مناظر اہل سنت، ماہر رضویات، علامہ عبدالستار ہمدانی ”مصروف“ برکاتی، نوری
بانی: مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، پور بندر۔ گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، کنز الکرامت، امام اہل سنت، مجدد دین و ملت، امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات ایک ایسی جامع اور مانع شخصیت ہے کہ جن کی خصوصیات اور مہارت علم و فن دیکھ کر اہل علم و ادب و فن انگشت بدنداں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم و اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان پر خاص فضل و کرم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں قلم کا ایسا شہسوار بنایا تھا کہ ان کے قلم کی جولانی کے سامنے بڑے بڑے ماہرین فن دم بخود تھے۔ امام احمد رضا محقق بریلوی نے جس کسی بھی علم و فن پر قلم چلایا، نوک قلم سے جلالت علم و فن کے دریا بہتے نظر آئے ہیں۔ وہ علوم و فنون کے عام طور پر جن سے ایک عالم دین کو بہت کم تعلق ہوتا ہے بلکہ مس تک نہیں ہوتا جن علوم و فنون کا اکثر دنیوی امور سے تعلق ہوتا ہے، ایسے علوم و فنون میں جب امام احمد رضا نے خامہ آرائی کی ہے، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا آپ نے پوری زندگی ان ہی علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے میں صرف فرمائی ہے۔ لیکن جب ہم ان کی سوانح حیات کا جائزہ لیتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی بھی ان علوم کے سیکھنے کی طرف التفات نہیں فرمایا ہے۔ کیوں کہ آپ کے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ اگر صرف ایک علم یا فن سیکھنے کی بات ہوتی تو شاید وقت نکالنا ممکن ہوتا لیکن یہاں امر واقعہ تو یہ ہے کہ آپ صرف ایک، دو یا پانچ، سات علوم میں مہارت تامہ نہیں رکھتے تھے بلکہ جہاں تک راقم الحروف کی تحقیق و تدقیق کی سعی بالغہ ہے، آپ کو کل دو سو پندرہ (۲۱۵)

علوم و فنون میں مہارت حاصل تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان علوم و فنون کے ماہرین آپ کے ہم عصر جب ان علوم و فنون میں آپ سے ٹکرائے تو ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے زانوئے ادب تہہ کرتے ہوئے نظر آئے۔ بلکہ بعض علوم و فنون جو پردہ گمنامی میں مستور ہو کر قریب الفنا ہو چکے تھے، ان علوم و فنون کو آپ کے قلم حیات بخش نے نئی زندگی بخشی بلکہ جدید اصول و قوانین سے مرصع و آراستہ فرما کر نئی زینت و رعنائی سے مزین فرمایا۔ عہد قدیم سے کچھ علوم و فنون کے تعلق سے جو قوانین و ضوابط رائج تھے، اور صرف انہیں اصول و ضوابط کے دائرہ میں محدود رہ کر ان علوم و فنون سے صحیح استفادہ نہیں کیا جاسکتا تھا، آپ نے ان اصول و ضوابط میں حذف و اضافہ کر کے جدید اصول و ضوابط مرتب فرما کر ان علوم و فنون کو عام فہم اور نفع بخش بنا کر ان کو بھی اپنا مرہون منت بنایا۔

یہاں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ان تمام علوم و فنون کے تعلق سے سیر حاصل گفتگو کی جائے۔ حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ آپ تقریباً دو سو پندرہ (۲۱۵) علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور ان تمام علوم و فنون کو آپ نے علم دین کا خادم بنا کر ان سے خدمت دین حاصل کی ہے اور دقیق علمی مسائل کو سہل و آسان بنانے کے لیے ان علوم و فنون سے استفادہ فرمایا ہے۔ جس کا صحیح اندازہ آپ کی ایک ہزار سے زائد تصانیف جلیلہ کے مطالعہ سے آجائے گا۔

ناظرین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر ذیل میں چند علوم و فنون کے اسماء مع انگریزی نام درج ہیں:

- | | |
|--------------------------------|--------------------------|
| ● علم نجوم و زیجات = Astronomy | ● علم ہندسہ = Geometry |
| ● علم تصوف = Theology | ● علم توحیت = Epherieris |
| ● علم منطق = Logic | ● علم فلسفہ = Philosophy |
| ● علم اکسیر = Alchemy | ● علم کیمیا = Chemistry |
| ● علم اخلاقیات = Ethics | ● علم حرکت = Dynamics |

- علم ہیئت = Astrophysics
- علم سلوک = Mysticism
- علم حیوانات = Zoology
- علم معدنیات = Minerology
- علم الاعداد = Numberology
- علم نباتات = Botany
- علم زائچہ و زائرچہ = Horoscopology
- علم ادویات = Pharmacy
- اقلیدس = Euclid
- علم رمل = Augury
- علم جنسیات = Temperament of science وغیرہ وغیرہ
- علم موسمیات = Meteorology
- علم نشریات = Entomology
- علم ارضیات = Geology
- علم لوگارثمات = Logarithm
- علم وبائیات = Epidemology
- علم جغرافیہ = Geography
- علم صوتیات = Phonetic
- علم مربعات = Squarology
- علم تکسیر = Arthmetic
- علم حکمت = Reasoning

امام احمد رضا محقق بریلوی کی عبقری شخصیت پر ملت اسلامیہ کا ہر فرد فخر کر سکتا ہے بلکہ اس عظیم ملک بھارت کا سر بھی آپ کی ستودہ صفات شخصیت کی وجہ سے بلند ہے کہ ایسا جامع الکمالات فرد اس دھرتی کا سپوت ہے۔ امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو سمجھنے کے لیے علم و دانش کے ساتھ ساتھ وسیع النظری اور بالغ الفکری درکار ہے۔ وہ علوم و فنون جن پر جمود و تغافل کے دبیز پردے پڑ چکے تھے، جن سے استفادہ کرنا تو درکنار ان علوم و فنون سے تجاہل عارفانہ کا سلوک عرصہ دراز سے ہو رہا تھا اور ان علوم و فنون کو ان کی سنگلاخی کی وجہ سے مایوس ہو کر فراموش کر دیا گیا تھا، ان علوم و فنون میں آپ نے جدید قوانین، اصول اور ضوابط کے وہ لہلہاتے گل کھلائے کہ آنے والی نسل ہمیشہ آپ کی مربون منت رہے گی۔

بے شک امام احمد رضا محقق بریلوی ایک مذہبی پیشوا تھے، عالم تھے، محدث تھے، فاضل تھے، مفسر تھے،

محقق تھے، اذیب تھے، فقیہ تھے، حافظ تھے، مجدد تھے، ان وجوہات کی بناء پر اسلامیات میں آپ کا ماہر ہونا لازمی اور ضروری تھا۔ قرآن و حدیث آپ کے خاص عنوان و موضوع (Subject) تھے۔ لیکن دیگر دنیوی علوم و فنون جو عام طور سے کالجوں اور یونیورسٹیوں تک محدود ہیں اور مذہبی ذہنیت رکھنے والے اکثر و بیشتر لوگوں کو ان علوم و فنون سے دور کا واسطہ تک نہیں ہوتا۔ ایسے علوم و فنون میں امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے علم و عرفان کے ایسے دریا بہائے ہیں کہ ہر ایک کو اس میں چارونا چار غوطہ زن ہونا پڑتا ہے۔

امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ۲۱۵ علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے، یہ راقم الحروف کا صرف دعویٰ نہیں بلکہ دلیل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔ راقم الحروف کی تصنیف ”خزینۃ العلم فی تصانیف المجدد الاعظم“ جو تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں امام احمد رضا محقق بریلوی کے ان ۲۱۵ علوم و فنون میں مہارت تامہ کا بیان، نیز آپ نے ان علوم و فنون کے تعلق سے اپنی کس تصنیف میں بحث کی ہے، اس کی تفصیل ملاحظہ فرما کر یقیناً آپ انگشت بندھاں ہو جائیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان علوم و فنون میں آپ کی مہارت کا جب یہ عالم ہے، تو قرآن و حدیث و فقہ جو آپ کے خاص عنوان و موضوع (Subject) تھے۔ ان میں آپ کی مہارت کا کیا عالم ہوگا؟

المختصر! امام احمد رضا محقق بریلوی نے منصب مجددیت کی شایان شان خدمت دین میں جو سعی بلیغ فرمائی ہے، اس کی نظیر نہیں۔ خصوصاً ملت اسلامیہ کے بھولے بھالے مسلمانوں کے ایمان و عقائد و اعمال کے تحفظ اور اصلاح کے سلسلہ میں آپ نے جو قلمی خدمات انجام دی ہے وہ فقید المثال ہے۔

اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان رفیع کا پرچم بلند کرنے کے لیے آپ نے نادر زمن جو رشحات قلم صفحہ قرطاس پر منقش فرمائے ہیں، وہ ملت کے لیے عظیم سرمایہ ایمان ہیں۔ اور جو محبت و عقیدت کے گلہائے تروتازہ سے گلستان قلب و جگر میں رنگت و مہک بسائی ہے، انھیں عہد خزاں کے تیز و تند

جھونکے بھی کسی قسم کی ضرر رسانی سے عاجز و قاصر رہیں گے۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں کے رد میں کلک رضا کی جولانیاں آج بھی اپنی آب و تاب کے ساتھ غالب و منصور کی حیثیت سے ایسی مسلط ہیں کہ مخالفین کو دم مارنے کی جگہ نہیں۔ قرآن و حدیث سے غلط استدلال کر کے توہین رسول کا زہرا گلنے والے باطل گروہ کے رد میں آپ نے دلائل و براہین کی مدد بہتات جاری فرمائی کہ ایک صدی کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی دلائل رضا کا جواب دینے سے تمام فرقہ باطلہ کے قلم کار مبہوت و ساکت ہیں۔ وہابی، دیوبندی جماعت کے مناظر آنجہانی مولوی عبدالوفا شاہ جہاں پوری کا ایک قول یاد آتا ہے کہ انھوں نے کلک رضا کی جولانی کی تاب نہ لاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا تھا :

”مولانا احمد رضا بریلوی جب کسی معاملہ یا مسئلہ میں دلیل دینے پر آتے ہیں تو اتنی دلیلیں پیش کرتے ہیں کہ دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں، ہم کہاں تک ان کی دلیلوں کا جواب دیں۔“

خیر! امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی دلیلوں کا جواب دینے سے قاصر باطل گروہ نے عوام الناس کو مغالطہ دینے کی فاسد غرض سے یہ غلط پروپیگنڈہ برپا کر رکھا ہے کہ:

”مولانا احمد رضا نے مختلف اسلامی عناوین پر چاہے بہت کچھ لکھ ڈالا ہو لیکن انھوں نے سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کچھ بھی نہیں لکھا۔“

حالاں کہ یہ ان کا بیجا وادویلا ہے۔ دلائل کے میدان سے راہ فرار اختیار کرنے والے بزدلوں نے شرم سے ڈوب مرنے کے بجائے کچھڑا چھالنے کا شیوہ اختیار کیا ہے۔

اگر ان افترا پردازوں میں ذرہ برابر بھی غیرت ایمانی ہوتی تو وہ اس حقیقت سے قطعاً روگردانی نہ کرتے کہ امام احمد رضا محقق بریلوی نے جو کچھ بھی لکھا ہے، چاہے وہ نظم و نثر ہو یا فقہ و تفسیر، وہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہی ہے۔ سیرت کا لغوی معنی وصف بیان کرنا ہے۔ آپ ذرا امام

احمد رضا محقق بریلوی کی تصانیف کا بنظر عمیق جائزہ لیں گے تو یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح سامنے آجائے گی کہ امام احمد رضا کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصف بیان کرنے میں ہی بسر ہوا ہے۔ ولادت عظیمہ، خلق جمیل، خلق عظیم، ایام طفلی کے فقید المثال حالات و واقعات، عالم شباب میں صادق الایمنی پزیرائی، معاشی، معاشرتی، تجارتی، سماجی، ازدواجی، رواجی، ثروتی، انفرادی، اجتماعی، قومی اور مذہبی زندگی، جسم اقدس کا حسن و جمال، اخلاق کریمہ، تواضع و انکساری، تحمل و بردباری، صبر و رضا، جود و سخا، عبادت و ریاضت، شجاعت و جواں مردی، اختیارات و تصرفات، معجزات و خرق عادات و واقعات، علم ماکان و ما یکون، بے سایہ جسم اقدس، نوری بشریت، دور رس نگاہیں، مجاہدانہ زندگی، اعلائے کلمۃ الحق میں سعی بلیغ، بلا خوف لومۃ لائم حق گوئی، بالمؤمنین رءوف و رحیم کا وصف، اشد علی الکفار کی ہیبت، نصرت و رعب کا کمال، شان جلال و جمال کی رعنائیاں، ختم نبوت کا فضل، سید الانبیاء و المرسلین کا وصف، وحی خدا کی حامل لسان فیض ترجمان، کن کی کنجی والی زبان اقدس کی نافذ حکومت، سر عرش پر قدم ناز کا گزر، دل فرش پر نظر، کوئی ان سا ہوانہ ہوگا کی بے مثالی وغیرہ اوصاف جلیلہ، رفیعہ، عالیہ، بالغہ، جمیلہ، ساطعہ، قاطعہ، قطعہ، عظیمہ کے دل نشین بیان میں ارقام شدہ نادر زمن تصانیف اس بات کی شاہد عادل ہیں کہ حضرت رضا صرف اور صرف اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف میں ہی ہمہ وقت محو تھے۔

حضرت رضا کی تصانیف مثلاً: ♦ تجلی الیقین ♦ الامن و العلیٰ ♦ سلطنت مصطفیٰ ♦ الدولۃ المکیۃ ♦ اللؤلؤ المکنون ♦ اجلال جبرئیل ♦ فقہ شہنشاہ ♦ المجمل المدد ♦ برکات الامداد ♦ انوار الانتباه ♦ منیر العین ♦ حیات الموات ♦ شمول الاسلام ♦ الزهر الباسم ♦ اسماء الاربعین ♦ نہج السلامہ ♦ بدر الانوار ♦ جزی اللہ عدوہ ♦ جمان التاج ♦ شفاء الوالہ ♦ انباء المصطفیٰ ♦ ابراء المجنون ♦ ازاقۃ الاثام ♦ عروس مملکۃ اللہ ♦ خالص الاعتقاد ♦ سیف مصطفیٰ ♦ المبین ختم

◆ النبیین ◆ العروس الاسماء الحسنیٰ ◆ ظفرالدين المجید ◆ سمع و طاعة لاحادیث
 الشفاعة ◆ صلات الصفاء بنور المصطفیٰ ◆ مالی الجیب بعلوم الغیب ◆ المیلاد النبویة
 ◆ ازاحة العیب بسيف الغیب ◆ منبه المنیہ ◆ النور والضياء ◆ نطق الهلال بارخ
 ◆ نفی الفی ◆ هدی الحیران وغیرہ کتب سیرت النبی پر مشتمل نہیں تو پھر کیا ہیں؟

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ سیرت کا لغوی معنی ہے وصف بیان کرنا، تو جب کسی کی سیرت لکھی جاتی ہے، تب اس امر کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ جس کی سیرت لکھی جا رہی ہے اس کی تعریف و توصیف ہی بیان کی جائے، اگر سیرت نگار بجائے تعریف و توصیف کے توہین و تنقیص کا پہلو اختیار کرے، تو اب اس کا لکھنا فضیلت بیان کرنا نہ رہا بلکہ فضیحت کا تذکرہ ہو گیا۔ ایسی مذموم سیرت نگاری سے لاکھ درجہ بہتر سکوت اختیاری ہے بلکہ واجب ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں اس پر صرف یہی الزام لگے گا کہ اس نے سیرت کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا۔ متہم اور گستاخ ہونے کا بدنام داغ اس کی جیبیں پر ہرگز نہیں لگے گا۔

لیکن ہائے افسوس! امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ صرف اور صرف اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت نگاری میں صرف فرمایا ہے پھر بھی مخالفین ہر وقت یہی سینہ کوبی کرتے ہیں کہ سیرت پر کچھ نہیں لکھا۔ ارے امام احمد رضا محقق بریلوی نے تنہا سیرت پر اتنا لکھا ہے کہ مخالفین کی پوری جماعت کے مصنفین نے مجموعی طور پر اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں لکھا۔

اور جو لکھا ہے..... وہ بھی !!!

ایسا گھناؤنا اور پھوہڑ ہے کہ اس سے لاکھ مرتبہ واجب یہ تھا کہ نہ لکھتے۔ سیرت نگاری کے بہانے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کا پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً :

جس کو وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے متبعین، مایہ ناز مناظر، مسلم امام اور حجۃ الاسلام جیسے القاب سے ملقب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، اس آنجنمانی مولوی عبدالشکور کا کوروی، ناظم شعبہ اردو دارالعلوم دیوبند اور مدیر ماہنامہ ”النجم لکھنؤ“ نے ایک مختصر سا کتابچہ بنام ”مختصر سیرت نبویہ“ لکھا ہے۔ اس کے صفحہ نمبر ۲۲ کی عبارت لفظ بلفظ ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

”لیکن باوجود ان محاسن عقلیہ کے محاسن شرعیہ سے آپ بالکل بے خبر تھے۔ محاسن شرعیہ کی اصل اصول یعنی ایمان باللہ کی حقیقت بھی آپ نہ جانتے تھے۔ قال اللہ تعالیٰ ”ووجدک ضالاً فہدی“ و قال ”ما کنت تدری ما الکتب و لا الایمان“ و قال ”ما کنت تعلمہ انت و لا قومک“ یعنی اور پایا اس پروردگار نے آپ کو راہ سے بے خبر پس ہدایت کی اس نے آپ کو۔ نہیں جانتے تھے آپ کہ کیا چیز ہے کتاب خدا اور نہ جانتے تھے کہ ایمان باللہ کیا چیز ہے۔ نہیں جانتے تھے اس کو آپ اور نہ آپ کی قوم کے لوگ۔

اخلاقی محاسن کے تین جز ہیں۔ تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدن۔ ان تینوں سے آپ قطعاً و اصلاً بے خبر تھے۔ جب آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب الہی کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے تو اور محاسن سے آپ کو کیوں کر آگاہی ہو سکتی ہے۔

کبھی کبھی ایسے کلمات آپ کی زبان سے صادر نہیں ہوئے، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ اپنے لیے اس مرتبہ عظمتی کی امید رکھتے ہیں جو چالیس برس کے بعد آپ کو عنایت ہوا۔“

(مختصر سیرت نبویہ، مصنف: مولوی عبدالشکور کا کوروی، مطبوعہ: عمدة المطابع برقی پریس، لکھنؤ۔ ص ۲۲)

مندرجہ بالا عبارت پر کچھ بھی تبصرہ نہ کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ اس عبارت میں وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے پیشوا آنجنمانی مولوی عبدالشکور کا کوروی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

صریح توہین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!

- آپ چالیس سال کی عمر تک ایمان باللہ کی حقیقت بھی نہ جانتے تھے۔
- آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن کیا چیز ہے۔
- آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہے۔
- آپ اپنے لیے مرتبہ عظمیٰ یعنی نبوت ملنے کی بھی امید نہ رکھتے تھے۔
- جب آپ ایمان، قرآن اور ایمان باللہ کی حقیقت سے ناواقف تھے، تو دیگر محاسن سے بھی آپ کو آگاہی نہ تھی۔
- آپ راہ حق سے بے خبر تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

صرف چونٹھ (۶۴) صفحات پر مشتمل کتاب ”مختصر سیرت نبویہ“ لکھ کر مولوی عبدالشکور کا کوروی نے اپنے کو سیرت نگاروں کی جماعت میں شامل کرانے کی سعی بیجا کی ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر ناخن کٹوا کر سر کٹانے والوں (شہداء) کی فہرست میں نام درج کرانے کی کوشش کی ہے۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ سیرت نگاری کا اصل مقصد وصف بیان کرنے کے بجائے جرح و قدح سے کام لیا ہے۔ ایسی غیر ایمانی اور ناقابل برداشت عبارت لکھنے پر نادم و شرمندہ ہونے کے بجائے الثائان و ہابیوں، دیوبندیوں نے امام احمد رضا محقق بریلوی کے خلاف ”سیرت پر کچھ نہ لکھا“ کا اوویلا مچایا۔ ان میں اگر ذرہ برابر بھی غیرت ایمانی ہوتی تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرتے۔

ارے امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت نگاری کے ذریعہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت، رفعت، وقعت، الفت، محبت، شفقت، شان دیانت، امامت، رسالت، نبوت، معجزات، کرامات، نصرت، قدرت، شجاعت، ہمت، عبادات و ریاضت، خدا سے خوف و خشیت، رحمت و جلالت، انسیت، وجاہت و شفاعت، ملکیت و محبوبیت، آپ کا حسن و جمال، فصیح البیانی کا کمال، دلکش چال ڈھال، آپ کے دربار کی چہل پہل، آپ کا حال و قال، ولادت و وصال، کرم و انضال، عطا و بذل، ذات میں بے مثل، صفات میں بے مثال، شان توکل، عنبری کا کل وغیرہ کا وصف بیان کرنے میں ہی بسر ہوا ہے۔ آپ کے رشحات قلم سے وصف رسول و سیرت نبی کے وہ بیش بہا موتی زینت قرطاس بنے ہیں کہ جن کی چمک، دمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

نیز امام احمد رضا نے سیرت نگاری میں اس امر کا بھی خاص طور پر اہتمام و التزام فرمایا ہے کہ گستاخان رسول کے ذریعہ توہین رسول کے لگائے گئے مغیلان زہر آلود کی بیخ کنی بھی کی جائے۔ مثلاً: گستاخ رسول مولوی عبدالشکور کا کوروی کی رسوائے زمانہ کتاب کی مذکورہ عبارت کا رد امام احمد رضا نے صرف ایک حدیث سے فرمادیا، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴، ص ۱۲۸۔ اور المستدرک للحاکم کتاب التاریخ ذکر اخبار سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، جلد ۲، ص ۶۰۰ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ:

حدیث: احمد و حاکم و بیہقی و ابن حبان نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”انی مکتوب عند اللہ فی ام الكتاب خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ.“

بے شک بالیقین میں اللہ کے حضور لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور ہنوز آدم اپنی مٹی میں تھے۔

(۱) جزی اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوة ص ۳۸

(۲) فتاویٰ رضویہ (مترجم) مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، پوندر، جلد ۱۵، ص ۶۶۵

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے، جب کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق ہو رہی تھی، تو ثابت ہوا کہ آپ پیدائش کے وقت بھی نبی تھے۔ اور جب آپ پیدائش کے وقت نبی تھے تو آپ ایمان باللہ اور کتاب اللہ سے یقیناً بے خبر نہ تھے۔ اور نہ ہی آپ راہ حق یعنی شریعت سے بھی بے خبر تھے۔

الحاصل! امام احمد رضا پر مخالفین کا یہ اعتراض کہ احمد رضا محقق بریلوی نے سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا، درحقیقت ایسا بے بنیاد و اوویلا ہے، جس کا سر ہے نہ پیر۔ امام احمد رضا محقق بریلوی نے سیرت کے تعلق سے مختلف عنوانات کے تحت انفرادی طور پر بہت کچھ لکھا ہے۔ مخالفین کے اس اعتراض کی قلعی کھولنے اور ان کے افتراء پر دازی کی بدحواسی کا پردہ چاک کرنے میں صاحب تصانیف کثیرہ، عالم جلیل، فاضل نبیل، حضرت علامہ و مولانا محمد عیسیٰ رضوی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر العلوم، گرسہائے گنج، ضلع قنوج (یوپی) نے انتہا درجہ کی جدوجہد فرما کر تصانیف امام احمد رضا میں سیرت رسول یا سیرت رسول سے تعلق رکھنے والی بحثیں جو بکھرے ہوئے جواہر پاروں کی طرح تھیں، ان تمام ابحاث کو یکجا کر کے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی، ان کی زیر نظر کتاب ”سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

زیر نظر کتاب کل چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ تقریباً چار ہزار صفحات میں پھیلی ہوئی یہ تاریخی کتاب رضویات کے بے بہا خزانے میں یقیناً اضافہ کر رہی ہے اور اس کی افادیت صرف خواص تک محدود نہ رہتے ہوئے عوام المسلمین کے لیے بھی نفع بخش علمی سرمایہ ثابت ہوگی۔

فاضل مصنف حضرت علامہ محمد عیسیٰ رضوی صاحب ہماری جماعت کے ذوفنون عالم دین ہیں۔ جن کے قلم کی برق رفتاری اور معتبری کا اہل علم طبقہ معترف و قائل ہے۔ تلاش جزیہ، تحقیق حوالہ، رجوع الی المآخذ، وصول دلیل، اعتدال، دعویٰ استنباط و استخراج، سلاست موضوع، سلامت روی، نحت براہین، عام

فہم اور سلیس انداز بیان، گرفت عنوان، تقسیم ابواب، تعین فصل، معتمد و معتبر و مستند دلائل، رواں رواں جملے، الفاظ کی بندش، اظہار و اخفاء، لیاقت عرض و معروض، معنی و مطلب و مقصد و مراد کی وضاحت، صدق گوئی، اجتناب کذب، ترک متروک و غیر ثقہ روایات، تحقیق ائینق، افہام و تفہیم کی جدت و ندرت، سحر بیانی، شیریں لسانی وغیرہ اوصاف فاضل مصنف کی انوکھی شان ہیں۔ جن کا صحیح اندازہ زیر نظر کتاب ”سیرت مصطفیٰ جان رحمت“ (ﷺ) کے مطالعہ سے آجائے گا۔

فاضل مصنف کی کئی معترکہ الآراء تصانیف زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ جو مقبول عام و خاص ہو کر فیض رسانی کی باد بہار بن کر اہل ایمان کو مسرور کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس ضخیم اور بیش بہا علمی سرمایہ کو کتاب کی شکل میں ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچانے کی سعادت ہمیں حاصل ہو رہی ہے، بارگاہ خداوندی میں دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل فاضل مصنف اور ہم کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کے نفع بخش نتائج سے ملت اسلامیہ کو بہرہ مند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ اور

خانقاہ رضویہ نوریہ بریلی شریف کا

ادنیٰ سوالی

عبدالستار ہمدانی ”مصروف“ برکاتی، نوری

مورخہ : ۵/ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

مطابق : ۶/ مارچ ۲۰۰۶ھ

بروز : عید دو شنبہ

تقریظ

از: بقیۃ السلف، استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی سید محمد عارف صاحب رضوی (مدظلہ العالی)

نان پارہ، بہرائچ (یوپی)

پچھلی کئی دہائیوں میں مجددین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر مختلف جہات اور متنوع انداز میں کام ہوا، علماء و محققین اور دانشوران ملت نے ان کی زندگی کے ان گوشوں کو دلائل و شواہد کی روشنی میں واضح و آشکارا کیا جو آج تک پردہ خفا میں تھے، یا وہ عدم تو جہی اور بے اعتنائی کے شکار تھے۔ امام احمد رضا بریلوی کی زندگی میں علم و فن کی وہ اعلیٰ تحقیقات اور نادر علمی خزانے موجود ہیں، جن پر کما حقہ کام کرنے کے لیے محققین کو نہ جانے اور کتنے سال لگیں گے، ان کی ہمہ گیریت کو منصفہ شہود پر لانا کسی ایک فرد، ایک شخص یا کسی کا تنہا کدو کاوش کرنا، جوئے تیر لانا یا دوپہر کے سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اس کے لیے کسی بڑے ادارے اور بڑی انجمن یا ایک دائرۃ المعارف کی ضرورت ہے کیوں کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے تنہا جو دینی و علمی خدمات و کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے بلکہ وہ ایک بڑی سے بڑی تحریک و انجمن اور بڑے ادارے کا کام ہے، قلیل مدت میں ان کی تہادینی سرگرمیاں کسی ادارے کے برسوں کی خدمات و سرگرمیوں پر بھاری اور زیادہ ہیں۔

مگر حیرت ہے کہ آخر انہوں نے اکیلے اور تنہا اتنے ڈھیر سارے کام اور مختلف علوم و فنون پر تصانیف کے انبار کیسے لگا دیے؟ وہ کوئی مشین یا کمپیوٹر نہیں تھے بلکہ وہ ایک انسان تھے اس کے جواب میں ہمیں یہ بر ملا کہنا پڑے گا اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی یہ خداداد کرامت تھی، ان پر اللہ عز و جل کا یہ خاص فضل و احسان تھا ”ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء“ (وہ جسے چاہتا ہے فضل عظیم عطا فرماتا ہے) ورنہ ایسے محیر العقول کارنامے انجام دینا کسی عام انسان کا کام نہیں اور کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں، یا یہ کہا

جائے کہ وہ ایسے تھے جیسے ”چوں قلم در دست کاتب“ یعنی بظاہر قلم تو امام احمد رضا بریلوی کے ہاتھ میں تھا، مگر درحقیقت لکھانے والا کوئی اور تھا، یا کسی مخفی قوت نے ان سے لکھوایا اور انہوں نے لکھا، زندگی بھر لکھتے رہے اور ایسا لکھا کہ عرب و عجم کے علماء و فضلاء کو درطہ حیرت میں ڈال دیا۔

وہ مجدد تھے شان تجدید کا تقاضا ہی یہ ہے کہ مردہ علوم یا مردہ سنتوں کو زندہ کیا جائے انہوں نے ان علوم و فنون سے دنیا کو آگاہ کیا جن سے اس زمانے کے بہت کم لوگ آشنا تھے، جن فنون پر ان کی خدمات و تصانیف موجود ہیں ان میں سے بیشتر ابھی تک ایسی ہیں جن کو ہاتھ تک نہ لگایا گیا تقریباً ایک صدی سے ان کے جن علمی گوشوں کو واضح و آشکارا کیا جا رہا ہے وہ تو مروجہ علوم و فنون ہیں جنہیں عام لوگ سمجھ سکتے ہیں ورنہ ان تمام علمی و فنی تحقیقات کے جملہ گوشوں اور ہمہ گیر پہلوؤں کو کما حقہ اجاگر و ظاہر کرنے کے لیے ایک دوسرے امام احمد رضا کی ضرورت ہے، ہو سکتا ہے کوئی شخص میری اس بات کو مبالغہ آرائی اور جزاف پر محمول کرنے کی کوشش کرے، مگر حقائق و شواہد کے اجالے میں سچائی یہی ہے، ان کی بعض مطبوعہ تصانیف کے بعض ابحاث کے مندرجات سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ان مباحث کو سمجھنے والے ہندوستان بھر میں انگلیوں پر گنے جانے والے چند افراد ہی موجود ہیں یہ تو معدودے چند مباحث کی بات ہے پھر کیا خیال ہے، ان تصانیف کے بارے میں جو پوری کی پوری ایسے ہی ابحاث و فنون پر مشتمل ہیں؟ ان تصانیف کا حل اور ان کا خلاصہ کون پیش کر سکتا ہے عقل و خرد کے پروہاں جل اٹھتے ہیں جہاں پر امام احمد رضا کی بصیرت و دانائی محو پرواز ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے علماء و افاضل ان کے معترف اور مداح نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں سے متعلق اب تک جو اور جتنا کام ہوا ہے وہ انتہائی امید افزا اور خوش آئند اقدام ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کے علماء و محققین اور دانشوران ملت بیدار ہیں، جمود و تغافل کے دبیز پردے ہٹ گئے ہیں صبح امید کا اجالا پھیل چکا

ہے ذہن و خیال کے ظلمت کدوں میں حقائق و سچائیوں کا سورج طلوع ہو چکا ہے جس کی ضیاء پاشیوں سے علم و فضل کے وہ بلند و بالا مینار تعمیر ہوئے جن کی نور بارشعاعوں سے عالم اسلام کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا اور عرب و عجم کا علمی حلقہ نور و نکہت میں ڈوب گیا۔

زیر نظر کتاب ”سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (چار جلد) اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی اور اس کا غیر معمولی حصہ ہے اس کتاب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تصانیف سے چن چن کر ان تمام مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے جن کا تعلق سیرت الرسول یا اس سے متعلق کسی بھی بحث سے ہے اس کتاب کو میں نے چند مقامات سے دیکھا جس سے اندازہ ہوا کہ فاضل مولف میرے تلمیذ رشید عزیز گرامی حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج ضلع قنوج نے انتہائی محنت و جاں فشانی اور عرق ریزی سے سیرت کا یہ مجموعہ تیار کیا ہے، عزیز موصوف کی یہ کاوش یقیناً سراہنے کے لائق ہے اور وہ پوری ملت کی طرف سے داد و تحسین اور مبارک باد کے مستحق ہیں ہماری جماعت کو ایسے مصنفین کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، عزیز موصوف کی یہ عظیم خدمت و کارنامہ تاریخی حیثیت سے بھی یاد کیا جائے گا۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے تعلق سے سیرت کی یہ کتاب اس اعتبار سے بھی اور زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ یہ غیروں کے اس اعتراض کا دندان شکن اور مسکت جواب ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے اگرچہ ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کیں، مگر سیرت الرسول کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا اگرچہ یہ اعتراض بے بنیاد اور لایعنی تھا مگر معترضین کی زبان دوزی کے لیے ہم اس کتاب کو فخر و انبساط کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

اور یہ کہ ”سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیرت کی کتاب ہونے کی حیثیت سے ہماری جماعت اہل سنت کی اس کمی اور خلا کو بھی پورا کر دے گی، جس کا برسوں سے احساس تھا ہمارے یہاں

سیرت الرسول کے عنوان سے ایسی مبسوط اور ضخیم کتاب میرے خیال میں پہلی بار شائع ہوئی، اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس کے مولف نے وہ کفارہ بھی ادا کر دیا جو پوری ملت پر برسوں سے قرض تھا، یقین جانے تشنہ لبوں کے کام و دہن اس کتاب سے سیراب و شاد ماں ہو جائیں گے، ان کی تشنگی زائل و دور ہو جائے گی، ابھیں پھر اس کمی اور مافات کا شکوہ نہ ہوگا۔

عزیز گرامی حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری ایک لائق و فائق فاضل ہیں درس نظامی پر مکمل عبور و مہارت رکھتے ہیں اس چھوٹی سی عمر میں ان کے علمی کارناموں اور خدمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر ملت کا درد اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا عشق و وارثی موجزن و موجود ہے یہ عشق و عقیدت ہی کی کار فرمایاں ہیں ورنہ ایسی ضخیم و مبسوط کتاب لکھنے کی بہت ہی کم لوگ آج کل ہمت کرتے ہیں چوں کہ عقل و خرد کی منزل جہاں گم ہوتی ہے وہاں پر عشق و محبت کی منزل کا پہلا زینہ ہوتا ہے۔

ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ قلیل مدت میں عزیز موصوف کی قلمی خدمات سے آپ کو حیرت بھی ہوگی اور فرحت و شادمانی بھی، تصنیف و تالیف کی شکل میں زیر نظر کتاب ”سیرت مصطفیٰ جان رحمت“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ ان کے دیگر قلمی شاہکار یہ ہیں۔

(۱) ”امام احمد رضا اور علم حدیث“ (پانچ جلد) تین جلدیں مطبوعہ، دو جلدیں زیر طبع۔

اس کتاب میں تصانیف امام احمد رضا بریلوی سے منتشر احادیث کریمہ کو یکجا و مجتمع کیا گیا ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ احادیث کو اصل کتابوں کے حوالوں سے مزین و آراستہ بھی کر دیا گیا ہے۔

یہ کتاب بھی غیروں کی اس ہرزہ سرائی کا جواب ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علم حدیث میں کم مایہ تھے، حالاں کہ ان کی حدیث دانی کا عالم یہ ہے کہ ایک ایک مسئلہ کو ثابت و واضح کرنے کے لیے

سوسوا حدیث پیش کرتے ہیں اور کبھی کبھی یہ تعداد تین سو تک پہنچ جاتی ہے، جب کہ حدیث کی کسی بھی کتاب میں ایک مسئلہ سے متعلق اتنی حدیثیں یکجا نہیں ملیں گی، یہ کتاب امام احمد رضا بریلوی کی علم حدیث پر مہارت و حذاقت اور ان کی وسعت معلومات کی بین دلیل اور واضح ثبوت ہے۔

(۲) ”تعارف تصانیف امام احمد رضا“ (دو جلد) جلد اول مطبوع، جلد دوم غیر مطبوع۔

اس کتاب میں تصانیف رضا کا تعارف و تجزیہ پیش کیا گیا ہے جس سے قاری کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی فلاں کتاب یا فلاں رسالے میں کس مسئلہ پر گفتگو کی گئی ہے، اس کا موضوع کیا ہے، وہ کب اور کس سوال کے جواب میں لکھا گیا، ماہہ الامتیاز اس کی خصوصیات کیا ہیں۔

(۳) علوم القرآن، ترجمہ ”انباء الحی ان کلامہ المصون تبیاناً لکل شیء“ (زیر طبع)

جس زمانے میں ”الدولة المکیة“ کی گونج عرب و عجم میں سنائی دی اس کے بعد ہی ”الدولة المکیة“ کی ایک بحث سے متعلق امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ”انباء الحی“ تصنیف کی جو ایک مستقل حاشیہ کی حیثیت سے ہندو پاک سے شائع ہوا۔ مولانا محمد عیسیٰ صاحب نے اس کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا جس کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اصل کتاب تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، اور یہ کتاب انتہائی معلومات افزا ہے اس میں یہی ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن عظیم میں جو علوم و معارف موجود ہیں، وہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔

(۴) عظمت قرآن، ترجمہ ”انوار المنان فی توحید القران“ (غیر مطبوع)

یہ کتاب مسئلہ خلق قرآن سے متعلق ہے کہ قرآن عظیم کلام اللہ ہے مخلوق نہیں ہے کلام اللہ صفت قدیمہ ازلیہ ہے حادث و نو پیدا نہیں ہے اسے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے رسالہ ”الکشف

شافیافی حکم فونوجرافیا“ کی تصنیف کے دوران میں ایک ضمنی مسئلہ کی تحقیق میں تحریر فرمایا، اصل کتاب ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۵) ”فیضان اعلیٰ حضرت“ (زیر ترتیب)

یہ کتاب عقائد و اعمال کی اصلاح و تربیت اور مراسم اہل سنت پر ایک گراں قدر اور عظیم کاوش ہے خاص بات یہ ہے کہ اس کے تمام مضامین امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تصانیف و فتاویٰ ہی سے ماخوذ و مستخرج ہیں مولانا موصوف نے مجھ سے بتایا کہ یہ کتاب ایک ضخیم جلد میں ہوگی اسے مساجد و مجالس میں سنایا جاسکے گا، کیوں کہ اس کتاب میں احادیث نبویہ، مسائل شرعیہ، عقائد حقہ، پند و نصائح، مواعظ و امثال اور حکایات اولیاء وغیرہ مفید و معلومات انگیز باتوں کو عام فہم اور سلیس انداز میں پیش کیا گیا ہے اس کا بیشتر کام ہو چکا ہے تاہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اخیر میں ہم مخلص گرامی حضرت مولانا عبدالستار صاحب ہمدانی برکاتی رضوی کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے زیر نظر کتاب ”سیرت مصطفیٰ جان رحمت“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بارگراں اٹھایا اور اس کی طباعت و اشاعت میں خلوص دل سے حصہ لیا، یہ مولانا ہمدانی کے خلوص و للہیت اور امام احمد رضا سے ان کے عشق و عقیدت کا آئینہ دار ہے، میری معلومات میں انھوں نے ادارہ ”مرکز اہل سنت برکات رضا“ قائم کر کے ایک عظیم دینی کارنامہ انجام دیا جس کے حوالے سے اب تک کافی کتابیں قوم کی میز پر پہنچ چکی ہیں۔ خصوصاً امام احمد رضا بریلوی کے تعلق سے اس ادارہ سے جو کام ہوا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، مجھے امید ہے کہ مستقبل کا مورخ ان کے عظیم و جلیل کارناموں کو فراموش نہیں کرے گا بلکہ انھیں وہ اپنی تاریخ کا پہلا باب اور جزء اول قرار دے گا۔

حضرت مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب ہماری ملت کے ایک جیلے فرزند ہیں وہ ایک عظیم

مصنف بھی ہیں اور ایک جلیل القدر مورخ بھی، وہ بے پناہ مصروف زندگی گزارتے ہیں اس کے باوجود وہ بذات خود مختلف زبانوں میں سو سے زائد کتابوں کے مصنف بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں شعور و ادراک کی منزل سے ہمکنار کیا ہے، انھیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے، مولیٰ تعالیٰ انھیں عمر خضر عطا فرمائے اور ان کے ادارے کو شب و روز کی ترقیوں سے مالا مال کر دے، آمین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

سید محمد عارف رضوی

سابق شیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی شریف

بانی جامعہ رضویہ سینیہ، نان پارہ

ضلع بہرائچ (یوپی)

یکم اگست ۲۰۰۵ء





مقدمۃ الكتاب

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
بِإِیْمَانِیْ خِزَالِ الْكِنَابِ بِفَوَہِ
اے یحییٰ کتاب مضبوط تھا م (القرآن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ الكتاب

مکے کی شب دیجور میں جب صبح کا آفتاب ہدایت طلوع ہوا تو اس کی عنبر فشاں شعاعوں سے نہ صرف مکے کے ظلمت کدے روشن و منور ہوئے بلکہ ریگ زار عرب کا ایک ایک ذرہ چمک اٹھا، اس کی نور بار کرنوں سے صرف عرب کی ظلمت و تاریکی کا نور و زائل نہیں ہوئی بلکہ کائنات کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا، اس کے نور و نکہت سے عظمت انسانیت کے مقدر میں خوشبوؤں کا سویرا ہوا، آفتاب نبوت کی روشنی سے انسانوں کے ذہن و دماغ میں سردی اجالا پھیلا، گم گشتگان راہ کو منزل ہدایت کا نشان و سراغ ملا، مدتوں کے بھٹکے ہوئے فریب خوردہ انسان عرفان و ایقان کے راستے پر گامزن ہوئے، بیقرار و مضطرب روحوں کو طمانیت و آسودگی حاصل ہوئی۔

جو اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے خداؤں کے سامنے جھکنے کو زندگی کی معراج کمال سمجھتے تھے اس سے سرمو تجاوز و انحراف کرنے کو اپنے خاندان و قبیلے کی توہین و تذلیل سمجھتے تھے، جولات و ہبل کے پجاری تھے وہی شراب و شباب کے خوگر و عادی تھے، عصمت و عفت کا جنازہ انھیں بدست پجاریوں کے ہاتھوں نکلتا تھا، انسانی وقار و عظمت انھیں کے ہاتھوں پامال و رسوا ہو رہی تھی، لا قانونیت و لادینیت کی دلدل و تاریکی میں پورا عرب بھٹک رہا تھا، کعبہ مقدسہ جو انبیاء و مرسلین کی سجدہ گاہ تھا وہاں مصنوعی خداؤں کا ہجوم و ڈیرا جما ہوا تھا، کعبہ کی عظمت و تقدیس بتوں کی آلائش و گندگی سے مجروح ہو چکی تھی، ظلم و بربریت کی ہر طرف گرم بازاری تھی، ظالم و جابر انسانوں کی حکومت و حکمرانی تھی، جبر و استبداد کی زنجیروں میں انسان جکڑا ہوا تھا، مظلوموں کی آہ و بکا رحمت و غفران کے باب اجابت میں دستک دے رہی تھی۔

انسان پورے طور پر خدا فراموش ہو کر خود فراموش ہو چکا تھا، خدا کا یقین و اعتقاد ایک تاریخی نظریہ

اور علم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا، لوگ صرف تاریخی طور پر یہ تسلیم کرتے تھے کہ اس عالم کو کسی زمانہ میں خدا نے پیدا کیا تھا و لنن سألهم من خلق السموات و الارض ليقولن الله لیکن عملی زندگی کا کوئی ربط و تعلق اس سے باقی و موجود نہیں رہا تھا اور زندگی عملاً اس طرح گزر رہی تھی گویا خدا نہیں ہے یا ہے تو معاذ اللہ گوشہ نشین و خلوت گزریں اور دوسروں کی خاطر سلطنت و حکومت سے دستبردار و مستعفی ہو چکا ہے، ساری زمین میں ارباب من دون اللہ کی عبادت و پرستش کا جال پھیلا ہوا تھا، کہیں بتوں کی پرستش تھی، کہیں قوم و نسل کی، کہیں ہوا و ہوس کی، کہیں بادشاہ و سلاطین کی اور کہیں احبار و رہبان (عالموں اور عابدوں) کی، انسان اپنی زندگی کا مقصد و مدعا اور اس کا مبداء و منتہی فراموش کر چکا تھا اور زندگی کے صحیح مشاغل بھول کر تدریجی خودکشی و غلط مشاغل میں مصروف و منہمک تھا، ساری دنیا پر اک عالم خود فراموشی طاری و مسلط تھا، اہل حکومت و سطوت ظلم و جور، جبر و استبداد، مردم آزاری اور دولت ستانی میں مشغول تھے، امراء اپنے عیش و عشرت میں بدست ہو رہے تھے، دنیا کے مہذب و متمدن ترین انسان و حشیوں کی طرح ایک دوسرے سے دست و گریباں اور برسر پیکار رہتے۔ پورے کرۃ ارض پر اس وقت اندھیرا چھایا ہوا تھا، انسانوں کی غلط کاریوں کی وجہ سے ایک عالم گیر ابتری و بد نظمی اور ہمہ گیر خرابی پھیلی ہوئی تھی۔

خالق کائنات کی رحمت و عنایت ملتفت و متوجہ ہوئی، کراہتے ہوئے انسانوں کو سہارا دینے اور سکتی ہوئی انسانیت کو اوج کمال عطا کرنے کے لیے اس نے عرب ہی کے ایک معزز خاندان بنو ہاشم کا انتخاب کیا اسی مکرم خاندان کے ایک عظیم فرد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کے باوقار گھرانے میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا، تاکہ دنیا کو اس عذاب و ذلت سے نجات دیں، جس میں وہ صدیوں سے مبتلا تھی اور آخرت کے اس عذاب سے ڈرائیں جو پیش آنے والا ہے، تاریکیوں سے نکال کر خدا کی طاعت و بندگی میں داخل کر دیں اور بے راہ روی کی تمام زنجیریں اور بیڑیاں کاٹ دیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے ان کے وجود مسعود نے عرب کی اخلاقی پستیوں کو عزت و وقار کا آسمان بنا دیا، ذلیل

ترین انسانوں کو عظمت و تمکنت کا کوہ گراں بنا دیا، جرائم پیشہ بدو اور صحرائیوں کو عملی تربیت کی بنیاد پر دنیا کی مہذب قوموں کا حاکم و حکمران کر دیا، ظالم و جابر انسانوں کے ہنجرے استبداد کو موڑ دیا، مظلوموں کی فریاد رسی کی، بتوں کے سامنے جھکنے والے انسانوں کی جبین عقیدت کو خدائے واحد کی بارگاہ میں سجدوں کی لذتوں سے آشنا کر دیا، معبودان باطل کے پیجاریوں کو خدا شناس و خود آگاہ بنا دیا، کعبہ کا تقدس و وقار بحال کیا گیا، اس کی عظمت رفتہ کو دعائے ابراہیم علیہ السلام کا سہارا ملا، ضلالت و گمراہیوں کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کے قلوب و اذہان میں نور ہدایت کا سویرا ہوا، ایقان و عرفان کی موج نسیم سے مدتوں کے بت کدے خانہائے خدا بن گئے، خود ساختہ خداؤں کی حکومت و حکمرانی کا زمانہ ختم ہوا، اختراعی رسوم و رواج کے دلدادہ لوگوں کو قانون الہی کا پابند بنایا گیا، مطلق العنان و خود سر انسانوں کی فرعونیت و طاغوتیت ضرب ید اللہی کے درد و کرب سے پاش پاش و ریزہ ریزہ ہو گئی، توحید کی گونج سے اصنام پرستوں اور بادیہ نشینوں کے تاریک دل جگمگانے لگے، پیاسی روحوں کو تسکین و قرار کا سامان ملا، حق کے متلاشی تعمیر حیات کا آشیانہ بنانے لگے۔

عرب کی در ماندہ و پریشان حال قوم نے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغام امن و امان کو قبول و تسلیم کر لیا اور وہ ساری نعمتیں حاصل کیں جو اس پیغام کا لازمی نتیجہ ہیں۔ ان کی غلامی کی تمام زنجیریں اور بیڑیاں خود بخود کٹ گئیں، خدا کے آستانہ پر سر جھکا کر وہ دنیا کے تمام آستانوں سے بے نیاز ہو گئے، نہ نفس و ہوا کی عبادت و بندگی رہی نہ بادشاہوں اور حکومتوں کی غلامی کی، نہ جاہلانہ رسم و رواج اور معاشرت و سوسائٹی کی ظالمانہ بندشیں، نہ اپنی لائی ہوئی اور نہ دوسروں کی ڈالی ہوئی مصیبتیں، خدا شناسی اور خدا کی عظمت و کبریائی کے علم نے دنیا کے مصنوعی خداؤں کی عظمت و وجود کا طلسم توڑ دیا۔

ذہن و فکر کا وہ انقلاب جو ایک خدا کو اپنا معبود حقیقی اور رب مان لینے سے پیش آیا، ان کی زندگی سراسر تبدیل ہو گئی، جو بہائم و درندہ صفت تھے وہ فرشتہ صفت انسان بھی گئے، جو غارتگر اور رہزن و ڈاکو تھے وہ

دوسروں کے جان و مال اور عزت و ناموس کے محافظ و پاسبان بن گئے، جو جانوروں کے پہلے اور پیچھے پانی پینے اور پلانے پر خون کی ندیاں بہا دیتے تھے وہ دوسروں کی خاطر پیاسا مر جانا پسند کرنے لگے، جو اپنی آغوشِ محبت میں پلی ہوئی بچیوں کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے وہ دوسروں کی بچیوں کی پرورش کے لیے اپنی گودیں خالی کرنے لگے، جو دوسروں کے مال کو اپنا مال سمجھتے تھے وہ اپنا عزیز ترین قیمتی مال بھی دوسروں کا مال سمجھنے لگے، جن کو دن کے اجالے میں لوگوں کا مال لوٹ لینے میں باک نہ تھا وہ رات کی تاریکی میں شاہ ایران کا تاج زریں جو لاکھوں روپے کی مالیت کا تھا اپنے کمرے میں چھپا کر اپنے امیر کے پاس پہنچانے لگے۔

وہ سحابِ رحمت جو عرب کے آسمان سے اٹھا وہ نور و نکہت کی پھوہار بنکر کائنات کے گوشے گوشے میں برسا، اس کے ایک ایک ذرے پر برسا جو انسانی دنیا کو حیاتِ سرمدی کا مژدہ جاں فزا دے گیا، اس کے دامن سے انوار و تجلیات کی وہ موسلا دھار بارشیں ہوئیں جن سے عالم کا چہ چہ بقعہ نور بن گیا اور اس بارشِ رحمت کے فیض و برکت سے خزاں رسیدہ باغِ زندگی میں بہارِ نو کی ہریالی و تازگی آگئی، نور یزدانی کا وہ پیکر جمیل جس کے فیض و برکت سے انسانوں کو علم و فضل، تہذیب و تمدن، اخوت و مساوات اور شعور و آگہی کا اجالا ملا، گم گشتگانِ منزلِ ہدایت و ارشاد کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اس پیکرِ نوری میں آخر وہ کونسی قوت تھی جس کی بنیاد پر دنیا کے لوگ اس کے قدموں میں سمٹ آئے، وہ کونسی طاقت تھی کہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں اس کے تابع فرمان وزیر نکلیں ہو گئیں، وہ کونسا کمال تھا کہ عقل و شعور کے پتلے، فصاحت و بلاغت کے دعویدار اس نبی امی کے سامنے حیران و بے زبان ہو گئے، ان کے اپنے دعوے میں وہ خود ہی الجھ کر رہ گئے، کیا اس نبیِ حجازی نے دولت و ثروت کے نام پر لوگوں کو موم و نرم کیا؟ کیا حکومت و بادشاہت کا لالچ دے کر دنیا کو اپنے سے قریب کرنے کی کوشش کی؟ جب کہ وہ درِ یتیم

تھے وہ دولت و ثروت کے مالک نہیں تھے نہ ان کے پاس بظاہر کوئی حکومت تھی نہ ان کی کوئی عظیم تجارت و جائیداد تھی نہ کوئی دنیاوی سرمایہ تھا، دنیا کا دستور ہے کہ اگر کوئی حکومت دوسری حکومت کو تابع فرمان و غلام بنانا چاہتی ہے تو وہ طاقت و قوت کا بھی استعمال کرتی ہے اور بے دریغ مال و دولت بھی بہاتی ہے اور اس راہ میں جن اسباب و وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، ان سب کا سہارا لیا جاتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں خود غرض انسانوں کا یہی حال رہا ہے۔ مگر وہاں تو ایسا کچھ نہ تھا نہ ملک گیری کی خواہش تھی، نہ حصول اقتدار کا جذبہ، ہاں اس پیغمبر انقلاب اور مسیحائے انسانیت کے اندر جو وصف و کمال جلوہ گر تھا وہ منصب نبوت و رسالت کے ساتھ حقانیت و صداقت، امانت و دیانت، طہارت و پاکیزگی، طاعت و ریاضت، عبادت و بندگی، اخلاق و کردار، عصمت و عفت، زہد و تقویٰ، عقل کامل و ادراک تام، غیرت و حمیت، شجاعت و بہادری، جوش و جذبہ، ہمت و حوصلہ، وقار و تمکنت، متانت و سنجیدگی، اخوت و مساوات، رحمت و رافت، ایثار و قربانی، محنت و لگن، خلوص و للہیت، درد و محبت، سوز و گداز، حسن و بانگین، خوف و خشیت، عہد و وفا وغیرہ غرضیکہ ایک انسان کامل میں جو اوصاف و کمالات ہوتے ہیں وہ اس ذات ستودہ صفات پیغمبر کی زندگی میں بدرجہ اتم موجود تھے، بلکہ دنیا نے اس اولوالعزم پیغمبر کی حیات اقدس سے یہ چیزیں بطور بھیک کے حاصل کیں اور دنیا کو جو ملا سب اسی محسن انسانیت کا صدقہ و عطیہ ہے۔ اقوام عالم کو زندگی کا جو شعور و وجدان ملا سب اسی انسان کامل کی عنایت و رحمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا نے نبی برحق کی صدائے حق پر لبیک کہا اور ان سچائیوں کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئی۔ سچائی وہ حقیقت ہے جو قلوب و اذہان کی مملکت فتح کر لیتی ہے۔ اس کی شمیم سے دلوں کے آفاق معطر و شاداب ہو جاتے ہیں۔

آمنہ کے لال نے مکہ کے مکینوں میں آنکھیں کھولیں۔ انھیں میں چالیس سالہ زندگی کے مختلف مراحل اس شان سے طے کیے کہ ان کا دامن عفت ماحول کے نشیب و فراز سے قطعاً داغدار نہ ہوا، نہ کسی کو کسی بات میں ان پر انگشت نمائی کا کبھی موقع ملا۔ وہ اس پراگندہ معاشرے کے تکدر و تعفن سے کلیتاً محفوظ و مامون

رہے، عصیان و گناہ کی کسی بات میں وہ کبھی شریک و سہیم نہ ہوئے۔ عالم یہ ہے کہ اس پر خطر ماحول میں وہ ”صادق و امین“ کے معزز لقب سے پکارے گئے۔ پورا عرب انھیں صادق و امین سمجھتا تھا، پوری آبادی کی امانتیں انھیں کے پاس رہا کرتی تھیں صرف امانت و دیانت ہی میں نہیں بلکہ ہر معاملے میں لوگ انھیں عدل و انصاف کے پیکر مجسم اور عہد و وفا کے علمبردار سمجھتے تھے، مگر اس سب کے باوجود جب فریضہ رسالت کی ادائیگی کے لیے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدائے توحید بلند کی، خدائے واحد کی عبادت و بندگی کی طرف بندگان خدا کو بلایا، اپنی نبوت و رسالت کا اعلان و اظہار کیا، ان کے معبودان باطل کی مذمت و برائی کی، ان کے اختراعی و مصنوعی خداؤں کی مخالفت کی اور ان پر نفرت و ملامت کا اظہار کیا تو وہ ایک دم برگشتہ و خفا ہو گئے ان کی عداوت و دشمنی میں انسانیت کے سارے رشتے، ناطے توڑ دیئے گئے جن کی صداقت و راست بازی مشہور زمانہ تھی ان پر کذب و افتراء کے مکروہ و نازیبا حملے ہونے لگے، انھیں ساحر و جادو گر اور کابھن کہا جانے لگا۔ معاذ اللہ!۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جو ہر معاملے میں صادق و امین تھے ان کی آواز پر مکے والے لبیک و سعید یک کہتے مگر انھوں نے اس محسن اعظم کی آواز پر آواز کسے، انھیں پاگل و مجنوں کہا گیا، ان کا معاشرتی بائیکاٹ و مقاطعہ کیا گیا، شعب ابی طالب میں انھیں محصور کر دیا گیا، انھیں طرح طرح کی ایذا میں دیں گئیں، ان کے قتل کے درپے ہو گئے، ان کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، انھیں بے یار و مددگار تنہا چھوڑ دیا گیا، ہر ممکن کوشش کی گئی کہ انھیں اظہار حق سے باز رکھا جائے، خدائے واحد کا پیغام پہنچانے سے روک دیا جائے مگر جس کا حافظ و ناصر اس کا خالق و مالک ہو دنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔

فانوس بن کر جس کی حفاظت ہوا کرے

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

حق و صداقت کی بالادستی کی راہ میں کوئی باطل قوت حائل و مخل نہ ہو سکی۔ بعثت محمدی کے اثر و نفوذ

سے دلوں کی کائنات فتح ہو گئی اور آفاق کی وسعتوں میں پیغام محمدی کا شہرہ و چرچا ہونے لگا۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

اہل مکہ کی ستم رسانیاں اس انتہا کو پہنچیں کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا وطن عزیز چھوڑنا پڑا، انھیں مکے کو خیر باد کہہ کر مدینے کو ہجرت کرنی پڑی، حضور کا وطن چھوڑنا یا ہجرت کرنا اگرچہ نوشتہ تقدیر تھا، ازل ہی میں اس کا فیصلہ ہو چکا تھا، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہی وہ ہجرت ہے جو اشاعت اسلام کا سبب بنی، اسلام کی شوکت و سر بلندی کا ذریعہ بنی اور اسلامی فتوحات کا فتح باب ہوا۔ اسلام کی پہلی جنگ، جنگ بدر میں مسلمانوں کی قلیل تعداد کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثال کامیابی اسی ہجرت کی پہلی فتح ہے۔ کسے معلوم تھا کہ جو پیغمبر بے سر و سامانی کے عالم میں گھر بار چھوڑ رہے ہیں وہ ایک دن فاتح مکہ کی حیثیت سے مکہ آئیں گے، کسے خبر تھی کہ جن لوگوں نے انھیں گھر چھوڑنے پر مجبور کیا تھا، انھیں قتل کی دھمکیاں دی تھیں وہی لوگ مجرم کی طرح ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں گے اور ان کے اشارہ ابرو کے منتظر ہوں گے۔ تاریخ کی یہی سچائی ہے کہ پیغمبر ان عظام کو حق و صداقت کی راہ میں صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، دردناک اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر حق کی کرم فرمائیاں انھیں نفوس قدسیہ کے ساتھ رہیں، دنیا کو انھیں کی بدولت راہ حق نصیب ہوئی، کاروان انسانیت کو انھیں کے وجود سے ہدایت و ارشاد کی روشنی ملی۔

حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے انھیں مخصوص قبائل و مخصوص اقوام کی طرف محدود زمانہ کے لیے مبعوث فرمایا، ان کا دائرہ دعوت و ارشاد مخصوص تھا، ان کا حلقہ تبلیغ و ہدایت عام نہ تھا، نبوت و رسالت کی جو گر انقدر ذمہ داریاں ان کو تفویض کی گئی تھیں وہ زمان و مکان اور خاندان و قبائل کی قیود سے محدود و مقید تھیں اس لیے انبیاء سابقین میں یکے بعد

دیگرے ان کے ورود و بعثت کا سلسلہ جاری و باقی رہا، لیکن اللہ رب العزت جل مجدہ نے جب اپنے محبوب رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس خاکدان گیتی پر بھیجا تو اپنی تمام مخلوقات کے لیے تاقیام قیامت ہادی و رہبر بنا کر مبعوث فرمایا، انھیں رسالت عامہ و کافہ عطائی فرمائی، وہ جملہ مخلوقات الہی کی طرف رسول بن کر آئے، ان کا پیغام رسالت قبیلہ و خاندان، نسل و قوم سے مخصوص نہ تھا نہ زمان و مکان کی حدود سے محدود تھا، اس لیے محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داعیانہ ذمہ داریاں جملہ انبیاء سابقین سے کئی گنا زیادہ تھیں، وہ فضل و کمال، حسن و جمال، صوری محاسن و معنوی خوبیاں جو اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انفرادی حیثیت سے عطا فرمائی تھیں ان تمام محاسن و خوبیوں کو پوری شان کمال کے ساتھ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں جمع فرمادیا اور حسن و جمال کی جملہ دلکش اداؤں کا امین و محافظ بنا کر بھیجا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچه خوباں ہمہ دارند تو تنها داری

داعیان حق میں بڑے بڑے اولو العزم رسول بھی آئے جنھوں نے طویل زمانہ تک نبوت و رسالت کا فریضہ انجام دیا، اپنی اپنی قوموں کو بارگاہ خداوندی میں جھکانے کے لیے سعی بلیغ فرمائی، انھیں عذاب آخرت سے ڈرایا، ایمان لانے پر انھیں جنت اور اس کی دائمی نعمتوں کا مژدہ سنایا، مگر ان کی قوم سرکشی و کجروی سے باز نہ آئی، اپنے نبی کے دامن رحمت سے لپٹ نہ سکی، نہ عمومی طور پر اپنے داعی کے قریب ہوئی، صرف مخصوص اور گنے چنے لوگ ہی نبی کے وفادار و فرمانبردار رہے اور انھیں ایمان و عرفان کی دولت نصیب ہوئی۔ ان پیغمبران عظام کو اپنی داعیانہ زندگی میں مدتوں کی محنت و جفاکشی سے وہ کامیابیاں نہ ملیں جو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ۲۳ سال کی قلیل مدت میں ملیں انسانی تاریخ میں یہ ایک منفرد المثال اور حیرت انگیز کامیابی ہے۔ عالم یہ ہے کہ جب اللہ کے آخری نبی دنیا سے تشریف لے گئے تو اسلام اپنی آب

و تاب کے ساتھ عرب سے باہر نکل چکا تھا اور باطل و طاغوتی طاقت کے سینوں پر اپنی شوکت و سطوت کا جھنڈا نصب کر چکا تھا۔ فاران کی چوٹی سے جو نور یزدانی ہویدا ہوا تھا اس کی تابندہ و درخشندہ شعاعوں سے شرق و غرب کے ظلمت کدے روشن و منور ہو گئے اس کی چمک سے عظمت انسانیت کے وہ عظیم مینار تعمیر ہوئے جن کی بلندی مرخ و ثریا تک پہنچی، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی وہ اعجازی کارنامہ ہے۔ اقوام عالم و کائنات ہستی میں جس کی مثال نہیں مل سکتی۔

پھر یہ کہ انبیاء سابقین کے وہ کارنامے اور واقعات جو قرآن عظیم میں مذکور ہوئے انھیں ابدی شہرت و عظمت ملی، ان کی صداقت و سچائی کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا، لیکن وہ حقائق و یادگاریں جو دیگر آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں مرقوم تھیں ان میں بے دریغ تحریف و ترمیم کر دی گئی، ان کی صورت و حقیقت کو مسخ کر دیا گیا، دنیا ان حقائق سے آشنا نہ ہو سکی، ان پردہ پر پردہ ڈال دیا گیا، مگر اللہ کے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو ابدی و سرمدی پیغام لے کر آئے تھے وہ نفس و آفاق میں پہنچا، اس سے دلوں کی ملکیتیں فتح ہوئیں اور اس پیغام ربانی کی برکتوں سے اہل ایمان کو غیر فانی تقویت و دوام حاصل ہوا، حق کو دبانے، سچائیوں کا گلا گھونٹنے اور اسلام و مسلمانوں کو مٹانے کی کوششوں میں دشمن کا کوئی حربہ کارگر و کامیاب نہ ہوا، دنیا نے ہر دور اور ہر قرن میں بڑی کوشش کی کہ اسلام کا روشن چراغ گل ہو جائے، اس کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے، اسے ابدی نیند سلا دی جائے، مگر قرآن جس طرح کل ذریعہ ہدایت تھا اسی طرح آج بھی وہ اپنے حسن و بانگین اور معجزانہ کمال و داعیانہ طرز بیان کے ساتھ بھٹکے ہوئے انسانوں کو آواز دے رہا ہے۔ اس کا ابدی پیغام آفاق کی وسعتوں میں پھیل گیا، اس نے انسانوں کو انسانیت کی لافانی سوغات عطا کی، ذہن و فکر کو مہیز دی، قلوب و اذہان بدل دیے اور انسانوں کے لیے ترقیوں کے بے شمار راستے کھول دیے، ان کے جمود و تغافل کا سدباب کیا، خالق کائنات نے آمنہ کے لال کی شان جمال اور قرآن کے اعجازی کمال میں دوام و استمرار کی مہر ثبت کر دی، ان کی شوکت

وعظمت اور ان کی صداقت و حقانیت کو ہر دور کے لیے سکھ رائج الوقت قرار دیا ہے۔ جوں جوں کفر کی یلغار بڑھے گی قرآن کی شوکت و سچائی میں بالیدگی پیدا ہوگی، اس کے عجائب و حقائق آشکار و نمایاں ہوں گے اور کفر کی ظلمت و تاریکی کا نور و زائل ہوگی۔ کفر ہزار کوشش، لاکھ جتن کرے مگر قرآن عظیم منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے باقی و قائم رہے گا اور انسانوں کو ایمان و عمل کا پیغام و درس دیتا رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہوگی۔ و للاحرة خیر لک من الاولیٰ .

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اس مرقع حسن و زیبائی کی مدح و ستائش اور تعریف و توصیف میں ازل سے ایک جہاں مصروف ہے اور تا ابد مصروف رہے گا پھر بھی اس پیکر جمیل کے ثنا خوانوں کو یہ احساس و خیال بے چین و مضطرب کرے گا کہ صد حیف! اپنے آقا و ممدوح اور اپنے محبوب کی مدحت سرائی کا کما حقہ حق ادا نہ ہو سکا اور سچ یہ ہے کہ مخلوقات الہی میں کوئی اس پیکر حسن و جمال کی مدح و ثنا کا حق ادا کر بھی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت و حیات اور اسوۂ رسول پر صد ہا ہزار ہا کتابیں دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں لکھی گئیں۔ حیرت یہ ہے کہ انہوں نے بے شمار کتابیں لکھیں، حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور نبوی کارناموں پر آج تک جتنی کتابیں عرصہ وجود میں آئی ہیں اتنی کسی نبی، کسی داعی و مصلح اور دنیا کے کسی فاتح و سلطان کی حیات و خدمات پر نہیں لکھی گئیں، ان مصنفین و مؤلفین میں اعلیٰ پایہ کی وہ بے شمار جلیل القدر ہستیاں ہیں جنہوں نے رسول رحمت کے تذکرہ جمیل کو بلند و نمایاں کرنے کے لیے اپنی قیمتی زندگیاں، اپنی علمی قوتیں، روحانی لطافتیں، اپنا مال و زر قربان کیا اور اس راہ کے معین و مددگار بے مثال اسباب و وسائل مہیا کیے اور جس عقیدت و وارثی سے رسول

ثقلین کے خدمات و کارناموں کو منصفہ شہود پر لایا گیا ہے کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ عشاق نبوت نے اخلاق محمدی و اسوۂ نبوی پر نثر و نظم میں انسانی دنیا کو جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

زیر نظر کتاب ”سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ بھی اسی طرح کی ایک ادنیٰ کوشش ہے جسے میں اپنے نبی کی بارگاہ محبت میں اس یقین و اذعان کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ یہ میرے ایمان و عقیدت کا خراج و نذرانہ اور میرے لیے ذخیرہ عقبتی و آخرت ہو۔ یہ کتاب سیرت الرسول کے ان مباحث و مضامین کا مجموعہ ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی صد ہا تصانیف و تحقیقات میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں، انھیں اس کتاب میں چن چن کر یکجا و مجتمع کر دیا گیا ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ امام احمد رضا ہی کے رشحات قلم کی نکتہ سنجیاں ہیں۔

سبب تالیف

کہا یہ جا رہا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے ایک ہزار سے زائد تصانیف یادگار چھوڑیں، پچاس سے زائد بلکہ جدید تحقیق کے مطابق سو سے زائد علوم و فنون پر ان کے آثار و باقیات اور تصانیف کثیرہ موجود ہیں، اتنا سب کچھ لکھنے کے باوجود انھوں نے ”سیرت الرسول“ کے نام پر کوئی کتاب نہیں لکھی، سیرت کے تعلق سے ان کی کوئی یادگار نہیں۔ مگر حیرت ہے کہ یہ اس امام عشق و محبت کے بارے میں کہا گیا جس نے زندگی بھر ناموس رسالت پر لکھا، حضور کے اوصاف و کمالات اور محاسن و خوبیاں لکھیں، رسول اللہ کی عظمت و تقدیس لکھی، مصطفیٰ کا وقار و احترام لکھا، تاجدار عرب و عجم کی جلوت و خلوت لکھی، سرور کونین کی زندگی کے ایک ایک گوشے پر لکھا، صاحب قاب قوسین کی صبح و شام لکھی، محبوب رب ذوالجلال کی عبادت و ریاضت لکھی، معاشرتی زندگی کے آداب و اصول لکھے، پیغمبر انقلاب کا اسوۂ حسنہ لکھا، سرور انبیاء کے رزم و بزم کی

تاریخ لکھی، نبی برحق کے احکام و فرامین لکھے، آمنہ کے لال کی شوکت و عظمت لکھی، نبی مختار کا کمال و اختیار لکھا، عالم ماکان و مایکون کے علوم و معارف لکھے، انسان کامل کا جوہر حیات لکھا، صاحب خلق عظیم کے اخلاق و کردار لکھے، صاحب قرآن کی عائلی و عملی زندگی کے نمونے لکھے، سید عالم کی زندگی کے متعلقات و مبادیات اور حقائق و معارف لکھے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

عاشق پاک بازنے یہ سب کچھ عشق رسالت کی رنگین جلوؤں میں لکھا، جو بھی لکھا اسے عشق نبی کے سانچے میں ڈھال کر لکھا، عشق محبوب کے آئینے میں لکھا، ان کی سطر سطر سے عشق رسول پھوٹا پڑتا ہے۔ عشق رسول ہی ان کی زندگی کا عظیم سرمایہ اور وہی ان کا سامان تسکین و تسلی تھا، چشم بینا امام عشق و محبت کی تصانیف میں ان حسین جلوؤں کا نظارہ کر سکتی ہے اور دیکھ سکتی ہے کہ اس میں کتنی بڑی سچائی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس عاشق رسول نے زندگی بھر سیرت الرسول ہی کے ہمہ گیر پہلوؤں پر لکھا۔

مجدد اسلام امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ مجدد رسالت تھے ان کے تجدیدی کارناموں اور کاوشوں کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت سے ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انھوں نے زیادہ تر رسالت پر لکھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات اقدس اور حضور کے اوصاف و کمالات پر لکھا، اسی طرح شیخ مجدد الف ثانی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مجدد توحید و وحدانیت تھے ان کے تجدیدی کارناموں سے توحید کے مقضیات و حقائق سامنے آئے، مجدد الف ثانی نے جو لکھا وہ توحید پر لکھا، ان کا قلم چلا تو وحدانیت کے عقدے حل کیے، ان کے قلم نے توحید کا نغمہ گایا، انھوں نے راز وحدت و اسرار الہیہ سے فرزند ان توحید کو آگاہ و آشنا کیا۔ مجھے عرض یہ کرنی ہے کہ جب مجدد الف ثانی کے بارے میں اس حقیقت کو بلا چوں و چرا تسلیم کر لیا گیا کہ وہ مجدد وحدانیت تھے، انھوں نے توحید پر لکھا، وحدت ہی کی توضیح و تشہیر ان کے پیش نظر رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مکتوبات و وحدۃ الوجود کے جلوؤں سے مالا مال ہیں۔ ان کی جو بھی تحریر سامنے آئی اس میں زیادہ تر وحدۃ الوجود ہی کی رنگ آمیزیاں

ہیں۔ تو کیا مجدد ملت امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں اس سچائی کو تسلیم و قبول نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مجدد رسالت ہیں انھوں نے جو لکھا وہ رسالت پر لکھا، اخلاق نبوت پر لکھا، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمہ گیر خدمات و کارنامے لکھے، عقیدہ رسالت پر ہونے والے حملوں کا بھرپور دنداں شکن جواب دیا، شان اقدس میں نازیبا کلمات کہنے والوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا، وہ مجدد رسالت ہیں انھوں نے عشق رسالت میں سرشار ہو کر لکھا۔

ہاں! یہ الگ بات ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے سیرت الرسول پر بالاستقلال نہیں لکھا۔ اگر وہ اس موضوع پر لکھتے تو کتب سیرت میں ان کی تصنیف کردہ کتاب کو ایک منفرد و امتیازی مقام حاصل ہوتا۔ گو کہ انھوں نے سیرت کے عنوان سے مستقل طور پر کوئی کتاب نہیں لکھی مگر ان کی صدہا تصانیف میں سیرت الرسول کے مبادیات و مضامین کی ایک حسین و رنگین دنیا آباد ہے۔ ان کی تصانیف میں مدنی تاجدار کے لیل و نہار کی جلوہ ریزیاں و رعنائیاں موجود ہیں، اس بات کی صداقت و سچائی کا یقین آپ کو ”سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ (چار جلدوں) کے مطالعہ سے خود بخود ہو جائے گا اور یہ کتاب اس دعوے کی روشن دلیل اور واضح ثبوت ہے۔ طلوع آفتاب کے بعد اس کا انکار کرنا عقل والوں کا کام نہیں، سپیدہ سحر نمودار ہونے کے بعد اجالوں کا پھیل جانا ایک فطری و یقینی بات ہے۔

ایک مسموع روایت مشہور یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی سے کسی صاحب دل نے گزارش کی کہ حضور اگر آپ سیرت الرسول پر ایک جامع کتاب لکھ دیتے تو بہت بہتر ہوتا اور اس کی حیثیت سیرت کے ایک انسائیکلو پیڈیا کی ہوتی۔ امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا کہ بات تو بہت اچھی اور کام نہایت حسین و عمدہ ہے مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ”مدارج النبوة“ کی موجودگی میں مجھے سیرت پر مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، وہی کتاب سیرت الرسول پر نہایت جامع اور اہم کتاب ہے مجھے اتنی فرصت کہاں کہ آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صبح و شام اور حیات اقدس کی خلوت و جلوت کو تفصیل سے لکھ

سکوں۔ میں تو اپنے آقا کے درکاسگ اور ادنیٰ محافظ و پاسبان ہوں۔ ناموس رسالت پر چو طرفہ حملے ہو رہے ہیں، میں ان کا جواب دیتا ہوں، گستاخان رسول کی سرکوبی میرا نصب العین اور بارگاہ رسالت کی پاسبانی میرا دینی فریضہ ہے۔ کبھی علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار کیا جاتا ہے تو امام احمد رضا کا قلم دنیا کو الدولۃ المکیہ، انباء الحی، انباء المصطفیٰ بحال سرواٹھی، خالص الاعتقاد وغیرہ عطا کرتا ہے، کبھی اختیارات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکرین کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی دنیا کے سامنے ”مدیۃ اللیب ان التشریح بید الحیب“ پیش کرتے ہیں، کبھی حضور کی سیادت مطلقہ پر انکاری کلام کیا گیا تو امام احمد رضا بریلوی نے ”تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین“ پیش کی اور دنیا کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان سیادت و کمال اختیار اور غیب دانی کی حقیقت سے آگاہ و روشناس کرایا، ان کی اکثر تصانیف کا یہی حال ہے کہ وہ کسی نہ کسی سوال کے جواب میں لکھی گئیں اور بعض تصانیف میں سیرت الرسول کے منتخب پہلوؤں پر تفصیلی طور پر بحث کی گئی ہے اور ایک ایک موضوع پر الگ الگ مستقل کتاب لکھی گئی ہے، اگرچہ بعض تصانیف رد و ابطال اور دیگر علمی موضوعات پر بھی ہیں، مگر ان میں بھی سیرت الرسول کے کسی نہ کسی گوشے کو واضح کیا گیا ہے، تو ہین رسول کے مرتکبین کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے میں بھی امام احمد رضا نے سیرت کا سہارا لیا ہے۔ جن باتوں کا تعلق براہ راست حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات سے ہے ان کا اگر کوئی انکار کرے تو کیا ان باتوں کا جواب دینا سیرت نویسی نہیں؟ کیا علم غیب مصطفیٰ کا ثبوت، اختیارات مصطفیٰ کا اثبات، سیادت مطلقہ کی وضاحت بعینہ سیرت کے موضوعات و مقتضیات نہیں ہیں؟ کیا سیرت کا اطلاق کسی اور مباحث پر ہوتا ہے؟

فرق باطلہ کے رد و ابطال کا تعلق اگرچہ سیرت کے موضوع سے نہیں مگر ناموس مصطفیٰ پر حملہ کیا جائے، حضور کے قرار واقعی مقام و منصب کا انکار کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان و عظمت گھٹائی جائے، محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدا داد اختیارات و علوم و معارف میں

تنقیص و توہین کا پہلو تلاش کیا جائے تو ان باتوں کا جواب دینا اور فرقیہائے باطلہ کی ضلالت و گمراہی کا پردہ چاک کرنا بعینہ سیرت نویسی اور فن سیرت ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشرکین کی ہجو اور لغویات کا جواب دیتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتہائی مسرور و خوش ہوتے اور بذات خود اپنے دست مبارک سے مسجد نبوی میں ان کے لیے منبر بچھاتے اور فرماتے اے حسان! مشرکین کی خوب ہجو کرو، ان کی تنقیص و تحقیر میں کوئی کسریا کوئی کمی باقی نہ رکھو اور جناب روح القدس کے ذریعہ سے ان کی تائید و حمایت ہوتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ شان رسالت میں نقص و اہانت آمیز باتوں کا جواب دینا حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کریمہ ہے۔ اور یہ کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف کفار و مشرکین کی مذمت و برائی بیان کرنے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ ساتھ میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا نغمہ و گیت گاتے، حضور کے محاسن و کمالات ارشاد فرماتے، امام احمد رضا بریلوی نے سنت حسان پر عمل کرتے ہوئے جہاں پر گستاخان رسول کا ردِ بلیغ فرمایا، ان کی مذمت و برائی بیان کی وہیں پر انھوں نے احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام و منصب نبوت کی قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کی اور زندگی بھر نبی کا گیت گایا۔

اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ وہ چیزیں ہیں جو فن سیرت سے خارج و جدا نہیں ہو سکتیں بلکہ اگر بنظر غائر ان کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب چیزیں سیرت کی جان اور اس کے لیے جزو لاینفک ہیں۔ سیرت کے مسلمہ پہلوؤں پر تو اپنوں کے ساتھ غیروں نے بھی طبع آزمائی کی اور بہت کچھ لکھا مگر شان اقدس میں معائب و نقائص تلاش کرنے والوں کے جواب میں ماضی قریب میں جس ممتاز و منفرد ہستی نے لکھا وہ امام احمد رضا بریلوی کی ذات بابرکت ہے جس کی مثال کئی صدیوں میں بمشکل ملے گی۔

امام احمد رضا بریلوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وفادار و عاشق صادق تھے اگر کوئی

حضور کی شان رفیع میں نازیباً وروح فرسا کلمات کہتا یا مسلمہ بات کا انکار کرتا تو وہ بے چین و مضطرب ہو جاتے اور اس کے ازالہ کے لیے وہ ہر ممکن سعی و کوشش کرتے اور اس راہ میں تن من دھن کی بازی لگانے میں بھی دریغ نہیں فرماتے وہ اپنے کو بارگاہ رسالت کا محافظ و پاسبان سمجھتے، محبوب کردگار کے ناموس و عزت پر قربان ہو جانے کو اپنی زندگی کی عظیم سعادت و معراج کمال سمجھتے تھے اور امام احمد رضا بریلوی یہ چاہتے تھے کہ جس طرح حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرکین کی ہجو و برائی بیان کرنے سے حضور روجی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرور شادماں ہوتے اسی طرح ان کا بے دینوں اور بد عقیدوں کو جواب دینے سے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے خوش ہو جائیں۔

امام احمد رضا بریلوی ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مجھے عظمت رسالت کے منکرین سے کیا خوف بعض لوگ برملائش گالیاں دیتے ہیں، بعض خبیثاء تو مغالطات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں، اس سے زیادہ میری ذات پر حملے کریں۔ میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے، گالیاں دیتے، برا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ ورسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں، ادھر سے کبھی اس کے جواب کا وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لیے ہے بلکہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا:

و لتسمعن من الذین اشركوا و الذین اتوا الكتاب من قبلکم اذی کثیرا

البتہ تم مشرکوں اور اگلے کتابیوں سے بہت کچھ برا سنو گے۔

بڑے بڑے ائمہ و مجتہدین و صحابہ و تابعین تو مخالفین کے سب و شتم سے بچے نہیں، یہ درکنار، جب اللہ واحد قہار اور اس کے پیارے حبیب و محبوب احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹانا چاہی، انھیں

عیب لگائے تو اور کوئی کس گنتی میں۔ (المملو ظ حصہ دوم)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ ناموس رسالت کی حفاظت و صیانت ہی امام احمد رضا بریلوی کی تحریر و تقریر کا اولین مقصد و منجھی فریضہ ہے۔

جس طرح امام احمد رضا بریلوی سے سیرت الرسول پر کتاب لکھنے کی گزارش کی گئی تو عدم فرصت کا جواب دیا اسی طرح ان سے کسی نے یہ گزارش کی کہ حضور آپؐ نواسہ رسول سید الشہداء حضرت امام حسین شہید گل گوں قبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور واقعات کر بلا پر ایک کتاب قلم بند فرمادیں تاکہ وہ کتاب صحیح اور مستند واقعات و روایات پر مشتمل ہو اور ایک دستاویز کی حیثیت سے اسے ماخذ و مرجع قرار دیا جائے۔ امام احمد رضا نے فرمایا کہ امام عالی مقام اور واقعات کر بلا لکھنے کی میرے قلم میں یارائے سخن کہاں! اسے اس خونچکاں داستان لکھنے کی تاب و طاقت نہیں، میرے ضبط و تحمل کی قوت جواب دے جائے گی، میرے صبر و شکیب کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا اگر لکھنا شروع کروں تو آنسوؤں کی دھار قلم کی سیاہی کو دھو ڈالے گی، یہ اس امام فکر و نظر کا جواب ہے جس کا قلم ہر میدان میں اس شان سے چلا کہ علم و تحقیق کے سمندر بہا دیے، جس طرف توجہ ہو گئی غزالی و رازی کی یاد تازہ ہو گئی، پھر فرمایا کہ میرے، منجھلے بھائی حسن میاں (مولانا حسن رضا بریلوی) کی کتاب ”آئینہ قیامت“ کر بلا کے صحیح اور مستند واقعات پر مشتمل ہے اسے پڑھی جائے۔

اسی ضمن میں امام احمد رضا بریلوی سے ایک سوال ہوا کہ۔

محرم کی مجالس میں جو مرثیہ خوانی وغیرہ ہوتی ہے سننا چاہئے یا نہیں؟

اس کے جواب میں فرمایا :

مولانا شاہ عبدالعزیز کی کتاب جو عربی میں ہے وہ یا حسن میاں مرحوم میرے بھائی کی کتاب

”آئینہ قیامت“ میں صحیح روایات ہیں انھیں سننا چاہئے، باقی غلط روایات کے پڑھنے سے نہ پڑھنا اور نہ

سننا بہتر ہے۔ (المملفوظ حصہ دوم)

زیر نظر کتاب ”سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت“ کے سبب تالیف کی گفتگو کافی طویل اور اصل واقعہ سے دور ہو گئی۔ دراصل بات یہ ہے کہ ”امام احمد رضا اور علم حدیث“ جلد چہارم کی کتابت کے دوران میں جب میں اس کا مقدمہ لکھ رہا تھا تو درمیان میں امام احمد رضا بریلوی کی سیرت نگاری سے متعلق کوئی بات آئی جس پر کئی صفحات لکھے گئے اور دلائل و شواہد سے ثابت کیا گیا کہ سیرت نویسی میں امام احمد رضا نے وافر و کثیر حصہ لیا ہے اور امام احمد رضا کی وہ تصانیف جو بظاہر بھی سیرت الرسول سے متعلق ہیں جن کے مضامین بعینہ سیرت کے مضامین و مباحث ہیں ان کی ایک فہرست درج کی اور ان کا خاکہ بھی پیش کیا گیا، خصوصاً سلام رضا، ”مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام“ جو منظوم سیرت الرسول کا گنج گراں مایہ ہے، جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک ایک چیز اور حضور سے متعلق ہر بات کو حسین پیرایہ بیان میں خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اس کے حوالے سے بھی کچھ لکھا گیا۔ مناسب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کو یہاں پر شامل و ضم کر دیا جائے، مگر یہ سوچ کر کہ قارئین کرام اسے وہیں پر ملاحظہ فرمائیں گے اس لیے مکرر ذکر کرنے اور اس کے اعادہ کی حاجت نہیں، پھر یہ کہ جہاں پر حقائق و سچائیاں سامنے موجود ہوں وہاں پر کسی اشاریے اور خاکہ پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پھر جب میں ”امام احمد رضا اور علم حدیث“ جلد پنجم کی تالیف و ترتیب اور اس کی کتابت کی پروف ریڈنگ سے فارغ ہوا تو خیال پیدا ہوا کہ کاش! تصانیف امام احمد رضا بریلوی سے احادیث کی طرح اگر سیرت الرسول کے مواد و مضامین کو یکجا و مجتمع کیا جاتا تو سیرت پر اک ضخیم و معرکہ آراء کتاب وجود میں آتی اور سیرت کے تعلق سے امام احمد رضا بریلوی کی گرانقدر تحقیقات و افادات سے دنیا جہان کے لوگ مانوس و آگاہ ہوتے، حاشیہ ذہن و دماغ میں بار بار یہ خیال گدگدی اور انگڑائیاں لیتا مگر یہ سوچ کر کہ یہ کام انتہائی اہم و صعوبت انگیز ہے، میری ہمت جواب دے جاتی اور میں مایوس و ناامید ہو کر بیٹھ جاتا، مگر

میرے خیالات و ہمت میں مقابلہ ہوتا رہا، میرے وجود میں اس کی کشمکش باقی رہی، میں اسی فکر و خیال میں مستغرق رہا آخر ایک دن ایسا وقت آیا کہ میں خالق کائنات کی قدرت کاملہ، محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت عامہ اور غوث و رضا کی نظر عنایت و التفات پر وثوق و اعتماد کے ساتھ قرطاس و قلم لے کر بیٹھ گیا، اور تصانیف امام احمد رضا کے چمن زاہر و گلشن تحقیق و تدقیق سے مضامین و مبادیات سیرت کے رنگارنگ شاداب و عطر بیز پھول چننے میں مصروف و منہمک ہو گیا، جس کے نتیجے میں یہ حسین و جمیل مشک بارگلدستہ آپ کی بارگاہ محبت میں پیش کرنے میں قلبی مسرت و داریں کی سعادت محسوس کر رہا ہوں۔ یہ مجموعہ کئی سال کی محنت و کاوش اور مسلسل جدوجہد کا ثمرہ ہے، جو آپ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے اپنے ہاتھوں میں دیکھ رہے ہیں۔ ہماری یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی اور اس کی حقیقت و سچائی کیا ہے؟ آپ کا ذوق لطیف اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اگر آپ نے اسے رغبت و پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا تو مجھے امید ہے کہ یہ مجموعہ سیرت بارگاہ رسالت میں بھی مقبول و مستجاب ہوگا، چوں کہ یہ اس عاشق صادق و عارف کامل کی تحریر و افادات ہیں جو محبت و عشق رسول کا پیکر مجسم ہے، جس کی علمی و عملی زندگی دنیا کو پیغام عشق و درس محبت دیتی ہے۔

سیرت نگاری میں امام احمد رضا کا تفرود و امتیاز

اسلام کے دور اول سے لے کر آج تک ہر زمانے اور ہر قرن میں سیرت نویسی کا رواج رہا اور سعید روحوں نے اس پر طبع آزمائی کی۔ سیرت الرسول کے موضوع پر عربی، فارسی، اردو اور دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں کتابیں تصنیف کی گئیں، فارسی اور اردو کے مقابلے میں عربی سیرت کی تصانیف زیادہ ہیں، پھر فارسی و اردو اور دیگر زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ زبانوں کے اختلاف کے باوجود سب کا ماخذ و مرجع قرآن عظیم اور احادیث مبارکہ ہی ہیں۔ مختلف زبانوں میں جو کتب سیرت ہیں ان میں فرق و تفاوت تو ہے ہی مگر ایک زبان کی متعدد کتابوں میں بھی ہر ایک کتاب کا انداز بیان الگ اور حسن ترتیب جداگانہ ہے۔ میرے

سامنے اس وقت سیرت کی کئی کتابیں ہیں مگر ان پر نہ کوئی تبصرہ کرنے کا میرا ارادہ ہے نہ اس کی کوئی حاجت، البتہ مجھے صرف ”مدارج النبوة“ کے تعلق سے ایک دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اسے علامہ شمس بریلوی۔ ع الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

”میری نظر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلے سیرت نگار ہیں جنہوں نے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر پہلو کو پیش کیا ہے اور آپ کی معاشرتی زندگی کے ہر رخ کو ضبط تحریر میں لایا ہے خصوصاً جلد دوم کے آخری ابواب یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعمام، عمات، برادران رضاعی، جدات، خدام بارگاہ، موالی، محافظین، کاتبان وحی، سفراء و عمال، خطاط، موزنین، حدی خواناں اور شعرائے بارگاہ رسالت کے احوال میں تفحص اور ان کا استقصا قابل داد ہے۔ حضرت محدث دہلوی سے پہلے اس مہم کو کوئی دوسرا سیرت نگار سر نہیں کر سکا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آلات حرب و اسلحہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ علم ہائے بارگاہ نبوی کی تحقیق بھی کی ہے، حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرس و بغول (گھوڑے، خچر) نیز اثاث البیت کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے اس طرح آپ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معاشرتی اور مدنی زندگی کے ہر پہلو کو کمال تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے، اور ان کے علمی کمال کا یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ انہوں نے سیرت نگاری سے فقہی مسائل کا استخراج کیا ہے جو ان کی بالغ نگاہی کی دلیل ہے۔“

(مقدمہ مدارج النبوة، مترجم جلد دوم)

انہیں نمایاں خوبیوں کے پیش نظر علماء و فضلاء اور محققین و دانشوران ملت نے ”مدارج النبوة“ کو انتہائی پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا اور ماضی قریب کی کتب سیرت میں اسے ایک مخصوص و انفرادی مقام حاصل ہوا، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں کمال جامعیت کے ساتھ سیرت کے مبادیات و مقتضیات کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے اور ہر باب کے تحت میں اس سے متعلق بیشتر روایات کو پیش کرنے کی ممکنہ کوشش و جستجو

کی گئی ہے اور جدت طرازی کا بھی بھرپور خیال رکھا گیا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی سیرت نویسی کا انفرادی و نمایاں پہلو یہی ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی سیرت نگاری کا امتیازی وصف یہ ہے کہ انھوں نے سیرت کے مسلمہ پہلوؤں پر لکھنے کے ساتھ بعض ان موضوعات و مباحث پر تحقیق و تدقیق کے آئینے میں دل کھول کر لکھا، سیرت کی کتابوں میں جن کا نام و نشان بھی نہیں۔ مصنفین سیرت نے ان مباحث کو ہاتھ بھی نہ لگایا، حالاں کہ ان مضامین و موضوعات کا ربط و تعلق بھی سیرت ہی سے ہے، بلکہ وہ اصل سیرت اور اس کی جان ہیں اور ان کا ماخذ و مرجع بھی قرآن مقدس و احادیث طیبہ ہی ہیں۔ مثلاً

- اختیارات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- عالم کی کنجیاں حضور کے سپرد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور عالم کے لیے پناہ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور نعمتیں عطا فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور دافع البلاء ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- شہنشاہ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور جان و مال کے مالک ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- ندائے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- حضور کی سیادت مطلقہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- اللہ و رسول کی طرف توبہ و رجوع جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
- نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا وغیرہ۔

یہ وہ مضامین ہیں جن میں سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت کا سمندر لہریں لے

رہا ہے اور اہل ایمان کے لیے احترام و تکریم رسالت کے ساتھ ان میں عشق و وفا کا ابدی پیغام بھی ہے۔ ذرا انصاف و دیانت سے بتایا جائے کہ کیا ان میں سے کوئی ایک مضمون بھی ایسا ہے جسے فن سیرت سے خارج کیا جاسکتا ہے؟ جو سیرت کے حقائق و معارف اور اس کے مبادیات و مقتضیات کو پورا نہ کرتا ہو؟ یا یہ کہ اس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے اوصاف و کمالات سے نہ ہو؟

امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف میں ان موضوعات کے مضامین تو جا بجا پھیلے ہوئے ہیں ہی، مگر ان میں سے بعض پر انھوں نے باضابطہ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں اور ان مضامین کو مستقل کتاب کی شکل میں پیش کیا ہے۔ یہ امام احمد رضا بریلوی کا طرہ امتیاز ہے کہ انھوں نے جب لکھنا شروع کیا تو ایک ایک موضوع پر دلائل و شواہد کے انبار لگا دیے اور اس کے کسی بھی گوشہ تحقیق کو تشنہ تکمیل و نامکمل نہیں چھوڑا، اس کے ہر نشیب و فراز پر نگاہ ڈالی اور اس کے تمام پیچ و خم کو سلجھایا، اس حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا نے سیرت کی مستقل کتاب بھی لکھی اور فن سیرت کے مقتضیات کو پورا کیا۔ مذکورہ مضامین پر ان کی تحقیقات و تصانیف اس بات پر شاہد و ناطق ہیں۔

اور یہ کہ جس طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نگاری سے فقہی احکام و مسائل کا استخراج کیا، سیرت کے گوشوں میں شرعی مسائل واضح کیے، اسی طرح امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے عقائد نگاری و احقاق حق، ابطال باطل اور بیان مسائل سے سیرت نویسی کا حسین و خوشگوار فریضہ انجام دیا، فقہی جزئیات و قوانین اور بیان عقائد و اعمال کے ضمن میں انھوں نے سیرت نگاری کا حقیقی کردار ادا کیا، انھوں نے عقیدہ توحید و عقیدہ رسالت پر کتابیں تصنیف کیں اور فقہی احکام و مسائل بیان کیے مگر ان کی یہی تصانیف سیرت الرسول کا حسین و جمیل گلدستہ بن گئیں، یہ کوئی مبالغہ و جزاف نہیں بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت و سچائی ہے جس کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔ ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کے مطالعہ سے شک و ریب کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

آج کے دور میں ”مدارج النبوة“ کو یہ خصوصیت و انفرادیت حاصل ہے کہ اس کے بعد سیرت پر جو بھی کتاب تحریر کی گئی اس کا ماخذ منبع ”مدارج النبوة“ ہی ہے کیوں کہ بعد والی کتابوں میں یہ ایک سنگ میل کی حیثیت سے ابھری اور فنی دستاویز کی حیثیت سے اس کا جائزہ لیا گیا اور یہ بعد کے مصنفین سیرت کے لیے مرکز نگاہ و قابل توجہ ہو گئی کیوں کہ اس میں سیرت الرسول کے تعلق سے ہر طرح کا جلال و جمال اور جملہ محاسن و خوبیاں موجود ہیں۔ اسی طرح امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف سے سیرت الرسول کے منتشر مباحث و متفرق مضامین کو یکجا و مجتمع کرنے کے بعد جب انھیں کتابی شکل دی گئی تو اس سے اندازہ ہوا کہ اس کا طرز استدلال، اسلوب تحقیق، انداز بیان، زبان و ادا میں والہانہ عقیدت و وارفتگی وغیرہ سب کچھ مدارج النبوة ہی کی مانند و موافق ہیں، غرض کہ جو دلکشی و رعنائی مدارج النبوة کے دامن میں سمٹی ہوئی ہے وہ پورا حسن و تزئین ”سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ کے چمن زار میں بدرجہ اتم و اکمل طریقے پر موجود ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب بھی مدارج النبوة کی مثل اور اسی کی ہم پایہ ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ قارئین کرام کا ذوق مطالعہ اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

ان معروضات و گزارشات سے میرا مح نظر ”مدارج النبوة“ اور زیر نظر کتاب ”سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ کے درمیان کوئی تقابلی جائزہ یا مطالعاتی تجزیہ پیش کرنا نہیں، بلکہ صرف یہ واضح و آشکارا کرنا مقصود ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے وہ افادات و تحقیقات جن کا تعلق سیرت نبویہ علی صاحبہا التحیۃ و الثناء سے ہے وہ جملہ ابواب سیرت پر جامع و محیط ہیں۔ ان کی جمع و تدوین سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا ایک ایک گوشہ، حضور کی معاشرتی زندگی کی ایک ایک چیز اور حضور کے جملہ متعلقات کو کمال حسن و خوبی اور انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

طرز تالیف

(۱) امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی جن تصانیف سے سیرت الرسول کے مضامین و مواد اخذ کیے گئے ہیں آخر میں ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے خاص طور سے فتاویٰ رضویہ کے صفحہ نمبر اور جلد کی تعیین کر دی گئی ہے اس کے علاوہ دیگر تصانیف و رسائل کے حوالوں میں صرف ان کے نام پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

(۲) ہر مضمون کے آغاز و ابتداء میں امام احمد رضا کی تحریر نقل کرنے سے پہلے ”مدارج النبوة“ سیرت مصطفیٰ اور سیرت الرسول وغیرہ سے اس کا خلاصہ پیش کر دیا گیا اور آخر میں لفظ مولف لکھ کر اس کتاب کا حوالہ دے دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اضافی تحریر مولف کی پیوند کاری ہے، کیوں کہ امام احمد رضا کی تحریر سیرت کے تعلق سے مسلسل و مربوط نہیں یا بعض مضمون پر سیر حاصل و تشفی بخش نہیں اسی لیے ہر بحث کے شروع میں اس کا حاصل و خلاصہ لکھ دیا گیا ہے، تاکہ قاری کو کوئی تشنگی باقی نہ رہے وہ ہر طرح سے مطمئن ہو جائے، ایسا ان تمام مضامین کے شروع میں کیا گیا ہے جن پر امام احمد رضا کی تحریر دستیاب ہوئی اور وہ عنوانات جن کے تحت میں ان کی کوئی تحقیق و تحریر مجھے نہیں ملی، انھیں بھی مختصر اچانچ میں کتب سیرت کے حوالے سے درج کر دیا گیا ہے، تاکہ ہر طرح سے کتاب جامع و مکمل اور سیرت کے تمام مباحث پر مشتمل ہو اور کسی طرح کی کوئی کمی یا نقص کا شکوہ نہ رہے، لیکن ایسے مضامین بہت ہی کم ہیں جن پر امام احمد رضا کی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری۔ جس طرح ایک مالی گلستاں کے مختلف گوشوں کے رنگارنگ پھولوں سے کوئی ہار یا گل دستہ تیار کرتا ہے اسی طرح اس کتاب کے مضامین امام احمد رضا بریلوی کی مختلف تصانیف و افادات کی چمنستان سے جمع کیے گئے ہیں اور انھیں ایک لڑی میں پرویا گیا ہے اگرچہ عام کتابوں کی طرح اس کی تصنیف و تحریر عمل میں نہیں آئی مگر اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ اس کی ترتیب و تہذیب میں نہ کوئی فرق پڑا ہے نہ اس کی سلاست و روانی میں کوئی

جھول واقع ہوا ہے۔

(۳) تصانیف امام احمد رضا کے مختلف مقامات سے مواد یکجا دکھا کرنے کی صورت میں جس مضمون کی تحریر آپس میں غیر مربوط یا غیر مسلسل محسوس ہوئی وہاں پر ضمنی سرخیوں کے ذریعہ سے اس کی اجنبیت اور فاصلہ کو دور کر دیا گیا ہے، ان سرخیوں سے متفرق عبارات کے درمیان ربط و تعلق پیدا ہو گیا ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے متعلق و یکجان ہو گئی ہیں، اور یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ تحریر کسی سوال کے جواب میں مستقل ہے یا متفرق عبارات کے درمیان سے اخذ کی گئی ہے۔

(۴) سیرت سے متعلق امام احمد رضا بریلوی کی جملہ عبارات کو نقل کیا گیا ہے خواہ عربی، فارسی ہو یا اردو، البتہ وہ عربی و فارسی عبارات جن کا ترجمہ مصنف کے قلم سے مرقوم نہیں ان کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے اور آخر میں لفظ ”مولف“ لکھ کر دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی ہے، تاکہ معلوم ہو کہ جس عبارت یا جس ترجمہ کے آخر میں لفظ ”مولف“ لکھا ہوا ہے وہ مولف و مرتب کی کاوش و کوشش ہے۔ پہلے خیال یہ تھا کہ عربی و فارسی عبارات نقل نہ کی جائیں صرف ان کے ترجمے ہی پر اکتفاء کیا جائے، لیکن اس خیال سے کہ امام احمد رضا بریلوی کی تحقیقات سے دنیا جہاں کو آشنا و آگاہ کرنا مقصود ہے، ہر طرح کی جملہ عبارتیں نقل کی گئیں اور اس سلسلے کی جو عبارت و تحریر بھی نظر سے گزری اسے قلم انداز نہیں کیا گیا، اس سے کتاب کچھ ضخیم ضرور ہو گئی مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سیرت الرسول کے تعلق سے امام احمد رضا بریلوی کی جملہ تحریر و تحقیق واضح و نمایاں ہو کر سامنے آگئی۔

(۵) امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تصانیف میں احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیۃ و الثناء کی ایک حسین و رنگین دنیا آباد ہے، انھیں احادیث سے استدلال و استخراج کا ملکہ راسخہ حاصل تھا، وہ اکثر احکام

ومسائل کے ثبوت و تحقیق میں احادیث کریمہ پیش کرتے تھے، کبھی ایک ایک مسئلہ کو ثابت و واضح کرنے کے لیے انھوں نے تین تین سو حدیثیں پیش کی ہیں (”امام احمد رضا اور علم حدیث“ کی پانچ جلدیں جو امام احمد رضا کی تصانیف سے ماخوذ حدیثوں کا مستند مجموعہ ہے، اس بات کی واضح دلیل ہیں) ان میں سے جن احادیث مبارکہ میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی فعل کا ذکر یا حضور سے متعلق کسی چیز کا تذکرہ ہے انھیں ضبط تحریر میں لایا گیا ہے یا صحابہ کرام کے وہ مرویات و اقوال جن میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا یا ایسا نہیں کیا یا حضور کو ایسا کرتے دیکھا گیا وغیرہ، ان کو بھی من و عن نقل کیا گیا ہے، کیوں کہ یہی احادیث و روایات سیرت الرسول کا منبع و سرچشمہ ہیں، انھیں کی بدولت ہمیں اسوۂ نبوی اور حضور کی صبح و شام دیکھنے کا موقع ملا اور سیرت کی کتابیں وجود میں آئیں۔ اگر احادیث کا ذخیرہ مدون و مجتمع نہ ہوتا تو ہمیں نہ احکام و مسائل معلوم ہوتے نہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی مبارک زندگی اور حضور سے متعلق چیزوں کے احوال و کوائف کا علم ہوتا۔ اہل اسلام پر یہ محدثین کرام و ائمہ عظام کا عظیم و جلیل احسان ہے کہ انھوں نے تدوین حدیث کے ذریعہ سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جن کی بدولت اسلامی تاریخ و روایات کا سلسلہ تسلسل و تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا، ورنہ ہم انبیاء و مرسلین، صحابہ و تابعین اور اسلاف و اکابر کے احوال و اقوال اور ان کی تاریخ و سیرت جاننے سے محروم و عاجز رہتے اور ہمارا ماضی ہم سے تاریک و پوشیدہ رہتا۔ احادیث کے ساتھ مضامین کی مناسبت سے کہیں کہیں دیگر باتیں بھی درج کی گئی ہیں جن کا تعلق سیرت نبویہ کے ضمن میں عقائد دینیہ یا مسائل شرعیہ سے ہے۔

(۶) دیگر تصانیف امام احمد رضا بریلوی سے اخذ مواد کے ساتھ ان کی نعتیہ دیوان ”حداق بخشش“ سے بھی مضامین کی مناسبت سے بعض اشعار کو شامل کتاب کر دیا گیا ہے تاکہ امام احمد رضا

بریلوی کی نثر میں سیرت نگاری کے ساتھ نظم میں بیان کردہ حضور کے فضائل و محاسن بھی واضح طور پر سامنے آجائیں۔ یوں تو پورا دیوان ہی محبوب رب جلیل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت و مدح اور حضور کے فضل و کمال کے تذکرہ جمیل سے مملو و مشحون ہے، مگر بعض مضمون کے آخر میں صرف لفظ اشعار کو ضم کیا گیا ہے جن میں ان مضامین و عنوانات سے متعلق صراحتاً کسی طرح کا کوئی ذکر موجود ہے جیسے قصیدہ معراجیہ و قصیدہ نور وغیرہ، ان میں سے ان مخصوص اشعار کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں مثلاً معراج، براق، سدرہ، سیر حموات یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور وغیرہ کا صریح طور پر ذکر ہے ورنہ حق تو یہ تھا کہ پورا پورا قصیدہ نقل کیا جاتا، کیوں کہ ان قصائد کا ایک ایک حرف حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان جمال و حسن کمال کو بتاتا ہے۔ لیکن کتاب کی مزید ضخامت کے خوف سے منتخب اشعار ہی کی نقل پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

(۷) اس کے مضامین و مباحث کی ترتیب میں وہی انداز و طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو عام کتب سیرت کا انداز ترتیب ہے جو واقعات و حالات جس سن میں وقوع پذیر و رونما ہوئے ان کو اسی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے، تاکہ قاری کو الجھنوں اور مشکلات کا سامنا کرنا نہ پڑے، اور وہ مضامین جو محض امام احمد رضا بریلوی کی تحقیقات عالیہ ہیں انھیں بھی ماقبل و مابعد کی مناسبت سے بیچ بیچ میں شامل و ضم کر دیا گیا ہے پھر بھی اس کے حسن ترتیب میں سلیقہ مندی کا فیصلہ قارئین کرام فرمائیں گے۔

(۸) شروع میں وہ صریح آیات قرآنیہ بطور تبرک پیش کی گئی ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کا واضح بیان موجود ہے۔ کنز الایمان سے ان کا ترجمہ کر دیا گیا ہے اور خزائن العرفان سے ان کی تفسیر و توضیح بھی مختصراً پیش کی گئی ہے۔ ہر آیت کے آخر میں سورۃ اور

آیت نمبر کا حوالہ درج کر دیا گیا ہے۔

اس قسم کی تمام آیتوں کا استقصا و احاطہ کرنا تو میرے لیے ممکن نہیں، کیوں کہ شروع سے اخیر تک پورا قرآن ہی حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کا مخزن و مرقع ہے، البتہ جہاں تک میری نظر قاصر کی رسائی ہوئی ان آیات کی اختصار کے ساتھ تفسیر و تشریح پیش کی گئی ہے، پھر یہ کہ کتاب کی ضخامت کا خوف ہر لمحہ دامن کشاں رہا، قلم روکنے کے باوجود یہ مضمون طویل ہو گیا اور درجنوں صفحات بھر گئے، مگر حق یہ کہ حق ادا نہ ہوا۔ جس پیکر جمیل کے حسن و جمال، فضل و کمال، رفتار و گفتار، اخلاق و کردار اور اس کے سراپائے اطہر کی تعریف و توصیف خالق کائنات خود کر رہا ہو، مخلوقات میں سے کون اس کی شایان شان مدح و ستائش کر سکتا ہے۔ کون کما حقہ اس کی تعریف و ثنا کا حق ادا کر سکتا ہے۔

اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداح حضور

تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی



لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہمارا تو حال یہ ہے :

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

ہنوز نام او گفتن کمال بے ادبی ست

(۹) آیات قرآنیہ کی طرح حصول برکت کے لیے بعض وہ احادیث بھی پیش کی گئی ہیں جن میں حضور

سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و تقدیس، جلال و جمال اور حضور کے فضل و کمال کا

ٹھانٹھیں مارتا ہوا سمندر لہریں لے رہا ہے۔ جس محبوب مکرم کی بارگاہ عالی میں زمزمہ سخی و ثنا خوانی

کے لیے اہل ارادت و اہل دل نے ہزاروں لاکھوں صفحات و اوراق لکھے، اپنے عشق و وارفتگی اور والہانہ عقیدت مندی کا ثبوت دیا، حضور کے حسن و جمال اور حضور کے سراپائے اقدس کی تشریح و توضیح کی ان کا مبداء و مآخذ بھی احادیث فضائل و شمائل ہی ہیں۔ حصول سعادت و غفران کے لیے انھیں احادیث میں سے بعض کی مختصر وضاحت کی گئی ہے اور حضور مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیہ اقدس کا نقشہ بھی حسین و جمیل انداز میں کھینچا گیا ہے۔ اس سے ہمارا مقصود محبوبِ جلیل کے ذکرِ جمیل سے اپنے کو اور کتاب کو مشرف و مکرم کرنا ہے۔

ما ان مدحت محمدًا بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمد

تشکر و امتنان

آخر میں استاذی الکریم حضرت مولانا محمد صالح صاحب بریلوی شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے اس راہ میں مجھے حوصلہ افزاء قیمتی مشورے دیے اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔

محقق عصر حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی صدر المدرسین الجامعة الاشرافیہ مبارکپور کے حکم و ایما پر اس کتاب میں ان مضامین کا کتب سیرت کے حوالے سے اضافہ کیا گیا جن کے متعلق امام احمد رضا بریلوی کی کوئی تحریر مجھے نہیں ملی، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ کتاب سیرت کے تمام عناوین و مباحث پر جامع و محیط نہ ہوتی اس بات کی نشان دہی پر میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

فخر صحافت آبروئے لوح و قلم حضرت علامہ یاسین اختر صاحب مصباحی بانی و مہتمم دار القلم دہلی کے مناسب و اہم مشورے سے اس کتاب کا نام ”سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت“ تجویز کیا گیا۔ انھوں نے

فرمایا کہ سلام رضا ”مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام“ میں دنیا بھر میں امام احمد رضا بریلوی کو تفرود و امتیاز حاصل ہے کہ ایسا سلام نہ ان سے پہلے کسی نے لکھا اور نہ ان کے بعد، اس اعتبار سے کتاب کے نام سے اہل علم کا ذہن اس نکتہ کی طرف جاسکتا ہے کہ اس میں امام احمد رضا بریلوی کے تحریر فرمودہ مضامین سیرت اور ان کی جلوہ ریزیاں موجود ہیں۔ اس کے لیے میں ان کی بارگاہ محبت میں بھی ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں۔

افضل الفضلاء حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب بریلوی و حضرت علامہ مفتی قاضی شہید عالم صاحب پورنوی مدرسین جامعہ نوریہ بریلی شریف بھی میرے لیے بے پناہ شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے امام احمد رضا بریلوی کی کچھ نایاب و کم یاب اور کچھ مخطوطہ قلمی کتابیں مجھے فراہم کیں، جن سے میں نے اپنی اس تالیف کے لیے استفادہ کیا۔

عمدۃ المحققین حضرت علامہ عبدالمبین صاحب نعمانی صدر المدرسین جامعہ قادریہ چریا کوٹ سو کا بھی بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے مفید و زریں مشوروں سے نوازا اور میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

اور میں فراموش نہیں کر سکتا محبت گرامی شعلہ رخ حضرت مولانا غلام جابر صاحب شمس مصباحی پی ایچ ڈی کو جنہوں نے مجھے ہر موڑ پر مہمیزی کی اور اس کام کو پورا کرنے کے لیے بار بار تقاضا کیا۔

محبت مخلص حضرت مولانا شاہ جہاں صاحب مدرس الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرہائے گنج بھی میرے لیے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کے پروف ریڈنگ میں میرا ساتھ دیا اور میری معاونت کی۔

اخیر میں ہم فخر سیت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت عالی جناب حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب کی

بارگاہ عالی میں خراج محبت پیش کرتے ہیں، جن کی نظر التفات و مساعی جمیلہ سے یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کی تالیف کے دوران میں ہم متفکر و متردد تھے کہ آخر یہ ضخیم کتاب کیسے طبع ہوگی اور اس کے لیے کیا سبیل و صورت پیدا ہو سکتی ہے، مگر ہم کارساز مطلق کی رحمت و عنایت سے مایوس و ناامید نہیں تھے۔ اس کے فضل و عطا پر یقین کامل تھا۔ اس نے اسباب و وسائل پیدا فرمائے اور جو کچھ ہے سب اسی واجب الوجود کی کرم فرمائی اور اس کے محبوب جلیل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیکس نوازی و عقدہ کشائی ہے کہ علامہ ہمدانی صاحب اس کی طرف مائل و متوجہ ہوئے اور ان کی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اور رضویت سے عقیدت و وارفتگی نے اس مشکل کو آسان و حل کر دیا، کہ انھوں نے ایک خطیر رقم کے ذریعہ اسے حسن و تزئین کے ساتھ طباعت و اشاعت کی منزل سے گزار کر اہل سنت و جماعت کی میز پر سجایا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

علمائے اہل سنت اور عوام و خواص کے لیے آج علامہ ہمدانی صاحب کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ ان کا امتیازی وصف یہ ہے کہ انھوں نے ہمارے ائمہ و اسلاف کی درجنوں تصانیف کو ہندوستان سے شائع کرنے کا شرف حاصل کیا۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی صدہا تصانیف کو جدید اسلوب اور حسین و جمیل انداز میں پیش کر کے سنیت و رضویت کی گرانقدر و بیش بہا خدمات انجام دیں۔ تاہم یہ سلسلہ الذہب جاری ہے، اور یہ کہ تصانیف اعلیٰ حضرت کی تعریف اور دیگر زبانوں میں ترجمے کا عظیم کام باضابطہ ان ہی کی بدولت شروع ہوا۔ اس منزل کی طرف پہلا قدم ان ہی کا اٹھا، تصنیفی و اشاعتی عزائم کی تکمیل کے لیے انھوں نے ایک مستقل ادارہ بنام ”مرکز اہل سنت برکات رضا“ قائم فرمایا، جو گونا گوں اور مختلف الجہات خوبیوں کا حامل و امین ہے۔ نہایت ہی قلیل عرصے میں اس ادارہ کے حوالے سے جو کارہائے نمایاں منصبہ شہود پر آئے وہ ہمارے لیے قابل فخر اور اس کے بانی و مہتمم کے خلوص و للہیت کے آئینہ دار ہیں۔

نیز علامہ ہمدانی صاحب بذات خود مختلف زبانوں میں سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں بعض کتابیں ضخیم اور کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں ان کی مصروفیات اور متنوع کاموں کو دیکھتے ہوئے اتنی ڈھیر ساری کتابوں کی تصنیف و اشاعت یقیناً حیرت انگیز کارنامہ ہے جو لائق تقلید بھی ہے اور باعث صدر شک بھی۔ رب کائنات انھیں عمر خضر اور دینی کام کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

میں جملہ معاونین و مخلصین کی بارگاہ ناز میں خلوص و اتمان کی سوغات پیش کرتے ہوئے قلبی مسرت و ذہنی سکون محسوس کرتا ہوں۔ ع

گر قبول افتد زہے عزو شرف

و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

محمد عیسیٰ رضوی قادری

متوطن

شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ

مقام کٹم پوسہ

مظہر العلوم، گرسہائے گنج

پوسٹ ڈمرولہ

ضلع قنوج (یوپی)

واہ اسلا پور، ضلع اتر دینا چور (بنگال)

۲۳ صفر ۱۴۲۵ھ / ۱۳ / اپریل ۲۰۰۴ء۔ بروز چہار شنبہ



سیرت اور اس کے مصنفین

لقد كان لعمري في رسول الله أسوة حسنة

سیرت اور اس کے مصنفین

عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں تدوین حدیث کا باضابطہ آغاز ہوا۔ انھوں نے ابو بکر بن محمد بن حزم انصاری کو احادیث یکجا کرنے کا حکم دیا اور علماء و محدثین کے توسط سے ابو بکر بن محمد بن حزم نے احادیث نبویہ کا عظیم سرمایہ اور بڑا ذخیرہ جمع کیا یہ اہتمام و انصرام تدوین حدیث کے لیے کیا گیا، لیکن اب تک مغازی و سیر کے ساتھ اعتناء نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خاص اس فن کی طرف توجہ کی اور حکم دیا کہ غزوات نبوی کا خاص حلقہ درس قائم کیا جائے۔ عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری متوفی ۱۲۱ھ اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے، ان کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں۔

امام زہری اور فن سیرت

اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے، فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسرنہ تھا، امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں، انھوں نے حدیث و روایات کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر جاتے، جوان، بوڑھے، عورت، مرد، جو مل جاتا، یہاں تک کہ پردہ نشیں عورتوں سے جا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلم بند کرتے۔ وہ نبا قریشی تھے۔ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا۔ ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے، اس نے بہت قدر و منزلت کی۔ کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں

کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔

امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کے حلقہٴ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے، ان میں سے یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح تمار، عبدالرحمن بن عبدالعزیز فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف ”صاحب المغازی“ لکھا جاتا ہے۔

زہری کے تلامذہ سیرت

زہری کے تلامذہ میں دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔

موسیٰ بن عقبہ اور سیرت

موسیٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے غلام تھے، عبداللہ بن عمر کو دیکھا تھا، فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں۔ امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو۔ ان کے مغازی کے جو خصوصیات ہیں یہ ہیں :

(۱) مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے، انھوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا۔

(۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کیے جائیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کے رطب و یابس روایتیں آجاتی تھیں، موسیٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے

مختصر ہے۔

(۳) چوں کہ روایت حدیث کے لیے کسی عمر کی قید نہ تھی اس لیے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقہ درس میں شامل ہو جاتے تھے اور حدیث سن کر لوگوں سے روایت کرتے تھے لیکن چوں کہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اس لیے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا، موسیٰ نے بخلاف اور لوگوں کے کبر سن میں اس فن کو سیکھا تھا ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں، لیکن ایک مدت تک شائع رہی اور سیرت کی تمام کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

محمد بن اسحاق اور سیرت

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں واقدی بھی ان سے کم نہیں۔ محمد بن اسحاق تابعی ہیں۔ صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تھا۔ علم حدیث میں کمال تھا۔ امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے، لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں، ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین کا اختلاف ہے۔ امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں قابل استناد ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی، لیکن ”جزء القراءة“ میں ان سے روایت کی ہے، تاریخ میں تو اکثر واقعات انھیں سے لیے ہیں۔

فن مغازی کو انھوں نے اس قدر ترقی دی اور اس قدر دلچسپ بنا دیا کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر

اس قسم کا مذاق رکھتے تھے، ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پرز کر کیا ہے۔ ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچی۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے، اور چوں کہ یہ واقعات انہوں نے یہودیوں سے سنے ہوں گے اس لیے ان پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ میں ابو بکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی

میں ہوا۔

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی، اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کیے، اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کر کے مرتب کیا، جو ”سیرت ابن ہشام“ کے نام سے مشہور ہے۔ چوں کہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے، اس لیے آج اس کی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔

ابن ہشام اور سیرت

ابن ہشام کا نام عبد الملک ہے وہ ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے، حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ انہوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں ان کی تفسیر بھی لکھی۔ ۲۱۳ یا ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔

سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بناء پر لوگوں نے اس کو نظم کیا۔ چنانچہ ابو نصر فتح بن موسیٰ خضراوی

متوفی ۶۶۳ھ و عبد العزیز بن احمد المعروف بہ سعد ویری متوفی فی حدود ۶۰۷ھ و ابو اسحاق انصاری تلمسانی و فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید متوفی ۷۹۳ھ نے منظوم کیا۔ اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں اور اس کا نام ”فتح الغریب فی سیرت الحبیب“ ہے۔

ابن سعد اور سیرت

ابن سعد مشہور محدث ہیں۔ محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ وہ قابل سند ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں۔

”کان من اهل العلم و الفضل و الفہم و العدالة صنف کتابا کبیرا فی طبقات الصحابة و التابعین الی دقتہ فاجاد فیہ و احسن.“

یہ اہل علم و فضل میں سے تھے۔ فہم و عدالت میں مشہور و یکتا تھے۔ صحابہ اور تابعین کے حالات پر ایک بڑی ضخیم کتاب لکھی۔ یہ کتاب ایسے عمدہ انداز میں لکھی گئی کہ جب سے اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ امام واقدی کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ انھوں نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا۔

یہ موالی بنی ہاشم سے تھے۔ بصرہ میں پیدا ہوئے، لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بلاذری جو مشہور مورخ ہیں، ان ہی کے شاگرد ہیں۔ ۲۳۰ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

ان کی کتاب کا نام طبقات ہے۔ ۱۲ جلدوں میں ہے۔ دو جلدیں خاص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات میں ہیں، اور یہ حصہ دراصل سیرت نبوی ہے باقی جلدیں صحابہ و تابعین کے حالات میں

ہیں اور چوں کہ صحابہ کے حالات میں ہر جگہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے اس لیے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔

یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا۔ شہنشاہ جرمن کو اس کی طباعت و اشاعت کا خیال ہوا، چنانچہ لاکھ روپے جیب خاص سے دیے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ جا کر جا بجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائی۔ یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا۔

امام بخاری اور سیرت

سیرت کے سلسلہ میں الگ تاریخی تصنیفات ہیں، ان میں جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں یعنی جن میں روایتیں بہ سند مذکور ہیں، ان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے، وہ بھی دراصل سیرت نبوی ہے۔ ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی تاریخ صغیر و کبیر ہیں، لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں، ان میں سیرت نبوی کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں اور ان میں بھی کوئی ترتیب نہیں، کبیر البتہ بڑی ہے، لیکن سوانح اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں۔

امام طبری اور سیرت

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ امام طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ وہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا،

۳۱۰ھ میں وفات پائی۔

بعض محدثین نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ یہ شیعوں کے لیے وضع کیا کرتے تھے، لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

مدار جہم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار أئمة الاسلام المعتمدين .

یہ جھوٹی بدگمانی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔

علامہ ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا، لیکن مضر نہیں تمام مستند اور مفصل تاریخی کتب مثلاً تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ ابن خلدون، تاریخ ابوالفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذاً وراسی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔

چند مصنفین سیرت

دورتا بعین سے گیارہویں صدی تک چند مقتدر محدثین و مصنفین سیرت کے اسماء گرامی ملاحظہ فرمائیں۔ گیارہویں صدی کے بعد والے مصنفین کے ناموں کو اس فہرست میں جگہ نہیں دی گئی کہ یہ لوگ درحقیقت اگلے مصنفین ہی کے خوشہ چیں و فیض یافتہ ہیں۔

- | | | |
|-----|-----------------------------|------|
| (۱) | عروہ بن زبیر تابعی | ۵۹۲ھ |
| (۲) | عامر بن شراحیل امام شععی | ۱۰۴ھ |
| (۳) | ابان بن امیر المؤمنین عثمان | ۱۰۵ھ |
| (۴) | وہب بن منبہ یمنی | ۱۱۴ھ |
| (۵) | عاصم بن عمر بن قتادہ | ۱۲۱ھ |

- (۶) شرجیل بن سعد ۵۱۲۳
- (۷) محمد بن شہاب زہری ۵۱۲۴
- (۸) اسماعیل بن عبدالرحمن سدی ۵۱۲۷
- (۹) عبداللہ بن ابوبکر بن حزم ۵۱۳۵
- (۱۰) موسیٰ بن عقبہ ۵۱۴۱
- (۱۱) معمر بن راشد ۵۱۵۰
- (۱۲) محمد بن اسحاق ۵۱۵۰
- (۱۳) زیاد بکائی ۵۱۸۳
- (۱۴) محمد بن عمرو اقدی ۵۲۰۷
- (۱۵) محمد بن سعد ۵۲۳۰
- (۱۶) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ۵۲۵۶
- (۱۷) مسلم بن حجاج قشیری ۵۲۶۱
- (۱۸) ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ ۵۲۶۷
- (۱۹) ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی ۵۲۷۵
- (۲۰) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۵۲۷۹
- (۲۱) ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی ۵۲۷۳
- (۲۲) ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی ۵۳۰۳
- (۲۳) محمد بن جریر طبری ۵۳۱۰
- (۲۴) حافظ عبدالغنی بن سعید امام النسب ۵۳۳۲

- (۲۵) ابو نعیم احمد بن عبد اللہ ۵۲۳۰ھ
- (۲۶) ابو عمر حافظ ابن عبد البر ۵۲۶۳ھ
- (۲۷) ابو بکر احمد بن حسین بیہقی ۵۲۵۸ھ
- (۲۸) علامہ قاضی عیاض ۵۵۲۲ھ
- (۲۹) عبد الرحمن بن عبد اللہ سہلی ۵۵۸۱ھ
- (۳۰) علامہ عبد الرحمن بن الجوزی ۵۵۹۷ھ
- (۳۱) احمد بن محمد بن ابو بکر قسطلانی ۵۹۲۳ھ
- (۳۲) امام شرف الدین عبد المؤمن دمیاطی ۵۷۰۵ھ
- (۳۳) امام ابن سید الناس بصری ۵۷۳۲ھ
- (۳۴) حافظ علاء الدین مغلطائی ۵۷۶۲ھ
- (۳۵) علامہ ابن حجر عسقلانی ۵۸۵۲ھ
- (۳۶) علامہ بدر الدین محمود عینی ۵۸۵۵ھ
- (۳۷) ابوالحسن علی بن عبد اللہ بن احمد سمہودی ۵۹۱۱ھ
- (۳۸) محمد بن یوسف صالحی ۵۹۲۲ھ
- (۳۹) علی بن برہان الدین ۱۰۲۲ھ
- (۴۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ
- (۴۱) امام احمد رضا بریلوی ۱۳۳۰ھ

بعد کے مصنفین میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو ایک خاص اور امتیازی مقام حاصل ہے، اس

لیے اس فہرست میں ان کا نام شامل کر دیا گیا۔

بعض مصنفین سیرت کا مختصر سوانحی خاکہ:

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہیں ان کا اور ان کی تصنیفات کا مختصر خاکہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عروہ بن زبیر ۹۲ھ

حضرت زبیر کے بیٹے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ سیرت و مغازی میں کثرت سے ان کی روایتیں ہیں۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

کان عالما بالسیرة .

یہ سیرت رسول کے جاننے والے تھے۔

صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں لکھا ہے کہ۔

بعضوں کی رائے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب انھوں نے ہی تدوین کی۔

امام ثعربی ۱۰۴ھ

مشہور محدث ہیں، اکثر فن میں کمال رکھتے تھے۔ خلافت دمشق کی طرف سے سفیر بن کر قسطنطنیہ گئے تھے۔ فن مغازی و سیر میں ان کو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ گو میں ان غزوات میں بذات خود شریک تھا، مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں۔

وہب بن منبہ ۱۱۴ھ

یمن کے عجمی خاندان سے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ حدیثیں سنی تھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کتب عہد قدیم کی بشارات اور پیشین گوئیاں بکثرت انھیں سے مروی ہیں۔

عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری ۱۲۱ھ

مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے باپ اور اپنی دادی رمیثہ سے روایت کرتے ہیں۔ مغازی اور سیر میں نہایت وسیع المعلومات تھے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے مسجد دمشق میں بیٹھ کر اس فن کی تعلیم دیتے تھے۔

محمد بن مسلم بن شہاب زہری ۱۲۴ھ

امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسرنہ تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انھوں نے حدیث و روایات کے حاصل کرنے میں بے پناہ محنتیں اٹھائیں، ان کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا، ان کے حلقہ درس سے بڑے با کمال لوگ نکلے، زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔

یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق النخعی ۱۲۸ھ

نہایت ثقہ تھے عمال اور گورنر انتظام ملکی میں ان سے مدد لیتے تھے۔ فقہائے مدینہ میں ان کا شمار تھا۔ سیرت نبوی کے عالم تھے۔ ان کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

موسیٰ بن عقبہ الاسدی ۱۴۱ھ

یہ خاندان زبیر کے غلام تھے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا تھا، فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں۔ امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو۔

ہشام بن عروہ بن زبیر ۱۴۶ھ

زیادہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، زہری کے بھی شاگرد ہیں، علمائے مدینہ میں ان کا شمار ہے، بغداد میں جو روایتیں انھوں نے لیں، محدثین کا بیان ہے کہ ان میں تساہل سے کام لیا ہے، سیرت کے ذخیرہ روایات میں ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے جن کو وہ اپنے باپ کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ فن سیرت میں ان کے متعدد نامور تلامذہ ہیں۔

محمد بن اسحاق بن یسار لمطلی ۱۵۰ھ

انھوں نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں واقدی بھی ان سے کم نہیں۔ محمد بن اسحاق تابعی ہیں، صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تھا۔ علم حدیث میں کمال تھا۔ امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے، امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں، لیکن عام محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں قابل استناد ہیں، امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی بلکہ جزء القرآۃ میں ان سے روایت کی ہے۔ تاریخ میں تو اکثر واقعات انھیں سے لیتے ہیں۔

عمر بن راشد الازدی ۱۵۲ھ

امام زہری کے تلامذہ میں امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے۔ اساطین علم حدیث میں تھے۔ مغازی میں ایک کتاب ان کی تصنیف ہے جس کا نام ابن ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہے۔

عبدالرحمن بن عبدالعزیز الاوسی ۱۶۲ھ

زہری کے شاگرد تھے۔ مسلم نے ان سے ایک روایت کی ہے۔ محدثین کے نزدیک ضعیف الروایت ہیں، فن سیرت کے عالم تھے۔ ابن سعد نے ان کے متعلق لکھا ہے۔

كان عالما بالسيرة .

وہ سیرت رسول کے جاننے والے تھے۔

محمد بن صالح بن دینار التمار ۱۶۸ھ

زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاذ ہیں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے۔ اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ ابوالزناد جو بڑے پایہ کے محدث ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو۔

ابومعشر نجیح المدنی ۱۷۰ھ

ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔ ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے۔ گو محدثین نے روایت حدیث میں تضعیف کی ہے، لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں۔ ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے۔

عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن الحزومی ۱۷۰ھ

مشہور صحابی مسور بن مخزومہ کے پر پوتے ہیں، فن حدیث میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ سیرت نبوی کے اکابر علماء میں تھے۔ ابن سعد نے ان کی شان میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

من رجال اهل المدينة عالما بالمغازی

وہ مدینہ کے رہنے والے اور مغازی کے عالم تھے۔

عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم انصاری

فن حدیث و سیر میں ہمیشہ ان کا خاندان نامور رہا، ان کے دادا وہ شخص ہیں جنہوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے سب سے پہلے فن حدیث کی تدوین کی، ان کے رشتہ کی دادی عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تربیت یافتہ تھیں۔ یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے، اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی۔ خلیفہ ہارون رشید نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا، لوگ ان سے مغازی سیکھتے تھے۔ اس فن میں ان کی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے۔

علی بن مجاہد الرازی الکندی ۱۸۰ھ

ابومعشر کج کے تلامذہ میں تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے۔ مغازی کے جامع اور مصنف ہیں، لیکن ارباب نقد کے نزدیک ان کی تصنیف اعتبار کے قابل نہیں۔

زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی ۱۸۳ھ

ابن اسحاق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے، ان دونوں بزرگوں کے واسطے العقد یہی

ہیں، سیرت کے عشق میں گھربار بیچ کر استاء کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے اور مدت تک سفر و حضر میں ان کے شریک رہے۔ محدثین کی بارگاہ میں گوان کا اعزاز کم ہے لیکن کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہیں۔

سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری ۱۹۱ھ

ابن اسحاق کے شاگردان کی سیرت کے راوی ہیں۔ رے کے قاضی تھے وہ اہل نقد کے نزدیک قابل احتجاج نہیں لیکن ابن معین جو اسماء رجال کے بڑے ماہر ہیں، مغازی میں ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان کی سیرت کو بہترین سیرتہائے نبوی کہتے ہیں۔ طبری میں ان کے واسطہ سے اکثر روایتیں مروی ہیں۔

ابو محمد یحییٰ بن سعید بن ابان الاموی ۱۹۲ھ

ہشام بن عروہ اور ابن جریر سے تلمذ تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ گو قلیل الروایہ ہیں لیکن ثقہ ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے مصنفین مغازی میں ان کا نام بھی لیا ہے۔

ولید بن مسلم القرشی ۱۹۵ھ

شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظ تھے۔ شام میں ان کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔ تاریخ و مغازی میں وکیع سے ان کا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے جن میں ایک کتاب المغازی ہے، کتاب الفہرست میں اس کا ذکر موجود ہے۔

یونس بن بکیر ۱۹۹ھ

ہشام بن عروہ اور ابن اسحاق کے شاگرد ہیں۔ فن روایت و حدیث میں ان کا متوسط درجہ ہے۔ اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ میں ان کا نام بہ لقب صاحب المغازی لیا ہے۔

انھوں نے مغازی ابن اسحاق کا ذیل لکھا ہے۔

محمد بن عمرو الواقدي الاسلامی ۲۰۷ھ

سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں، کتاب السیرة اور کتاب التاريخ و المغازی و المبعث۔ بعض لوگوں نے ان کو کذاب و جھوٹا کہا ہے جو بجائے خود جھوٹ ہے، البتہ ان کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک ظریف محدث نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں۔

يعقوب بن ابراهيم الزهري ۲۰۸ھ

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں تھے۔ زہری اور ان کے تلامذہ کے شاگرد ہیں۔ مغازی میں ان کا یہ رتبہ تھا کہ ابن معین جیسا ناقد رجال ان سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا۔

عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری ۲۱۱ھ

ثقافت محدثین میں ان کا شمار ہے، مزاج میں کسی قدر تشیع تھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائیں تب بھی ہم ان سے روایت حدیث ترک نہیں کر سکتے۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی اس لیے اس زمانہ کی حدیثیں ناقابل سند ہیں۔ فن مغازی میں ان کی ایک تالیف ہے۔

عبدالملک بن ہشام الحمیری ۲۱۸ یا ۲۱۳ھ

نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے۔ حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے، انھوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آئے ہیں ان کی تفسیر بھی لکھی۔

علی بن محمد المدائنی ۲۲۵ھ

ابو معشر نجیح اور سلمہ بن الفضل کے شاگرد تھے۔ تاریخ و انساب عرب میں نہایت وسیع المعلومات تھے۔ محدثین میں ان کا شمار نہیں، لیکن مورخین کے امام ہیں، اغانی کے دفتر بے پایاں کا مخزن یہی ہیں، تاریخ و انساب میں ان کی کثرت سے تصانیف ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات میں ان کی کتاب نہایت مبسوط ہے اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد اور متنوع عنوان قائم کیے ہیں۔

عمر بن شبہ البصری ۲۶۲ھ

حدیث، تاریخ، ادب، لغت شاعری اور نحو کے امام ہیں۔ مکہ مبارکہ، مدینہ طیبہ اور بصری کی تاریخیں لکھی ہیں۔ علم سیرت میں نہایت بلند پایہ تھے۔ حدیث میں ابن ماجہ اور تاریخ میں بلاذری اور ابو نعیم ان کے شاگرد تھے۔

محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ

مشہور محدث ہیں۔ جن کی کتاب صحاح ستہ میں تیسرا درجہ رکھتی ہے۔ سیرت نبوی میں ان کا خاص رسالہ ہے جس کا موضوع گزشتہ تصانیف سے الگ ہے، اس رسالہ کا نام ”کتاب الشمائل“ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذاتی حالات و عادات و اخلاق کا ذکر ہے۔ اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روایتیں معتبر اور صحیح ہوں۔ اس رسالہ پر متعدد علماء نے شروح و حواشی لکھے۔

ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم ۲۸۵ھ

محدثین کبار میں شمار ہے۔ ”مسند صحابہ“ ان کی تالیف ہے جس کے آخر میں کتاب المغازی شامل ہے۔

ابوبکر احمد بن حنبلہ ۲۹۹ھ

حدیث میں احمد بن حنبل اور ابن معین کے شاگرد اور تاریخ و سیر کے جلیل القدر عالم تھے، ”تاریخ کبیر“ ان کی تصنیف ہے جس میں سیرت نبوی کا حصہ بھی شامل ہے۔

محمد بن عائد دمشقی

ان کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے، حافظ ابن حجر وغیرہ اس کے حوالے دیتے ہیں۔

مشہور مصنفین سیرت کے ساتھ یہ قدماء کی تصنیفات تھیں، مابعد کی تصنیفات کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں، یہ تصنیفات، قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اس خاکہ میں ان کتابوں کا ذکر بھی ہے جو قدماء کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں، ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ فی نفسہ مستقل تصنیفات تھیں اور ان میں جس قدر ذخیرہ معلومات ہے خود اصل کتابوں میں نہیں۔



کتب سیرت

یوں تو سیرت نبوی کے موضوع پر آج تک صدہا کتابیں لکھی گئیں، مگر گیارہویں صدی سے پہلے جو کتابیں وجود میں آئیں وہ امہات کتب سیرت کا درجہ رکھتی ہیں، بعد کی تصنیفات انہیں کتابوں سے ماخوذ و مستنبط ہیں اور انہیں ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ گیارہویں صدی سے پہلے کی چند کتب سیرت یہ ہیں۔

روض الالف

سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے۔ مصنف کا نام عبدالرحمن سہیلی ہے، جنہوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی، یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چیں ہیں۔ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی۔

سیرت دمیاطی

حافظ عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے، اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔ اس کتاب کا نام ”المختصر فی سیرت سید البشر“ ہے، قریباً سو صفحات میں ہے۔ پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

سیرت خلاطی

علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے۔ ۷۰۸ھ میں وفات پائی۔

سیرت گازرونی

شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی متوفی ۶۹۲ھ کی تصنیف ہے۔

سیرت ابن ابی طے

مصنف کا نام یحییٰ بن حمیدہ متوفی ۶۳۰ھ ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔

سیرت مغلطائی

مشہور کتاب ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔ علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے جس کا نام ”کشف اللثام“ ہے۔

شرف المصطفیٰ

حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری کی تصنیف ہے۔ آٹھ جلدوں میں ہے۔ حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں۔

شرف المصطفیٰ

حافظ ابن جوزی کی مبارک و معرکہ الآراء تصنیف ہے۔

اکتفانی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثماتہ

حافظ ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی متوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہے اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

سیرت ابن عبدالبر

ابن عبدالبر مشہور محدث اور امام ہیں، اس کے حوالے بکثرت آتے ہیں۔

عیون الاثر

ابن سید الناس کی تصنیف ہے۔ ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہیں، ۳۳۲ھ میں وفات پائی۔ یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے، معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے سند بھی نقل کی ہے۔

نور النمر اس فی سیرت ابن سید الناس

عیون الاثر کی شرح ہے۔ مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہے۔ یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے۔ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔

سیرت منظوم

حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، نظم میں لکھی ہے لیکن دیباچہ میں خود لکھ دیا ہے کہ اس میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔

مواہب لدنیہ

مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں۔ حافظ ابن حجر کے ہم مرتبہ تھے۔ یہ کتاب نہایت مفصل ہے۔

زرقانی علی المواہب

یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سہلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔ آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے۔

سیرت حلبی

مشہور اور متداول کتاب ہے۔

مدارج النبوة

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی گیارہویں صدی کی تصنیف ہے۔ شیخ محقق نے احادیث نبویہ کی روشنی میں بالترتیب سیرت نبوی لکھی ہے اور کچھ ایسی چیزوں کا اضافہ کیا ہے جو دوسری کتب سیرت میں نہیں ملتیں۔ یہ فارسی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ آج کل اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

صحت ماخذ

سیرت نبوی کے واقعات جو قلم بند کیے گئے وہ تقریباً اعلان نبوت کے سو برس بعد قلم بند ہوئے اس لیے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی بلکہ اکثر زبانی روایتیں تھیں۔

اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلم بند کیے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں جو قرآن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے عرصہ کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا جس کی مثال اقوام عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام ترتیب سے بتایا

جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے وہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟

ان جزوی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں، جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود تھے ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کیے، ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن تیار کیا گیا جس کی بدولت آج کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر جرمنی کے مشہور عربی داں فاضل ڈاکٹر اسپرنگر کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس نے یہ لکھا ہے کہ

نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پرواہ نہ کی، بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسائیاں کیں اور ایک ایک کی پردہ دری کی اور حالت کا پتہ لگایا۔

اس سلسلہ میں سینکڑوں تصنیفات تیار ہوئیں جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے۔

سب سے پہلے اس فن یعنی راویوں کی جرح و تعدیل میں یحییٰ بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی۔ وہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی نسبت لکھا ہے :

میری آنکھوں نے ان کا نظیر نہیں دیکھا۔

ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا اور کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔

اس فن کی سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب تہذیب الکمال ہے جو علامہ مزی (یوسف بن الزکی) کی تصنیف ہے، جنہوں نے ۷۴۲ھ میں وفات پائی۔ علاء الدین مغلطائی ۷۶۲ھ نے تیرہ جلدوں میں اس کا تاملہ لکھا۔ علامہ ذہبی ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا اور بہت سے محدثین اس کے خلاصے اور ذیل لکھے اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب ”تہذیب التہذیب“ لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے۔ مصنف نے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ اس کی تصنیف میں آٹھ برس صرف ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب ”میزان الاعتدال“ ہے جو علامہ ذہبی کی تصنیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا جس کا نام ”لسان المیزان“ ہے۔

تاریخ سیرت پر ایک اجمالی نظر

(۱) سیرت پر اگرچہ آج بھی سینکڑوں تصنیفیں موجود ہیں لیکن سب کا سلسلہ جا کر صرف تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے۔ سیرت ابن اسحاق، سیرت واقدی، سیرت ابن سعد، سیرت طبری، ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں، زیادہ تر انہیں کتابوں سے لیے گئے ہیں۔

(۲) سیرت کی کتابوں کی کم پائیگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیث احکام کے ساتھ مخصوص کر دی گئی یعنی وہ روایتیں تنقید کی زیادہ محتاج ہیں جن سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں، باقی جو روایتیں سیرت اور فضائل و مناقب وغیرہ سے متعلق ہیں ان میں تشدد اور اختیاط کی چنداں حاجت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مناقب اور فضائل اعمال میں کثرت سے ضعیف روایتیں شامل ہو گئیں اور بڑے بڑے علماء نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں کا درج کرنا جائز رکھا۔

(۳) سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابوں (مثلاً طبرانی، بیہقی، ابو نعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہیں اس لیے ان میں کثرت سے ضعیف و کمزور روایتیں درج ہو گئیں اور اسی بناء پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں۔ محدثین نے احادیث و روایات کی صحت و عدم صحت سمجھنے کے لیے جو معیار و اصول مقرر کیے ہیں سیرت کی روایتوں میں لوگوں نے انھیں اکثر نظر انداز کر دیئے۔ محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے۔ مغازی کا بڑا حصہ زہری سے منقول ہے، لیکن ان کی اکثر روایتیں جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں مذکور ہیں، منقطع ہیں۔

(۴) مصنفین سیرت میں سے بعض لوگوں نے اس نکتہ کو سمجھا اور جب احادیث کی زیادہ چھان بین کی تو ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ سیرت کی کتابوں میں بہت سی روایتیں صحیح حدیثوں کے خلاف درج ہو گئی ہیں، لیکن چونکہ ان کی تصانیف پھیل چکی تھیں اس لیے ان کی اصلاح نہ ہو سکی۔

(۵) سیرت میں اگلوں نے جو کتابیں لکھیں، ان سے مابعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں انھیں کے نام سے کیں۔ ان کے مستند ہونے کی بناء پر لوگوں نے ان تمام روایتوں کو معتبر سمجھ لیا اور چونکہ اصل کتابیں ہر شخص کو ہاتھ نہیں آ سکتی تھیں اس لیے لوگ راویوں کا پتہ نہ لگا سکے اور رفتہ رفتہ یہ روایتیں تمام کتابوں میں داخل ہو گئیں۔

(۶) روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحابہ کے متعلق ان سے بعض بعض موقعوں پر کام نہیں لیا گیا، مثلاً اصول روایت کی رو سے رواۃ کے مختلف مدارج ہیں، کوئی راوی نہایت ضابط، نہایت

معنی فہم، نہایت دقیقہ میں ہوتا ہے، کسی میں یہ اوصاف کم ہوتے ہیں، کسی میں اور بھی کم ہوتے ہیں۔ یہ فرق مراتب جس طرح فطرتاً عام راویوں میں پایا جاتا ہے، صحابہ کرام میں بھی یہ بات موجود ہے حضرت عائشہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت پر حضرت عبد اللہ بن عباس نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت پر جو تنقیدیں کیں یا خلاف قیاس کہا، وہ اسی بناء پر ہوا۔

اختلاف مراتب کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکہ الآراء مسائل کی بنیاد قائم ہے، مثلاً دور راویوں میں تعارض پیش آجائے تو اس بحث کے فیصلہ میں صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک روایت کے راویوں کا دوسری روایت کے راویوں سے عالی رتبہ ہونا ثابت کر دیا جائے۔ (گودونوں راوی ثقہ ہیں) اور یہ اس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا۔

(۷) ارباب سیرا کثر واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتے، نہ ان کی تلاش و تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس باب میں یورپ کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے۔ یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلہ معلومات پیدا کرتا ہے، اس میں بہت کچھ اس کی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے، وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے، تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہیں، بخلاف اس کے اسلامی مورخ نہایت سچائی اور انصاف اور خالص غیر جانبداری سے واقعات ڈھونڈتا ہے۔ یورپین مورخ کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ واقعات کا اثر اس کے مذہب پر، معتقدات پر اور تاریخ پر کیا پڑے گا، اس کا قبلہ مقصد صرف واقفیت ہوتی ہے، وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔

لیکن اس میں حد سے زیادہ تفریط و کمی ہوگئی، اس بات سے بچنے کے لیے واقعات، رائے سے

مخلوط نہ ہو جائیں وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہیں ڈالتا اور ہر واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے، مثلاً اکثر لڑائیوں کو اس طرح شروع کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فلاں قبیلہ پر فلاں وقت فوجیں بھیجیں، لیکن اس کے اسباب کا ذکر مطلق نہیں کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہیں، صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں۔ اسی سے مخالفین یہ استدلال کرنے میں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، حالاں کہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجیں گئیں وہ پہلے سے آمادہ جنگ اور مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں کر چکے تھے۔

(۸) یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہاں تک بدل جاتی ہے، مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے اور پیش آسکتا ہے تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کر لی گئی، لیکن فرض کرو وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے، تجربہ عام کے خلاف ہے، گرد و پیش کے واقعات سے مناسبت نہیں رکھتا، تو واقعہ چوں کہ محتاج ثبوت ہے اس لیے اب راوی کا معمولی درجہ و ثوق کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، زیادہ محتاط، زیادہ نکتہ دانا ہونا چاہیے۔

(۹) سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابل بحث یہ بات ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے اس میں کس قدر حصہ اصل واقعہ ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے۔ تفحص اور استقراء سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو اصل واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے وہ اس کا قیاس ہے، واقعہ نہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں سیرت میں موجود ہیں۔ یہاں ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر تنہائشیں ہو گئے

تھے تو یہ مشہور ہوا کہ حضور نے ازواج کو طلاق دے دی، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبوی میں آئے، یہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی، حضرت عمر نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو حضور نے فرمایا کہ نہیں، میں نے طلاق نہیں دی۔ یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ بہ اختلاف الفاظ مذکور ہے۔

غور کرو، مسجد نبوی میں صحابہ جمع ہیں اور سب بیان کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلاق دی، صحابہ عموماً ثقہ اور عادل ہیں اور ان کی کثیر تعداد اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں بلکہ قیاس تھا۔

حافظ ابن حجر نے بڑی جرأت کر کے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ راوی اول منافقین میں سے ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت بہت سے ایسے واقعات روایتوں میں مذکور ہیں جن میں سے ایک ”واقعہ افک“ ہے۔ ان کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہئے جو حافظ ابن حجر نے یہاں ظاہر کیا یعنی یہ کہ منافقین نے ان کی طرف منسوب کر دیئے ہوں گے پھر تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔

(۱۰) فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں رکا، حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی، جنہوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن کہلوا یا۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں،

لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ عین اسی زمانہ میں محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں۔ آج حدیث کافن اس خس و خاشاک سے پاک ہے، اور بنو امیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے، اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے تھا۔

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا، کہ امیر المومنین اگر تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال اقدس کے دن موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا، دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے، وہیں سردر بار ایک شخص نے اٹھ کر کہا تو جھوٹ کہتا ہے، امیر المومنین کا باپ (حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عباسیوں کے مورث اعلیٰ ہیں) وہاں موجود تھا اس کو کس نے پوچھا؟ مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی۔

تاہم یہ عالمگیر موثر بالکل بے اثر نہیں رہ سکتا تھا اس لیے مغازی میں اس کے نشانات پائے جاتے ہیں۔

(۱۱) تاریخ کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ فتوحات اور رزمیہ کارناموں کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے، ملکی نظم و نسق اور تمدن و معاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کر جاتے تھے یا اس طرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے کہ ان پر نگاہ نہیں پڑتی تھی۔ اسلام میں جب تالیف و تصنیف کی ابتداء ہوئی تو یہی نمونے پیش نظر تھے، اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ سیرت کا نام مغازی رکھا گیا۔ جس طرح سلاطین کی تاریخیں جنگ نامہ و شاہ نامہ کے نام سے لکھی جاتی ہیں، چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً سیرت موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق، مغازی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کتابوں کی ترتیب یہ ہے کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح سنین کے عنوان بناتے ہیں اور اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہیں، یہ حالات تمام تر جنگی معرکے ہوتے ہیں اور غزوات ہی کے عنوان سے

داستانیں شروع کی جاتی ہیں۔

یہ طریقہ اگرچہ سلطنت و حکومت کی تاریخ کے لیے بھی صحیح نہ تھا، لیکن نبوت کے سوانح نگاری کے لیے تو ناموزوں ہے۔ پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہیں، اس خاص حالت میں وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ میں نظر آتا ہے، لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہیں ہے، پیغمبروں کی زندگی کا ایک ایک خدو خال، تقدس، نزاہت، حلم و کرم، ہمدردی عام اور ایثار ہوتا ہے، بلکہ عین اس وقت جب کہ اس پر سکندر اعظم کا دھوکہ ہوتا ہے، ژرف بین نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے کہ سکندر نہیں بلکہ فرشتہ یزدانی ہے۔ (سیرت مصطفیٰ، سیرت الرسول و کتب عامہ)



جزيرة العرب

در سلا فرقصنح علبن من قبل در سلا فرقصنح علبن
 اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے اور ان رسولوں کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا۔
 (سورة النساء، ۱۶۴ / کنز الایمان)

جزیرۃ عرب

عرب کی وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں۔ اور چوں کہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیج سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو ”عرب“ اور دنیا کی تمام قوموں کو ”عجم“ (ژولیدہ بیان) کہہ کر پکارا۔ بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل میں ”عربۃ“ تھا، عربہ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحراء کے ہیں اور چوں کہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے، اس لیے تمام ملک کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ

عرب کے حدود اربعہ یہ ہیں۔

مغرب : بحیرہ قلزم

مشرق : خلیج فارس اور بحر عمان

جنوب : بحر ہند

شمال : کی حدود بہت مختلف فیہ ہیں

بعض مملکت حلب اور فرات تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔

سینا کا جزیرہ نما جس کا نام ”التیہ“ ہے، اکثر مصنفین عرب و یورپ اس کو مصر

میں شمار کرتے ہیں، لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے۔

عرب کی پیمائش باقاعدہ اب تک نہیں ہوئی، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمنی اور فرانس سے چوگنا

زیادہ وسیع و عریض ہے۔

طول : تقریباً پندرہ سو میل

عرض : چھ سو میل

مجموعی رقبہ: بارہ لاکھ میل مربع ہے۔

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے۔ پہاڑوں کا جال تمام ملک میں بچھا ہوا ہے، سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ ”جبل السراة“ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔ بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں۔ چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں۔

علامہ ہمدانی صاحب نے ”صفۃ جزیرۃ العرب“ میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے۔ قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے زیادہ تر ان کا مال تجارت چاندی ہوتی تھی۔

علماء جغرافیہ نے جزیرہ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) تہامہ (۲) حجاز (۳) نجد (۴) عروض (۵) یمن

پھر ہر ایک کی ذیلی تقسیمیں بھی کی گئی ہیں۔

عرب کے اقوام و قبائل

مورخین عرب نے اقوام و قبائل عرب کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔

عرب باندہ : یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔

عرب عاربہ : بنو قحطان جو عرب باندہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصل

مسکن ملک یمن تھا۔

عرب مستعربہ : بنو اسماعیل یعنی حضرت اسماعیل کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی۔

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصلی باشندے تھے اور ان کے علاوہ یہودیوں کی خال خال آبادی تھی۔ اس بناء پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا، ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا جو یمن سے شام تک ہر قطعہ زمین میں پھیلے ہوئے تھے، ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں، اس بناء پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں۔

(۱) قضاء

(۲) کہلان

(۳) ازد

حمیر بھی اسی کی شاخ ہے جو یمن کے فرماں روا تھے۔

قبائل قضاء

عام علمائے انساب قضاء کو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں اور ہم بھی یہاں ان کی پیروی کرتے ہیں ورنہ از روئے تحقیق وہ بنو اسماعیل ہیں۔ بہر حال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں۔

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلح، ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم

اللات، کلب۔

قبائل کہلان

بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مذحج، طے، لخم، جذام، عاملہ

قبائل ازو

اوس، خزرج، خزاعہ، عسان، دوس۔

انصار قبیلہ ازو ہی کی شاخ سے تھے۔

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے، حسب ذیل ہیں، قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنو

قیس دو خاندانوں پر منقسم ہیں۔

(۱) خندف :

ہزیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تمیم، ہون۔

ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروع ہیں۔

اصول	فروع
کنانہ	قریش، دؤل
ہون	قارہ
رباب	عدی، تمیم، عکک، ثور
تمیم	مقاعس، قرلیح، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب۔

(۲) قیس :

عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن

ان میں بعض کے فروع یہ ہیں۔

اصول	فروع
غطفان	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ
اعصر	غنی، بابلہ
ہوازن	سعد، نصر، حشم، ثقیف، سلول، بنو عامر

بنو عامر کی شاخیں:

بنو ہلال، بنو نمیر، بنو کعب۔

یہود

بنو قینقاع، بنو نصیر، بنو قرظہ۔

بنو قحطان و آل اسماعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتیں قائم کی تھیں جن کے جتہ جتہ واقعات

کہیں ملتے ہیں۔

عرب کی قدیم حکومتیں

کتبوں اور دیگر مورخین کی تصریحات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب

میں پانچ متمدن سلطنتیں گزریں۔

(۱) معینی : معین یمن میں ایک مقام کا نام ہے جو کسی زمانہ میں سلطنت کا پایہ تخت تھا۔

(۲) سبائی : یعنی قوم سبا

- (۳) حضرموتی: حضرموت یمن کا مشہور مقام ہے۔
 (۴) قتبانی: قتبان، عدن میں ایک مقام ہے جو آج کل گنم ہے۔
 (۵) نابتی: حضرت اسماعیل کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے۔

عرب اور تہذیب و تمدن

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ مانسوی لیبان فرساوی نے اصول عمران کی بناء پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا، کیوں کہ اصول و ارتقاء کی رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعۃً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ تاریخ سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔ یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔ صنعاء اور قلیس کے ذکر میں یا قوت حموی نے معجم میں قدیم آثار عجیبہ کا ذکر کیا ہے، اور گواس میں بہت کچھ مبالغہ بھی ہے تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔

اسی طرح عرب کے وہ مقامات جو ایران اور شام سے متصل تھے مثلاً ”حیرہ“ جو آل نعمان کا پایہ تخت تھا اور ”حوران“ جو خاندان غسان کا صدر مقام تھا، تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے۔

مورخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے پورا ایران فتح کر لیا تھا، چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا اس بناء پر ایرانی اس مقدس شہر کو شمر کند کہنے لگے پھر معرب ہو کر سمرقند ہو گیا۔

عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار جو اب بھی کچھ باقی تھے، اس بات کی قطعی شہادت ہیں کہ اس ملک میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا۔ علامہ ہمدانی نے ”اکلیل“ میں تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے۔

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے، ان کے لیے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے، بلکہ ایران یا روم وغیرہ سے مستعار آئے ہیں۔

”سکہ“ کے لیے ایک لفظ بھی موجود نہیں۔ ”درہم“ اور ”دینار“ دونوں غیر زبان کے لفظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ، ”درخم“ ہے اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ”ڈرام“ ہو گیا۔ ”چراغ“ معمولی چیز ہے تاہم اس کے لیے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ چراغ کو لے کر ”سراج“ کر لیا، پھر ایک مصنوعی لفظ ”مصباح“ بنایا۔ کوزہ کے لیے کوئی لفظ نہیں، کوزہ کو ”کوز“ کر لیا ہے۔ لوٹے کو ”ابریق“ کہتے ہیں جو ”آب ریز“ کا معرب ہے۔ ”تشت“ فارسی لفظ تھا اسی کو عربی میں ”طست“ کر لیا ہے۔ پیالہ کو ”کاس“ کہتے ہیں جو فارسی میں ”کاسہ“ ہے۔ ”پانجامہ“ کو ”سروال“ کہتے ہیں جو ”شلوار“ کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔ مسئلہ حجاب کے شان نزول میں بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھروں میں جائے ضرور نہ تھی۔ مستورات و خواتین رفع حاجت کے لیے باہر جایا کرتی تھیں۔ ترمذی باب الفقر میں ہے کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں۔ بھوسے کو پھونک کر اڑاتے تھے، جو رہ جاتا تھا وہی آٹا ہوتا تھا۔ بخاری شریف کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔

عرب کے مذاہب

عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے۔ بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہے، خدا کوئی چیز نہیں۔ ان ہی لوگوں کی نسبت قرآن مجید میں ہے۔

و قالوا ما هی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحی و ما یہلکنا الا الدھر.

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے ہماری دنیا کی زندگی سے ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے۔

بعض خدا کے قائل تھے، لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے، ان کے مقابلے میں قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے۔

قل بحیثہا الذی انشاہا اول مرۃ .

کہہ دو کہ (ہڈیوں کو) وہی دوبارہ زندہ کرے گا، جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

بعض خدا اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے، لیکن نبوت کے منکر تھے، ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔

و قالوا ما لہذا الرسول یا کل الطعام و یمشی فی الاسواق .

اور کہتے ہیں کہ یہ کیا رسول ہیں کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار میں چلتا پھرتا ہے۔

قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا

کہتے ہیں کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہے تو اس کو فرشتہ ہونا چاہیے جو حاجات انسانی سے منزہ ہو،

لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے، وہ بتوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ بت خدا تک پہنچنے کے واسطے ہیں۔

ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى .

ہم ان بتوں کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں۔

قبیلہ حمیر جو یمن میں رہتا تھا، آفتاب پرست تھا، کنانہ چاند کو پوجتے تھے، قبیلہ بنی تمیم اور ان کی عبادت کرتا تھا۔ اسی طرح قیس ستارہ شعری کی، قبیلہ اسد عطار دکی اور لخم و جذام مشتری کی پرستش کرتے تھے۔

مشہور بتوں اور ان کے پوجنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں

نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتے تھے
لات	طائف	ثقیف
عزی	مکہ معظمہ	قریش و کنانہ
منات	مدینہ منورہ	اوس، خزرج اور غسان
ود	دومت الجندل	کلب
سواع		ہذیل
یغوث		مذحج اور قبائل یمن
یعوق		ہمدان

سب سے بڑا بت ہبل تھا، جو کعبہ کی چھت پر منسوب تھا۔ قریش لڑائیوں میں اس کی جئے پکارتے تھے۔ عرب میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لُحی تھا۔ اس کا اصلی نام، ربیعہ بن حارثہ تھا،

عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی کی نسل سے ہے۔ عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے، عمرو نے لڑکر جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی ہو گیا، وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا، وہاں کے لوگوں کو بت پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انھوں نے کہا یہ حاجت روا ہیں، لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں، قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں۔ عمرو نے چند بت ان سے لے لیے اور لا کر کعبہ کے آس پاس قائم کیے۔ کعبہ چوں کہ عرب کا مرکز تھا اس لیے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہو گیا۔ ان میں سب سے قدیم بت ”مناة“ تھا۔ یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا، اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے اور جب کعبہ کا حج کر کے آتے تھے تو احرام بہیں اتارتے تھے۔ ہزیل اور خزاعہ بھی اس کی پرستش کرتے تھے۔

یا قوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں لکھا ہے کہ عرب میں بت پرستی کی عام اشاعت کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے، واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھالیتے تھے اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

عقیدہ توحید اور عرب

عرب گو قریباً سب کے سب بت پرست تھے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہیں گیا کہ اصلی خدائے برتر اور چیز ہے اور وہی تمام عالم کا خالق ہے۔ اس خالق اکبر کو وہ اللہ کہتے تھے قرآن مجید میں ہے۔

و لئن سألتم من خلق السموات و الارض و سخر الشمس و القمر ليقولن
اللہ فانی یوفکون .

اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند تو ضرور

کہیں گے اللہ نے تو کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

فاذا ركبوا في الفلك دعوا الله مخلصين له الدين فاذا نجاهم الى البر اذا هم
يشركون.

پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اللہ کو پکارتے ہیں ایک اسی پر عقیدہ لا کر پھر جب وہ انہیں خشکی
کی طرف بچالاتا ہے جی بھی شرک کرنے لگتے ہیں۔

قرآن کریم نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا ہے، آج تحقیقات آثار قدیمہ بھی اس کی
تصدیق کرتی ہیں۔

نصرانیت، یہودیت اور مجوسیت

اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے، لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدت دراز سے عرب میں رائج
ہو چکے تھے۔ علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ قبائل ربیعہ وغسان نصرانی تھے، قضاہ میں بھی اس
مذہب کا اثر پایا جاتا تھا۔ نصرانیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً
ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل کو پڑھ سکتے تھے۔ متعدد ایسے لوگ تھے جنہوں نے شام میں جا کر
تعلیم پائی تھی۔

حمیر، بنو کنانہ، بنو حارث بن کعب، کندہ یہ قبائل یہودی تھے۔ مدینہ منورہ میں یہود نے پورا غلبہ پالیا
تھا اور تورات کی تعلیم کے لیے متعدد درسگاہیں قائم تھیں جن کو بیت المدارس کہتے تھے۔ حدیث کی کتابوں
میں اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے۔ قلعہ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی۔ امراء القیس کا ہم عصر مشہور شاعر
سمویل بن عادیا جس کی وفاداری آج تک عرب میں ضرب المثل ہے، یہودی تھا۔

اہل کتاب کی روایتیں مکہ میں اس قدر رواج پا چکی تھیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر

جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اس میں بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے۔ خود قرآن کریم میں ہے۔

و لقد نعلم انہم یقولون انما یعلمہ بشر۔

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں یہ تو کوئی آدمی سکھاتا ہے۔

قرآن کریم میں اس خیال کا ابطال کر دیا گیا ہے۔

قبیلہ بنو تمیم مجوسی تھا۔ زرارہ تمیمی جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا اسی بناء پر اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی، گو اس پر اس کو ندامت ہوئی۔ اقرع بن حابس بھی مجوسی تھا۔

اہل عرب اور مذہب عظمیٰ

دین ابراہیم کی ام الاصول تو حید خالص تھی۔ زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہو گیا تھا، یہاں تک کہ خود خاتمہ خدا میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی، تاہم بالکل فنا نہیں ہو سکتا تھا۔ عرب میں کہیں کہیں اس کا دھندلا نشان نظر آتا تھا۔ جو لوگ صاحب بصیرت تھے ان کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کہ انسان عاقل، جماد لا یعقل کے سامنے سر جھکائے۔ اس بناء پر بت پرستی کی برائی کا خیال بہتوں کے دل میں آیا، لیکن اس کا تاریخی زمانہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ میں ورقہ بن نوفل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن الجویث اور زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان لوگوں کے دل میں دفعہ یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا، نہ دیکھتا ہے، نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے، اور نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ یہ چاروں قریش کے خاندان سے تھے۔ ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

برادر عم زاد تھے۔ زید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا تھے۔ عبد اللہ بن جحش حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے تھے، عثمان عبدالعزی کے پوتے تھے۔

زید دین ابراہیمی کی تلاش میں شام گئے، وہاں یہودی اور عیسائی پادریوں سے ملے، لیکن کسی سے تسلی نہیں ہوئی اس لیے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفاء کیا کہ ”میں ابراہیم کا مذہب قبول کرتا ہوں“ صحیح بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے زید کو اس حالت میں دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں سے کہتے تھے، اے اہل قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیم کے دین پر نہیں ہے۔

اہل عرب لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ زید ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس رسم کی ممانعت کی، جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو وہ جا کر اس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اس کی پرورش کرتے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور ان سے صحبت رہی تھی۔ ورقہ اور عبد اللہ بن جحش اور عثمان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔

اسی زمانہ کے قریب امیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا، بت پرستی کی مخالفت کی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ امیہ نے زمانہ جاہلیت میں آسمانی کتابیں پڑھی تھیں اور بت پرستی چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا۔

ابن ہشام نے بت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں انہی چاروں کا نام لکھا ہے، لیکن اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اور متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے بت پرستی سے توبہ کی تھی، ان میں سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قیس بن ساعدہ الایادی ہے۔ ایک شخص قیس

بن شبہ تھا جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں لکھا ہے کہ وہ جاہلیت کے زمانہ میں خدا پرست ہو چکا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

یہ امر اکثر روایتوں سے ثابت ہے کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ میں متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے اور ملت ابراہیمی کی جستجو میں تھے، یہ اس لیے کہ مجدد ملت ابراہیمی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا تھا۔

ان چند راہ طلب اور حقیقت جو اشخاص کے وجود کی بناء پر مصنفین یورپ کہتے ہیں کہ مذہب صحیح اور توحید خالص کا رواج عام عرب میں اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن اگر یہ صحیح ہے تو یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر ہنگامہ کیوں برپا ہوا؟

عرب مذاہب میں بے اعتدالیاں

جیسا کہ اوپر بیان ہوا عرب میں تمام مشہور مذاہب تھے، یہودیت بھی، نصرانیت بھی، مجوسیت بھی، حنیفیت بھی اور عقلی بلند پروازی کی معراج الحاد بھی، لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا؟ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤں کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی، اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، یا توحید تھی لیکن خدا اس قسم کا تھا جو آدمیوں سے کشتی لڑتا تھا۔

بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ باپ کی منکوہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ قمار بازی، شراب خوری، زنا کاری کا رواج عام تھا۔ بے حیائی کی یہ حالت کہ سب سے بڑا نامور شاعر امرء القیس جو شہزادہ بھی تھا، قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا

جاتا ہے۔

لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا اور معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز سمجھا جاتا تھا۔

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ پوری دنیا میں یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی میں ایک آفتاب عالم تاب کی حاجت نہ تھی؟

اہل عرب کی خصوصیات

جزیرۃ عرب کے جغرافیائی اور سیاسی حالات اور مختلف علاقوں میں مختلف قبائل کی آباد کاری کا اجمالی خاکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

اب ہم اس جزیرہ کے باشندوں کی اخلاقی خصوصیات کا جائزہ لیں گے، جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ باوجود اس بات کے کہ جزیرۃ عرب کا اکثر علاقہ لقا و دق صحراؤں، ناقابل کاشت بنجر میدانوں اور ناقابل عبور ریگستانوں پر مشتمل تھا، اس کے بسنے والے علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اس کے باوجود قدرت نے اس خطہ کو اور اس میں سکونت پذیر قوم کو کیوں اپنے محبوب مکرم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے اور اس دین حنیف کی پہلی تجربہ گاہ بنانے کے لیے منتخب فرمایا اور ان پر ہوں کو کیوں اس دولت سرمدی کا امین بنایا۔ اس جائزہ سے آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اہل عرب میں ان خامیوں اور خرابیوں کے باوجود ایسی خوبیاں موجود تھیں جن کے باعث ان کو یہ امانت عظمیٰ تفویض کی گئی اور آنے والے حالات نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ قدرت کا انتخاب بالکل درست تھا۔ ان صحرائشینوں نے اپنے فرائض منصبی کو اس عمدگی سے انجام دیا کہ سارا عالم انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فہم و فراست، قوت حافظہ، فصاحت و بلاغت، غیرت و شجاعت، سخاوت و دریادلی، سخت کوشی، جفاکشی، فنون

جنگ میں مہارت اور دیگر کمالات سے اس فیاضی سے بہرہ ور فرمایا تھا کہ ان کی ہم عصر قوم کسی میدان میں بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

فراست و ذہانت

اہل عرب کی فراست و ذہانت عدیم الطیر تھی۔ مورخین نے بے شمار واقعات اپنی کتابوں میں تحریر کیے ہیں، جن سے ان کی فراست و ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ میں صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہوں۔

ایک دولت مند شخص اپنے دو غلاموں کی معیت میں سفر پر روانہ ہوا، جب وہ نصف راستہ طے کر چکے تو ان غلاموں نے اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، اس آدمی نے بھی تاڑ لیا کہ یہ مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں تو اس نے غلاموں سے کہا کہ اگر تم مجھے قتل کرنے کا عزم مصمم کر ہی چکے ہو تو میرے ساتھ ایک حلیہ وعدہ کرو کہ جب تم واپس جاؤ تو میرے گھر جانا اور میری دونوں بچیوں کو یہ شعر سنانا۔ انھوں نے پوچھا، کونسا شعر؟ اس شخص نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

من بلغ ہتھی ان اباہما

لله در کما و در اہیکما

ان دونوں غلاموں نے جب یہ سنا تو ایک نے دوسرے کو کہا کہ اس میں کوئی خطرہ والی بات نہیں، یہ بے ضرر سا شعر ہے، جس سے اس کی آخری حسرت بھی پوری ہو جائیگی اور ہمیں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ انھوں نے اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ جب وہ واپس لوٹیں گے تو اس کے گھر جا کر اس کی بیٹیوں کو اس کی طرف سے یہ شعر سنا دیں گے۔ جب وہ سفر سے واپس لوٹے تو حسب وعدہ اس کے گھر گئے، اس کی بڑی لڑکی سے ملاقات کی اور کہا، تمہارے والد کو اس چیز نے آیا جس سے کسی کو مفر نہیں یعنی موت، اس نے ہم

سے قسم لی تھی کہ جب ہم واپس آئیں تو تمہیں اس کا یہ شعر سنائیں، چنانچہ انہوں نے یہ شعر پڑھ کر اس بڑی لڑکی کو سنایا اس نے کہا کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے باپ مجھے آگاہ کرنا چاہتا تھا، لیکن تم ذرا صبر کرو، میں اپنی چھوٹی بہن کو بلا لاؤں۔ وہ اس کو بلا کر لے آئی، اسے واقعہ بھی بتایا اور اپنے باپ کا شعر بھی سنایا، سنتے ہی اس نے اپنی اور مہنی اتار دی اور آہ و فغاں شروع کر دی۔

اس نے کہا، اے گروہ عرب! ان دونوں نے میرے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا، تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ وہ کہنے لگی اس شعر کے دونوں مصرعے نامکمل ہیں۔ دونوں مصرعے دوسرے مصرعے کے محتاج ہیں۔ اس شعر میں پہلے اور دوسرے مصرعے میں کوئی مناسبت نہیں، درحقیقت یہ دو شعر ہیں۔ اس شعر میں دونوں شعروں کا ایک ایک مصرع مذکور ہے اور دوسرا مصرع مقدر ہے، انہوں نے پوچھا: پھر یہ شعر کیسے ہونا چاہیے؟ اس نے کہا: پہلا شعر یوں ہونا چاہیے۔

من مخبر بنتی ان ابائهما

امسی قتیلا بالفلاة مجندلا

کون شخص ہے جو میری دونوں بچیوں کو یہ اطلاع دے کہ ان کا باپ قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش جنگل میں مٹی سے آلودہ پڑی ہوئی ہے؟

لله در کما در ابیکما

لن یرح العبدان حتی یقتلا

اے بچیو! تم دونوں کی خوبیاں اور تمہارے باپ کی خوبیاں اللہ کے لیے ہیں۔ ان غلاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائے یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

لوگوں نے ان غلاموں کی تفتیش کی۔ انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ چنانچہ بطور قصاص ان کو

قتل کر دیا گیا۔

اس قوم کی فراست اور ذہانت کا اندازہ لگائیے جس کی ایک کم عمر بچی نے اس راز کا پردہ چاک کیا اور حقیقت حال کو آشکارا کر دیا۔ ان کی حد درجہ ذہانت و فطانت کے باعث ان کے نبی کو ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جو معجزہ دیا گیا وہ قرآن کریم تھا، جو اپنے اعجاز بیان اور اسلوب بلاغت میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا۔ قرآن کریم کے کلمات طیبات میں فصاحت و بلاغت کے جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں ان کی صحیح قدر و منزلت کا وہی لوگ اندازہ لگا سکتے تھے۔ بسا اوقات ایک آیت سن کر ہی پھڑک اٹھتے تھے، ان کے دل کی دنیا بدل جایا کرتی تھی۔ احادیث مبارکہ میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت فرمائی اور اس کی برکت سے تاریک سینے بقعہ نور بن گئے۔

اہل عرب کی قوت حافظہ

فہم و فراست کی نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو بے پناہ قوت حافظہ ارزانی فرمائی تھی۔ اگرچہ وہ لکھنے اور پڑھنے سے عاری تھے، لیکن اپنی یادداشت کے بل بوتے پر انہوں نے اپنی جنگوں اور دیگر اہم واقعات کی تفصیلات کو محفوظ رکھا۔ وہ صرف اپنے سلسلہ نسب سے ہی پوری طرح باخبر نہ تھے، بلکہ اپنے گھوڑوں کے نام اور ان کے نسب ناموں کو بھی پوری طرح جانتے تھے۔ جو گھوڑا میدان جنگ میں غیر معمولی شجاعت اور کارکردگی کا مظاہرہ کرتا اس کے نسب سے وہ پوری طرح واقف رہتے تھے۔ ان کے تہواروں میں جو ادبی محفلیں منعقد ہوتیں، جن میں دور و نزدیک سے آئے ہوئے فصحاء و بلغاء اپنے قصیدے سناتے یا اپنے خطاب سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے، سننے والے ایک بار سننے سے وہ پورا قصیدہ اور پورا خطبہ از بر کر لیتے، پھر وہ اس سے آگے روایت کرتے رہتے۔ اگر کسی کی زبان سے فی البدیہہ کوئی جملہ نکل جاتا تو وہ ضرب المثل بن جاتا اور جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ میں رواج پا جاتا ضرب المثل کے ساتھ وہ واقعہ بھی

اذہان میں نقش ہو جاتا، جس کے پس منظر میں کسی کی زبان سے یہ جملہ نکلتا۔

ہر شاعر کا ایک راویہ ہوا کرتا جس کا کام یہ تھا کہ شاعر کی زبان سے نکلنے والا ہر شعر وہ یاد کر لیتا ہر راویہ کو شعر کے مختلف اقسام، رجز، قصیدے وغیرہ اس قدر یاد ہوتے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہوتا، اصمعی جو متاخرین میں ادب کا امام شمار کیا جاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ۔

بالغ ہونے سے پہلے مجھے اعراب بادیہ کے بارہ ہزار رجزیہ اشعار یاد تھے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم قوت حافظہ میں اہل عرب کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی، یہاں تک کہ آج اشعار جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے وہ اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت کا مرہون منت ہے۔

فرانس کے وزیر تعلیم ”دردی“ نے اعتراف کیا ہے کہ عرب زبان میں جو وسعت ہے اور ہر چیز کے مختلف حالات اور مختلف صفات کے اعتبار سے الگ الگ نام ہیں، ان کے ہاں مترادفات کی بھرمار ہے، اس لیے ان کے شعر و سخن کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

ان کے ہاں شہد کے ۸۰ اسی نام ہیں، سانپ کے دو سو، شیر کے پانچ سو، اونٹ کے ایک ہزار، تلوار کے بھی ایک ہزار اور آلام و مصائب کی تعبیر کے لیے چار ہزار الفاظ ہیں۔

وزیر موصوف لکھتے ہیں کہ ان تمام اسماء کو یاد کر لینا قوی حافظہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اہل عرب کو قدرت نے جو ذہانت اور قوت حافظہ عطا فرمائی تھی، اس کا انکار ممکن نہیں۔

ان کے مشاہیر سے حماد نامی ایک راویہ تھا۔ اس نے خلیفہ ولید سے کہا کہ وہ یہاں کھڑے کھڑے ایک سو قصیدہ زبانی سنا سکتا ہے اور ہر قصیدہ بیس سے سو شعر پر مشتمل ہوگا۔

کلام کی اس وسعت اور ایک مادہ سے مختلف صیغوں کے اشتقاق کے قواعد نے اس لغت کو مزید وسعتیں بخش دی تھیں جس کی وجہ سے اہل عرب میں مافی الضمیر کے اظہار اور بیان کی وہ قوت پیدا ہو گئی تھی

جس کے باعث دنیا کی کوئی قوم ان کے ساتھ برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔

اہل عرب کی سخاوت و فیاضی

جزیرۃ عرب کا اکثر حصہ ریگزاروں، صحراؤں اور ریگستانوں پر مشتمل تھا۔ بارش بھی بہت کم مقدار میں برتی تھی۔ معیشت کے دیگر ذرائع کا بھی فقدان تھا، اس لیے اہل عرب کی معاشی حالت اس وقت بڑی ناگفتہ بہ تھی، لیکن اس غربت و ناداری کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سخاوت و فیاضی کی جو صفت ان کو مرحمت فرمائی تھی اس کی تفصیلات پڑھ کر انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ ان کے اشعار کا بہترین حصہ وہ ہے جن میں انھوں نے اپنی فیاضیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ رات کو اونچے ٹیلوں پر آگ روشن کر دیتے تاکہ اگر رات کے وقت کسی مسافر کا وہاں سے گزر ہو تو وہ اس آگ کو دیکھ کر ان صحرائیں بدوؤں کے خیمے تک پہنچ سکے، اور جب کوئی بھٹکا ہوا مسافر رات کے وقت ان کے ہاں پہنچ جاتا تو اس کی خاطر مدارات کی وہ حد کر دیتے۔ ایک شاعر اپنے غلام کو کہتا ہے۔

اوقد فان الیل لیل قر

و ریح یا اوقد ریح صر

عل یری ناک من یمر

ان جلیت ضیفانت حر

اے واقد! اونچے ٹیلے پر آگ کو جلا، کیوں کہ رات بہت ٹھنڈی ہے اور سرد ہوائیں چل رہی ہیں، شاید کوئی گزرنے والا تیری آگ کو دیکھ لے، اگر اس آگ نے کسی مہمان کو اپنی طرف کھینچ لیا تو تو آزاد ہوگا۔

وہ صرف اونچی جگہوں پر آگ ہی نہیں جلایا کرتے تھے، بلکہ اس خیال سے کہ شاید رات کا مسافر بینائی سے محروم ہو اور وہ آگ کو نہ دیکھ سکے اس لیے وہ خوشبودار بخور آگ پر چھڑک دیتے تھے جس کی خوشبو دور دور تک پھیل جایا کرتی تھی، اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اندھا مسافر اگر آگ کو دیکھنے سے قاصر ہے تو خوشبو سونگھ کر ہی وہ ان کے پاس پہنچ جائے۔

اس کے علاوہ وہ کتے پالا کرتے تھے۔ اپنے ریوڑوں کی حفاظت کے علاوہ ان کتوں کے پالنے کا یہ مقصد بھی تھا کہ وہ رات کے سناٹے میں بھونکیں، ان کی آواز دور دور تک پہنچے گی اور رات کے صحرانورد مسافران کے خیموں تک بآسانی پہنچ جائیں گے۔

ایک شاعر اپنے کتے کے بارے میں اپنے بیٹے کو وصیت کرتا ہے۔

اوصیک خیرا بہ فان لہ

خلانقا لا ازال احمدھا

یدل ضیفی علی فی غسق الیل

اذا النار نام موقدھا

اے بیٹے! میں تجھے اس کتے کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، کیوں کہ اس میں ایسی خوبیاں ہیں جن کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ یہ رات کی تاریکی میں میرے مہمان کو اس وقت میرے پاس لے آتا ہے جب آگ کا جلانے والا سو جایا کرتا ہے۔

عرب ایسے ایسے عدیم المثال، عظیم المرتبت فیاض گزرے ہیں جن کی فیاضی اور سخاوت کے باعث تاریخ ان کو ہمیشہ یاد کرنے پر مجبور ہے۔ چند مشہور نخیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) حاتم طائی (۲) کعب بن مامہ الایادی (۳) اوس بن حارثہ الطائی (۴) ہرم بن سنان

(۵) عبداللہ بن جدعان التیمی وغیرہم

ان کے نام کرم و سخا میں ضرب الامثال کے طور پر لیے جاتے ہیں۔

اہل عرب کی شجاعت

اہل عرب جن خوبیوں سے متصف تھے ان میں سے ایک اعلیٰ ترین خوبی ان کی شجاعت اور بہادری تھی اپنی عزت و ناموس کے لیے اپنے حقوق کے تحفظ اور ان کی بازیابی کے لیے اپنے قبیلہ کی سطوت و شوکت کا ڈنکا بجانے کے لیے وہ اپنی متاع زیست کو قربان کرنے کے لیے بلا تامل تیار ہو جایا کرتے تھے۔ اپنا سر کٹا دینا، اپنے جسم کے پرزے اڑا دینا، عالم شباب میں موت کا تلخ پیالہ اپنے لبوں سے لگا لینا ان کے لیے ادنیٰ سی بات تھی۔ وہ زندگی اور اس کے عیش و طرب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، اپنی عزت اور اپنے قبیلہ کی آبرو کو بچانے کے لیے موت سے کھیل جانا ان کے لیے قطعاً کوئی خوفناک کھیل نہ تھا۔ وہ اپنے خیال کے مطابق اپنے اعلیٰ مقاصد کے لیے اپنی جان اور خون کا نذرانہ پیش کرنا اپنا فرض اویس سمجھا کرتے تھے۔ ان کی زندگیاں اپنے دشمنوں سے لڑتے ہوئے گزرتی تھیں۔ وہ میدان جنگ کی موت کو بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر ترجیح دیا کرتے، بستر کی موت ان کے لیے قابل مذمت تھی۔

ایک عرب کو اس کے بھائی کے قتل ہو جانے کی اطلاع دی گئی تو اس نے بڑے سکون سے کہا:

ان یقتل فقد قتل ابوہ و اخوہ و عمہ انا و اللہ لا نموت حتفا و لکن قطعاً

باطراف الرماح و موتا تحت ظلال السیوف

اگر میرا بھائی قتل ہو گیا ہے تو کیا ہوا، اس سے پہلے اس کا باپ، اس کا بھائی اور اس کا چچا بھی میدان جنگ میں قتل ہوئے تھے۔ بخدا ہم بستر پر نہیں مرا کرتے بلکہ نیزوں کی انیوں سے ہمارے پرزے اڑائے جاتے ہیں، اور ہم تلواروں کے سائے میں موت کا پیغام قبول کرتے ہیں۔

ایک عرب شاعر سموئل نے کیا خوب کہا ہے۔

و مامات مناسید حتف انفہ

ولا طل منا حیث کان قتیل

ہمارا کوئی سردار طبعی موت نہیں مرا، اور نہ ہی ہمارے کسی مقتل کا خون ضائع ہوا ہے۔

اہل عرب کی شان و فائے عہد

وفا، سچائی اور انصاف کے قبیل سے ہے، اس کے برعکس غدر اور دھوکہ جھوٹ اور ظلم کے قبیل سے ہے، کیوں کہ وفا نام ہے زبان اور عمل سے سچ بولنے کا، اور غدر نام ہے زبان اور عمل سے جھوٹ بولنے کا۔ اس لیے وعدہ کی پابندی کا قرآن کریم نے بار بار حکم دیا ہے اور وعدہ پورا کرنے والوں کی ستائش فرمائی ہے۔

واوفوا بعہدی اوف بعہدکم و ایای فارہبون .

تم نے میرے ساتھ جو عہد کیا ہے اس کو تم پورا کرو، میں نے تمہارے ساتھ جو عہد کیا اسے میں پورا کروں گا۔

ارشاد الہی ہے:

اوفوا بعد اللہ اذا عاہدتم

کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔

کوئی قوم بلکہ کوئی انسانی معاشرہ باہمی اعتماد کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا، جہاں عہد شکنی اور وعدہ خلافی کی وبا عام ہو وہ معاشرہ زوال و انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔ اہل عرب کی گونا گوں خوبیاں ہیں ان میں سے ایک یہ خوبی بھی تھی کہ اگر وہ کسی سے وعدہ کرتے تو اسے پورا کرتے خواہ اس سلسلہ میں ان کو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا بلکہ جان کی بازی بھی ہارنی پڑتی، طبعی طور پر وہ جھوٹ سے نفرت کرتے اور جھوٹے کو حقیر و

ذلیل سمجھتے، اس طرح سچ بولنا ان کے نزدیک صفات محمودہ میں سے تھا، اور سچے آدمی کی تعظیم و تکریم کرنا ان کا قومی شعار تھا، عہد جاہلیت کی تاریخ میں ہمیں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جب کہ اہل عرب نے مال و جان کی قربانی دے کر بھی اپنے قول کی لاج رکھی اور اس کو اپنا فرض سمجھا۔ یہ چیز ان کے لیے باعث صد عز و شرف خیال کی جاتی تھی۔

امام مرزوقی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلہ مضر کے لیے قحط سالی کی بددعا کی۔ سات سال گزر گئے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ پکا ہر طرف ویرانی ہی ویرانی پھیل گئی، گھاس خشک ہو گئی، درختوں کے پتے جھڑ گئے، اکثر چشموں اور تالابوں میں پانی کی ایک بوند بھی باقی نہ رہی۔ ان حالات سے مجبور ہو کر ان کے سردار حاجب نے اپنی قوم کو جمع کیا کہ میں کسریٰ کے پاس جاتا ہوں اور اس سے اس کے ملک میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں تاکہ اس قحط کی تباہ کاریوں سے ہم اپنے آپ کو بچا سکیں۔ قوم نے اس کی تجویز کی تحسین کی۔ چنانچہ وہ کسریٰ کے پاس گیا اور اپنی تکالیف بیان کرنے کے بعد اس سے اجازت طلب کی کہ جب تک بارشیں نہیں برستیں اور قحط سالی کا خاتمہ نہیں ہوتا وہ اس کی قوم کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے۔

کسریٰ نے کہا کہ تم اہل عرب فتنہ و فساد کے خوگر و عادی ہو۔ غارت گری اور قزاقی تمہارا مرغوب پیشہ ہے۔ اگر میں تمہیں اجازت دوں تو تم اپنی ان قبیح عادات کی وجہ سے میرے ملک و قوم کے امن و سکون کو تہہ و بالا کر کے رکھ دو گے۔ حاجب نے کہا کہ میں اس کی ضمانت دیتا ہوں جب تک میری قوم تیرے ملک میں سکونت پذیر رہے گی اس قسم کی کوئی نازیبا حرکت نہیں کرے گی۔ کسریٰ نے کہا اس بات کا کوئی ضامن ہے کہ تم اس وعدہ کو پورا کرو گے، حاجب نے کہا میں بطور ضمانت اپنی کمان تمہارے پاس رہن رکھتا ہوں۔ جب وہ کمان لے کر آیا تو اس کو دیکھ کر اہل دربار ہنس پڑے، لیکن کسریٰ نے کہا ہمیں منظور ہے اور اس نے کمان رکھوالی۔

چنانچہ جتنا عرصہ حاجب اپنی قوم کے ساتھ وہاں رہا، قوم کے ہر فرد نے اپنے سردار کے اس قول کا پاس رکھا۔ حاجب کی موت کے بعد بنی مضر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اپنی غلطیوں کی معافی مانگی اور التماس کیا کہ حضور ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیں۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا سے موسمِ دھار بارشیں ہوئیں اور ان کا ویران علاقہ پھر سرسبز و شاداب ہو گیا۔ مضر کا قبیلہ ایران سے واپس آ کر اپنے علاقے میں آباد ہو گیا۔ حاجب کا بیٹا عطار، کسریٰ کے پاس گیا تاکہ اپنے باپ کی کمان اس سے لے آئے، کسریٰ نے اسے دیکھ کر کہا تم وہ آدمی نہیں ہو جس نے میرے پاس کمان رکھی تھی۔ عطار نے کہا بے شک! لیکن جس نے کمان رکھی تھی وہ مر گیا ہے، اور میں اس کا بیٹا ہوں اور اپنے باپ کی کمان لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں، چنانچہ کسریٰ نے وہ کمان واپس کر دی اور اسے خلعتِ فاخرہ پہنائی۔ جب وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو اس نے وہ خلعت بارگاہ رسالت میں ہدیہ کے طور پر پیش کی، لیکن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا۔ اس نے وہ خلعت ایک یہودی کو چار ہزار درہم میں فروخت کر دی۔

یہ بات قبیلہ مضر کے لیے فخر و مباہات کا باعث بن گئی۔ چنانچہ ابو تمام کہتا ہے۔

اذا افتخرت یوما تمیم بقوسها

فخار اعلیٰ ما و طدت من مناقب

اگر بنو تمیم اپنی کمان کے باعث فخر کرے، جس کی وجہ سے اس کے مناقب مستحکم ہو گئے ہیں۔

فانتم بذی قار امالت سیوفکم

عروش الذین استرھنوا قوس حاجب

اے میری قوم! تم وہ بہادر ہو جن کی تلواروں نے ذی قار کی جنگ میں ان بادشاہوں کے تختوں کو

اوندھا کر دیا، جنھوں نے حاجب کی کمان کو اپنے پاس گروی رکھا تھا۔

اہل عرب کی غیرت و حمیت

عرب کے یہ بادیہ نشیں دیگر صفات حمیدہ سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ غیرت کے جذبہ سے بھی سرشار تھے۔ یہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کے لیے خون کے دریا بہا دینا اور کشتوں کے پستے لگا دینا اپنا اہم ترین فریضہ سمجھتے تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کی ناموس کی طرف بری نگاہ سے دیکھ سکے اور وہ اسے خاموشی سے برداشت کر لیں، اسی جذبہ سے سرشار ہونے کے باعث وہ اپنے نسب کی حفاظت کیا کرتے تھے اور اپنے شجرہ نسب کو یاد رکھا کرتے تھے اور ہر وہ شخص جس میں شرافت و فضیلت کا ادنیٰ سا بھی حصہ پایا جاتا ہو وہ لازمی طور پر غیر تمند ہوتا ہے اور وہ قوم شجاعت، سخاوت اور پاس عہد میں اس بلند درجہ پر فائز تھی، وہ بھلا اپنی عصمت و ناموس کی حفاظت میں کیوں کر سہل پسندی کا مظاہرہ کر سکتی تھی۔

ان کی بڑی بڑی جنگوں کے پس منظر میں اکثر اسی قسم کے واقعات ہوا کرتے تھے۔ کسی بڑے سے بڑے سردار نے اگر کسی شخص کی ماں کو کوئی ایسی خدمت بجالانے کا حکم دیا جو اس کے مرتبہ سے فروتر ہوتی تو وہ خاتون اس تذلیل پر آتش زیر پا ہو جاتی اور اپنے خاوند، بھائیوں، فرزندوں کو للکارتی۔ ایک عورت کی للکار پر سینکڑوں تلواریں بے نیام ہو جاتیں اور آن واحد میں خون کے دریا بہنے لگتے۔ ان کا جذبہ غیرت بھی ان کی شجاعت اور ان کی مروت کا ایک مظہر تھا۔ وہ قوم بزدل ہو جایا کرتی ہے جس میں مروت و حمیت کا جذبہ موت کی نیند سو جایا کرتا ہے، وہاں غیرت بھی دم توڑ دیتی ہے۔ جو چاہے ان کی عصمتوں کے ساتھ کھیلا کرے۔ اس لیے ان کے شرفاء اور نجباء اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے ایسی بیویوں کا انتخاب کیا کرتے تھے جن کا دامن عصمت فسق و فجور کے بدنمادانغوں سے پاک و صاف ہوتا۔ وہ ظاہری حسن و جمال پر اس امر کو ترجیح دیتے کہ وہ خاتون جسے ان کی اولاد کی ماں بننا ہے یا ان کی ہونے والی بہو، رنگ و روپ میں اگر کسی سے کم ہو تو ہو، لیکن شرافت اور عفت میں اس کا معیار بہت ہی بلند ہونا چاہیے۔

اہل عرب کی لغو عادات

ان کی جاہلانہ رسوم میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ جب بارش برسنا بند ہو جاتی اور قحط سالی کا دور دورہ ہوتا تو وہ سلع اور عشر دونوں درختوں کی ٹہنیاں کاٹ کر ایک گائے کی دم کے ساتھ باندھ دیتے اور ان شاخوں کو آگ لگا دیتے اور اس گائے کو دشوار گزار پہاڑیوں میں لٹھ مار کر بھگا دیتے اور یہ خیال کرتے کہ ان کے اس طریقہ سے بادل اُٹد کر آئیں گے، بجلی چمکے گی اور موسلا دھار بارش برے گی۔

ایک اعرابی اس لغو حرکت پر اظہار نفرت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

شفعنا ببقور الی ہاطل الحیا

فلم یغن عنا ذاک بل زادنا جدبا

ہم نے اس گائے سے شفاعت طلب کی جس کی دم سے وہ شاخیں باندھ کر آگ لگا دی گئی تھی تاکہ موسلا دھار بارش برے، لیکن اس چیز نے ہمیں کوئی نفع نہ پہنچایا بلکہ خشک سالی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

ان کے ہاں ایک اور رواج تھا کہ اگر ایک اونٹ کو خارش کی بیماری لاحق ہوتی تو اس کے ساتھ جو صحت مند اونٹ ہوتا تو اس کو آگ سے داغ لگائے جاتے اور وہ یہ خیال کرتے کہ اس طرح خارش زدہ اونٹ درست ہو جائے گا۔ خارش زدہ اونٹ کو ذی العر کہا جاتا۔ ان کی اس توہم پرستی سے شعراء نے اپنے اشعار میں بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

فالمتمنی ذنبا و غیرى جرہ

حنانیک لا تکو الصحیح باجر با

تو نے مجھ پر ایک گناہ کا الزام لگایا ہے حالاں کہ اس کا ارتکاب میرے علاوہ ایک اور آدمی نے کیا ہے۔ مجھ پر رحم کرو، ایک خارش زدہ اونٹ کے بدلہ میں صحت مند اونٹ کو داغ مت لگاؤ۔

ان کے ہاں اسی قسم کی ایک لغو رسم ”بلیہ“ کے نام سے مروج تھی۔ ان کا یہ دستور تھا کہ جب ان کا کوئی سردار مر جاتا تو اس کی اونٹنی یا اونٹ کو لے آتے، اس کی گردن کو دہرا کر دیتے اور اس کے سر کو پیچھے کی طرف موڑ دیتے اور ایک گڑھے میں اس کو چھوڑ دیتے، نہ اسے کچھ کھانے کے لیے دیتے اور نہ اسے پانی پلاتے، یہاں تک کہ وہ بھوکی پیاسی تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی اور اس کے مردہ جسم کو نذر آتش کر دیا جاتا، بسا اوقات اس کی کھال اتار لی جاتی اور اس کو شامہ نامی گھاس سے بھر دیا جاتا۔ ان کا یہ گمان تھا کہ اگر کوئی آدمی مر جائے اور اس کے لیے یہ بلیہ کی رسم ادا نہ کی جائے تو قیامت کے روز جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اس کو سواری نصیب نہیں ہوگی، بلکہ اسے پیدل چلنا پڑے گا اور جس کے لیے یہ رسم ادا کی جائے تو جوں ہی وہ قبر سے نکلے گا اس کے لیے ایک بہترین سواری پیش کی جائے گی۔

ان کے ہاں یہ رسم بھی تھی کہ جب ان کا کوئی سرکردہ آدمی یا قبیلہ کا سردار مر جاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک اونٹ لے آتے اور اس کی چاروں کونچیں کاٹ دیتے، پھر اس کو تڑپتا ہوا چھوڑ دیتے، اس سے بننے والے خون سے قبر کو رنگین کرتے۔ ان کے اس فعل کی کئی وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) یہ کہ میت کی تعظیم کے لیے وہ ایسا کرتے تھے جس طرح وہ اپنے بتوں کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کیا کرتے۔

(۲) یہ کہ اونٹ مردوں کی گلی ہوئی ہڈیاں کھاتا ہے۔ گویا اس طرح وہ اس سے انتقام لیتے تھے۔

(۳) یہ کہ اونٹ ان کے قیمتی اموال سے ہے، اس کو ذبح کر کے وہ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ ہمارے اس سردار کا مرنا ہمارے لیے اتنا المناک سانحہ ہے کہ ہمارے نزدیک ہماری قیمتی چیزیں بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھی ہیں۔

اسلام نے ان تمام خرافات کو نیست و نابود کر دیا اور اپنے ماننے والوں کو ایسی رسوم ادا کرنے سے

منع کر دیا۔

ان کے ہاں ایک اور عقیدہ بھی پھیلا ہوا تھا کہ جب کسی آدمی کو قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے سر سے روح ایک پرندہ کی شکل میں نکلتی ہے اور جب تک اس مقتول کا انتقام نہ لیا جائے اس وقت تک وہ اس کی قبر پر چکر کاٹی رہتی ہے اور کہتی ہے کہ:

اسقونی فانی صدیۃ

مجھے پلاؤ میں سخت پیاسی ہوں۔

اس اعتقاد کے باعث عربوں کے یہاں اگر کسی آدمی کو قتل کر دیا جاتا تو اس کے قریبی رشتہ داروں اور بیٹوں بھائیوں کے لیے اس کے خون کو معاف کرنا مشکل ہو جاتا تھا، کیوں کہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جب تک ہم مقتول کا بدلہ نہیں لیں گے اس وقت تک اس کی روح کو چین نہیں آئے گا۔ وہ اپنے مشتعل جذبات کو تو ٹھنڈا کر سکتے تھے لیکن اپنے مقتول باپ یا بھائی کی روح کی اس ابدی پریشانی اور اضطراب کو برداشت کرنا ان کے بس کا روگ نہ تھا، اس لیے وہ مجبور تھے کہ اپنے مقتول عزیز کا ہر قیمت پر انتقام لیں۔

اسلام نے دوسری خرافات کی طرح اس توہم پرستی کی بھی بیخ کنی کر دی، اور اہل عرب کو اس ناسور سے شفا بخشی جس سے ہر وقت خون رستا رہتا تھا اور قیامت برپا کرتا رہتا تھا۔

مقتول کی دیت

عربوں کے ہاں مقتول کی دیت عام طور پر ایک سواونٹ ہوا کرتی۔ قاتل پوری دیت کو ساتھ لے کر اور اپنی قوم کے معززین کی جماعت کی ہمراہی میں مقتول کے وارثوں کے پاس جاتا اور ان سے دیت قبول کرنے اور قتل معاف کرنے کی درخواست کرتا، اگر مقتول کے ورثاء طاقتور ہوتے تو دیت کو مسترد کر دیتے اور قصاص لینے پر اصرار کرتے اور اگر وہ اتنے طاقتور نہ ہوتے کہ قاتل کے قبیلہ کا مقابلہ

کر سکیں تو پھر اپنا پردہ رکھنے کے لیے وہ یہ کہتے کہ ہم خود تو اپنے مقتول کو ان سواونٹوں کے بدلے میں فروخت نہیں کر سکتے، البتہ اگر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرمادے تو پھر ہم دیت لے لیں گے اور قصاص سے دست کش ہو جائیں گے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی رائے معلوم کرنے کی صورت یہ تھی کہ کمان میں تیر رکھ کر آسمان کی طرف پھینکا جاتا اگر وہ خون سے آلودہ ہو کر واپس آتا تو وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے دیت لینے کی اجازت نہیں دی، بلکہ قصاص لینے کا حکم دیا ہے اس لیے ہم مجبور ہیں اور اگر واپس آنے والا تیر خون سے آلودہ نہ ہوتا تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے دیت لینے کے بارے میں فیصلہ کر دیا۔ یہ فیصلہ محض عوام کو خاموش کرنے کے لیے کیا جاتا ورنہ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ تیر پھینکا گیا ہو اور وہ خون سے رنگین ہو کر واپس آیا ہو۔

عام لوگوں کی دیت کے بارے میں تو یہ مقدار مقرر تھی لیکن اگر مقتول کوئی بادشاہ یا رئیس قوم ہوتا تو اس کی دیت ایک سواونٹ کی بجائے ایک ہزار اونٹ لی جاتی۔ بادشاہ اور رئیس قبیلہ کو اس معاشرہ میں جو خصوصی امتیازات حاصل تھے ان میں سے یہ امتیاز بھی تھا۔

اسلام نے شاہ و گدا کے درمیان اس باطل امتیاز کو بھی ختم کر دیا اور غریب و امیر سب کی دیت ایک سواونٹ مقرر کر دی۔

معاقرہ

عربوں میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ دو آدمی باہم مقابلہ کرتے ایک آدمی چند اونٹ ذبح کرتا، دوسرا آدمی اس سے زیادہ اونٹ ذبح کر دیتا، پھر پہلا آدمی اس سے بھی زیادہ ذبح کرتا، دوسرا آدمی اونٹوں کی تعداد میں مزید اضافہ کر کے انھیں کاٹ ڈالتا۔ جو آدمی اپنے مد مقابل سے زیادہ اونٹ ذبح کرنے سے عاجز آجاتا اسے شکست خوردہ تصور کیا جاتا اور پہلے کو غالب اور فاتح شمار کیا جاتا۔ یہ ایک ایسی قبیح رسم تھی جس سے

بے ضرورت بے دریغ اونٹوں کو تلف کر دیا جاتا۔ اس میں اسراف بھی تھا اور جانوروں کا ضیاع بھی، لیکن وہ لوگ عہد جاہلیت میں اس امر میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے اپنے سینکڑوں اونٹ ضائع کر دیتے اور اس کو وجہ فخر و مباہات سمجھتے۔

چراگا ہوں پر اجارہ داری

آپ کو معلوم ہے کہ عرب کے بادیہ نشیں قبائل کا ذریعہ معاش ریوڑ پالنا تھا وہ چشموں اور چراگا ہوں کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے، جہاں ان کی بھیڑ بکریوں کے لیے پینے کا پانی اور چرنے کے لیے گھاس بآسانی دستیاب ہوتا، اس پر ان کی معاشی خوشحالی کا دار و مدار تھا لیکن اس سلسلہ میں بھی طاقتور رؤسا ایسی حرکتیں کرتے تھے جن سے عوام الناس کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جہاں بھی کسی قبیلہ کا کوئی طاقتور سردار پہنچتا تو وہ اپنا ایک کتا اونچی جگہ پر کھڑا کرتا، اور اس کو بھونکاتا اور جہاں جہاں تک اس کے کتے کے بھونکنے کی آواز پہنچتی وہاں تک وہ چراگاہ اس ایک شخص کی مقبوضہ بن جاتی، اس کے ریوڑ کے علاوہ کسی اور کار ریوڑ ادھر کا رخ نہ کر سکتا، نہ اس محدود علاقہ کے چشموں سے کوئی پانی پی سکتا، یہ ایک صریح ظلم تھا۔ بسا اوقات عوام جب گونا گوں صعوبتوں سے دوچار ہوتے تو تنگ آمد بجنگ آمد کے قاعدوں کے مطابق اس ظالم سردار کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔

عرب میں شادی بیاہ کے طریقے

شریف قبائل میں تو شادی بیاہ کا یہی طریقہ تھا جس کو اسلام نے بھی جائز قرار دیا کہ لڑکے کے ورثاء لڑکی کے پاس جاتے اور ان سے رشتہ کی درخواست کرتے اور اگر وہ ان کی اس درخواست کو قبول کرتے تو لڑکے کے رشتہ دار از حد ممنون و شکر گزار ہوتے۔ لڑکی کا مہر مقرر کیا جاتا، مجلس نکاح منعقد ہوتی اور لڑکی کے والدین نیک تمناؤں کے ساتھ اپنی لڑکی کو رخصت کرتے۔

لیکن اس نکاح کے علاوہ رشتہ زوجیت کے انعقاد کے اور بھی متعدد طریقے رائج تھے، جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کفر و شرک کی آلودگیوں نے ان کے جذبہ غیرت و حمیت کا کس طرح گلا گھونٹ دیا تھا اور وہ لوگ کیوں کرایسی رسموں کو کھلے دل سے برداشت کرتے تھے۔ نہ ان کا ضمیر ان کو اس بے غیرتی پر ملامت کرتا تھا اور نہ اس معاشرہ میں ان کے خلاف رد عمل کی کوئی لہر اٹھتی تھی۔ اس کی مختلف صورتیں تھیں۔

(۱) منکوحہ عورت جب ایام حیض سے فارغ ہوتی تو اس کا خاوند کسی شجاع یا سخی آدمی کی طرف اس کو بھیجتا اور اس کو اجازت دیتا کہ اس کے ساتھ ہم بستری کرے اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا کہ ایک نامور آدمی کے نطفہ سے اس کی بیوی کے شکم سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ بھی نامور ہوگا، اور اس کو ایک نامور بیٹے کا باپ بننے کا اعزاز حاصل ہو جائے گا۔ گو کہ یہ صورت درحقیقت نکاح کی نہیں، لیکن اہل عرب اس کو نکاح سے تعبیر کرتے تھے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ تھا کہ آٹھ نو آدمی ایک عورت کے پاس اکٹھے ہوتے اور اس کی رضا سے اس کے ساتھ مقاربت کرتے۔ اگر اس مقاربت سے حمل ٹھہر جاتا تو جب بچہ پیدا ہوتا تو چند روز بعد ان آٹھ نو آدمیوں کو وہ عورت بلا بھیجتی تھی۔ ان میں سے کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ آنے سے انکار کرے۔ جب وہ اس کے پاس اکٹھے ہو جاتے تو وہ کہتی کہ جو کچھ تم نے کیا اسے تم جانتے ہی ہو۔ اس فعل سے میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ پھر ان میں سے جس کا نام چاہتی لے کر کہتی کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ اس آدمی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ انکا کرے۔ اس بچے کو اس آدمی کی نسل سے ملحق کر دیا جاتا۔ یہ اس وقت ہوتا، جب پیدا ہونے والا بیٹا ہوتا۔ اور اگر بیٹی پیدا ہوتی تو پھر وہ نہ ان کو بلاتی نہ کسی کی طرف اس کی نسبت کرتی، کیوں کہ اسے علم ہوتا کہ اہل عرب بچیوں کو از حد ناپسند کرتے ہیں اور بعض اپنی جائز بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے باز نہیں

آتے، ایسے معاشرہ میں ایک ناجائز بچی کا بوجھ اٹھانے کے لیے کون تیار ہوگا، اس لیے وہ خاموش رہتی۔

(۳) ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بدکار عورتیں اپنے مکانوں کے اوپر جھنڈے لہراتیں، ہر شخص کے لیے روز و شب ان کے دروازے کھلے رہتے اور بدکاری کا کاروبار جاری رہتا، اگر کوئی بچہ پیدا ہوتا تو پھر قیافہ شناس کو بلایا جاتا اور جس کی طرف وہ اس کے نسب کی نسبت کر دیتا، اس کا وہ فرزند قرار پاتا۔

(۴) پوشیدہ نکاح : ایسی بدکاری جو لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو وہ بری نہیں سمجھی جاتی تھی، لیکن ایسی بدکاری جس کا عام چرچا ہو اور کھلم کھلا ہو اس کو عیب اور کمینگی سمجھا جاتا تھا۔

(۵) نکاح متعہ : اس کا بھی عام رواج تھا۔ اس میں گواہوں کے بغیر عورت اور مرد مقررہ وقت کے لیے معینہ مال کے عوض بیاہ کر لیتے تھے اور میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے۔

(۶) نکاح بدل : ان کے ہاں ازدواج کا یہ حیا سوز طریقہ بھی تھا کہ دو مرد آپس میں یہ طے کر لیتے۔ ایک دوسرے کو کہتا کہ تو اپنی عورت کو میرے پاس بھیج دے میں اپنی بیوی کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

(۷) نکاح شغار : ایک آدمی اپنی لڑکی کا بیاہ کسی مرد کے ساتھ کر دیتا، اس شرط پر کہ وہ مرد اپنی بیٹی یا بہن اس کے نکاح میں دے دے گا اور دونوں اپنی بیویوں کو مہر وغیرہ ادا نہیں کریں گے۔

یہ چند وہ طریقے تھے جو ان میں مروج تھے اور جس پر کسی کو کوئی بھی متہم نہیں کرتا تھا۔

بچیوں کو زندہ درگور کرنا

ایک انتہائی ظالمانہ اور سنگ دلانہ رسم عربوں میں رائج تھی اور جس کو باعث عز و شرف سمجھا جاتا تھا، وہ ”وآد البنات“ کی رسم تھی یعنی جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو ان کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی، اور جب وہ چند سال کی ہو جاتی تو باپ اس کو بہترین کپڑے پہناتا، مزین و آراستہ کر کے جنگل میں لے جاتا، اپنے ہاتھوں سے ایک گہرا گڑھا کھودتا پھر اس میں دھکا دے کر اس بچی کو پھینک دیتا اور اس پر مٹی ڈال کر اس گڑھے کو بھر دیتا، وہ بے چاری چیختی چلاتی رہ جاتی، لیکن اس سنگدل و سفاک باپ پر ذرا اثر نہ ہوتا۔

بیشیوں کو زندہ درگور کرنے کی یہ قبیح رسم تقریباً عرب کے تمام قبائل میں کم و بیش رائج تھی، لیکن بنو تمیم میں اس کا رواج بہت زیادہ تھا۔

اس رسم کی وجوہ مختلف لوگوں نے مختلف بیان کی ہیں۔

بنو تمیم، کندہ اور چند دوسرے قبائل تو اس وجہ سے بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے کہ مبادا ان کی کسی نازیبا حرکت کی وجہ سے ان کا خاندان بدنام ہو۔

المیدانی نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ بنو تمیم پر حیرہ کے بادشاہ نے ٹیکس لگایا ہوا تھا، لیکن انھوں نے اس کو ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ حیرہ کے بادشاہ نعمان نے اپنے بھائی ریان کو بھیجا اور اس کے ساتھ ایک خاص فوجی دستہ بھی روانہ کیا، جسے ”دوسر“ کہا جاتا۔ ان میں سپاہیوں کی اکثریت بکر بن وائل قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے بنو تمیم پر حملہ کیا، ان کے مویشیوں کو پکڑ لیا اور ان کی اولاد کو جنگلی قیدی بنا کر حیرہ لے آئے اور عورتوں کو بھی باندیاں بنا لیں۔

بنو تمیم نے نعمان بن منذر کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا تا کہ اپنے جنگلی قیدیوں اور عورتوں کو

آزاد کرانے کے لیے اس سے مذاکرات کرے۔ نعمان نے فیصلہ کیا کہ عورتوں کے معاملہ میں ہم عورتوں کو اختیار دیتے ہیں، وہ چاہیں تو اپنے سابقہ خاوندوں کے پاس لوٹ آئیں اور چاہیں تو جن سپاہیوں میں ان کو تقسیم کیا گیا ہے ان کے پاس رہیں۔ ان میں سے ایک عورت قیس بن عاصم کی بیٹی تھی، اس سے جب پوچھا گیا تو اس نے اپنے پہلے خاوند کے پاس جانے سے انکار کر دیا کہ وہ اپنے موجودہ شوہر کے پاس رہے گی۔ اس وقت قیس بن عاصم نے نذر مانی کہ اگر اس کے ہاں اب کوئی بچی پیدا ہوئی تو وہ اس کو زمین میں زندہ دفن کر دے گا۔ اس کے یہاں بارہ تیرہ لڑکیاں پیدا ہوئیں اس نے اپنی نذر کے مطابق ان سب کو درگور کر دیا۔

اسی قسم کا واقعہ بنی ربیعہ میں بھی پیش آیا۔ اس کے سردار کی بیٹی نے اپنے باپ کے پاس آنے کی بجائے اپنے فاتح کے پاس رہنے کو پسند کیا۔ اس طرح اس قبیلہ میں بھی واد البنات کا رواج جڑ پکڑ گیا۔ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی بیویاں یا ان کی بیٹیاں کوئی ایسی حرکت کریں جس سے ان کے خاندان کی عزت و ناموس داغ دار ہو جائے اور یہ کلنگ کا ٹیکہ سارے عرب میں ان کو ذلیل و رسوا کرنے کا باعث بنے۔

یہی جذبہ غیرت تھا، جس نے اس ظلم و درندگی کو صحرائے عرب کے قبائل میں پذیرائی بخشی اور لوگ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو زندہ درگور کرتے اور اسے اپنے لیے فخر و مباہات کا باعث سمجھنے لگے۔

بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر کسی بچی کی آنکھیں نیلی ہوتیں یا اس کا رنگ سیاہ ہوتا، یا اس پر برص کے سفید داغ ہوتے، یا وہ لنگڑی یا لولی ہوتی تو ایسی بچیوں کو بھی وہ کنواں کھود کر اس میں پھینک دیتے اور مٹی ڈال کر اس کو جیتے جی موت کی آغوش میں سلا دیا جاتا۔ پہلے پہل تو صرف ایسی ہی معیوب لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا لیکن یہ عمل رفتہ رفتہ صحیح سالم بچیوں میں دہرایا جانے لگا اور باضابطہ اس کا رواج پڑ گیا۔

اسلام نے اس ظالمانہ رسم بد کی مخالفت کی، اور بچیوں کی پیدائش و پرورش پر ثواب و جنت کا مژدہ دیا، اور لوگ جوں جوں اسلام اور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب آتے گئے، مراسم جاہلیت سے بیزاری بڑھتی گئی اور اسلام کے دامن رحمت میں لوگ نافرمانی محسوس کرنے لگے۔ جو لوگ اسلام سے پہلے مجسم خداؤں کے سامنے سر ٹیکا کرتے تھے وہ خدائے واحد کے پرستار بن گئے، جو فسق و فجور اور عصیاں شکاری میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا کرتے تھے وہ قوم کے ہادی و رہبر بن گئے اور عرب کا ریگزار بارش رحمت سے لالہ زار بن گیا۔



کعبہ معظمہ اور اس کے معمار

تم آئے چھٹی بازی، رونق ہوئی پھر تازی
کعبہ ہوا پھر کعبہ، کر ڈالا تھا بت خانہ

(از: حضور مفتی اعظم ہند)

وَلَا يَرْفَعُ الرُّوحَ (النفوس) الْعَدُوِّ (البيوت) وَإِسْمَاعِيلَ رِئَاسَةً قَبْلَ مِنَّا

اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی نیویں اور اسماعیل یہ کہتے ہوئے اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما۔

(القرآن)

کعبہ معظمہ اور اس کے معمار

اللہ تعالیٰ جو بدیع السماوات والارض ہے، جو بیدہ الملک و هو علی کل شی قدیر کی شان والا ہے، جس کی وحدانیت اور صدیت کا علم عرش و فرش پر لہرا رہا ہے۔ کشمیر کی گل بداماں وادیاں، شام کے سرسبز و شاداب میدان و کوہسار، یورپ کے لالہ زار و مرغ زار جس کے اپنے بنائے ہوئے ہیں، اس نے اپنے گھر کی تعمیر کے لیے جس خطہ کو پسند فرمایا وہ حجاز کی ایک وادی غیر ذی زرع تھی۔ اجاڑ، سنسان، جہاں نہ پانی تھا نہ آبادی تھی جہاں ایک ایسا سلسلہ کوہ تھا جس کی سیاہی مائل پہاڑیاں روئیدگی کی قوت سے یکسر محروم تھیں، درختوں، جھاڑیوں کا کیا ذکر۔ وہاں معمولی گھاس کا تنکا بھی اگا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ جن کی سخت پتھریلی چٹانوں سے پانی کا کوئی چشمہ نہیں ابلتا تھا۔ اس وادی کے ارد گرد سینکڑوں میلوں تک لق و دق صحرا اور ریگستان پھیلے ہوئے تھے۔ انسانی آبادی کا دور دور تک کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

ایسے خطہ کو اپنے گھر کے لیے منتخب فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس عظیم شان یسختص برحمتہ من یشاء کا اظہار فرمایا۔ یعنی وہ جس کو چاہتا ہے اپنی خصوصی رحمتوں سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ اور جب وہ کسی خطہ کو اپنی نگاہ کرم سے نوازتا ہے تو وہی خطہ رشک صد فردوس بن جایا کرتا ہے، سارے جہاں کی رونقیں اور زندگی کی ساری رعنائیاں سمٹ کر وہاں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس علاقہ کو ایسی بے پایاں مقناطیسی کشش بخش دی جاتی ہے کہ شرق و غرب میں بسنے والے ارباب قلوب سلیمہ کھنچے چلے آتے ہیں اور دیکھنے والے اس ایمان پرور منظر کو دیکھتے ہیں اور حیرت سے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

معمار کعبہ

اس وادی غیر ذی زرع میں اپنے گھر کی تعمیر کا لازوال شرف جس ہستی کو ارزانی فرمایا، اس کے انتخاب کا انداز بھی نرالا ہے۔ حجاز کے ریگ زار میں پہلے سے آباد صحرا نور دا اور خانہ بدوش قبائل میں سے کسی

کو یہ اعزاز نہیں بخشا۔ اس علاقہ کے گرد و نواح میں کئی ملکیتیں قائم تھیں جن کے تاجداروں کی سطوت سے زمین کا پتی تھی، ان کی دولت و ثروت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ان میں سے بھی کسی تاجدار کو یاد ہاں کے کسی رئیس اعظم کو یہ شرف عطا نہیں کیا، بلکہ اس عہد کی ایک کفر و الحاد اور فسق و فجور میں غرق مملکت بابل و نینوا میں بسنے والے ایک خاندان کے ایک فرد سے یہ خدمت لی۔ اس زمانہ میں اس ملک کا بادشاہ نمرود تھا، جو نہ صرف بے اندازہ خزانوں کا مالک تھا، نہ صرف یہ کہ وہ مادی لحاظ سے ایک ترقی یافتہ سلطنت کا مطلق العنان حکمراں تھا، بلکہ وہ خود بھی اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔ اور اس کی رعایا بھی برضا و رغبت اس کو اپنا معبود یقین کرتی تھی اور آب و گل سے بنے ہوئے اپنے جیسے انسان کو سجدہ کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتی تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی خدائی کا انکار کرے یا اس کی جہالت و حماقت کے سامنے دم مار سکے۔

ایسے بادشاہ کے عہد حکومت میں مادیت پرستی کے اس ہوش ربا ماحول میں سکونت پذیر خاندان کے ایک فرد کو اللہ تعالیٰ نے چنا، فطرت سلیمہ کی نعمت سے اسے نوازا، اس کے قلب و ذہن کو علم لدنیہ کی روشنی سے منور کیا، یقین کی دولت سے اس کو مالا مال کیا، جرأت و شجاعت کی صفت جلیلہ سے اس کو متصف فرمایا۔ وہ جواں مرد اور عالی ہمت ایک روز جب کہ اس کی قوم قومی میلہ کے سلسلے میں رنگ رلیاں منا رہی تھی، لا الہ الا اللہ کی گرز باطل شکن لے کر ان کے بڑے صنم کدہ میں داخل ہوا۔ بت پرستی کے بطلان اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے برحق ہونے پر ایک ایسی برہان قاطع قائم کر دی جس کے رعب و جلال نے جھوٹے خداؤں کے پجاریوں کے حواس باختہ کر دیے، ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور ان کی دقیقہ سنج عقلیں بے بس ہو کر رہ گئیں۔ اس مرد خود آگاہ کا نام ”ابراہیم“ ہے جو ”خلیل الرحمن“ کے ذی شان لقب سے معروف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی، اس نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کفر گڑھ سے ہجرت کرنا پڑی اور اپنے لطف و کرم سے انھیں حجاز کی اجازت اور سنسان وادی میں پہنچایا، پھر ان کو اور ان کے جواں سال فرزند دل بند حضرت اسماعیل کو اپنا گھر تعمیر کرنے کا ابدی اعزاز بخشا، تاکہ جب

تک یہ جہاں قائم رہے، رشد و ہدایت کے انوار یہاں سے پھوٹتے رہیں اور تاریک دلوں کو روشن کرتے رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب نامہ یوں تحریر کیا ہے۔

ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن ساروغ بن ارغوا بن فالغ بن عابر بن شامخ بن قینان بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

آپ کے مقام ولادت کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض علماء تاریخ نے بابل کو، بعض نے سوس کو، جو صوبہ اہواز کا ایک شہر ہے۔ بعض نے کوئی اور بعض نے اُور کو، جو کوفہ اور بصرہ کے درمیانی علاقہ میں ایک شہر تھا، آپ کا مقام ولادت بتایا ہے۔ جس زمانہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اس وقت بابل کے وسیع و عریض سلطنت کا بادشاہ نمرود تھا۔

علامہ ابن خلدون رومی مورخ ہیوردیشیوش کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

نمرود کو نمرود جسم بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ قد و قامت اور تن و توش میں بہت بھاری بھر کم تھا۔

مشرکانہ عقائد سے متعفن ماحول میں ایک جابر اور ظالم حکمراں کے دور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور انھیں ایسا ذہن رسا مرحمت فرمایا جس نے آپ کے گم کردہ راہ اہل وطن کے جھوٹے معبودوں کا طلسم توڑ دیا۔ جب پہلی دفعہ چمکتا ستارہ نظر آیا تو آپ نے اپنے دل سے پوچھا، کیا یہ میرا خالق ہے؟ جب وہ ڈوب گیا تو آپ اپنے فہم خداداد سے اس حقیقت کو فوراً پا گئے کہ جو ڈوب جایا کرتا ہے وہ خداوند برحق نہیں ہوا کرتا۔ پھر چودہویں کا چاند نظر آیا جس کی ضوفشانیوں سے سارا عالم منور ہو رہا تھا تو آپ نے اپنے آپ سے استفسار کیا، کیا یہ میرا رب ہے؟ لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس

راز کو پانے میں انھیں ذرا دیر نہ لگی کہ جو غروب ہو جائے جسے خود قرار نصیب نہ ہو وہ کائنات کا خالق و مالک نہیں ہو سکتا۔ پھر آفتاب عالم تاب کی روشن کرنوں نے آپ کے دامن توجہ کو اپنی طرف کھینچا تو اس کے بارے میں اپنے دل سے سوال کیا کہ یہ تو پہلے دونوں سے بڑا بھی ہے اور روشن تر بھی، کیا یہ میرا رب ہے؟ لیکن جب چند گھنٹے اپنی ضیاء پاشیوں کی بہار دکھانے کے بعد وہ بھی افق کے اندھیروں میں گم ہو گیا تو آپ نے پورے یقین سے اس کی خدائی کا انکار کر دیا۔

قال يقوم انی بری مما تشرکون .

آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔
میرا خدا تو وہ ہے، جو ان تمام انوار کے سرچشموں کو پیدا کرنے والا اور ان کو ردائے نور پہنانے والا ہے۔

دوسرے آمروں کی طرح اپنی رعایا کے رزق کے جملہ وسائل کو نمود بھی اپنے قبضہ میں لیے ہوئے تھا۔ جو اس سے رزق کی بھیک مانگتا تو پہلے وہ اس سے اپنی خدائی کا اقرار کراتا تب اس کو مٹھی بھر غلہ دیتا۔

نمود سے مکالمہ

علامہ ابن جریر طبری زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں۔

دنیا میں سب سے پہلا جابر نمود تھا۔ لوگ اس کے پاس حاضر ہوتے، وہ ان کے کاسے گدائی میں کچھ ڈال دیتا، ایک روز ایسے لوگوں کی معیت میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام بھی تشریف لائے جو ابھی نوخیز جوان تھے۔ جب روزی کے طلبگار جھولیاں پھیلائے اس کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا:

من ربکم تمہارا پروردگار کون ہے؟

قالوا انت تو وہ کہتے کہ ”تو“

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی باری پر اس کے سامنے آئے تو اس نے آپ سے بھی یہی سوال

پوچھا کہ :

من ربک تیرا رب کون ہے؟

آپ نے بر ملا جواب دیا :

ربی الذی یحیی و یمیت .

میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔

قال انا حی و امیت .

نمرود نے کہا: یہ میری صفت ہے۔ جس کو میں چاہتا ہوں زندہ چھوڑ دیتا ہوں اور جس کو چاہوں

موت کی نیند سلا دیتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :

فان الله یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب .

کہ میرا خدا سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، تو اسے مغرب کی طرف سے طلوع کر۔

فبہت الذی کفر

تو کافر مبہوت ہو کر رہ گیا

اس مکالمہ کے بعد اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو واپس کر دیا۔ آپ واپس گھر لوٹے تو مٹی کے ایک ڈھیر کے پاس سے آپ کا گزر ہوا، آپ نے اپنی چادر میں اس ڈھیر سے کچھ مٹی باندھ لی تاکہ چادر میں کچھ بندھا ہوا دیکھ کر گھر والوں کو اطمینان ہو جائے، آپ نے گٹھری رکھی اور سو گئے۔ آپ کی اہلیہ نے اسے کھولا، اس میں مٹی نہیں تھی بلکہ بہترین قسم کی گندم تھی۔ اسے پیسا، روٹی پکائی۔ آپ جاگے تو روٹی پیش کی۔ آپ اسے دیکھ کر اپنے رب کی قدرت اور اس کی عنایت پر اس کا شکر ادا کرنے لگے۔

بت نہیں بولتے

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو بہتیرا سمجھاتے کہ ان بے بس اور بے اختیار بتوں کو چھوڑ دو اور اس کی عبادت کرو جو معبود حقیقی ہے، لیکن آپ کی باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں، وہ انہیں سمجھ نہ سکتے اور اپنی ضد پر اڑے رہتے۔ آپ نے ان کے بتوں کی بے بسی کو آشکارا کرنے کے لیے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس نے ان سب کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا۔

ایک دفعہ ان کا قومی جشن تھا۔ بڑے صنم کدہ کو بڑی شان و شوکت سے سجایا گیا تھا۔ چھوٹے بڑے بتوں کے سامنے لذیذ اور تازہ مٹھائیوں کے تھال بھر کر رکھ دیے گئے تھے۔ ساری قوم داد عیش دینے کے لیے شہر سے باہر کسی کھلے میدان میں جمع ہو گئی تھی بت کدہ اپنے پجاریوں اور پروہتوں سے خالی ہو گیا۔ توحید الہی کا سب سے بڑا علمبردار ہر قسم کے خوف و ہراس سے اپنے دل کو پاک کر کے اپنے خالق و مالک کی تائید و نصرت پر بھروسہ کیے ہوئے بتوں کی خدائی کا جنازہ نکالنے اور ان پر ضرب کاری لگانے کے لیے بت کدہ میں داخل ہوا۔ ایک وزنی اور تیز کلہاڑا ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان جھوٹے خداؤں پر آپ حقارت بھری نظر ڈالتے ہیں کسی کا کان، کسی کی ناک، کسی کا بازو، اور کسی کی ٹانگ کاٹتے چلے جاتے ہیں، آخر میں ان کے سامنے رکھی ہوئی مٹھائیوں کے تھال اٹھا کر بڑے بت کے سامنے رکھ دیتے ہیں، اور کلہاڑا اس کے کندھے

پر سجادیتے ہیں، اپنا کام مکمل کرنے کے بعد واپس تشریف لاتے ہیں، اور کفر کی طاغوتی قوتوں کے رد عمل کا سامنا کرنے کے لیے قوم کی واپسی کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔

شام کو جب بت کدے کے خدمت گار اور پروہت واپس آتے ہیں، اور اندر داخل ہوتے ہیں تو اپنے بتوں کی یہ حالت دیکھ کر ان پر سکتہ کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح چشم زدن میں سارے شہر میں پھیل جاتی ہے۔ ایک حشر بپا ہو جاتا ہے۔ اپنے خداؤں کی یہ درگت دیکھ کر ان کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں، مجرم کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم اور ان کے نظریات سے کون واقف نہ تھا فوراً اذہان ان کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

من فعل هذا بالهتنا انه من الظلمين .

ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ بے شک! وہ بہت بڑا ظالم ہے۔

قالوا سمعنا فتى يذکرهم يقال له ابراهيم .

کہنے لگے: ہم نے ایک جوان کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر کرتا رہتا ہے اور اس کا نام

ابراہیم ہے۔

نمرود اور اس کے اعیان مملکت کو بھی اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع مل جاتی ہے۔ شاہی فرمان جاری

ہوتا ہے۔

فاتوا به على اعين الناس لعلهم يشهدون

کہنے لگے: پھر پکڑ لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو، شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔

آپ کو پکڑ کر لایا جاتا اور پوچھا جاتا ہے۔

أنت فعلت هذا بالهتنا يا ابراهيم

کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ اے ابراہیم تو نے یہ حرکت کی ہے؟

آپ نے فرمایا: اے عقل کے اندھو! مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ کیا تم دیکھتے نہیں سارے مٹھائی کے تھال بڑے بت نے ان کے سامنے سے اٹھا کر ان پر خود قبضہ کر لیا ہے۔ کلہاڑا، جو آگہ جرم ہے اس کے کندھے پر اب بھی موجود ہے۔ اسی نے ان کی یہ درگت بنائی ہوگی۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو، اس سے پوچھو، وہ اگر حقیقت سے پردہ اٹھا سکتا ہے تو اٹھا دے گا۔

بل فعلہ کبیر ہم کے جواب کی کاٹ اس کلہاڑے کی ضرب سے بھی زیادہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ کچھ دیر دم بخود ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔

ثم نکسوا علی رؤسہم آخر کار یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

لقد علمت ما هولاء ينطقون .

اے ابراہیم! آپ جانتے ہیں کہ یہ نہیں بول سکتے۔

آتش کدہ یا گل کدہ

ان کے یہاں اگر بت پرستی عقیدہ کا مسئلہ ہی ہوتا تو اس روز کے بعد شاید ان میں سے کوئی ایک بھی ان بتوں کو خدا ماننے کے لیے تیار نہ ہوتا، لیکن یہاں نمرود کے سیاسی مفاد پر زد پڑ رہی تھی، اس کا تخت شاہی ڈوبنے لگا تھا، اس نے فوراً اپنے آمرانہ اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے آتش کدہ بھڑکانے کا حکم دیا حکم شاہی کی تعمیل کی گئی آپ کی مشکلیں کس دی گئیں یا آپ کو منجینق میں باندھ کر آتش کدے میں پھینکنے کے منصوبے کو آخری شکل دی جانے لگی۔ عالم بالا میں شور مچ گیا، فرشتوں نے عرض کی: الہی! اے قادر مطلق!

کیا تیرے اس بندے کو یوں بھڑکتے شعلوں کی نذر کر دیا جائے گا؟ کیا تو حید کا یہ چراغ بھی گل ہو جائے گا؟ اللہ تعالیٰ کے اذن سے حضرت جبریل بارگاہِ خلیل میں حاضر ہوئے اور اپنی خدمات پیش کیں، آپ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

اما الیک فلا .

مجھے تیری امداد کی ضرورت نہیں۔

پھر عرض کیا: اپنے رب سے دعا ہی مانگو، فرمایا:

كفاني علمه بحالي من سوالي .

جب وہ میرے حالات کو جانتا ہے تو پھر سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

جب آپ کو آتش کدہ میں ڈال دیا گیا تو اب وہاں آگ کے سرخ انگارے نہیں بلکہ گلاب کے پھولوں کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ بھسم کرنے والے شعلے نسیم صبح بہار میں تبدیل ہو گئے۔

اتنے بڑے معجزے کو دیکھنے کے باوجود نمرود ایمان نہ لایا، بلکہ آپ کی اذیت رسائی میں اضافہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک حقیر چھپر کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

کعبہ مقدسہ کی تعمیر سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمان الہی کی تعمیل کرتے ہوئے شیر خوار بچے اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو یہاں لے آئے، جہاں اب حرم ہے انھیں ایک مشک پانی اور چند سیر کھجوریں دے کر واپس جانے لگے تو ام اسماعیل نے پوچھا:

الی من تکلنا: کہ آپ ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا :

الی اللہ : میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے جا رہا ہوں۔

یہ جواب سن کر آپ کی پریشانی جاتی رہی اور بڑے اطمینان سے فرمایا:

اذا لا یضیعنا : تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔

چند روز کے بعد پانی کا مشکیزہ اور کھجوریں ختم ہو گئیں۔ پیاس کی شدت اور بھوک سے ننھے اسماعیل تڑپنے لگے۔ بے چینی کے عالم میں حضرت ہاجرہ کوہ صفا پر گئیں، دور دور تک نظر دوڑائی کہ شاید کسی آبادی کا سراغ لگ جائے، یا کوئی کارواں گزرتا ہوا نظر آئے۔ جب مایوس ہوئیں تو مردہ کی پہاڑی کی جانب چل پڑیں تاکہ اس پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھیں۔ اس طرح سات چکر لگائے۔ درمیان میں نشیب تھا وہاں پہنچتیں تو دوڑ کر اسے طے کرتیں، مبادا کوئی چیز آپ کے لخت جگر کو گزند نہ پہنچائے۔ آخری مرتبہ دیکھا کہ جہاں بچہ بلک رہا ہے اور اڑیاں رگڑ رہا ہے، وہاں پانی ابلنے لگا ہے۔ دوڑ کر اس اہلتے ہوئے پانی کے ارد گرد مٹی کی ایک بنی بنا دی اور کہا ”زم زم“ ٹھہر جا، ٹھہر جا۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ بہہ نہ جائے اس سے اپنا مشکیزہ بھر لیا۔

حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے :

رحم اللہ ام اسماعیل لولا انها عجلت لکانت زم زم عینا معینا .

کہ اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ جلدی نہ کرتیں اور اس کے گرد مٹی کی بنی نہ بناتیں تو

زم زم ایک بہت بڑا چشمہ ہوتا۔

فرشتوں نے حضرت ہاجرہ کو کہا کہ آپ اندیشہ نہ کریں، یہاں کے رہنے والوں کو پیاس کی تکلیف

نہ ہوگی، کیوں کہ یہ ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مہمان اپنی پیاس بجھائیں گے۔ نیز اس فرشتہ نے یہ

بھی کہا کہ اس بچہ کا باپ آئے گا اور دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کریں گے، اور یہ وہ جگہ ہے جہاں گھر تعمیر ہوگا۔

کچھ عرصہ خوش بخت ماں اپنے سعادت مند بچے کے ساتھ وقت بسر کرتی رہیں، اسی اثناء میں قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ جو ملک شام کی طرف جا رہا تھا، اس کا ادھر سے گزر ہوا۔ قافلہ والوں نے یہاں خشک پہاڑوں میں پرندوں کو چھپاتے سنا۔ کہنے لگے کہ ان پرندوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پانی ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو علم ہے کہ اس وادی میں پانی کا کوئی چشمہ ہے؟ سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ وہ پہاڑی پر چڑھے، دیکھا کہ وادی میں میٹھے پانی کا چشمہ ابل رہا ہے، ایک خاتون اپنے کم سن بچے کے ساتھ وہاں سکونت پذیر ہے انھوں نے اس خاتون سے درخواست کی کہ وہ انھیں یہاں قیام کرنے کی اجازت دیں۔ وہ ان کی تنہائی میں ان کے انیس ثابت ہوں گے، اور چشمے کی مالک وہی ہوں گی۔ چنانچہ آپ نے بنو جرہم کے اس قافلہ کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے انھیں یہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس عظیم البرکت شہر کے مکین حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کے بعد پہلے یہی لوگ تھے۔

حضرت اسماعیل کی قربانی

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ سال کے قریب ہو گئی تو بذریعہ خواب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے نور نظر اور لخت جگر حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم ملا۔ سرِ ابراہیم ورضا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کسی تاویل کا سہارا لے کر اس از حد دشوار حکم کو بجالانے میں گریز کی راہ اختیار نہیں کی، بلکہ اس حکم الہی سے اپنے لخت جگر اسماعیل کو بھی آگاہ کر دیا۔

فلما بلغ معه السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ما ذاتری.

پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا، کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا، میں

تجھے ذبح کرتا ہوں۔ اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟

قال يا ابت افعل ما تؤمر ستجدني ان شاء الله من الصبرين .

کہا: اے میرے باپ! کیجیے، جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے۔ خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

سعادت مند و صابر بیٹے کا یہ جواب سن کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کتنی مسرت ہوئی ہوگی اور ان کے عزم و ارادے کو کتنی تقویت ملی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ چنانچہ آپ پیکر حسن و جمال بیٹے کو لے کر جنگل میں پہنچے، ان کو پیشانی کے بل زمین پر لٹایا اور گلے پر بے دھڑک چھری چلا دی، ندا آئی: بس! اے ابراہیم بس! اپنا ہاتھ روک لے، تو نے اپنے خواب کی عملی تصدیق کر دی۔

نا دیناہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرویا انا کذلک نجزی المحسنین

اور ہم نے آواز دی: اے ابراہیم! تو نے سچ کر دکھایا خواب کو، ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔

حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جبین سعادت میں نور محمدی جلوہ طراز تھا۔ اسی کے ظہور کے ساتھ سارے عالم انسانیت بلکہ سارے جہان ہست و بود کی سعادتیں وابستہ تھیں۔ کوئی چھری اس کے گلے کو کیوں کر کاٹ سکتی تھی۔ اس حکم سے یہ دیکھنا بلکہ سارے جہان کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ نور محمدی کی امانت اس کے سپرد کی گئی ہے جو اس کا اہل ہے، اور جو اس بار امانت کو اٹھانے کی مقدرت رکھتا ہے۔

ذبح کون تھا؟

حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق؟ علیہما الصلوٰۃ والسلام

اہل کتاب اس پر بھند ہیں کہ حضرت اسحاق ذبیح تھے، اور بعض مسلم علماء نے بھی ان کے اس قول کی تائید کی ہے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ذبیح اللہ ہونے کا شرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ارزانی ہوا۔ اس کی سب سے قوی دلیل تو قرآن کریم ہے۔ حضرت اسماعیل کی پیدائش کا مژدہ دیا تو بایں الفاظ:

و بشرناه بغلام حلیم .

پس ہم نے مژدہ سنایا انھیں ایک حلیم فرزند کا۔

اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی تو بایں الفاظ:

انا نبشرك بغلام علیم .

ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا۔

معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل میں صفت حلم غالب تھی اور حضرت اسحاق میں صفت علم، اور اس سے حلم کا بڑا مظاہرہ کیا ہو سکتا ہے کہ ابھی تو آپ نو عمر ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کو اپنے خواب سناتے ہیں جن میں ان کے ذبیح کرنے کی طرف اشارہ ہے تو کمسنی کے باوجود نہ پریشان ہوتے اور نہ غمزہ، بلکہ سراپا تسلیم و رضا بن کر عرض کرتے ہیں :

یا ابت افعلى ما توامر ستجدنى ان شاء الله من الصبرین .

یعنی اے میرے پدر بزرگوار! جو آپ کو حکم ملا ہے آپ اس کی تعمیل فرمائیے۔ آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

نیز قرآن کریم میں سورۃ الصافات میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے فرزند کو ذبیح

کرنے کا مفصل تذکرہ ہے، اس کے بعد فرمایا جاتا ہے :

و بشرنه باسحق نبیا من الصالحین .

اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحاق کی، کہ وہ نبی ہوگا زمرہ صالحین میں سے۔

معلوم ہوا کہ یہ نئی بشارت ہے۔ اس سے پیشتر جس بچے کے ذبح کرنے کا ایمان افروز بیان ہوا ہے وہ حضرت اسحاق کے علاوہ کوئی دوسرا بیٹا ہے اور حضرت اسماعیل کے علاوہ وہ اور کون ہو سکتا ہے۔

نیز اگر اس آیت میں غور کیا جائے جس میں حضرت اسحاق کی ولادت کا مژدہ سنایا گیا ہے تو حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

فبشرنہا باسحق و من وراء اسحق یعقوب .

تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

یہاں صرف حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت ہی نہیں دی جا رہی بلکہ ان کے لڑکے یعقوب کی ولادت سے بھی خورسند کیا جا رہا ہے۔ ایسا بچہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا اور پیدا ہونے کے بعد اسے باپ بھی بننا ہے، اس کو بچپن میں قربانی کے طور ذبح کرنے میں تو کوئی معقولیت نہیں۔ پہلے بتا دیا کہ جو بیٹا ہم تمہیں دیں گے وہ بچپن میں ہی تمہیں داغ مفارقت نہیں دے جائے گا بلکہ بڑھے گا، جوان ہوگا اور جوان ہو کر بیٹا جائے گا اور وہ صاحب اولاد بھی ہوگا اور اس کے بچے کا نام یعقوب ہوگا۔ یہاں تک تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس بچے کو قربان کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس حکم کا مدعا ان دو سے ایک ہوگا۔

ایک یہ کہ جو آپ کو پہلے بشارت دی گئی تھی کہ یہ بچہ بڑا ہو کر باپ بنے گا، یہ غلط ہے بلکہ اس کو تو جوان ہونے سے پہلے ہی قربانی کے طور پر ذبح کر دیا جائے گا۔

اور یہ کہ قربانی کا حکم محض دکھاوا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

لیکن یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں بلکہ اس علیم و حکیم نے اس بچے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے جس کے تادیر زندہ رہنے اور بیٹے کے باپ بننے کی بشارت نہیں دی گئی وہ حضرت اسماعیل ہیں، حضرت اسحاق نہیں علیہما الصلاۃ والسلام۔

اہل کتاب جس ہٹ دھرمی کے خوگر ہیں ان سے کوئی بعید نہیں کہ وہ قرآن کریم کے ان روشن دلائل کے باوجود اپنی ضد پر اڑے رہیں، لیکن جب ان کی اپنی کتاب اس امر کی تصدیق کر دے کہ ذبح اسحاق نہیں بلکہ اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام ہیں تو پھر انھیں حق کو تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے۔

کتاب پیدائش میں جہاں حضرت خلیل علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم ہے کہ اپنے بیٹے کی قربانی دو وہاں

الفاظ یہ ہیں :

اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کر۔

اس سے مراد صرف حضرت اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں کیوں کہ وہی آپ کے اکلوتے بیٹے تھے کیوں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو اس وقت آپ کے علاوہ حضرت خلیل کا اور کوئی فرزند نہ تھا، لیکن تیرہ چودہ سال بعد حضرت سارہ کے لطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے اور پہلوئی کے فرزند نہ تھے بلکہ ان سے پہلے حضرت اسماعیل کا شانہ خلیل میں رونق افروز ہو چکے تھے۔ اس لیے قرآن حکیم اور توراہ مقدس کی آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ذبح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

آسمانی کتب کی نصوص کے علاوہ قرآن بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس فرزند ذبح کی سنت کو زندہ رکھنے کے لیے جو قربانیاں کی جاتی ہیں ان کا مقام شام نہیں بلکہ منیٰ کے قرب میں ہے جو مکہ مکرمہ اور بیت اللہ

شریف کے جوار میں ہے۔

اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو ان کی یادگار منانے کے لیے شام کے اس مقام کو منتخب کیا جاتا جہاں حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق علیہما الصلاۃ والسلام کو ذبح کرنے کی نیت سے زمین پر لٹایا تھا۔ مکہ کے نواح میں تو اس کی یاد ہر سال تازہ کی جائے گی جو مکہ میں مکین تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث مرفوع بھی ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے۔

حاکم نے مستدرک میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی :

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتاہ اعرابی و قال یا رسول اللہ خلفت البلاد یابسة و الماء یابس و خلفت المال عابسا هلک المال و ضاع العیال فعد علی مما افاء اللہ علیک یا ابن الذبیحین قال معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فبسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و لم ینکر علیہ یعنی بالذبیحین ، عبد اللہ و اسماعیل .

ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنے پیچھے ایک ایسا وطن چھوڑ آیا ہوں جو خشک سالی کا شکار ہے، پانی کے ذخیرے خشک ہو گئے ہیں۔ میں اپنے پیچھے ایسا مال چھوڑ آیا ہوں جو خستہ حال ہے، قحط کے باعث مال ہلاک ہو گیا اور اہل و عیال ضائع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عطا فرمایا ہے اس سے مجھے بھی کچھ مرحمت فرمائیے۔ اے ذبیحین کے فرزند! حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابن ذبیحین کا لفظ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور اس کی تردید نہیں کی۔ اور ذبیحین سے مراد حضرت عبد اللہ اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل کا نکاح اور باپ کی وصیت

وقت گزرتا رہا۔ حضرت اسماعیل اب جوان ہو گئے۔ بنی جرہم قبیلہ کے لوگ بھی خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کی تعداد میں بھی آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک بیٹی کا رشتہ حضرت اسماعیل کو دے دیا۔ یوں آپ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا، لیکن یہ خاتون تند مزاج تھیں۔ کئی سال بیت گئے، تب کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بچے اور اپنی وفا شعار رفیقہ حیات کی ملاقات کے لیے مکہ تشریف لائے اور اسماعیل گھر پر نہ تھے۔ اس اثناء میں حضرت ہاجرہ انتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت اسماعیل کی اہلیہ نے اپنے نووارد مہمان کے ساتھ بے رخی اور سرد مہری کا سلوک کیا، آپ نے اپنی بہو سے کہا کہ جب تمہارا شوہر اسماعیل آئے تو اسے بتانا کہ اس شکل و صورت کا ایک شیخ آیا تھا، اس نے تمہیں وصیت کی ہے کہ اپنے گھر کی دہلیز بدل دو۔ آپ اتنا کہہ کر واپس شام لوٹ گئے۔ حضرت اسماعیل آئے تو ان کی بیوی نے انہیں اس بوڑھے شخص کا پیغام پہنچایا، آپ فوراً سمجھ گئے اور فرمایا: وہ شیخ میرے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور وہ دہلیز تم ہو۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو طلاق دے دوں چنانچہ آپ نے اس کو طلاق دے دی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ نے بنی جرہم کی دوسری خاتون سے نکاح کیا۔ یہ خاتون بڑی خوش خصال اور سلیقہ شعار تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ اپنے صحرائی کنبہ کی خبر لینے کے لیے آئے۔ اب بھی حضرت اسماعیل گھر پر نہ تھے، لیکن ان کی زوجہ نے نووارد مہمان کے ساتھ بڑا عمدہ سلوک کیا اور ان کی خاطر مدارات کی حد کر دی۔ آپ کے پاس گنجائش نہ تھی کہ وہ مزید رک کر اپنے بیٹے کی آمد کا انتظار فرماتے، روانگی سے قبل آپ نے اپنی بہو سے فرمایا کہ جب تمہارے شوہر آئیں تو انہیں بتانا کہ اس شکل و صورت کا ایک شیخ آیا تھا اور اس نے تمہیں وصیت کی ہے کہ اپنے گھر کی دہلیز کو برقرار رکھو۔ جب حضرت اسماعیل واپس لوٹے تو آپ کو اپنے پدر بزرگوار کی خوشبو آئی۔ آپ نے اپنی اہلیہ سے پوچھا: کیا کوئی مہمان آیا تھا؟ اس نے عرض کی:

ہاں! ایک بزرگ آئے تھے، ان کا چہرہ بڑا خوبصورت تھا۔ ان کے جسم سے خوشبو آرہی تھی اور انہوں نے آپ کو یہ پیغام دیا ہے۔ آپ نے اسے بتایا کہ وہ میرے باپ تھے، انہوں نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں تمہیں اپنی رفیقہ حیات کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھوں۔

تیسری مرتبہ حضرت اسماعیل کی ملاقات کے لیے آپ پھر مکہ تشریف لائے اور اس دفعہ بیت اللہ شریف تعمیر کرنے کا حکم ملا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر

ایک فرشتہ کے ذریعہ اس جگہ کی نشان دہی کر دی گئی، جہاں کعبہ شریف کی تعمیر مطلوب تھی۔ چنانچہ باپ اور بیٹے نے مل کر اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کی تعمیر کا آغاز کیا۔ عرب کی چلچلاتی دھوپ، جھلس کر رکھ دینے والی لو اور تانبے کی طرح تپتی ہوئی ریتیلی زمین پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے یہ دو برگزیدہ بندے اس کا گھر تعمیر کر رہے ہیں۔ اسماعیل پہاڑ سے پتھر توڑ توڑ کر اپنے سر پر اٹھا اٹھا کر لارہے ہیں اور کبھی گارا تیار کر رہے ہیں اور ابوالانبیاء خلیل اللہ علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاة والسلام بنیادیں اٹھا رہے ہیں، دیواریں چن رہے ہیں۔ معلوم نہیں کتنا عرصہ لگا ہوگا اس مبارک کام کے مکمل کرنے میں، لیکن گرمی کی شدت کے باوجود، کام کے کٹھن ہونے کے باوجود باپ بیٹے نے دم اس وقت لیا جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس گھر کی تعمیر پایہ تکمیل تک پہنچ گئی۔

یہ تعمیر اس وقت ہوئی جب کہ دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایران، ہند، مصر اور یورپ میں عالمگیر اندھیرا تھا۔ قبول حق ایک طرف، اس وسیع خطہ خاک میں گزبھر زمین نہیں ملتی تھی جہاں کوئی شخص خدائے واحد کا نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان میں یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلوں سے کام پڑا۔ مصر آئے، ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا، فلسطین پہنچے، کسی نے بات تک نہ پوچھی، خدا کا جہاں نام لیتے

تھے۔ شرک اور بت پرستی کے غلغلہ میں آواز دب کر رہ جاتی تھی۔ معمورہ عالم کے صفحے نقش ہائے باطل سے ڈھک چکے تھے۔ اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے معرئی ورق درکار تھا جس پر طغرائے حق لکھا جائے۔ یہ صرف حجاز کا صحرائے ویران تھا جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو عرب میں لائے اور ان کو یہیں آباد کیا۔ حضرت سارہ نے کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں چلے آئے، حضرت اسماعیل جو ان ہو چکے تھے، اعلان حق میں ایک ہم آواز ہاتھ آیا، دونوں نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھٹے گھر کی بنیاد ڈالی۔

و اذ یرفع ابراہیم القواعد من البیت و اسماعیل .

اور جب کہ ابراہیم اور اسماعیل خانہ خدا کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔

گھر بن چکا تو وہی الہی نے آواز دی۔

و طہر بیتی للطائفین و القائمین و الركع السجود و اذن فی الناس بالحج

یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق

اور میرا گھر ستھرا رکھ، طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع سجدے والوں کے لیے، اور لوگوں

میں حج کی عام ندا کر دے۔ وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے، پیادہ اور ہر ذیلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی

ہیں۔

اس وقت اعلان و اشتہار کے وسائل نہیں تھے۔ ویران جگہ تھی اور آدمی کا کوسوں تک پتہ نہ تھا۔

ابراہیم کی آواز حد و حرام سے باہر نہیں جاسکتی تھی، لیکن وہی معمولی آواز کہاں کہاں پہنچی، مشرق سے مغرب

تک، شمال سے جنوب تک اور زمین سے آسمان تک۔

علامہ ارزقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو تعمیر کی اس کا عرض و طول حسب ذیل تھا۔

بلندی : زمین سے چھت تک ۹ رگز

طول : حجر اسود سے رکن شامی تک ۳۲ رگز

عرض : رکن شامی سے غربی تک ۲۲ رگز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ ایک پتھرا دو تاکہ ایسے مقام پر لگا دوں جہاں سے طواف شروع کیا جائے۔

تاریخ مکہ موسوم ”بہ اعلام باعلام بیت الحرام“ میں ہے :

فقال ابراهيم لاسماعيل عليهما الصلاة والسلام يا اسمعيل ايتني الحجر اضعه حتى يكون علما للناس يبتدون منه الطواف .

پھر حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے کہا کہ ایک پتھرا دو تاکہ میں ایسی جگہ نصب کر دوں جہاں سے لوگ طواف شروع کریں۔

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت تھی، نہ کواڑ اور نہ چوکھٹ بازو تھے۔ جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انھوں نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی اور کھجور کے تختوں کی چھت ڈالی۔

کعبہ کی کشش اور برکت سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا۔ اس قبیلہ میں مضاہ بن عمرو ایک ممتاز شخص تھے، حضرت اسماعیل نے ان کی لڑکی سے شادی

کی۔ ان سے بارہ اولاد ہوئی، جن کے نام یہ ہیں :

نابت، قیدار، اونیل، میثا، مسیح، دما، ماس ادو، وطور، نفیس، طما، قیدمان۔

ان میں سے اکثر عرب قیدار کی اولاد ہیں۔

کعبہ کی تولیت

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا مضاہ نے یہ منصب حاصل کیا اور کعبہ کی تولیت خاندان اسماعیل سے نکل کر جہم کے خاندان میں آگئی۔ پھر ایک اور قبیلہ خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اور مدت تک اسی خاندان میں یہ منصب رہا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خاندان موجود تھا لیکن اس نے کچھ مزاحمت نہیں کی۔ قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انھوں نے اپنا آبائی حق حاصل کیا۔

غلاف کعبہ

حرم کعبہ پر جس نے سب سے پہلے پردہ چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا۔ یمن میں خاص قسم کی چادریں بنی جاتی ہیں جن کو ”بردیمانی“ کہتے ہیں، یہ پردہ انھیں چادروں سے تیار کیا گیا تھا۔ قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ تیار کیا جاتا تھا۔ علامہ ارزقی نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا۔

زمینت کعبہ

خدا کا گھر سیم و زر کی نقش آرائیوں کا محتاج نہ تھا، لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہیں، اس لیے حضرت عبداللہ بن زبیر جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے کعبہ کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھائے۔

عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ میں ۳۶ ہزار اشرفیاں اس کام کے لیے بھیجیں۔ امین الرشید نے ۱۸ ہزار اشرفیاں نذر کیں کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوادی جائے۔ اعلام (تاریخ مکہ) میں عہد بہ عہد کی طلا کاریوں کی تفصیل لکھی ہے، لیکن یہ واقعات عہد نبوت کے بعد کے ہیں، اور سچ یہ ہے کہ آفتاب پر سونا چڑھانا ضروری بھی نہیں۔

مکہ مکرمہ

حجاز کا یہ مشہور شہر مشرق میں جبل ابوقبیس اور مغرب میں جبل قعیقان دو بڑے بڑے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور اس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ریتیلے میدانوں کا سلسلہ دور دور تک چلا گیا ہے۔ اسی شہر میں حضور شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

اس شہر اور اس کے اطراف میں مندرجہ ذیل مشہور مقامات واقع ہیں۔

کعبہ معظمہ، صفا، مروہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، غار حرا، غار ثور، جبل تنعیم، جعرانہ وغیرہ۔

قیدار بن اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں عدنان نامی نہایت اولوالعزم شخص پیدا ہوئے، اور عدنان کی اولاد میں چند پشتوں کے بعد قصی بہت ہی جاہ و جلال والے شخص پیدا ہوئے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں مشترکہ حکومت کی بنیاد پر ۴۳۰ء میں ایک سلطنت قائم کی، اور ایک قومی مجلس بنائی جو ”دار الندوة“ کے نام سے مشہور ہے اور اپنا ایک قومی جھنڈا بنایا جس کو ”لواء“ کہتے تھے۔

قصی نے ہی بنی خزاعہ اور بنی بکر کو مکہ سے جلا وطن کر دیا اور اپنی قوم قریش کے خاندان اور افراد جو سارے جزیرہ میں بکھر کر رہ گئے تھے، ان کو مکہ مکرمہ میں جمع کیا اور ان کی شیرازہ بندی کر دی۔

مکہ شہر کے رقبہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر حصہ میں قریش کے مخصوص قبیلوں کو آباد کیا۔ صدہا سال بعد بنو اسماعیل کو اپنے آبائی شہر میں آزادی اور عزت کی زندگی بسر کرنے اور کعبہ کی خدمت انجام دینے

کا موقع نصیب ہوا۔

کعب بن لوی کی اولاد سے قصی پہلا شخص ہے جس کو حکومت ملی اور ساری قوم نے برضا و رغبت جس کی اطاعت قبول کی۔ قصی کی شخصیت میں ہی حجابہ، رفاہہ، سقایا، ندوہ اور اللواء کے جملہ اعزازات مجتمع ہو گئے۔ اس نے تمام لوگوں کو اپنے حصہ میں رہائشی مکانات بنانے کی اجازت دے دی۔ قصی کی دانش مندانہ اور جرأت مندانہ قیادت کے طفیل قریش کو عزت کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملا تھا، اس کے لیے وہ قصی کے احسان مند تھے۔ اس کے ہر حکم کو دل و جان سے بجالاتے تھے۔ ہر جوڑے کی شادی قصی کے گھر طے پاتی۔ جب بھی کوئی مشکل قوم کو پیش آتی تو وہ سب اس کے گھر میں جمع ہوتے اور اس مشکل سے چھٹکارا پانے کے لیے باہمی مشورہ کرتے۔ جنگ کی نوبت آتی تو جنگی علم باندھنے کا فریضہ قصی انجام دیتے، قصی کا ہر حکم ان کے لیے واجب العمل تھا۔ قصی نے ایک عمارت تعمیر کی جس کا نام ”دار الندوہ“ رکھا گیا اس کا دروازہ حرم شریف میں کھلتا تھا۔ قصی اس میں بیٹھ کر قوم کے سارے مسائل باہمی مشورہ سے حل کرتے۔ جب کبھی کسی اہم مشورہ کے لیے وہ قوم کے سرداروں کو حاضر ہونے کا حکم دیتے تو سب پیر و جوان وہاں حاضر ہوتے اور اس حاضری کو اپنے لیے فرض سمجھتے۔

قصی کو حجابہ وغیرہ کے جو مناصب عطا ہوئے ان کی مختصر توضیح یہ ہے۔

(۱) حجابہ

یہ ایک جلیل القدر منصب تھا، اس سے مراد کعبہ شریف کی خدمت کے فرائض انجام دینا تھا۔ یہ منصب بھی قصی نے ایجاد کیا، جس قبیلہ کو یہ منصب تفویض کیا جاتا، بیت اللہ شریف کی کنجیاں بھی اس کے حوالے کر دی جاتیں۔ کعبہ کے دروازے کو کھولنا اور بند کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی، کعبہ میں جو امانتیں رکھی جاتیں، نذرانے کے طور پر لوگ جو قیمتی تحائف، زیورات وغیرہ پیش کرتے ان کی حفاظت بھی اس کی ذمہ

داری ہوتی۔

(۲) رفادہ

قصی نے مکہ مکرمہ کی زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حاجی اللہ کے مہمان اور اس کے گھر کے زائر ہوتے ہیں، وہ ایسے مہمان ہیں جن کی ضیافت اور مہمانی ہمارا فریضہ ہے، تم سب اپنے مالوں سے حصہ دو تا کہ ایک ایسا اجتماعی فنڈ قائم کیا جائے جس سے ضیوف الرحمن کی عزت و تکریم اور ان کی مہمان نوازی کی جاسکے۔ ساری قوم نے اس تجویز کو سراہا اور دل کھول کر اس میں مالی اعانت کی۔ چنانچہ ایام حج میں سارے حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام اسی فنڈ سے کیا جاتا۔

اسلام کے برسر اقتدار آنے کے بعد بھی عہد رسالت، عہد خلفائے راشدین حتیٰ کہ بنی امیہ اور بنی عباس کی خلافتوں کے دور میں بھی حجاج کی ضیافت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب عباسی خلافت کا چراغ گل ہوا تو رفادہ کا یہ انتظام بھی درہم برہم ہو گیا۔

(۳) سقایہ

حجاج کرام کو پانی پلانے کا منصب، حج کے موسم میں قریش پانی کے ذخائر جمع کرتے اور ان میں کشمش ڈالتے جس سے پانی کا ذائقہ میٹھا ہو جاتا اور حج کے ایام میں تمام حاجیوں کو پینے کے لیے یہ پانی پیش کیا جاتا۔

(۴) فدوہ

اسے آپ آج کی اصطلاح میں پارلیمنٹ ہاؤس یا مجلس شوریٰ کہہ سکتے ہیں۔ دارالندوۃ ایک وسیع عمارت تھی، جس کا دروازہ حرم شریف میں کھلتا تھا۔ اس میں اہل مکہ کے نمائندے جمع ہوتے اور پیش آمدہ

سیاسی، معاشی، عمرانی مسائل کے بارے میں مشورے کرتے اور کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے۔ اس کی رکنیت کے لیے بنیادی شرط یہ تھی کہ کسی رکن کی عمر چالیس سال سے کم نہ ہو۔ ان کی سماجی تقریبات یہاں انجام پذیر ہوتیں، نکاح کی تقریب یہاں منائی جاتی، جو بچی بالغ ہوتی اس کو یہاں لایا جاتا، قوم کے بزرگ اسے اوڑھنی پہناتے اور اسے پردہ کا حکم دیتے، بچوں کے ختنے کی رسم بھی یہاں ادا کی جاتی۔

دارالندوہ کی یہ وسیع عمارت قصی نے تعمیر کرائی۔ قصی نے یہ دارالندوہ اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے حوالے کر دی۔ اس کی اولاد کے بعد حکیم بن حرام کی ملکیت میں آئی۔ انھوں نے امیر معاویہ کے زمانہ میں اسے ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔

(۵) اللواء

اسے آپ موجودہ دور کی وزارت دفاع کا ہم معنی سمجھئے، یہ منصب بھی قصی نے ایجا کیا، جب کوئی اجتماعی خطرہ درپیش ہوتا تو قومی علم کا علمبردار اس کو کھلے میدان میں گاڑ دیتا یہ گویا اس کی طرف سے اعلان ہوتا کہ اے اہل وطن! اپنے وطن اور قوم کی آزادی کو جو خطرہ درپیش ہے اس کا تدارک کرنے کے لیے سر بکف میدان میں نکل جاؤ۔ جب علم لہرانے کا واقعہ رونما ہوتا قریش کے سارے سردار جمع ہو جاتے۔

عرب کے مادر پدر آزاد اور خود سر معاشرہ میں ان اداروں کو قائم کر کے قصی نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا۔ اہل عرب کو نظم و ضبط کا پابند اور خوگر بنانے کے لیے یہ پہلی کامیاب کوشش تھی، کعبہ کی جو عمارت سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے تعمیر کی تھی وہ زمانہ دراز گزر جانے کے باعث بوسیدہ ہو رہی تھی، قصی نے اس کو گرا کر کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ یہ شرف بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد قصی کو نصیب ہوا۔

اہل مکہ کو جب صلاح و مشورہ کے لیے جمع ہونے کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ کسی دامن کوہ یا کسی

غار میں جمع ہوا کرتے تھے۔ دارالندوہ کے قیام سے جسے قصی ہی نے تعمیر کیا تھا، اہل مکہ کی منظم ریاست اور ان کی مربوط سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔

زم زم کا سراغ

بنو جرہم کو بنو خزاعہ نے جب مکہ سے جلا وطن کیا تو انہوں نے بیت اللہ شریف کے اندر سونے کے جو دوہرن آویزاں تھے اور تلواریں، زرہیں اور دیگر قیمتی سامان وہ سب زم زم کے کنویں میں پھینکا پھر اس کو مٹی سے بھر دیا، تاکہ بنو خزاعہ وغیرہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ سینکڑوں سال زم زم بند پڑا رہا حتیٰ کہ لوگوں کے ذہنوں سے اس کی یاد اور اسکی اہمیت محو ہو گئی۔ لوگ مکہ کے دوسرے کنوؤں سے اپنی ضروریات پوری کرنے لگے۔

امام ابوالقاسم سہیلی اپنی کتاب ”الروض الانف“ میں لکھتے ہیں کہ :

بنو جرہم کی بدکاریوں کے نتیجہ میں زم زم کا پانی خشک ہو گیا تھا اور اس نعمت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں محروم کر دیا تھا۔

ایک روز عبدالمطلب حطیم میں سو رہے تھے۔ کسی نے خواب میں آکر کہا : ”احفر طیہ“ طیہ کو کھودو، انہوں نے پوچھا: طیہ کیا ہے؟ تو کہنے والا غائب ہو گیا۔ دوسری رات پھر جب وہ اپنے بستر پر آکر لیٹے، آنکھ لگی تو اس شخص نے پھر کہا: ”احفر برہ“ برہ کو کھودو، آپ نے پوچھا: برہ کیا ہے؟ تو پھر وہ غائب ہو گیا۔ تیسری رات پھر خواب میں آواز آئی: ”احفر مذنونہ“ مذنونہ کو کھودو، آپ نے پوچھا: مذنونہ کیا ہے؟ وہ پھر غائب ہو گیا۔ جب چوتھی رات آئی اور وہ اپنی خواب گاہ میں آرام کرنے کے لیے لیٹے، تو آنکھ لگتے ہی آواز آئی: ”احفر زم زم“ زم زم کھودو، آپ نے پوچھا: زم زم کیا ہے؟ آج اس شخص نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا :

تراث من ابیک الاعظم لا تنزف ابداء و لا تدم تسقی الحجیج الاعظم وہی

بین الفرث و الدم عند نقرۃ الغراب الاعصم عند قریۃ النمل

زم زم تیرے پدر نامور کی میراث ہے۔ یہ چشمہ نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے اور نہ اس کی مرمت کی جاتی ہے اس سے حجاج کرام کو سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ گوبر اور خون کے درمیان میں ہے، جہاں کالا کو اچونچیں مارا ہوا ہے، چیونٹیوں کی بستی کے بالکل قریب۔

جب تفصیلات کا علم ہو گیا تو دوسرے روز آپ اپنے بیٹے حارث کے ہمراہ کدال لے کر (اس وقت ان کا یہی ایک بیٹا تھا) آگئے۔ اساف اور نائلہ کے درمیان جہاں مشرکین بتوں کے لیے قربانی کے جانور ذبح کیا کرتے تھے، وہاں پہنچے، دیکھا وہاں ایک سیاہ رنگ کا کو اچونچیں مارا ہوا ہے، کھدائی شروع کر دی، یہاں تک کہ وہ ایک ایسی تہ تک پہنچ گئے جس سے کامیابی کے امکانات روشن ہو گئے۔ آپ نے فرط مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

قریش نے ابتداء میں تو اس کاوش کو سعی لا حاصل سمجھتے ہوئے کوئی پرواہ نہ کی، لیکن جب کامیابیوں کے آثار نمایاں ہونے لگے تو انہوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ چاہے زم زم ہم سب کے باپ کا کنواں ہے اس لیے ہمیں بھی اس کے کھودنے میں شریک کرو۔ آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا یہ انعام اللہ تعالیٰ نے صرف مجھ پر کیا ہے، اس میں کسی کی شرکت میں منظور نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا: ہم آپ کو اس کے کھودنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جب جھگڑا زیادہ بڑھا تو یہ طے پایا کہ دونوں فریق کسی کو اپنا ثالث مقرر کر لیں جو فیصلہ وہ دے اس پر سب عمل کریں۔ جنگ اور خون ریزی سے بچنے کی یہی ایک صورت تھی۔

چنانچہ بنی سعد بن ہزیم کی کاہنہ کو حکم مقرر کیا گیا۔ فریقین اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ بنی سعد کا قبیلہ شام کی سرحد کے قریب رہائش پذیر تھا۔ راستہ میں چٹیل میدان اور

بے آب و گیاہ صحراؤں سے گزرنا پڑتا تھا۔ اثنائے سفر حضرت عبدالمطلب کے پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے دوسرے فریق سے پانی طلب کیا، انہوں نے صاف انکار کر دیا اور یہ لوگ شدت پیاس سے نڈھال ہوتے جا رہے تھے، موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ حضرت عبدالمطلب نے ساتھیوں سے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ سب لوگ اپنی اپنی قبر کا گڑھا کھودیں، جب کوئی دم توڑ دے تو اسے اس کے گڑھے میں دفن کر دیا جائے آخر میں جو آدمی رہ جائے گا اگر اس کو کسی نے دفن نہ کیا تو کوئی حرج نہیں، بجائے اس کے کہ سب کی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں اس سے بہتر یہ ہے کہ آخری آدمی تجھیز و تکفین سے محروم رہ جائے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنی اپنی قبر کا گڑھا تیار کر لیا اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت عبدالمطلب نے پھر کہا: یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور موت کا انتظار کرنا کوئی جواں مردی نہیں۔ اٹھو، جب تک جسم میں جان ہے، قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمارے بچانے کا کوئی سامان مہیا فرمادے۔ چنانچہ سب نے اپنے اونٹوں پر کجاوے کسے اور ان پر سوار ہو گئے، جب حضرت عبدالمطلب نے اپنا اونٹ اٹھایا تو اس کے پاؤں کے نیچے سے چشمہ ابل پڑا۔ پانی ٹھنڈا بھی تھا اور میٹھا بھی۔ سب نے خوب سیر ہو کر پیا اور اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ دوسرے فریق کو بھی کہو، وہ بھی اس چشمہ سے جی بھر کر پانی پی لیں اور اپنے برتن بھر لیں۔ بعض دوستوں نے اس پر اپنی ناگواری کا اظہار کیا کہ جب ہم نے ان سے پانی مانگا تو انہوں نے انکار کر دیا، اب ہم انہیں اپنے پانی سے پینے کی اجازت کیوں دیں۔ عبدالمطلب نے فرمایا: اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔ آپ نے اپنے مد مقابل فریق کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور اس چشمہ سے اپنی پیاس بجھائیں۔

جب فریق ثانی نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو کہا: عبدالمطلب اب آگے جانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا، جب اس نے اس لوق و دوق صحرا میں تمہارے اونٹ کے پاؤں کی ٹھوک سے چشمہ جاری کر دیا ہے تو زم زم بھی صرف تمہارا ہے۔ ہم اس میں حصہ داری کا دعویٰ واپس لیتے ہیں۔ چنانچہ دونوں

گروہ واپس آ گئے۔

حضرت عبدالمطلب نے کھدائی مکمل کی۔ سونے کے دو ہرن، قیمتی تلواریں اور زرہیں بھی برآمد ہو گئیں۔ قوم نے ان چیزوں سے حصہ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ جھگڑے نے پھر سنگین صورت اختیار کر لی، آپ نے کہا: آؤ، بذریعہ فال اس کا فیصلہ کریں۔ فال کی یہ صورت تجویز ہوئی کہ دو حصے کعبہ کے دو حصے عبدالمطلب کے اور دو حصے باقی قوم کے۔ قرعہ اندازی کی گئی تو کعبہ کے حصہ کے دو تیر دو دو ہرنوں پر، حضرت عبدالمطلب کے دو تیر تلواروں اور زرہوں پر پڑے اور قوم کے دو تیر خالی نکلے۔ آپ نے سونے کے ہرنوں کو گلا کر سونے کے پتر بنوائے اور کعبہ شریف کے دروازے پر منڈھ دیے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ دو مینڈھے رکھ دیے گئے جو بعد میں چوری ہو گئے۔

عبدالمطلب اپنے عظیم الشان کارناموں، اپنے بے مثل جو دو عطا، اپنی اولوالعزمی اور بلند ہمتی اور خصائل حمیدہ کے باعث ساری قوم کی آنکھوں کے تارے، سارے عرب کے لیے وجہ نازش تھے۔ ایک جلیل القدر باپ کے بیٹے تھے، تاریخ عالم کا رخ پھیر دینے کی صلاحیتوں سے مالا مال دس بیٹوں کے باپ تھے۔ ایک روز آپ حطیم میں تشریف فرما تھے آپ کے دس بیٹے شیروں کی طرح آپ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ ایک اعرابی وہاں سے گزرا، یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا:

إذا أحب الله انشاء دولة خلق له امثال هولاء

اللہ تعالیٰ جب کوئی مملکت بنانا پسند کرتا ہے تو اس کے قیام کے لیے اس قسم کے جواں مرد پیدا فرمادیا کرتا ہے۔

اصحاب قبیل کا واقعہ

حضرت عبدالمطلب کی زندگی کا ایک عظیم واقعہ خانہ کعبہ پر ابرہہ کی لشکر کشی ہے۔ شاہ حبشہ نے

یمن فتح کرنے کے بعد اریاط کو اپنا گورنر مقرر کیا اور ابرہہ کو اس کا نائب متعین کیا۔ جلد ہی ان میں اقتدار کی کشمکش شروع ہو گئی۔ چنانچہ دونوں کے لشکر جنگ کے لیے صف آراء ہو گئے۔ ابرہہ نے تجویز پیش کی کہ بجائے اس کے کہ ہم اپنی فوجوں کو لڑائیں اور عوام کو موت کے گھاٹ اتاریں، بہتر یہ ہے کہ ہم آپس میں زور آزمائی کریں، ہم میں سے جو غالب آجائے ساری فوج اس کے پرچم کے نیچے جمع ہو جائے۔ اریاط نے ابرہہ کی تجویز کو پسند کیا۔ دونوں اسلحہ سے آراستہ ہو کر میدان میں آئے اور باہمی جنگ شروع ہو گئی جس میں اریاط مارا گیا اور اقتدار ابرہہ کو منتقل ہو گیا۔ اس نے شاہ حبشہ کو خوش کرنے کے لیے ایک عظیم الشان انتہائی خوبصورت گرجا تعمیر کیا اور اپنے بادشاہ کو خط لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ مکہ میں حج کعبہ کے لیے جاتے ہیں، ان کو یہاں حج کرنے کی دعوت دوں، اور اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو کعبہ کو پیوند خاک کر دوں۔ جب کعبہ ہی موجود نہیں رہے گا تو لوگ خواہ مخواہ اس کنیہ کا حج کرنے اور اس کے طواف کرنے کے لیے یہاں آنے لگیں گے۔

اہل عرب کو جب ابرہہ کے اس مذموم ارادے کا علم ہوا تو ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ بنی کنانہ کا ایک فرد اپنی ناراضگی کے اظہار کے لیے کنیہ میں گیا اور فرصت پا کر وہاں قضائے حاجت کر کے اسے گندہ کر دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع ابرہہ کو ملی تو اس کے سینے میں آتش انتقام بھڑک اٹھی اور بڑے جوش و خروش سے اس نے مکہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اہل یمن بھی کعبہ شریف کی دل سے عزت و تکریم کرتے تھے۔ انھوں نے جب یہ بات سنی تو اس کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔ یمن کے ایک سردار ذونفر نے اپنی قوم کو ابرہہ کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تاکہ وہ بیت اللہ شریف کو اس کی ناپاک کوششوں سے بچا سکے۔

فریقین میں زبردست جنگ ہوئی لیکن ذونفر اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی اور اس کو جنگی قیدی بنا کر ابرہہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابرہہ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ذونفر نے کہا: اے بادشاہ! تو

مجھے قتل نہ کر بلکہ میری زندگی تیرے لیے قتل سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگی۔ ابرہہ نے اس کی جاں بخشی کی لیکن اس کو مقید رکھا۔ وہاں سے ابرہہ روانہ ہوا۔ بنی نضیم کے علاقے سے گزرا تو نفیل بن حبیب نضیمی نے قبائل عرب کو ساتھ ملا کر اس کے ساتھ جنگ کی لیکن اس دفعہ بھی فتح ابرہہ کو نصیب ہوئی، نفیل جب قیدی بنا کر اس کے سامنے پیش کیا گیا تو نفیل نے کہا: اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کر، سرزمین عرب میں تمہارے لیے راہنما کا کام کروں گا اور میں نضیم کے دو قبیلوں شہران اور ناہس کی طرف سے اطہار اطاعت کے لیے اپنے دونوں ہاتھ تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ابرہہ نے اس کو معاف کر دیا۔ جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی شروع کی تو نفیل بطور راہنما اس کے ہمراہ تھا۔

جب ابرہہ کا گزر طائف سے ہوا تو مسعود ثقفی اپنے قبیلے ثقیف کے چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر اس کی پیشوائی کے لیے نکلا اور اس سے کہا: اے بادشاہ! ہم تیرے غلام ہیں، ہم تیرے ہر حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں، ہمارے دلوں میں تیری مخالفت کا کوئی شائبہ نہیں اور ہمارا یہ معبود وہ نہیں جس کو گرانے کے لیے تو نکلا ہے۔ وہ مکہ میں ہے۔ ہم تمہارے ساتھ ایسا آدمی بھیجیں گے جو تمہاری راہنمائی کرے گا۔ طائف میں جو معبود تھا اس میں انھوں نے لات کابت رکھا ہوا تھا۔ اس کی پرستش کی جاتی تھی اور اس کے کوٹھے کا طواف کیا جاتا تھا۔ اہل طائف نے ابرہہ کے ساتھ ابورغال نامی ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ اسے مکہ جانے کا راستہ بتائے۔ ابرہہ ابورغال کی معیت میں طائف سے روانہ ہوا، جب منغمس پہنچا تو یہاں اس نے آرام کے لیے قیام کیا۔ ابورغال کی زندگی کی مہلت پوری ہو گئی، وہیں وہ ہلاک ہو گیا اور اسے وہیں زمین میں دبا دیا گیا۔ اہل عرب جب بھی وہاں سے گزرتے ہیں تو ابورغال کی قبر پر سنگ باری کرتے ہیں۔

اس اثناء میں ابرہہ نے ایک حبشی فوجی افسر جس کا نام اسود بن مقصود تھا، جو اس کے گھڑ سوار دستے کا افسر تھا، مکہ کی طرف بھیجا۔ تہامہ کی چراگا ہوں میں قریش اور دیگر قبائل کے جوانوں چر رہے تھے ان کو ہانک کر وہ ابرہہ کے پاس لے آیا۔ ان اونٹوں میں دو سوانٹ حضرت عبدالمطلب کے بھی تھے، آپ اس

وقت قریش کے سردار تھے۔ کنانہ ہذیل کے قبائل نے ارادہ کیا کہ ابرہہ کا مقابلہ کریں، لیکن اس کی بے پناہ قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس محسوس کیا، اس لیے اس سے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا۔ ابرہہ نے اپنا خاص قاصد اہل مکہ کی طرف روانہ کیا، اس کا نام ”حباطہ الحمیری“ تھا، کہ تم جاؤ اور اس شہر کا جو رئیس ہے اس سے جا کر ملاقات کرو اور اسے یہ کہو کہ بادشاہ تمہیں کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا، میں تو اس کعبہ کو گرانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم میرے راستے میں حائل نہ ہو تو مجھے تمہاری خوں ریزی کی کوئی ضرورت نہیں، اور اگر وہ میرے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اس کو میرے پاس لے آنا۔

حباطہ جب مکہ میں داخل ہوا تو اس نے پوچھا کہ قریش کا سردار کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ عبدالمطلب بن ہاشم اپنی قوم کے سردار ہیں۔ یہ شخص ان کے پاس گیا اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا حضرت عبدالمطلب نے کہا: بخدا! ہم اس کے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے، اور نہ ہمارے پاس یہ طاقت ہے کہ اس کے ساتھ لڑائی کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حرمت والا گھر ہے اور اس گھر کو اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے۔ اگر وہ خود اس کی حفاظت کا بندوبست کرے تو یہ اس کا گھر ہے اور اس کا حرم ہے اور اگر وہ خود ابرہہ کی مزاحمت نہ کرے، اور اس کو اپنا گھر گرانے دے تو اس کی مرضی، ہم میں طاقت نہیں کہ ابرہہ کا مقابلہ کر سکیں۔ جب حباطہ کو یقین ہو گیا کہ اہل مکہ ابرہہ کے ساتھ جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تو اس نے حضرت عبدالمطلب کو ابرہہ کے پاس جانے کو کہا۔

عبدالمطلب اپنے چند بیٹوں کے ہمراہ حباطہ کے ساتھ ابرہہ کی طرف روانہ ہوئے، جب اس کے لشکر میں پہنچے تو آپ نے ذونفر کے بارے میں پوچھا، وہ آپ کا پرانا دوست تھا۔ آپ کو اس کے پاس لے جایا گیا، جہاں وہ محبوس تھا۔ آپ نے اسے کہا: اے ذونفر! جو مصیبت ہم پر نازل ہوئی کیا اس میں تم ہمارے کسی کام آسکتے ہو؟ اس نے کہا: میں ایک بے بس قیدی ہوں، بادشاہ جب چاہے مجھے موت کے گھاٹ اتار دے۔ اس حالت میں میں تمہاری کیا خدمت بجالا سکتا ہوں۔ البتہ ابرہہ کے ہاتھی کا سائیس جس کا نام

انیس ہے وہ میرا دوست ہے۔ میں اس کو بلا کر آپ کا تعارف کرا دیتا ہوں۔ وہ بادشاہ سے آپ کی ملاقات کرا دے گا، ممکن ہے اس مصیبت سے نجات کی کوئی صورت نکل آئے۔ چنانچہ اس نے انیس کو بلایا اور اس سے عبدالمطلب کا تعارف کرایا کہ یہ قریش کے سردار ہیں اور مکہ کے تجارتی کارواں کے سربراہ ہیں۔ ان کی سخاوت کی یہ کیفیت ہے کہ ان کا دسترخوان ہر وقت بچھا رہتا ہے۔ انسان تو انسان پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرنے والے درندے بھی ان کے دسترخوان سے اپنے پیٹ بھرتے ہیں۔ بادشاہ کے ملازمین ان کے دوسو اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں، تم ان کی جو مدد کر سکتے ہو، ضرور کرو۔ اس نے وعدہ کیا۔ انیس ابرہہ کے پاس گیا اور عبدالمطلب کا تعارف کرایا اور ان کی ملاقات کی اجازت لے لی۔

حضرت عبدالمطلب صاحب حسن و جمال تھے، چہرے سے وجاہت اور شرافت کے آثار نمایاں تھے، ابرہہ نے جب آپ کو دیکھا، آپ کی بڑی تعظیم کی، بڑے آداب بجالایا اور یہ پسند نہ کیا کہ خود تخت کے اوپر بیٹھے اور انھیں نیچے بٹھائے اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے مبادا لشکر کے لوگ اس کا برا مانیں۔ چنانچہ ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اتر اور قالین پر بیٹھ گیا، اور آپ کو بھی اپنے پہلو میں ساتھ قالین پر بٹھایا۔ پھر ترجمان سے کہا: ان سے پوچھو، یہ کس کام کے لیے آئے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ بادشاہ کے سپاہیوں نے میرے دو سو اونٹ پکڑ لیے ہیں، وہ مجھے واپس دیئے جائیں۔ ابرہہ نے ترجمان کو کہا: کہ انھیں کہو، کہ جب میں نے آپ کو دیکھا تھا میں آپ سے بہت متاثر ہوا تھا، لیکن جب آپ نے بات کی ہے تو آپ کی قدر و منزلت میری آنکھوں سے گر گئی ہے۔ آپ دو سو اونٹ کے بارے میں تو مجھ سے گفتگو کرتے ہیں، لیکن اس گھر کے بارے میں کچھ نہیں کہتے جس کو میں گرانے کے لیے آیا ہوں، حالاں کہ وہ گھر آپ کا اور آپ کے آباء و اجداد کا دین ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا: کوئی بھی میری زد سے کعبہ کو نہیں بچا سکتا۔ آپ نے فرمایا: تو جانے اور وہ جانے۔

حضرت عبدالمطلب ابرہہ کی ملاقات کے بعد واپس آگئے اور قریش کو سارے حالات سے آگاہ کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ مکہ سے نکل جائیں اور پہاڑوں کے غاروں اور چوٹیوں میں پناہ گزریں ہو جائیں، مبادا ابرہہ کا لشکر مکہ میں داخل ہو کر ان کو ہدفِ تم بنائے۔ پھر اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر خانہ کعبہ کے پاس آئے اور اس کے حلقہ کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں فریاد کرنے لگے اور ابرہہ اور اس کے لشکر پر فتح و نصرت کی درخواست کرنے لگے۔ اس وقت عبدالمطلب نے بارگاہِ الہی میں عرض کی:

لاہم ان العبد یمنع
رحلہ فامنع حلالک

لا یفلبن صلیہم
ومحالہم غدوا محالک

ان کنت تارکہم
وقلتنا فامر ما بدالک

اے اللہ! بندہ بھی اپنے کجاوے کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما، ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب کل تیرے گھر پر غالب آجائے اور نصب کر دی جائے، اور اگر تو ان کو اور ہمارے قبیلہ کو آزاد چھوڑنے والا ہے تو جس طرح تیری مرضی ہو، تو اس طرح کر۔

اس دعا کے بعد عبدالمطلب بھی ایک پہاڑ کے غار میں چلے گئے۔

علامہ ملا علی قاری حضرت عبدالمطلب کے فضائل میں لکھتے ہیں:

من فضائل عبد المطلب ان قریشا خرجت من الحرم لما قدم عليهم اصحاب
الفيل و قال هو (عبد المطلب) و الله لا اخرج من حرم الله ابغى العز في غيره و لا ابغى
سواء عند الله .

جب قریش حرم سے نکل گئے اور اصحاب فیل نے حملہ کیا تو حضرت عبدالمطلب نے کہا: بخدا! اللہ
کے حرم سے ہرگز نہیں نکلوں گا تا کہ اس کے علاوہ کسی اور کے پاس عزت تلاش کروں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے
بدلے میں اور کسی چیز کا متمنی نہیں۔

دوسرے دن صبح ابرہہ نے مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھی کو جس کا نام ”محمود“ تھا اور اپنے
لشکر کو تیار کیا۔ ابرہہ نے کعبہ کو منہدم کرنے کا پختہ عزم کر لیا تھا اور اس کے بعد وہ یمن واپس جانا چاہتا تھا۔
جب انھوں نے ہاتھی کو مکہ کی طرف متوجہ کیا تو نفیل بن حبیب آیا اور ہاتھی کے پہلو کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس
کا کان پکڑ لیا، پھر اسے کہا:

ابرک محمود او ارجع راشدا من حیث جنت فانک فی بلد اللہ الحرام
کہ اے محمود (ابرہہ کے ہاتھی کا نام) بیٹھ جاؤ جدھر سے آئے ہو ادھر لوٹ جاؤ کیوں کہ تو اللہ کے
مقدس شہر میں ہے۔

یہ سنتے ہی ہاتھی بیٹھ گیا، نفیل بن حبیب وہاں سے نکلا اور دوڑتا ہوا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا انھوں
نے ہاتھی کو مارا تا کہ وہ کھڑا ہو لیکن اس نے کھڑے ہونے سے گویا انکار کر دیا پھر انھوں نے اس کے سر میں
تبرزین سے چوٹیں لگائیں لیکن پھر بھی وہ نہ اٹھا پھر انھوں نے اس کے پیٹ کے نیچے ایسے عصا سے چرکے
لگائے جس کا سان ٹیڑھا کیا ہوا تھا وہ لہو لہان ہو گیا لیکن پھر اٹھنے کا نام نہ لیا پھر انھوں نے اس کا رخ یمن کی
طرف کیا تو وہ بھاگنے لگا۔ جب پھر مکہ کی طرف انھوں نے اس کا رخ کیا تو پھر بیٹھ گیا اسی اثناء میں ابابیل کی

ایک ٹکڑی سمندر کی طرف سے اڑتی ہوئی آئی ہر پرندے کی چونچ اور دونوں پنجوں میں ایک ایک کنکری تھی جس کی مقدار چنے اور مسور کے دانوں کے برابر تھی جس کے سر پر وہ گرتی اس کے فولادی خود کو چیرتی ہوئی اس کے جسم کے پار ہو جاتی۔ لشکر میں بھگدڑ مچ گئی وہ راستہ ڈھونڈنا چاہتے تھے جس پر چل کر وہ آئے تھے لیکن وہ انھیں مل نہیں رہا تھا۔ انھوں نے نفیل بن حبیب جو ان کا راہنما بن کر ان کے ساتھ آیا تھا اس کو تلاش کیا تا کہ وہ انھیں یمن کا راستہ بتائے تو اس کا وہاں نام و نشان ہی نہ تھا وہ تو بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا تھا اور ان پر خدا کے عذاب کا ہولناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

ابرہہ کے لشکر میں تیرہ ہاتھی تھے محمود کے علاوہ سارے ہاتھی ہلاک ہو گئے اور محمود نے کیوں کہ حرم شریف کی طرف پیش قدمی سے انکار کیا تھا اس لیے وہ بچ گیا وہ وہاں سے بھاگ نکلا لیکن جن کو وہ پتھر لگے ان میں سے کوئی سلامت نہ بچا۔ ابرہہ کی حالت بڑی قابل رحم تھی اس کو لے کر وہاں سے بھاگے لیکن راستہ میں اس کا انگ انگ گل کر گرنے لگا۔ اس کے جسم میں پیپ اور خون سرایت کر گیا جس سے غضب کی بو آتی تھی اور جب اس کو لے کر وہ صنعاء پہنچے تو وہ پرندے کے ایک چوزے کی طرح تھا لیکن مرنے سے پہلے اس کا سینہ پھٹ گیا اور دل باہر نکل گیا اس طرح وہ ایک اذیت ناک موت سے دوچار ہوا۔

یہ واقعہ محرم کو پیش آیا اور یہی وہ سال ہے جس میں فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے انساہیت کے خزاں گزیدہ گلستاں میں بہا ر آئی۔ (سیرت الرسول)



شب میلاد

اور

عجائب قدرت الہی کا ظہور

جس سہانی گھڑی چکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

لنذر من اللہ علی المؤمنین لا یبعث فیہم رسولا
بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں سے ایک رسول بھیجا۔

(القرآن)

شب میلاد اور عجائب قدرت الہی کا ظہور

علمائے سیرت نے اپنی کتب سیرت میں ان محیر العقول واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو اس مبارک رات میں وقوع پذیر ہوئے۔ ان میں سے چند امور درج ذیل ہیں۔

(۱) اس رات کعبہ میں جو بت رکھے ہوئے تھے وہ سر کے بل سجدہ میں گر گئے کیوں کہ آج کی رات بت شکن کی پیدائش کی رات تھی۔

(۲) حضور کی ولادت کے وقت ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس کی روشنی سے حضرت آمنہ کو شام کے محلات دکھائی دینے لگے۔

(۳) امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں ہشام بن عروہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے والد نے حضرت عائشہ صدیقہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک یہودی تجارت کے لیے مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھا جب شب میلاد آئی تو اس نے قریش کی ایک محفل میں آکر پوچھا اے گروہ قریش! کیا آج رات تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے لوگوں نے کہا: بخدا ہمیں کوئی علم نہیں اس نے ازراہ تعجب کہا اللہ اکبر! تم اپنے گھر والوں سے اس کے بارے میں ضرور دریافت کرنا اور میری اس بات کو بھی فراموش نہ کرنا کہ آج کی رات اس امت کا نبی پیدا ہوا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان بالوں کا ایک گچھا اگا ہوگا لوگ مجلس برخاست کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہر ایک نے اپنے گھر جا کر اپنے اہل خانہ سے پوچھا کہ کیا قریش کے کسی گھر میں آج کوئی بچہ پیدا ہوا ہے انھیں بتایا گیا کہ آج عبدالمطلب کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس کا نام انھوں نے محمد رکھا ہے۔ وہ لوگ اس یہودی کے پاس گئے اسے بتایا کہ ان کے قبیلہ میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے اس نے کہا میرے ساتھ چلو میں بھی اس بچہ کو دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ اسے لے کر

وہ لوگ حضرت آمنہ کے گھر آئے اور کہا کہ ہمیں اپنا بچہ دکھائیے آپ نے اپنے فرزند ارجمند کو ان کے سامنے پیش کیا، اس یہودی نے بچے کی پیٹھ سے کپڑا اٹھایا اور بالوں کا اگا ہوا ایک گچھا دیکھا اور دیکھتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑا جب اسے ہوش آیا تو انھوں نے اس سے پوچھا تیرا خانہ خراب تجھے کیا ہو گیا تھا اس نے بھد حسرت کہا کہ آج بنی اسرائیل کے گھرانہ سے نبوت رخصت ہو گئی۔ اے گروہ قریش! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ یہ مولود تمہیں بڑی بلند یوں کی طرف لے جائے گا مشرق و مغرب میں تمہارے نام کی گونج سنائی دے گی۔

(۴) اس رات کسریٰ کا ایوان لرز گیا اور اس کے چودہ کنکرے گر گئے۔

(۵) ایران کا مرکزی آتش کدہ جس میں ایک ہزار سال سے آگ بھڑک رہی تھی وہ آگ اچانک بجھ گئی۔

اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن کو عصر حاضر کے سیرت نگاروں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے لیکن عہد جدید کے بالغ نظر عالم امام محمد ابو زہرہ نے اپنی سیرت کی کتاب ”خاتم النبیین“ میں ان واقعات کا ذکر کیا ہے اور ان لوگوں کی پرزور تردید کی ہے جو ایسے واقعات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ روایات کی صحت و عدم صحت کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ سند کے اعتبار سے ان روایات کا کیا مقام ہے، ان کی سند قابل اعتبار ہے یا نہیں اگر علماء حدیث ان کی سند کے بارے میں شک کا اظہار کریں تو ایسی روایات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جائے گا لیکن اگر ان کی سند معتبر ہو، جن راویوں نے ان واقعات کو روایت کیا ہے وہ قابل اعتماد ہوں تو پھر وہ روایات قابل قبول ہوں گی، ان کے بارے میں عدم صحت کا فتویٰ صادر کرنا ان قواعد و ضوابط سے بے خبری کی علامت ہوگی جو اہل تحقیق نے کسی روایت کے صحیح یا ضعیف ہونے کے لیے مقرر کیے ہیں۔



آمد رسول کی بشارات و پیشین گوئیاں

ابھی رات کی تاریکی سارے عالم پر چھائی ہوئی ہے کہ مشرقی افق پر صبح صادق کا اجالا نمودار ہوتا ہے اور اس کی سہانی روشنی یہ اعلان کرنے لگتی ہے کہ شب دیجور کا طلسم ٹوٹنے والا ہے جلد ہی آفتاب عالم تاب طلوع ہوگا اور سارا جہان اس کے انوار سے جگمگانے لگے گا۔

طویل خشک سالی کے باعث گلشن ہستی کی رونقیں جب دم توڑ دیتی ہیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور سرسبز شاداب وادیوں میں خاک اڑنے لگتی ہے چیونٹیاں بھی پانی کی ایک بوند کے لیے ترسے لگتی ہیں تو رب العالمین جو رحم الرحیم ہے، بارانِ رحمت سے ہر تشنہ لب کو سیراب کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو پہلے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے اپنی رحمت کی خوشخبری سناتا ہے۔

و هو الذی یرسل الریاح بشرابین یدی رحمتہ .

وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو اپنی بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری سنانے کے لیے۔

یعنی اسی طرح مطلعِ نبوت و ہدایت پر آفتابِ محمدی کے طلوع ہونے سے پہلے، بہت پہلے بشارتوں، پیشین گوئیوں، شہادتوں اور اعلاناتِ صادقہ کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے درپے درپے ایسے واقعات ظہور پذیر ہونے لگے جو اس ابرِ رحمت کی آمد کی نوید بنا رہے تھے کہ جب وہ گھر آئے گا اور بر سے گا تو اس سے انسانی زندگی کا کوئی ایک مخصوص شعبہ ہی نہیں بلکہ اس کا ہر شعبہ اور ہر پہلو سیراب ہوگا، اس کا ہر قطرہ حیات بخش ہوگا، ہر دل گرفتہ غنچہ اس کے فیض سے کھل کر پھول بنے گا، ہر افسردہ کلی مسکرانے لگے گی، حراماں نصیبوں اور غمزدوں کے گھروں میں مسرت کے چراغِ روشنی پھیلانے لگیں گے جس کی بابرکت چھینٹوں سے ہر چیز کی خفتہ صلا حیتیں جاگ اٹھیں گی۔ سب سے اہم یہ کہ حضرت انسان کے شکستہ پروں کو قوت پر واز عطا ہوگی وہ خود فراموش، خود شناس بن جائے گا اور اپنے مقامِ رفیع پر خیمہ زن ہونے کی لگن اس کو بے تاب کر دے گی

اور اس کے لیے کمر ہمت باندھ کر معروف عمل ہو جائے گا۔

یہ نوید رحمت سنانے کے لیے ان بشارتوں سے شکستہ دلوں کو خورسند اور شاد کام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیاء اور اولوالعزم رسولوں کو منتخب فرمایا۔ ان پر جو آسمانی کتب اور صحیفے نازل کیے گئے تھے ان میں جگہ جگہ ایسی خوشخبریاں درج تھیں اور ایسی صفات و علامات کا تفصیلی بیان تھا جو اس آنے والے رسول گرامی میں پائی جانے والی تھیں۔ اپنے اپنے زمانہ میں مقربین بارگاہ الہی اپنی خانقاہوں میں اور علمائے ربانین درسگاہوں میں اس محبوب کریم کی دلنوازا داؤں کو بیان کر کے آشفٹہ دلوں اور پریشان حالوں کی تسکین کا سامان فراہم کرتے تھے۔ اس کی آمد کی منادی کرنے والوں میں اہل کتاب کے احبار و رہبان بھی تھے اور عہد جاہلیت کے کاہن بھی، ملوک و سلاطین بھی تھے اور فلک علم و حکمت کے آفتاب و ماہتاب بھی۔

جن کے واسطے سے یہ بشارتیں اور خوشخبریاں ہم تک پہنچیں وہ پیشہ و ردستان سرا، چرب زبان قصہ گو، نوعیت کے لوگ نہیں تھے بلکہ سربر آوردہ مفسرین، نامور محدثین، عالمی شہرت کے مالک مورخین، ادب و لغت کے مسلمہ ائمہ، صوفیاء اور فقہاء کا ایک مقدس گروہ تھا۔ جنہوں نے امت احمدیہ تک ان حقائق کو بڑی دیانتداری سے پہنچایا، ان پاکباز حضرات نے اللہ تعالیٰ کے حبیب اور اس کی مخلوق کے ہادی برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے موضوع پر پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ بڑی گراں قیمت کتابیں تالیف کیں اور انہیں اپنی نجات اور بخشش کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ان تالیفات میں انہوں نے ان بشارتوں، پیشین گوئیوں، اعلانات و واقعات اور حادثات جن کا تعلق بعثت نبوی سے تھا کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا۔ البتہ جو روایات علمی معیار پر پوری نہ اترتی تھیں ان کی نشاندہی کی جس روایت کی سند میں کوئی غیر ثقہ راوی در آیا تھا اس سے قارئین کو آگاہ کیا اور اگر کوئی واقعہ فن روایت و درایت کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا تو کھل کر اس کو بیان کر دیا تاکہ کوئی پڑھنے والا ان غلط اور ضعیف روایات و حکایات کے باعث کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے یہ ان کی علمی اور دینی ذمہ داری تھی جسے انہوں نے بلا خوف لومۃ لائم ڈنکے کی چوٹ سے

پورا کیا اور کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی ان کو اظہار حق سے روک نہ سکی۔

سلف صالحین کی ان مخلصانہ کاوشوں اور جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے کے لیے ان حضرات کی تصنیفات کی طرف رجوع کرتے انھیں ایک تو اس پاکیزہ زندگی کے ماہ و سال شب و روز بلکہ ہر صبح اور ہر شام میں رو پڑیر ہونے والے واقعات کا صحیح علم ہو جاتا تھا۔ دوسرا جب وہ اپنے مرشد برحق کے ان کمالات کو ان کتابوں میں پڑھتے جن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے خالق نے آراستہ اور مزین فرمایا تھا تو اس ذات اقدس و اطہر کی محبت کی شمع ان کے دلوں میں فروزاں ہو جاتی تھی۔ اور جب وہ محبوب رب العالمین کے عشق کی شراب طہور سے سرشار ہو کر جادۂ زیست پر گامزن ہوتے تو ان کے کیف و مستی کا انداز ہی نرالا ہوتا تھا۔ احکام شریعت کی پابندی کو وہ ناگوار بوجھ خیال نہیں کرتے تھے بلکہ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ احکام الہی کو بجالاتے تھے۔ ان کے دن میدان جہاد میں شمشیر زنی کرتے گزرتے تو ان کی راتیں اور خلوتیں اپنے خالق حقیقی کی یاد میں آنسو بہاتے، آپہیں بھرتے، اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتے گزرتیں۔ اولاد کی محبت، کاروبار کی مصروفیت انھیں ذکر الہی سے غافل نہیں کر سکتی تھیں۔

جب انھیں دین حق کو سر بلند کرنے کے لیے مال و جان کا نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کو اپنے لیے کمال سعادت خیال کرتے بے دریغ اور بے تامل ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار نظر آتے ہر کلمہ گو کی کم و بیش یہی کیفیت ہوتی۔

دشمنان اسلام اور مستشرقین کے نظریات و تحقیقات پر تنقیدی نظر

لیکن جب دشمنان اسلام جنگ کے میدانوں میں اپنی تمام تر مساعی کے باوجود اسلام کا پرچم سرنگوں نہ کر سکے تو انھوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کرنے کے

لیے سازشوں کے دام بننے اور بچھانے شروع کر دیے۔ اس طرز عمل سے انھیں کافی کامیابیاں حاصل ہوئیں لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دلوں میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ٹھنڈی نہ ہوئی وہ تو اسلام کا نام و نشان ہی صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے آرزو مند تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسلامی مملکت کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا پایا تو یورپ کے مذہبی پیشواؤں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کی مہم اس زور شور سے چلائی کہ یورپ میں بسنے والا ہر فرد امیر، فقیر، بادشاہ اور رعایا فوج کا عام سپاہی اور اس کے جرنیل، بیت المقدس کو فتح کرنے کے جنون میں ایک طوفان بن کر شام و فلسطین کی سرحدوں پر اٹھ آئے۔ انھیں یقین تھا کہ وہ اپنی اجتماعی، عسکری قوت کے بل بوتے پر اس مہم کو سر کر لیں گے۔ ان کے پادریوں نے بھی ان کو یقین دلایا تھا کہ یسوع مسیح اپنے جملہ خدائی اختیارات کے ساتھ ان کی مدد فرمائے گا لیکن ہر بار فرزند ان توحید نے صلیب کے پرستاروں کی امیدیں خاک میں ملادیں۔

مسلم دنیا کے حکمران اگرچہ متحد نہ ہو سکے لیکن غازی نور الدین محمود اور غازی صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں شمع جمال مصطفوی کے پروانوں اور دین اسلام کے شیدائیوں نے اپنی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے اور اس عدیم المثال جرأت و ثابت قدمی سے ان یلغاروں کا مقابلہ کیا کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر کے رکھ دیئے۔ اور یورپ کے نوابوں، بادشاہوں اور شہنشاہوں کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیا۔ اٹلی، جرمنی، فرانس اور دیگر چھوٹے بڑے یورپین ممالک کے حکمرانوں کے علاوہ برطانیہ عظمیٰ کا شہنشاہ رچرڈ جو شیردل کے لقب سے ملقب تھا بذات خود اپنی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا لیکن غازی صلاح الدین اور اس کے مجاہدوں کے نعرہ تکبیر کی کڑک ان کے اوسان خطا کر دیتی اور وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ تقریباً دو سو سال تک مسلسل جاری رہنے والی صلیبی جنگوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۱۸۷ء میں غازی صلاح الدین ایوبی نے اپنے جاں باز اور سرفروش مجاہدوں کی معیت میں ”القدس“ فرنگیوں سے چھین لیا۔ صلیب کے پرچم کو سرنگوں کر کے اسلام کا ہلالی پرچم لہرا دیا۔

اس سے پہلے بھی مسلمان مجاہدوں نے عیسائیوں کو کئی صدیوں تک شکستوں پر شکستیں دی تھیں انھوں نے شرق اوسط کے تمام ممالک شام، فلسطین، لبنان وغیرہ رومی عیسائیوں سے بزور شمشیر چھین لیے تھے۔ مسلمانوں نے ایشیا اور افریقہ کے براعظموں میں ہی عیسائی مملکتوں کا خاتمہ کرنے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ طارق نے آگے بڑھ کر یورپ پر حملہ کیا اور اسپین کے وسیع و عریض ملک پر قبضہ کر کے جگہ جگہ ایسی مسجدوں کا جال بچھا دیا جن کے فلک بوس میناروں سے دن میں پانچ مرتبہ اذان کی دلکش صدائیں گونجتی تھیں اور صلیب کے پیروکاروں کے ملک میں اللہ وحدہ لا شریک کی توحید اور محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کرتی تھیں۔ ان صدیوں پر پھیلی ہوئی پے در پے ہزیمتوں کا جو داغ ان کے دل پر اور جو چہرے ان کے دماغ کو لگے تھے انھوں نے ناسوروں کی شکل اختیار کر لی تھی جو ہر لحظہ رستے رہتے تھے اور ان شکستوں کی اذیت ناک یاد کو تازہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن بیت المقدس کی شکست اور وہاں صلیبی پرچم سرنگوں ہونے اور اسلامی علم کے لہرائے جانے کے صدے نے تو گویا ان کو نیم جان بنا کر رکھ دیا اس مشکل پر قابو پانے کے لیے انھوں نے اپنے دانشوروں، ماہرین علم نفسیات، اپنے مایہ ناز مورخین، سیاستدانوں اور مذہبی رہنماؤں پر مشتمل کئی کمیشن تشکیل دی اور انھیں یہ کام تفویض کیا کہ وہ اس بات کا سراغ لگائیں کہ اس ناقابل تخیر قوت کا سرچشمہ کہاں ہے جو ان نہتے مسلمان سپاہیوں میں بجلی بن کر دوڑتی ہے جس کے اعجاز سے ہر مجاہد حیدر کرار کی خیر شکن طاقت کا علم دار بن جاتا ہے اور ان کے ہاتھوں میں لہرانے والی تلوار ذوالفقار بن کر ان کے دشمنوں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

سالہا سال کے مطالعہ، سوچ و چار اور باہمی مشورے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قوت کا سرچشمہ عشق مصطفیٰ علیہ الطیب التحیۃ واجمل الثناء ہے جب تک عشق غیور کا یہ جذبہ زندہ رہے گا، جب تک اپنے محبوب نبی کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ محبت کا چراغ روشن رہے گا، جب تک اپنے ہادی اور مرشد کے لائے ہوئے دین کو سر بلند رکھنے اور اس کی ہر آن پر کٹ مرنے کا شوق سلامت رہے گا ان مسلمانوں کو

شکست نہیں دی جاسکتی۔ اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ عشق و محبت کے اس چشمہ صافی کو گدلا کر دیا جائے، اس میں شکوک و شبہات کا زہر گھول دیا جائے، محبت و نیاز مندی کی ہر ادا پر شرک کا فتویٰ صادر کر دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم بدعت کی تہمت ضرور لگادی جائے اور یہ کام بھی سرگرمی اور جوش و خروش سے کیا جائے اور لگاتار کیا جائے کہ مسلمانوں کی قوت دفاع کو اگر کلیہ ختم نہ کیا جاسکے تو اس کو کمزور ضرور کر دیا جائے تاکہ اپنے محبوب کے نام پر اس کے نقوش پا پر جان کی بازی لگانے والوں کی اداؤں میں وہ شوخی اور بانگنیں باقی نہ رہے جو خود صیاد کو اب تک صیدزبوں بنالینے کا معجزہ دکھاتا رہا ہے اس مذموم مقصد کی تکمیل کے لیے استشراق کی تحریک کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

جذبہ اسلامی کو ماند کرنے کے لیے دشمنان اسلام کی یہ بڑی گہری چال تھی اور اس کو بڑی مہارت اور چابک دستی سے آگے بڑھایا گیا۔

اس تحریک کی زمام کار کہنے مشق اور تجربہ کار اساتذہ اور پروفیسروں کے ہاتھ میں دے دی گئی جو شہرہ آفاق یونیورسٹیوں میں تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان کی شخصیتوں کو قد آور بنانے کے لیے ان کے گرد تقدس اور جلالت علمی کا ایک مصنوعی ہالہ بنا دیا گیا، ان کے بارے میں یہ مشہور کیا گیا کہ وہ بے لاگ نقاد ہیں علمی تحقیقات کے میدان میں ان کی غیر جانبداری ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہر قیمت پر حق کے پرچم کو بلند رکھنا ان کا شعار ہے۔ اس طرح بڑے بڑے القابات کی غلط بخشیوں سے طالبان علم و دانش اور حق و صداقت کے متلاشیوں کی نگاہوں میں ان کی شخصیتوں کو بلند و بالا کر دیا گیا ان کی تالیفات اور مقالات کا مطالعہ کرنے والا، ان کے مطالعہ کرنے سے پہلے ہی ان کی علمی شہرت اور ان کی فنی دیانت داری پر ایمان لا چکا ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ شہد سے زیادہ شیریں زبان میں لکھی گئی ان کتب کا مطالعہ کرتا ہے تو ان کے نظریات کو بلا تامل حلق سے نیچے اتارتا اور لوح قلب پر نقش کرتا جاتا ہے اس وارفتگی کے عالم میں اسے یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ جس کو وہ شہد سمجھ رہا ہے اس میں بڑی عیاری سے اس کے لیے زہر ہلاہل ملا دیا گیا

ہے۔ اس کے جان لیوا اثرات اسے اس کے افکار و نظریات بلکہ اس کے تشخص کو بھی موت کی نیند سلا دیں گے۔

ان مستشرقین نے جس موضوع کو اپنی جارحانہ تنقید کا ہدف بنایا وہ کمالات مصطفوی کا موضوع ہے وہ کمالات حمیدہ، وہ صفات جمیلہ جن سے کسی انسان نے نہیں بلکہ خود خداوند رحمن نے حضور کو متصف اور مزین فرمایا ہے۔

ان لوگوں کا انداز بیان بڑا دلکش اور از حد خطرناک ہوتا ہے اس کی زد سے بچ کر نکل جانا تو فیتق الہی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ ان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ صفحات پر صفحات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثنا گستری میں رقم کرتے چلے جاتے ہیں، پڑھنے والا اگر سادہ لوح ہو تو وہ ان کی اس تعریف اور ثنا گستری سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ ان کی غیر جانبداری پر عیش عیش کرنے لگتا ہے لیکن انھیں صفحات کے درمیان وہ ایک آدھ جملہ ایسا لکھ جاتے ہیں کہ وہ تمام تعریفات سراب بن کر رہ جاتی ہیں۔ محبت اور فدائیت کا جو جذبہ اس ثنا گستری کے مطالعہ سے پیدا ہونا چاہیے اس کا دور دور تک کہیں سراغ نہیں ملتا اور یہی ان کی شب و روز کاوش کا صلہ ہے۔

اس تحریک کو اپنے منطقی نتائج پر پہنچانے کے لیے بڑے بڑے ممالک کی دولت مند حکومتوں کے خزانوں کے منہ کھول دیے جاتے ہیں۔ اس ناپاک مہم کو سر کرنے کے لیے جن نابغہ روزگار ہستیوں کو منتخب کیا جاتا ہے ان کو بھاری بھر کم تنخواہوں اور وظائف سے نوازا جاتا ہے، ان کی تصنیفات بڑی دیدہ زیب صورت میں شائع کی جاتی ہیں۔ ان کو قبول عام کی سند سے بہرور کرنے کے لیے ان کی غیر معمولی اشاعتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اپنی پسند کے لوگوں سے بھاری رقوم دے کر ان پر تبصرے لکھوائے جاتے ہیں اور انھیں بڑے اہتمام سے عالمی شہرت یافتہ روزناموں یا ماہناموں میں شائع کر دیا جاتا ہے اس طرح قلیل مدت میں ایک گمنام شخص شہرت کے آسمان پر روشن ستارے کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی حق گوئی، بے لاگ

تحقیق، غیر جانبدارانہ تنقید کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جاتا ہے تاکہ اس کے قارئین اس کی نگارشات کو پڑھنے سے پہلے ہی اس کی حق گوئی کو دل و جان سے تسلیم کر لیں اور بڑے شرح صدر کے ساتھ جو نظریات وہ پیش کرتا ہے اس کو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کرتے جائیں اور اگر کوئی شخص جسارت کر کے اس کی خرافات کا پردہ چاک کرتا ہے تو اسے رجعت پسند، کور ذوق اور اندھی تقلید کا خوگر کے الفاظ سے ہدف طعن و تشنیع بنایا جاتا ہے۔

بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کام رچرچ ڈشیردل کی فولادی تلوار نہ کر سکی، صلیبی لشکر جو مورچے اپنے ان گنت جانوروں کی جوانیاں قربان کر کے فتح نہ کر سکے وہ کام یونیورسٹی کی کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے ان بوڑھے مستشرق پروفیسروں اور اساتذہ کے قلموں نے بڑی آسانی سے انجام دیئے۔

استشراق کے زہریلے اثرات ہم اپنی قومی اور دینی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں طور پر محسوس کر رہے ہیں لیکن سیرت نویسی کے میدان میں جو خدمات مستشرقین کی تصنیفات سے متاثر ہمارے مسلم سیرت نگار انجام دے رہے ہیں وہ ہماری چشم ہوش کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

ان کے تیشہ تحقیق کی پہلی ضرب معجزات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر پڑی ہے وہی اعتراضات جو کسی یورپین مستشرق نے انبیاء کرام کے معجزات پر کیے ہیں ان کو نقل کر کے صفحات پر صفحات کالے کیے جاتے ہیں اور ان کو ناممکن اور عقل و دانش کے خلاف ثابت کرنے کے لیے سارا زور قلم صرف کر دیا جاتا ہے۔ اگر ان آیات بینات میں سے کسی کو ناممکن اور خلاف عقل ثابت کرنا ان کے بس کا روگ نہ ہو تو پھر اس روایت کی سند پر برسنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر یہ روایت متعدد طریقوں اور مختلف سندوں سے مروی ہے اور اگر اس کی ایک سند میں کسی ایسے راوی کا نام آ گیا ہے جو ضعیف یا غیر ثقہ ہے تو پھر اس روایت پر قلم تہ تیغ پھیرنے میں ذرا دیر نہیں کرتے، یہ سوچنے کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی کہ اگر اس روایت کی ایک سند میں کوئی راوی مجروح ہے تو اس کے علاوہ اس کے دوسرے طرق

بھی ہیں جن کے سارے راوی ثقہ ہیں تو ان سب کو نظر انداز کرنا کیوں کر قرین انصاف ہو سکتا ہے۔

اس طرح وہ روایات جن کا تعلق اگرچہ معجزات سے نہیں لیکن ان سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان محبوبیت آشکارا ہوتی ہے جس پر دل بے ساختہ قربان ہونے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے تو ایسی روایات کو بھی بخشا نہیں جاتا بلکہ ان کے بارے میں بھی اپنے قارئین کے ذہنوں میں دوسو سے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یاد آنتے ان کے ذکر سے گریز کیا جاتا ہے۔ اگر سینے میں دھڑکنے والا دل ایسی بھونڈی حرکت پر احتجاج کرتا ہے تو اسے یہ کہہ کر دلاسا دیا جاتا ہے کہ اگر حضور کے مقام رفیع کو زیادہ عیاں کیا جائے گا اور اس کی دل آویز اداؤں کے ذکر کے سلسلہ کو طول دیا جائے گا تو حضور کی زندگی عام انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ نہیں بن سکے گی اور حضور کی بعثت کا مقصد پورا نہ ہوگا اگر ان کمالات نبوت پر پردہ پڑا رہے اور لوگوں کے سامنے حضور کی بشریت کے پہلو کو اجاگر کیا جائے تو اس سے بعثت نبوی کے مقصد کی بہتر طور پر تکمیل ہو سکے گی۔ ایک عام انسان، عام انسان کی تقلید باسانی کر سکتا ہے اور اگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فوق البشر حیثیت بیان کرنے پر زیادہ زور دیا جائے گا تو ایک عام بشر کے لیے فوق البشر کی اطاعت و پیروی کرنا ممکن نہ رہے گا۔

یہ نیک بخت اتنا نہیں سوچتے کہ اگر یہ کمالات، اگر یہ بلند شانیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ارزانی کی ہیں مقصد بعثت میں حجاب ہوتیں تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو عطا ہی نہ فرماتا تا کہ مقصد بعثت کی پوری طرح تکمیل ہو سکے۔ کیا اللہ تعالیٰ سے زیادہ انھیں بعثت نبوی کے مقاصد کی تکمیل کا پاس ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ اس چہ بو العجی ست

حقیقت تو یہ ہے کہ اس علیم و حلیم و پروردگار نے اپنے محبوب کو محبوبیت کی ان گنت شانوں سے نوازا ہی اس لیے ہے کہ جمالِ سرمدی کے ان جلوؤں کو دیکھ کر، حسن ازل کی ان اداؤں کو دیکھ کر اس کے بندے اس کے محبوب کے ہر فرمان کے سامنے بلا تامل سر جھکاتے جائیں، اس کے قدم ناز پر اپنے دلوں کو نثار

کرتے جائیں تاکہ نبوت مصطفوی کا مقصد باحسن طریق انجام پذیر ہو جائے۔

سچ تو یہ ہے کہ جو استشراق کے مہیا کیے ہوئے سرمہ سے اپنی آنکھوں کو سرگیں کرتے ہیں انھیں جمال محمدی کا حقد نظر ہی نہیں آتا۔ اس پیکر نورانی کو جن رعنائیوں اور دلربائیوں سے سجایا گیا ہے اور بادیہ ضلالت میں بھٹکنے والے کاروان انسانیت کو راہ ہدایت پر گامزن کرنے کا جو فریضہ سونپا گیا ہے وہ فریضہ اسی وقت ادا ہوسکتا ہے کہ جب داعی دین حق کی حقانیت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ دل و نگاہ بھی اس داعی کے کمال و جمال پر نثار ہو جانے کے شوق سے معمور ہوں جدید درسگاہوں، ملکی اور غیر ملکی دانش کدوں کے فضلاء اور اعلیٰ ڈگری یافتہ حضرات اگر مستشرقین کی مہارت سے بنے ہوئے اور بڑی عیاری سے بچھائے ہوئے دام ہم رنگ زمین کا شکار ہوتے تو ان کے لیے عذر پیش کیا جاسکتا تھا۔ مقام تأسف تو یہ ہے کہ ہماری دینی درسگاہوں کے کئی فضلاء بھی مستشرقین کی اس گہری سازش کا شکار ہو گئے۔

سیرت طیبہ کے موضوع پر آج کل بازار میں جو لٹریچر آرہے ہیں ان میں عام طور پر کمالات محمدی اور شمائل مصطفوی کے ذکر میں بخل سے کام لیا جانے لگا ہے اس لیے عصر جدید کے مصنفین کی کتب سیرت کا مطالعہ کرنے سے واقعات تو اپنے تاریخی تسلسل کے ساتھ ذہن نشیں ہو جاتے ہیں ان کا باہمی ربط و ضبط بھی کافی حد تک سمجھ میں آجاتا ہے مخالفین کی طرف سے اٹھائے گئے کئی اعتراضات کے معقول جوابات پر بھی آگہی حاصل ہو جاتی ہے لیکن عام طور پر قاری مطالعہ سیرت کی روح سے بے بہرہ رہتا ہے۔ محبت نبوی کا جذبہ طوفان بن کر اس کے سینے میں اٹد کر نہیں آتا دل بے قرار ہو کر اللہ کے رسول کے نقوش پا کو غیر مشروط طور پر اپنا خضر راہ بنانے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔

حکمرانوں کی نوید و خوشخبریاں

یمن پر حبشیوں نے قبضہ جمالیاتھا، اہل یمن پر ظلم و ستم کی انتہاء کر دی تھی، سیف بن ذی یزن نے

کسریٰ سے امداد طلب کی اور یمن پر چڑھائی کر دی، حبشیوں کو شکست دی اور اپنے اہل وطن کو ان کی غلامی کی ذلت اور اذیت رسائی سے نجات دلائی۔ اور اس نے اہل حبش کو یمن سے جلا وطن کر دیا۔

یہ واقعہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دو سال بعد وقوع پذیر ہوا۔ عرب کے قبائل کے سرداروں اور شعراء کے کئی وفد سیف کو اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرنے کے لیے یمن حاضر ہوئے ان میں قریش مکہ کا بھی ایک وفد تھا جس میں عبدالمطلب بن ہاشم، امیہ بن عبدشمس، عبد اللہ بن جدعان وغیرہ اکابر قریش شامل تھے۔ یہ وفد صنعاء پہنچا معلوم ہوا کہ سیف غمدان نامی محل میں سکونت پذیر ہے۔ انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی انھیں باریابی کی اجازت ملی جب یہ سیف کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس کے دائیں بائیں مختلف ممالک کے بادشاہ، شہزادے اور رؤسا کا ایک جمگھٹا تھا عبدالمطلب اس کے قریب پہنچے اور گفتگو کرنے کا اذن طلب کیا۔

سیف نے کہا: اگر تمہیں بادشاہوں کے دربار میں لب کشائی کا سلیقہ آتا ہے تو ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا: اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے تجھے جلیل القدر مقام پر فائز کیا ہے تو حسب اور نسب کے اعتبار سے قابل رشک ہے، تو سارے عرب کا سردار ہے، تو اس کی وہ بہار ہے جس سے سارا عرب سرسبز و شاداب ہوتا ہے، تیرے بزرگ ہمارے لیے بہترین سلف تھے اور تو ان کا بہترین خلف ہے، جس کا جانشین تیرے جیسا ہو وہ فنا نہیں ہوگا اور جس کے آباء و اجداد تیرے آباء و اجداد کی طرح ہوں وہ کبھی گنہگار نہیں ہوتا۔ اے بادشاہ! ہم اللہ تعالیٰ کے حرم کے رہنے والے ہیں اور اس کے گھر کے خدام ہیں ہم تیری خدمت میں ہدیہ تہنیت پیش کرنے کے لیے آئے ہیں۔

سیف نے کہا: اے گفتگو کرنے والے! تم اپنا تعارف کراؤ۔

آپ نے کہا: میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ہوں۔

بادشاہ نے کہا: پھر تو تم ہمارے بھانجے ہو۔

آپ نے فرمایا: بے شک

بادشاہ نے کہا: مرحبا و اهلا و ناقہ و رحلا مستباحا سهلا و ملکا ربحلا۔

مرحبا اور خوش آمدید! تمہارے لیے یہاں اونٹنی بھی ہے اور کجاوہ بھی اور خیمہ زن ہونے کے لیے کشادہ میدان بھی اور ایسا بادشاہ جو عظیم الشان ہے اس کے جو دو عطا کی حد نہیں۔

میں نے تمہاری گفتگو سنی اور تمہاری قریبی رشتہ داری کو پہچانا ہے اور تمہارے وسیلے کو قبول کیا ہے جب تک تم یہاں اقامت گزریں رہو گے تمہاری ہر طرح عزت و تکریم کی جائے گی اور جب تم سفر کرو گے تو تمہیں انعامات سے نوازا جائے گا اب تم مہمان خانے میں تشریف لے جاؤ وہاں تمہاری ہر طرح مہمان نوازی کی جائے گی۔

وہ ایک مہینہ تک وہاں ٹھہرے نہ انھیں وہ واپس آنے کی اجازت دیتا اور نہ انھیں اپنی ملاقات کا موقع دیتا۔ پھر چونکہ اس نے ایک روز علیحدگی میں عبدالمطلب کو بلایا اور انھیں اپنی مخصوص محفل میں شرف باریابی بخشا۔

اور کہا: اے عبدالمطلب! میں اپنا ایک راز تمہارے سامنے افشا کرنا چاہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم اسے پوشیدہ رکھو گے یہاں تک اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے کی اجازت دے۔

ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس کو ہم سب سے مخفی رکھتے ہیں، ہم نے اسے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے کسی غیر کو اس پر آگاہ نہیں ہونے دیتے، اس میں آپ کے لیے ایک خصوصی فضیلت مرقوم ہے۔

عبدالمطلب نے کہا: اے بادشاہ! خدا تمہیں خوش رکھے اور نیکی کی توفیق دے، وہ کیا ہے؟

بادشاہ نے کہا: کہ جب تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہوگا وہ سارے عرب کا سردار اور اس کے ذریعہ سے تمہیں بھی سارے عرب کی قیادت نصیب ہوگی روز قیامت تک۔

عبدالمطلب نے کہا: اگر بادشاہ سلامت اجازت دیں تو میں درخواست کروں گا کہ وہ اس بشارت کی تفصیل بیان کریں تاکہ میری خوشی میں اضافہ ہو۔

سیف نے کہا: اس بچے کی پیدائش کا زمانہ آگیا ہے۔ یا وہ پیدا ہو چکا ہے اس کا نام نامی محمد ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان نشان ہے اس کے والد اور ماں فوت ہوں گے اور اس کا دادا اور چچا اس کی کفالت کرے گا اور وہ خداوند رحمن کی عبادت کرے گا اور شیطان کو ٹھکرا دے گا، آگ کو بجھا دے گا، بتوں کو توڑ دے گا، اس کی بات فیصلہ کن ہوگی، اس کا حکم سراپا انصاف ہوگا۔

عبدالمطلب نے کہا: اے بادشاہ! تیرا ہمسایہ ہمیشہ باعزت رہے اور تو ہمیشہ سعادت مند رہے تیری عمر لمبی ہو تیری حکومت ہمیشہ رہے کیا تو مزید وضاحت کی زحمت گوارا کرے گا۔

سیف بن یزن نے کہا: اس غلافوں والے گھر کی قسم، اے عبدالمطلب! تو اس کا دادا ہے اس میں ذرا جھوٹ نہیں۔

عبدالمطلب سجدے میں گر پڑے۔

بادشاہ نے کہا: سراٹھائیے تیرا سینہ ٹھنڈا ہو کیا تو نے اس چیز کو محسوس کیا ہے جس کا میں نے تیرے سامنے ذکر کیا۔

عبدالمطلب نے کہا: بے شک اے بادشاہ! بیشک میرا ایک بیٹا ہے جس پر میں فریفتہ تھا میں نے

اس کی شادی ایک عفت مآب خاتون سے کی جس کا نام آمنہ بنت وہب ہے اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا میں نے محمد نام رکھا اس کے باپ اور والدہ فوت ہو چکے ہیں۔ میں اور اس کا چچا اس کی کفالت کرتے ہیں اس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے اس میں تمام وہ علامتیں موجود ہیں جن کا تو نے ذکر کیا۔

سیف نے کہا: پھر اپنے اس بچے کی حفاظت کیا کرو اور یہود سے محتاط رہا کرو کیوں کہ وہ اس کے دشمن ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں کبھی اس پر غالب نہیں ہونے دے گا اور جو باتیں میں نے تمہارے ساتھ کی ہیں ان سے اپنے ساتھیوں کو مت آگاہ کرنا کیوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ حسد نہ کرنے لگیں اور اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ عنقریب اس کی بعثت سے قبل میں اس دار فانی سے رخصت ہو جاؤں گا تو میں اپنے گھڑ سوار دستوں اور پیدل سپاہیوں کے ساتھ یہاں سے ترک سکونت کر کے یثرب کو اپنا دار السلطنت بناتا، کیوں کہ میری کتاب میں یہ لکھا ہے کہ یثرب میں اس کا دین مستحکم ہوگا اور اسی شہر میں آپ کا مدفن ہوگا اور وہاں کے لوگ آپ کے انصار ہوں گے۔

اس کے بعد سیف بن ذی یزن نے قریش کے وفد کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ہر ایک کو سو سو اونٹ، دس دس غلام، دس دس کنیریں، دس رطل چاندی، دس رطل سونا، عنبر کا بھرا ہوا ایک ظرف دیا۔ لیکن عبدالمطلب کو ہر چیز دس دس گناہ زیادہ دی اور رخصت کرتے وقت کہا کہ آئندہ سال آنا اور مجھے اس مولود مسعود کے حالات سے آگاہ کرنا۔ لیکن سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی سیف بن ذی یزن وفات پا گیا۔

عبدالمطلب جب روانہ ہوئے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

اے گروہ قریش! بادشاہ نے تم سے دس گنا مجھے جو انعامات دیے ہیں تم اس پر رشک نہ کرنا کیوں کہ بہر حال یہ ساری چیزیں ختم ہونے والی ہیں لیکن اگر رشک کرنا ہے تو اس چیز پر کرو جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد اس کا اعلان کیا جائے گا۔

اس روایت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سیف بن ذی یزن جو یمن کا فرماں روا تھا اس کو بعثت محمدی کا پوری طرح علم تھا۔

ہرقل نے بعثت نبوی کا ستارہ دیکھا

ہرقل سلطنت رومہ کا شہنشاہ تھا خسرو پرویز نے حملہ کر کے اس کی مملکت کا بہت بڑا حصہ اس سے چھین لیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورہ روم کی ابتدائی آیتوں میں پیشین گوئی فرمائی کہ چند سال بعد حالات کا پانسہ پلٹ جائے گا اور آج کا شکست خوردہ روم کا بادشاہ کل خسرو و ایران کو شکست فاش دے کر اپنی ساری مملکت اس سے واپس لے لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہرقل کی شجاعت، اولوالعزمی کا سکہ سارے عالم پر بیٹھ گیا اور اس کی رعایا اس پر جان چھڑکنے لگی۔ انہی دنوں کا ذکر ہے جب کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابیاں حاصل کر چکا تھا اور اس کی سطوت کا ڈنکا ہر طرف بج رہا تھا۔

ابن ناطور بیان کرتا ہے کہ ایرانیوں پر فتح کامل حاصل کرنے کے بعد ایلیا آیا تا کہ وہ مقدس صلیب جو ایرانی چھین کر لے گئے تھے اور اس نے اپنے زور بازو سے اسے واپس لیا تھا اسے ایلیا میں لوٹا دے۔ ایک دن وہ صبح بیدار ہوا اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نمایاں تھے اس کے بعد اس کے ایک پادری نے کہا آج آپ کی طبیعت درست معلوم نہیں ہوتی۔ ہرقل نے کہا میں نے آج رات دیکھا ہے کہ وہ ستارہ طلوع ہو گیا جو اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اس قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے جس قوم کا شعار ختنہ کرانا ہے۔ اسی اثناء میں غسان کے بادشاہ کا قصد پہنچا اور اس نے ہرقل کو مطلع کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک صحابی اس کے نام حضور کا ایک گرامی نامہ لے کر آیا ہے۔ ہرقل نے کہا اس کا قصد کو لے جاؤ اور دیکھو یہ مختون ہے یا نہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ تو ختنہ شدہ ہے۔ ہرقل نے کہا بے شک اس امت کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے لیکن مزید تحقیق کے لیے اس نے ایک اور عالم کو روم کے شہر سے بلا بھیجا جو علم و فضل میں اس کا

ہم پہلے تھا ہرقل وہاں سے روانہ ہو کر حمص آ گیا اور اس عالم کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا خط آیا کہ واقعی یہ نبی ہیں۔

انہی دنوں میں اتفاقاً اہل مکہ کا ایک قافلہ وہاں آیا ہوا تھا ہرقل نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا تم میں کون آدمی رشتہ میں حضور سے زیادہ قریب ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں سب سے زیادہ قریب ہوں۔ پھر ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال و کوائف سے متعلق ایک مکالمہ ہوا جو بہت ہی مشہور ہے اور اس کتاب میں شاہان زمانہ کے نام مکتوب گرامی کے عنوان کے ضمن میں ان کی پوری گفتگو درج کی گئی ہے۔

ہرقل نے ابوسفیان کی پوری بات سننے کے بعد کہا: اگر تم یہ سچ کہتے ہو تو وہ اس جگہ کے بھی مالک بن جائیں گے جہاں میں نے اپنے دونوں قدم رکھے ہوئے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ ایسا نبی تشریف لانے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا اگر میں یہ جانتا کہ میں اس کے لیے مخلص ہو سکتا ہوں تو میں اس کی ملاقات کے لیے سفر کی زحمتیں برداشت کرتا اور اگر میں اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کر سکتا تو محض ان کی محبت اور ان کی قدر و منزلت کی خاطر ان کے پاؤں دھو کر پیتا۔ لیکن تخت و تاج کے لالچ نے ہرقل کو حق قبول کرنے سے محروم کر دیا جس کی حقانیت اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی۔

سلمان فارسی

آپ ایران کے مشہور شہر اصفہان کے رہنے والے تھے آپ کا والد اپنے شہر کا سردار تھا اور اسے اپنے بیٹے سلمان سے شدید محبت تھی یہاں تک کہ وہ انہیں ہر وقت اپنے گھر میں محبوس رکھتا تھا تا کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کا باپ اپنے دین مجوسیت کی آپ کو

تعلیم دیتا تھا یہاں تک کہ آپ کو اس فن میں کمال حاصل ہو گیا۔ ایک دن آپ کے باپ نے اپنی زمینوں کی خبر گیری کے لیے آپ کو اپنے ڈیرے پر بھیجا، راستہ میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا آپ اس کے پاس سے گزرے تو وہ اپنی عبادت میں مشغول تھے۔ یہ اندر چلے گئے ان عیسائیوں کی دعائیں اور طریقہ عبادت انہیں بہت پسند آیا وہ شام تک وہیں بیٹھے ان کو دیکھتے رہے اور ان کی دعاؤں اور تسبیحوں کو سنتے رہے ادھر باپ ان کی وجہ سے بہت پریشان تھا اس نے ان کی تلاش میں ادھر ادھر آدمی دوڑائے جب آپ باپ کے پاس آئے تو انہوں نے عیسائیوں کی عبادت کا تذکرہ کیا باپ نے اس اندیشہ سے کہ وہ اپنے آبائی دین کو چھوڑ نہ دے اس کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں۔ ایک قافلہ وہاں سے ملک شام کی طرف جا رہا تھا یہ کسی طریقہ سے اس قافلہ میں شامل ہو گئے جب شام پہنچے تو وہاں ایک کنیہ میں گئے کنیہ کے پادری کو اپنے حالات سے آگاہ کیا وہاں اس کی خدمت میں رہنا شروع کر دیا لیکن اس کے قول و عمل میں واضح تضاد دیکھا بڑے رنجیدہ خاطر ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور لوگ جب صدقہ کی رقم اس کو دیتے ہیں کہ وہ غریبوں میں تقسیم کر دے تو وہ انہیں پاس رکھ لیتا ہے جب وہ مر گیا تو سلمان نے لوگوں کو بتایا کہ تمہارے پادری کے یہ کرتوت تھے اور سو مٹکے جو سونے چاندی کے بھرے ہوئے تھے وہ تہہ خانہ سے نکال کر ان کے حوالے کر دیے۔ لوگوں نے اس پادری کو سولی پر چڑھایا اس پر سنگ باری کی پھر جا کر اسے دفن کیا اس کی جگہ ایک اور پادری مقرر ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس کے بارے میں سلمان کہتے تھے کہ میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو خشوع و خضوع سے پانچ نمازیں اس کی طرح ادا کرتا ہو، دنیا کی چاہت کا تو اس کے یہاں کوئی تصور تک نہ تھا۔ کچھ مدت کے بعد وہ شخص فوت ہو گیا اور سلمان کو وصیت کی کہ وہ موصل میں فلاں شخص کے پاس جائیں اور اس کا اتباع کریں۔ حضرت سلمان موصل پہنچے یہ شخص بھی بڑا زاہد و متقی تھا اور آپ اس سے بڑے متاثر ہوئے جب وہ مرنے لگا تو حضرت سلمان نے اس سے پوچھا کہ آپ تو اس

جہان فانی سے رخصت ہو رہے ہیں میں اب کس کی خدمت میں حاضری دوں۔ اس نے کہا نصیبین میں ایک شخص ہے جس کا وہی طریقہ ہے جو ہمارا طریقہ ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ۔ آپ موصل سے نصیبین پہنچے اور اس شخص کی خدمت میں رہنے لگے اس کی زندگی کی مہلت جب پوری ہو گئی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ اب میں کس کا قصد کروں اس نے کہا بخدا! صرف ایک شخص ہے جو ہمارے راستہ پر صدق دل سے گامزن ہے وہ عمور یہ میں رہتا ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ وہ تمہاری صحیح طور پر رہنمائی کریں گے۔

سلمان نصیبین سے عمور یہ پہنچے اور اس نیک خصلت شخص کی خدمت میں زندگی بسر کرنے لگے اس شخص کی زندگی نے بھی وفانہ کی اس نے بھی جب اس دار فانی سے رخت سفر باندھا آپ نے اس سے پوچھا اب آپ بتائیے اب میں کدھر کا رخ کروں اس نے کہا: بخدا! میری نظر میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس کے پاس جانے کا میں تمہیں حکم دوں۔

لیکن اب اس نبی کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے جو ابراہیم کے دین کو دوبارہ زندہ کریں گے اور ان کی ہجرت گاہ نخلستان میں ہے جو دو جلع ہوئے میدانوں کے درمیان ہے اگر تو وہاں پہنچ سکتا ہے تو وہاں پہنچ۔ اور اس نبی منتظر کی چند نشانیاں ہیں کہ

وہ صدقہ نہیں کھاتا۔

لیکن ہدیہ کھاتا ہے۔

اور اس کے دونوں کندھوں میں اپنی نبوت کا نشان ہے۔

جب تم دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ سلمان کہتے ہیں کہ جب ہم نے اس شخص کو دفن کر دیا تو بنی کلب کے تاجروں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا میں نے ان کے وطن کے بارے میں پوچھا انہوں نے بتایا کہ ہم فلاں جگہ کے رہنے والے ہیں میں نے انہیں کہا اگر تم مجھے اپنی سر زمین میں پہنچا دو تو میری یہ گائیں اور

بکریاں اس کے عوض میں تمہیں دے دوں گا وہ اس پر راضی ہو گئے وہ انہیں لے کر وادی القریٰ پہنچے لیکن انہوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا کہ مجھے اپنا غلام بنا کر وادی قریٰ کے یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بخدا وہاں میں نے نخلستان دیکھا اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ وہی علاقہ ہے جس کے بارے میں اس راہب نے مجھے بتایا تھا۔

کچھ عرصہ بعد اس یہودی نے مدینہ طیبہ کے ایک یہودی کے ہاتھ مجھے فروخت کر دیا وہ مجھے لے کر مدینہ طیبہ آیا جوں ہی میں نے اس شہر کو دیکھا میں نے اس کو پہچان لیا اور میں اپنے مالک کا غلام بن کر وہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگا مجھے معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اپنی مرضی سے وہاں جا نہیں سکتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول مکہ سے ہجرت کر کے قبا میں تشریف فرما ہوا۔

ایک روز میں اپنے مالک کے نخلستان میں کھجور کے درختوں کی خدمت میں مصروف تھا کہ میرے مالک کا چچا زاد بھائی آیا اور کہنے لگا اوس اور خزرج کا ستیاناس ہو۔ یہ لوگ اس مسافر کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے ترک وطن کر کے قبا میں پہنچا ہے اور اس کے بارے میں وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نبی ہے۔ میں نے سب یہ بات سنی تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میں کھجور کے ایک درخت پر چڑھا ہوا تھا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنے مالک کے اوپر نہ جاگروں اس لیے میں اتر آیا اور میں نے پوچھا کہ تم کیا بات کر رہے تھے میرے مالک نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ایک زوردار مکار سید کیا اور غصہ سے کہا تجھے اس بات سے کیا واسطہ تم اپنا کام کرو میں نے کہا میرا اس خبر سے کوئی واسطہ نہیں لیکن میں نے ایک بات سنی میں نے چاہا کہ اس بارے میں مدد یق کر لوں۔

جب شام ہوئی میرے پاس کھانے کی کوئی چیز تھی میں قبا میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نیک شخص ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے ساتھی

بھی ہیں اور آپ مسافر ہیں میرے پاس صدقہ کا کچھ طعام ہے میں سمجھتا ہوں آپ لوگ سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں لیجیے اسے تناول فرمائیے۔ سلمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک تو اس صدقہ کے طعام سے روک لیا اور اپنے ساتھیوں کو فرمایا کھاؤ اور خود نہ کھایا میں نے اپنے دل میں کہا آپ کے بارے میں جو نشانیاں بتائی گئی تھیں ان میں سے ایک نشانی پوری ہوگئی کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے۔

کچھ روز بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے چند روز بعد کوئی چیز لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا میں نے دیکھا ہے کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے یہ چیز بطور ہدیہ میں لے آیا ہوں یہ صدقہ نہیں ہے۔ سلمان کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ نے اسے تناول فرمایا میں نے دل میں کہا وہ نشانیاں پوری ہو گئیں۔

دن گزرتے گئے، سلمان ایک غلام کی زندگی بسر کرتے رہے اور تجسس میں رہے کہ ان کے راہب نے اس نبی کے بارے میں جو نشانیاں انھیں بتائی تھیں کیا حضور کی ذات والا صفات میں یہ نشانیاں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں۔

ایک دن میں حضور کے پاس آیا آپ اپنے ایک نیاز مند کے جنازہ کے سلسلہ میں بقیع شریف میں تشریف فرما تھے میں پیچھے مڑا تا کہ میں پشت مبارک پر ختم نبوت کا مشاہدہ کروں۔ جب حضور نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے سے گھوم کر آیا ہوں تو حضور نے اپنی پشت مبارک پر پڑی ہوئی چادر اٹھالی۔ حضور کے دونوں کندھوں کے درمیان ختم نبوت کو میں نے دیکھ لیا جس طرح میرے راہب نے مجھے بتایا تھا۔ تو میں جذبات سے بے قابو ہو کر گر پڑا میں ڈارنگلی میں حضور کو بوسے دے رہا تھا اور رو رہا تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ آگے آؤ میں اٹھ کر حضور کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنی ساری داستان حضور کی خدمت میں پیش کی۔ یہ واقعہ حضرت سلمان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بیان کرنے

کے بعد گزارش کی اے ابن عباس! جس طرح میں نے آپ کو ساری داستان سنائی ہے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق میں نے حضور کے صحابہ کو بھی بالنتفصیل اپنی کہانی سنائی تھی۔

میں غلام تھا اور اپنے آقا کی خدمت گزاری میں دن رات مشغول رہتا تھا اس لیے بدر اور احد کے غزوات میں میں شرکت کی سعادت سے محروم رہا۔ ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے سلمان! اپنے مالک کے ساتھ مکاتبت کرو پس میں نے اپنے مالک کے ساتھ اس شرط پر مکاتبت کی کہ میں اسے کھجور کے تین سو پودے لگا کر اور ہرے کر کے دوں گا ان کے علاوہ چالیس اوقیہ چاندی پیش کروں گا جب میں نے اس کی اطلاع سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی تو حضور نے اپنے صحابہ کو حکم دیا اعیسوا اخاکم اپنے بھائی کی مدد کرو، انہوں نے میری مدد کی کسی نے کھجور کے تین پودے کسی نے بیس کسی نے پندرہ اور کسی نے دس دیے یہاں تک کہ تین سو پودے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان جاؤ ان پودوں کے لیے گڑھے کھودو اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آؤ، میں خود ان پودوں کو اپنے ہاتھ سے لگا دوں گا میں نے جا کر تین سو گڑھے کھودے جس میں میرے دینی بھائیوں نے بھی میرا ہاتھ بٹایا، پھر میں نے حاضر ہو کر عرض کی۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے ہمراہ لے کر اس جگہ کی طرف گئے ہم وہ پودے اٹھا کر حضور کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے ان گڑھوں میں لگاتے جاتے تھے۔ سلمان کہتے ہیں۔

و الذی نفس سلمان بیدہ ما ماتت منها و دية واحدة.

مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں سلمان کی جان ہے کہ ان میں سے ایک پودا بھی نہیں مرا سب کے سب ہرے ہو گئے۔

لیکن ابھی چالیس اوقیہ کی ادائیگی میرے ذمہ تھی ایک روز مرغی کے انڈے کے برابر سونا کسی کان

سے بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا حضور نے دریافت کیا اس فارسی مکاتب کا کیا بنا میں حاضر ہوا حضور نے وہ سونے کا انڈا مجھے دیا اور فرمایا کہ جو بقیہ زر مکاتب تیرے ذمہ ہے وہ اس سے ادا کر دو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کثیر زر مکاتب ایک بیضہ زر سے کیوں کر ادا ہوگا تو قاسم خزائن الہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خذھا فان اللہ سیودی بہا عنک .

اسے لے لو یہ قلیل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اسی سے سارا زر مکاتب ادا کر دے گا۔

میں اس سونا کو لے کر اپنے مالک کے پاس گیا اور اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں سلمان کی جان ہے اسی سونا سے چالیس اوقیہ میں نے وزن کر کے انھیں ادا کر دیئے اور یوں میں نے اس یہودی کی غلامی سے نجات پائی، اب میں آزاد تھا ہر وقت حضور کی خدمت میں رہتا، پہلی جنگ غزوہ خندق تھی جس میں ایک آزاد مومن کی حیثیت سے میں نے شرکت کی اور اس کے بعد کوئی جہاد ایسا نہیں ہوا جس میں میں نے شمولیت نہ کی ہو۔

(سیرت الرسول)



توریت وانجیل وغیرہ سے بشارتیں

انبیاء سے کروں عرض کیوں مالکو
کیا نبی ہے تمہارا، ہمارا نبی

(النزول بنسوة الرسول النبي اللامى (النزى) بعدونه منسوباً عندهم فى (النور) و (الانجيل).
 وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس
 توریت اور انجیل میں۔ (الاعراف، ۱۵۷/ کنز الایمان)

توریت و انجیل وغیرہ سے بشارتیں

قرآن کریم کی اس خبر کے بعد کہ ان کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال شریف اور آپ کی صفتیں موجود ہیں۔ اس مدعا کے ثبوت میں کسی مزید دلیل کی حاجت نہیں رہتی لیکن ان دشمنان خدا کافروں کی الزام تراشیوں سے بچنے کے لیے ان کا لانا ضروری ہے، اور اس سے مسلمانوں میں اطمینان کی زیادتی اور نورانیت و یقین پیدا ہوگا۔ لیکن توریت میں حذف و تحریف، تغیر و تبدل، اور ان خیانتوں کے بعد بھی جو ان بد بختوں نے اس امانت کی ادائیگی میں کی ہے موجود ہے کہ حق تعالیٰ نے سینا سے تجلی فرمائی اور ساعیر سے ظاہر ہوا اور فاران سے آشکارا ہوا۔

سینا اس پہاڑی کو کہتے ہیں جس کو طور سینا اور طور سینین کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس پر تجلی فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور اس پر ان کی نبوت ظاہر ہوئی۔ ساعیر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی۔ فاران، عبرانی نام ہے اور مکہ مکرمہ میں بنی ہاشم کی ان پہاڑیوں کو کہتے ہیں جن میں سے ایک پہاڑ پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اظہار نبوت سے قبل عبادت فرماتے تھے۔ اور اسی پہاڑی پر سب سے پہلے خدا کی وحی نازل ہوئی۔ یہ تین پہاڑ ہیں۔

ایک جبل ابوقیس ہے جس کے نیچے مکہ مکرمہ کی آبادی ہے۔

اس کے مقابل جبل قعیقان بطن وادی تک ہے۔

اور اس کے مشرق جانب جبل قعیقان کے متصل شعب بنی ہاشم ہے اور اسی شعب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے ولادت ہے۔

طور سینا پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توریت نازل ہوئی۔

جبل ساعیر پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر انجیل نازل ہوئی۔

فاران کی چوٹی سے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔

نیز توریت میں یہ بھی موجود ہے کہ حق تعالیٰ نے توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ”سفر

فامس“ میں یہ خطاب فرمایا کہ

تمہارا رب بنی اسرائیل کے لیے تمہارے برادروں میں سے نبی پیدا کر کے مبعوث فرمائے گا اور

اس کے منہ میں اپنا کلام رکھے گا پھر وہ ان کے لیے وہی فرمائے گا جن کا میں حکم دوں گا اور جو کوئی ان کے

ارشاد کی اطاعت و تعمیل نہ کرے گا میں اسے سزا دوں گا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت پر

توریت کا یہ کلام واضح دلیل ہے۔

انجیل میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت ہونے کے سلسلے میں ابن طفریل نے بیان

کیا ہے کہ یوحنا جو حضرت عیسیٰ کا حواری تھا وہ اپنی انجیل میں حضرت مسیح کے حوالہ سے بتاتا ہے کہ انہوں نے

فرمایا۔

میں اپنے باپ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہیں دوسرا ”فارقلیط“ عنایت فرمائے جو تمہارے

ساتھ تا ابد ثابت و قائم رہے وہ روح حق ہے اور وہ تمہیں ہر چیز سکھائے گا اور فرمایا بیٹا جانے والا ہے (اس

سے کنایہ اپنی ذات مراد لی ہے) کیوں کہ اب اس کے بعد فارقلیط آنے والا ہے جو تمہارے بھیدوں کو زندہ

کر کے ہر چیز کو بدل دے گا اور وہ میری گواہی دیں گے جیسا کہ میں ان کی گواہی دے رہا ہوں۔ میں

تمہارے لیے امثال لایا ہوں اور وہ اس کی تاویل و تشریح لائے گا (اس تاویل سے مراد قرآن ہے جو کہ محتمل

تاویلات اور معانی کثیرہ کا حامل ہے بخلاف دیگر آسمانی کتابوں کے) اور دوسرا فارقلیط ایسا ہوگا جسے

سارے جہاں میں کوئی بھی توڑنے کی طاقت نہ رکھے گا۔ اگر تم میری دعوت مانتے ہو اور مجھ سے محبت رکھتے

ہو تو میری اس وصیت کو یاد رکھنا میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہیں فارقلیط عنایت فرمائے جو آخر زمانہ تک تمہارے ساتھ رہے۔

اس عبارت میں اس بات کی وضاحت و صراحت ہے کہ حق تعالیٰ ان کی طرف کسی ایسے کو بھیجے گا جو حق تعالیٰ کی رسالت و تبلیغ میں اور خلق کی سیاست اس کے مقام میں قائم فرمائے گا اور اسکی شریعت باقی اور جب تک زمانہ قائم ہے رہے گی، یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں آیا حضور ہی نوید عیسیٰ ہیں۔

فارقلیط کے معنی حامد یعنی حمد کرنے والے کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فارقلیط کا معنی مخلص ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول کہ باپ فارقلیط کو میرے نام سے بھیجے گا اس میں سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت و صداقت پر شہادت موجود ہے اور وہ آیات قرآنیہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدح و تعریف اور اس پاکی و تزیہہ کے سلسلے میں قرآن میں مذکور ہیں جن کے لیے بنی اسرائیل افتراء کرتے تھے ان کی طرف اشارہ ہے۔

انجیل کے ایک اور ترجمہ میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ

فارقلیط نہیں آئے گا جب تک میں نہ جاؤں گا اور جب فارقلیط آئے گا تو جہاں کو غلطی و خطا پر سرزنش و توبیح کرے گا اور وہ اپنے پاس سے کوئی بات نہیں فرمائے گا وہی فرمائے گا جو خدا سے سنے گا اور حق و صداقت کے ساتھ لوگوں کی سیاست فرمائے گا اور حوادث کی ان کو خبر دے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ وہی بات کرے گا جو کچھ خدا سے سنے گا کیوں کہ حق تعالیٰ نے اسے بھیجا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

و ما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى .

یعنی وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے وہی فرماتے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا۔

فارقلیط میری بزرگی و عظمت بیان کرے گا اور میری نشانیوں کو معظم جانے گا۔ اور یہ حقیقت واقعہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جتنی عظمت و بزرگی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کسی نے بھی ایسی بیان نہ کی۔ حضور نے ان کے وصف رسالت کو بیان فرمایا اور ان کو ان چیزوں سے پاک و منزه بتایا جن کو ان کی امت نے ان کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔

یہ تمام صفات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہیں۔ وہ کون ہے جس نے بنی اسرائیل کے علماء کو حق چھپانے، اپنی جگہ سے کلمات ربانی کی تحریف کرنے اور تھوڑے داموں پر دین کو فروخت کرنے پر توبیخ فرمائی؟ وہ کہن ہے جس نے حوادث کی اور غیبی حالات کی خبریں دی ہیں۔ بجز سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے۔

انجیل میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرو اور ان پر ایمان لاؤ اور اپنی امت سے فرمادو کہ ہر وہ شخص جو آپ کا زمانہ پائے وہ آپ پر ایمان لائے۔ اے فرزند بتول! تم جان لو کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم، جنت و دوزخ کسی کو بھی پیدا نہ فرماتا۔ اور جب میں نے عرش کو عالم وجود میں لایا تو وہ کانپتا تھا اسے قرار نہ تھا پھر میں نے عرش پر لکھا۔

لا اله الا الله محمد رسول الله .

تو وہ ساکن ہو گیا۔

مواہب لدنیہ میں بیہقی سے بروایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما منقول ہے کہ جب جاوود نصرانی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا تو اس نے کہا کہ، اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا بلاشبہ میں نے انجیل میں آپ کا وصف پڑھا ہے اور فرزند بتول نے آپ کی بشارت دی ہے۔

زبور کی بشارتیں

زبور کے چوالیسویں باب میں حق تعالیٰ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

فاضت النعمة من شفتیک .

آپ کے دونوں ہونٹوں سے دنیا و آخرت کی نعمتیں فائض ہیں۔

من اجل هذا بارک اللہ لک الی الابد .

اس کے لیے حق تعالیٰ نے آپ کو ابد تک برکت دی۔

تقلد ایہا الجبار السیف .

یعنی اے بزرگ اپنی شمشیر کو گردن میں جمائل کرو، شکستہ بندوں کے کام سنوارو۔

فان شریعتک و سنتک مقرونة بهیة یمینک .

یعنی بلاشبہ آپ کی شریعت و حکمت اور آپ کی سنت آپ کے داہنے ہاتھ کی بزرگی کے ساتھ

پیوست ہیں۔

و سهمک مضمونة .

اور آپ کے تیر تیز کیے ہوئے ہیں۔

و جميع الامم يخرون تحتك .

اور اری امتیں آپ کے تحت سرنگوں اور خمیدہ ہیں۔

اس فرمان سے مراد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور وہ نعمت جو آپ کے دونوں لب ہائے شیریں سے رواں ہے وہ کلام ہے جو آپ فرماتے ہیں اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور سنت سے وہ عمل مراد ہے جسے آپ نے کیا ہے۔ اور گردن میں اپنی تلوار کا حائل کرنا، یہ قول دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی آخر الزماں عربی ہیں کیوں کہ عرب کے ماسوا کسی امت میں تلوار گردن میں حائل نہیں کی جاتی۔ گردن میں تلوار کا حائل کرنا اہل عرب سے مخصوص ہے اور یہ کہ آپ کی شریعت اور آپ کی سنت آپ کے داہنے ہاتھ کی بزرگی کے ساتھ پیوست ہے۔ یہ نص صریح ہے کہ آپ صاحب شریعت و سنت ہیں۔ تو وہ نبی اپنی تلوار کے ساتھ مبعوث ہوتا ہے اور لوگوں کو تلوار سے درست کر کے حق پر مستحکم کرتا ہے اور ان کو تلوار کے زور سے کفر سے نکالتا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نیز زبور میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں تضرع و زاری کے ساتھ مناجات کی کہ اے رب! سنت کے ظاہر کرنے والے کو بھیج تا کہ لوگ جان لیں کہ مسیح بشر ہیں۔

یہ خبریں حضرت مسیح اور حضور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ان کے حال کے اظہار میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے خدا! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھیج تا کہ لوگوں کو معلوم کرائیں اور وہ پڑھیں کہ حضرت مسیح بشر ہیں، الہ یعنی خدا نہیں گویا حضرت داؤد علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ لوگ حضرت مسیح کے بارے میں دعوائے الوہیت کریں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر و بیان کے سلسلے میں مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس نبی آخر الزماں کو راستی و درستی اور کردار و گفتار میں برگزیدہ فرمایا اور انھیں اور ان کی امت کو بزرگی و کرامت عطا فرمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فیروز مندی عطا فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی امت کو ایسی کرامت مرحمت فرمائی ہے کہ وہ خواہ گاہوں میں خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور بلند آوازوں سے تکبیر کہتے ہیں ان کے ہاتھوں میں تیز تلوار ہیں تاکہ وہ خدا کی طرف سے ان لوگوں سے بدلہ لیں جو خدا کی عبادت نہیں کرتے اور اس زمانہ کے بادشاہوں کو مقید کرتے اور ان کے عزت داروں کے گلے میں طوق ڈالتے ہیں۔

ایک مزبور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صیہون (مکہ مکرمہ) سے تاج مرصع محمود کا ظاہر ہونا مقرر فرمایا ہے تاج سے مراد عطا کردہ ریاست و امامت اور محمود سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

ایک اور مزبور میں ہے کہ وہ مالک ہوگا اور جو دو سخا کرے گا دریا سے دریا تک اور نہروں سے زمین کے آخری کنارے تک اور ان کے روبرو اپنے زانوؤں پر اہل جزائر بیٹھیں گے ان کے سب دشمن مٹی کو اپنی زبان سے چائیں گے۔ سلاطین زمانہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اور سر کو زمین پر رکھتے ہوئے حاضر ہوں گے اور ان کی امت کی فرماں برداری پر وہ عجز و انکساری کریں گے۔ اور گردن جھکانے سے انھیں نجات دے گا وہ نبی غمزدہ اور ستم رسیدہ لوگوں کو اس شخص سے جو اس سے بہت زیادہ قوی ہوگا ربانی عطا فرمائے گا اور ہر کمزور و ناتواں کو جس کا کوئی مددگار نہ ہو وہ مدد فرمائے گا اور ضعفا و مساکین پر مہربانی کرے گا اور ان پر ہر وقت درود بھیجا جاتا رہے گا اور ان کے لیے ہر وقت دعائیں کی جاتی رہیں گی اور ابد الابد تک ہمیشہ ہمیشہ ان کے ذکر کا چرچا رہے گا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

صحائف انبیاء میں ذکر جمیل

جس طرح کتب ثلاثہ یعنی توریت انجیل اور زبور میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف

مذکور ہیں اسی طرح ہر نبی کے صحیفوں میں بھی آپ کے اوصاف مذکور و مسطور ہیں۔ یہاں تک کہ ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام کے صحیفے میں بھی نقل کیے گئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ۔

میں مکہ کا خداوند ہوں اس کے رہنے والے میرے ہمسایہ ہیں اور خانہ کعبہ کی زیارت کرنے والے اور وہاں تک پہنچنے والے میرے مہمان ہیں اور وہ میری عنایت و حمایت کی پناہ اور سایہ میں ہیں اور میری حفاظت و رعایت میں ہیں اور زمین و آسمان والوں سے اسے معمور کروں گا اور جوق در جوق جماعتیں بکھرے ہوئے اور گرد آلود بالوں سے لبیک پکارتے، تکبیر بلند آواز سے کرتے، آنکھوں سے آنسو بہاتے آئیں گے اور جو بھی اس خانہ کعبہ کی زیارت کو آئے گا اس کا مقصود بیت اللہ کی زیارت اور میری خوشنودی و رضا کے سوا کچھ نہ ہوگا کیوں کہ میں ہی صاحب خانہ ہوں گویا کہ ایسا ہوگا کہ اس نے میری ہی زیارت کی وہ میرا مہمان ہوگا۔ اور میرے کرم کے لائق و مستحق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کی تکریم کروں گا اور محروم نہ چھوڑوں گا اور اس خانہ کعبہ کا انتظام تیرے فرزندوں میں سے اس نبی کے سپرد کروں گا جسے ابراہیم کہیں گے۔ اس کے ذریعہ خانہ کعبہ کی بنیادوں کو اونچا کراؤں گا اور اس کے ہاتھ سے اسے تعمیر کراؤں گا اور اس کے لیے زم زم کا چشمہ نکالوں گا اور اس کے حل و حرم کو اس کی میراث میں دوں گا اور اس کے مشاعر کو اس کے ہاتھ سے آشکارا کروں گا (مشاعر سے مراد شعر الحرام اور نشانات ہیں) پھر حضرت ابراہیم کے بعد ہر زمانہ میں لوگ اسے آباد رکھیں گے اور اس کی طرف قصد و ارادہ رکھیں گے یہاں تک کہ نوبت بہ نوبت تیرے فرزندوں میں سے اس نبی تک پہنچے گی جسے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہیں گے وہ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے ہوں گے۔ اور اس نبی کو میں اس کے گھر کے رہنے والوں، معظموں، متولیوں اور حاجیوں میں بزرگ تر بناؤں گا جو بھی میرا متلاشی اور میرا چاہنے والا ہو اسے لازم ہے کہ وہ اس جماعت کے ساتھ ہو جن کے بال بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں جو خدا کے حضور اپنی منتوں اور نذروں کو پورا کرتے ہیں۔

صحیفہ ابراہیم میں ذکر جمیل

حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ وسلامہ کے صحیفہ میں ہے کہ

اے ابراہیم! میں نے تمہاری دعا تمہارے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں قبول فرمائی ہے میں نے ان پر اور ان کی اولاد پر برکتیں جاری فرمائیں اور ان میں سے ایک ایسا فرزند عالم وجود میں لاؤں گا جو معظم و مکرم ہوگا جن کا اسم گرامی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوگا وہ میرے برگزیدہ اور مبعوث شدہ ہوں گے اور ان کی امت بہترین امت ہوگی۔

کتاب حقوق میں ذکر جمیل:

حضرت حقوق ایک نبی تھے جو حضرت دانیال نبی کے ہم زمانہ تھے ان کی کتاب میں مذکور ہے۔

جاء اللہ من التیمن و التقدیس من جبال فاران و امتلات الارض من تحمید

احمد و تقدیسہ و ملک الارض و رقاب الامم .

اللہ تعالیٰ نے برکت و پاکی کے ساتھ فاران کے پہاڑ پر جلوہ فرمایا اور زمین کو احمد کی مدحت و ثنا اور

اس کی تقدیس سے بھر دیا جو کہ زمین اور امتوں کی گردنوں کا مالک ہے۔

اور یہ بھی آیا ہے کہ

لقد انکشفت السماء من بهاء محمد و امتلات الارض من حمدہ .

بلاشبہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیوں سے آسمان مجلّیٰ ہوا اور زمین اس کی مدحت سے لبریز

ہوگئی۔

اور یہ بھی آیا ہے کہ

بعضی بنورہ الارض و یحمله خیلہ فی البحر

ان کے نور سے زمین روشن ہوگی اور ان کے گھوڑے سمندر میں دوڑیں گے۔

اور حضرت حقوق علیہ السلام کے کلام میں یہ بھی ہے۔

ستزع فی فیک اغراقا و ترتوی السہام بامرک یا محمد ارتواء .

بہت جلد آپ کی کمان میں سخت تیر کھینچے جائیں گے اور خوب سیراب ہوں گے تیر آپ کے حکم

۔۔

یہ عبارت حکم میں مبالغہ اور کام کے انجام کی انتہاء تک پہنچنے کی طرف کنایہ ہے اور اس طرف اشارہ

ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں دین و ملت کے کام کمال و اتمام تک پہنچیں گے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے

فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الآیۃ .

یعنی میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام فرمادیں۔

حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے کتب قدیمہ میں پڑھا ہے کہ اللہ

تعالیٰ بہ قسم ارشاد فرماتا ہے۔

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں عرب کے پہاڑوں پر اپنے نور کو نازل فرماؤں گا جس سے

مشرق و مغرب کا درمیان نور سے پر نور ہو جائے گا اور اولاد اسماعیل میں سے ایک نبی عربی و امی پیدا کروں گا

جس پر آسمان کے ستاروں کی گنتی اور زمین پر جتنی روئیدگی ہے ان کے برابر لوگ ایمان لائیں گے اور میری

ربوبیت اور اس کی رسالت پر سب ایمان لائیں گے اور اپنے باپ دادا کی ملتوں سے نفرت کرتے ہوئے

نکلیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی اے خدا پاکی ہے تجھے اور تیرے اسماء پاک ہیں بلا شبہ تو نے اس نبی آخر الزماں کو بڑی ہی عزت و شرافت سے نوازا ہے۔ فرمان باری آیا، میں دنیا و آخرت میں اس کے دشمنوں سے انتقام و بدلہ لوں گا اور تمام دعوتوں پر ان کی دعوت کو ظاہر و غالب کروں گا جو ان کی شریعت کی مخالفت کرے گا میں اسے ذلیل و خوار کروں گا۔ وہ شریعت ایسی ہے جسے عدل سے آراستہ کیا ہے اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے ہی اس شریعت کو لاؤں گا۔ قسم ہے مجھے اپنی عزت کی میں تمام امتوں کو ان کے ویسے سے آتش دوزخ سے نجات دوں گا اور دنیا کا آغاز میں نے آدم سے کیا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اسے ختم کروں گا اب جو کوئی ان کا زمانہ پائے اور ان پر ایمان نہ لائے اور ان کی شریعت کی پیروی نہ کرے تو اس سے خدا بیزار ہے۔

صحیفہ شعیا میں ذکر جمیل

حضرت شعیا علیہ السلام کے صحیفوں میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اس طرح مذکور ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے، وہ بندہ میرا محبوب ہے کہ میں اس سے خوش ہوتا ہوں وہ میرا مختار ہے کہ وہ مجھ سے خوش ہوتا ہے، میں اس پر اپنی روح کا اضافہ کرتا ہوں۔ اور فرمایا۔ میں اپنی وحی اس پر نازل کرتا ہوں تو امتوں پر اس کا عدل ظاہر ہوتا ہے وہ ایسا بندہ ہے جو قہقہہ نہیں لگاتا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنی جاتی ہے۔ وہ بندہ اندھی آنکھوں کو بینائی بخشتا، بہرے کا نواں کو کھولتا اور مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ میں اس کو وہ دوں گا جو میں نے کسی کو نہیں دیا۔ وہ بندہ احمد ہے کہ وہ اپنے رب کی تازہ حمد بجالاتا ہے کوئی اسے کمزور نہ کر سکے گا اور نہ اسے مغلوب بنا سکے گا۔ وہ اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا اور وہ نیکوکار، صلحاء جو کلک کی مانند کمزور

و ناتواں ہیں ان کو وہ ذلیل و خوار نہیں جانتا۔ وہ صدیقوں کو قوی بناتا ہے۔ وہ تواضع و انکساری کرنے والوں کا رکن ہے وہ خدا کا نور ہے جسے ہرگز کوئی نہ بجھا سکے گا اس کے ذریعہ میری حجت ثابت و برقرار ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ عذر منقطع ہوتا ہے اور اس کی توریت یعنی تلاوت قرآن سے جن و انس طاعت گزار بنتے ہیں۔ (اس جگہ توریت سے مراد اس کتاب کی تلاوت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کی قائم مقام ہے۔ یعنی قرآن پاک)

نیز حضرت شعیا علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں وہ خدا ہوں جس نے تمہیں حق کے ساتھ عظیم و قوی بنایا اور تمہیں ایسا نور بنایا جس سے تم امتوں کی اندھی آنکھوں کو بصارت عطا کرو گے اور تم ایسی دلیل ہو جس سے تم نفس و ہوا کے قیدیوں کو تارکیوں سے نور کی طرف لے جاؤ گے۔

نیز حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا :

اے شعیا! اٹھ اور دیکھ اور جو کچھ نظر آئے اس کی لوگوں کو خبر دے تو میں اٹھا اور دیکھا کہ دو سوار سامنے سے آرہے ہیں۔ ایک گدھے پر سوار ہے اور دوسرا اونٹ پر ایک سوار دوسرے سے کہتا ہے گرا دو بابل کو اور ان بتوں کو جو انہوں نے تراش رکھے ہیں۔

ابن قتیبہ جو کہ علماء امت میں سے ہیں اور کتب سماوی کے زبردست عالم اور محقق ہیں فرماتے ہیں

کہ۔

گدھے پر سوار ہونے والے حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام مراد ہیں جس پر تمام نصاریٰ کا اتفاق ہے تو لامحالہ اونٹ پر سوار شخص، حضور سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ بابل کا سقوط اور وہاں کے بتوں کی شکستگی آپ ہی کے دست مبارک سے ہوئی ہے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے

ہاتھ سے۔ کیوں کہ اقلیم بابل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہمیشہ ہی وہاں کے بادشاہ بتوں کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹ پر سواری اور حضرت مسیح علیہ السلام کی گدھے پر سواری بہت زیادہ مشہور ہے۔

اور حضرت شعیا علیہ السلام کی کتاب میں مذکور ہے کہ

آل قیدار کے محلات سے جنگلوں اور شہروں کو بھر دیں گے وہ تسبیح کریں گے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اذان دیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو حق سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت و بزرگی بیان کریں گے اور بحر و براہر خشکی و تری میں خدا کی پاکی اور اس کی تسبیح کو پھیلا دیں گے اور زمین کے آخری کنارہ سے غلغلہ تکبیر بلند کرتے تیزی کے ساتھ آئیں گے اور اپنے پاؤں کو ماریں گے۔ جس طرح گل کاری کرنے والا مٹی کو پاؤں سے گوندھتا اور کوٹتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ محبت کے ساتھ آئیں گے اور ان کا تیزی کے ساتھ آنا، حج کے لیے سرعت آنا، آواز بلند کرنا، تلبیہ یعنی لبیک کہتے ہوئے آنا اور طواف میں رمل یعنی اکڑ کر چلنا مراد ہے۔

ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ آل قیدار سے مراد اہل عرب ہیں اس لیے کہ حضرت اسماعیل کے بیٹے کا نام قیدار ہے۔

ابن قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعیا کی کتاب میں مکہ مکرمہ، خانہ کعبہ، اور حجر اسود کا بھی ذکر ہے کہ وہ حجر اسود کا استیلام یعنی بوسہ دیں گے۔

حضرت شعیا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آگاہ رہو میں صیہون یعنی مکہ مکرمہ میں اپنا گھر (بیت اللہ) بنانے والا ہوں جس کے گوشہ میں حجر اسود ہے اور اسے عظمت و کرامت دی گئی ہے۔ اے بوسہ دیا جائے گا۔

اور حق تعالیٰ نے مکہ سے ارشاد فرمایا اے عاقر (یعنی بانجھ) تو خوش ہو اور تسبیح کے ساتھ گویائی کر کہ تیرے اہل (یعنی ماننے والے) میرے اہل سے زیادہ ہوں گے۔

اپنے اہل سے مراد، اہل بیت مقدس، بنی اسرائیل لیا ہوگا اور مکہ کے حج و عمرہ کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔ اور یہ کہ حق تعالیٰ نے مکہ کو عاقر یعنی بانجھ سے تشبیہ دی ہے بایں وجہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے اس میں کوئی آباد نہ تھا اور نہ وہاں کوئی کتاب ہی نازل ہوئی۔ بخلاف بیت المقدس کے کہ وہاں بکثرت انبیاء علیہم السلام ہوئے اور وہ مہبط وحی رہا۔

نیز کتاب شعیا میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مکہ سے فرمایا قسم ہے مجھے اپنی ذات کی جیسا کہ مجھے قسم تھی حضرت نوح کے زمانہ میں کہ میں نے اہل زمین کو طوفان سے غرق کیا۔ اسی طرح مجھے اب تیرے لیے اپنی ذات کی قسم ہے کہ میں تجھ سے کبھی ناراض نہ ہوں گا اور نہ کبھی تجھے چھوڑوں گا جب تک کہ تمام پہاڑ اپنی جگہ سے نہ جائیں اور اس کے قلعے پست نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک میں اپنی نعمتیں تجھ سے زائل نہ کروں گا۔ اے مسکینہ تو آگاہ رہ کہ میں تیری بنیادوں کو پتھر اور گچ سے بناؤں گا اور تجھے زرد جواہرات سے آراستہ کروں گا اور تیری چھت کو آبدار موتیوں سے اور تیرے دروازوں کو زبرجد سے سجاؤں گا۔ ظلم کو تجھ سے دور رکھا جائے گا اور کسی اوزار سے جس کا بنانے والا تجھے نقصان پہنچائے اس سے خوف نہ رکھ، اٹھ اور روشن ہو کہ تیرے نور کے پہنچانے کا وقت قریب آ گیا ہے، خدا کی عظمت و توقیر تجھ پر ہے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کے ظہور کی بشارت ہے۔

اسی طرح حرم شریف کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ بھینڑیا اور بکری ایک جگہ چریں گے۔ اور اس کی راہوں کے بارے میں ہے کہ عظمت و بزرگی اتنی زیادہ ہے کہ تحریر و بیان سے باہر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صفات و احوال کتب متقدمہ میں اس سے

کہیں زیادہ ہیں اس میں کوئی خفا و اشتباہ نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ اعداء دین آپ کے نام نامی کو بدل دیں یا تحریف کر دیں اس کے باوجود دلائل و شواہد روشن و ظاہر ہیں۔

یریدون لیطفنوا نور اللہ بافواہم و اللہ متم نورہ و لو کرہ الکافرون۔

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو پورا ہی کرتا ہے خواہ کافر کتنا ہی برامائیں۔



بشارات پر مشتمل مزید چند روایات

اجمالی طور پر معلوم ہو گیا کہ سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر شریف گزشتہ آسمانی کتابوں میں موجود و مذکور ہے۔ اور اہل کتاب کو اس کا علم قطعی اور یقینی حاصل تھا اور وہ حسد و فساد اور غلبہ شقاوت و بد نصیبی سے راہ انکار و ارتداد اور طریقہ استبعاد اختیار کر کے تحریف اور تغیر و تبدل میں مبتلا ہو گئے۔ مناسب ہو گا کہ اس جگہ ان حکایتوں اور روایتوں کا ذکر کر دیا جائے جو ان کے بغض و عناد اور حسد و ارتداد پر مشتمل ہیں۔

یوشع یہودی کا قول

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد مالک بن سنان سے جو شہداء احد میں سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ایک دن بنی عبدالاشہل کے پاس بات چیت کی غرض سے آیا ان دنوں ہم نے یہودیوں سے صلح کر رکھی تھی وہاں میں نے یوشع یہودی کو کہتے سنا کہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ نزدیک آ گیا ہے جس کا نام احمد ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہ حرم مکہ سے ظاہر ہوں گے اور اس شہر یعنی مدینہ میں ہجرت کر کے آئیں گے۔ پھر میں اپنی قوم کی طرف لوٹا میں نے یوشع سے جو سنا تھا اس پر تعجب کرتا تھا میں نے اپنی قوم کے ایک شخص کو یہ بات سنائی اس نے کہا یہ بات تنہا یوشع ہی نہیں کہہ رہا ہے بلکہ یثرب کے تمام یہودی یہی بات کہہ رہے ہیں پھر میں وہاں سے چل دیا۔ اور بنی قریظہ (قبیلہ) کے یہاں آیا تو وہ سب بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی تذکرہ کر رہے تھے۔

چنانچہ زبیر بن باطا (یہ یہودی کے رؤسا میں سے تھا) نے کہا بلاشبہ وہ سرخ ستارہ طلوع ہو چکا ہے جو کسی نبی کے ظہور کے بغیر کبھی طلوع نہیں ہوتا اور کہا کہ اب کوئی نبی آنے والا نہیں۔ جز احمد (مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اور یہ شہر یعنی یثرب ان کی ہجرت کا مقام ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو میں نے حضور سے یہ حکایت بیان کی حضور نے فرمایا اگر زبیر اور اس کے ساتھی رؤسا یہود اسلام لے آتے تو سارے یہودی مسلمان ہو جاتے کیوں کہ وہ سب اس کے تابع تھے۔

وسیلہ حضور سے فتح کی دعا

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہودی کفار عرب کے جنگوں میں فتح و کامیابی کی دعائیں مانگتے تھے تو اپنی دعاؤں میں کہتے تھے کہ اے خدا اس نبی امی کا ظہور فرما جن کا ذکر ہم توریت میں پاتے ہیں تاکہ ان کافروں کو سزا دیں اور ان کے ساتھ ہو کر انھیں قتل کریں ان کی یہ روش اس بناء پر تھی کہ ان کا گمان تھا وہ نبی آخر الزماں ان کی جنس یعنی بنی اسرائیل میں سے ظاہر ہوگا اور جب ان کی جنس کے سوا یعنی بنی اسماعیل میں مبعوث ہوئے تو حسد کرنے لگے اور کفر و انکار کے درپے ہو گئے۔

کتب سابقہ میں حضور کے اوصاف

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مقوقس بادشاہ کے پاس گئے اس نے ان سے کہا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نبی و رسول ہیں اگر وہ قبط (مصر) یا روم میں ہوتے تو سب ان کی پیروی کرتے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اسکندر یہ میں اقامت اختیار کی اور کوئی کنیسہ و گرجا ایسا نہ چھوڑا جہاں میں نہ گیا ہوں میں نے قبط و روم کے تمام اسقفوں یعنی ان کے مذہبی پیشواؤں سے پوچھا کہ جو کچھ تم نے اپنی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات پائی ہیں بیان کرو۔ وہاں ان کا ایک بڑا اسقف یعنی مذہبی پیشوا تھا۔ لوگ اس کے پاس اپنے بیماروں کو لاتے اور وہ ان کے لیے دعا کرتا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ انبیاء میں سے کوئی نبی ایسا باقی ہے جو آنے والا ہو

اور وہ ابھی تک نہ آیا ہو؟ اس نے کہا ہاں! وہ آخری نبی ہیں ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اس کا نام احمد ہے، یہ دراز قد ہے نہ کوتاہ قد، اس کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے، نہ سفید رنگ ہے نہ سیاہ رنگ، اس کے بال گچھے دار ہیں، وہ سخت و کھر درالباس پہنتا ہے اور کھانے میں جو مل جائے اسی پر قناعت کرتا ہے، اس کے کندھے پر تلوار ہے اور جو بھی اس کے مقابل آئے اس سے وہ خوف نہیں کرتا، قتال میں وہ پہل نہیں کرتا، اس کے اصحاب ہوں گے جو اپنے آپ کو اس پر فدا کریں گے، وہ اپنے آباء و فرزند ان سے بڑھ کر ان سے محبت رکھیں گے، ان کا ظہور اس مقام میں ہوگا جہاں سلم کے درخت ہیں، وہ ایک حرم سے نکلیں گے دوسرے حرم کی طرف ہجرت کریں گے، وہ زمین شور سے نخلستان کی طرف ہجرت کرے گا اور پنڈلی کے درمیان پر تہبند پہنے گا اور اعضا کے کناروں کو دھوئے گا (یعنی وضو کرے گا) اور اس میں ایسی خاص صفتیں ہوں گی جو کسی نبی میں نہیں ہیں، ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوا ہے مگر وہ سارے جہاں کے لیے مبعوث ہوں گے اور ساری زمین اس کے لیے سجدہ گاہ بنا دی جائے گی اور زمین کو پاک کرنے والا جہاں بھی نماز کا وقت آئے وہیں مٹی سے (اگر پانی موجود نہ ہو یا قدرت نہ ہو تو) تیمم کر کے نماز ادا کرے گا۔

پھر جب مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سفر سے واپس آئے تو اسلام لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو جو کچھ سنا تھا اس کی خبر دی۔

زید بن عمرو کی تلاش

سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے باپ زید بن عمرو، دین حق کی تلاش میں نکلے تو وہ موصل میں ایک راہب کے پاس پہنچے راہب نے زید سے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ زید نے کہا بیت ابراہیم یعنی خانہ کعبہ سے اس نے کہا کس جستجو میں ہو زید نے کہا دین کی تلاش میں ہوں، اس نے کہا

واپس جاؤ قریب ہے کہ وہ ظاہر ہو تمہاری زمین پر جس کی تم تلاش میں ہو، اس لیے زید بن عمرو بن نفیل کو زمانہ جاہلیت کا موحد کہتے ہیں، یہ مشرکوں کے ذبح کردہ جانوروں کا گوشت نہ کھاتے تھے اور توریت کو اپنی قوم پر نہ پڑھتے تھے۔

ایک یہودی کا قبول اسلام

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایک مرد کو جنت میں داخل کرنے کے لیے ایک جگہ بھیجا۔ اس مقولہ کا اصل قصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز ایک یہودی کے کنیہ میں تشریف لے گئے وہاں ایک یہودی کو دیکھا کہ وہ اپنی قوم کو توریت پڑھ کر سنا رہا ہے جب وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت پر پہنچا تو خاموش ہو گیا اور پڑھنے سے رک گیا پھر وہ بیمار بچوں کی مانند بڑ بڑایا اور اس نے توریت لے کر حضور کی صفت پڑھی اور کہنے لگا یہ آپ کی صفت ہے أشهد أن لا إله إلا الله و أنک لرسول الله . اسی کلمہ پر اس نے جان دی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کرو۔

تبع حمیری کا قبول اسلام

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جب طائف کے بادشاہ تبع نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی اور اس نے اعلان کیا تھا کہ میں شہر مدینہ کو ویران کر دوں گا اور اس کے رہنے والوں کو اپنے اس لڑکے کے انتقام میں قتل کر ڈالوں گا جسے انھوں نے فریب اور دھوکے سے قتل کیا ہے تو اس وقت سامول یہودی نے جو اس زمانہ میں یہودیوں کا سب سے بڑا عالم تھا اس سے کہا اے بادشاہ یہ وہ شہر ہے جس کی طرف بنی اسماعیل سے نبی آخر الزماں کی ہجرت ہوگی اور اس نبی کی جائے ولادت مکہ مکرمہ ہے اس کا اسم گرامی احمد ہے۔ یہ شہر اس کا دار ہجرت ہے اور اس کی قبر انور بھی اس جگہ ہوگی یہ سن کر تبع یوں ہی

واپس ہو گیا۔

محمد بن اسحاق کتاب مغازی میں نقل کرتے ہیں کہ تبع نے نبی آخر الزماں کے لیے ایک عالی شان محل تعمیر کرایا، تبع کے ہمراہ توریت کے چار سو علماء تھے جو اس کی صحبت چھوڑ کر مدینہ منورہ میں اس آرزو میں ٹھہر گئے کہ وہ نبی آخر الزماں کی صحبت کی سعادت حاصل کریں گے۔ اور تبع نے ان چار سو عالموں میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک مکان بنوایا اور ایک ایک باندی بخشی اور ان کو مال کثیر دیا، تبع نے ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام لانے کی شہادت دی، اس خط میں چند شعر یہ تھے۔

شہدت علی احمد انہ

رسول من اللہ باری النسم



ولو منذ عمری الی عمرہ

لکنت وزیر الہ و ابن عم

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں وہ پروردگار جس نے تمام روحوں کو پیدا کیا ہے اگر میری عمر نے حضور کی تشریف آوری تک وفا کی تو حضور کا وزیر ثابت ہوں گا اور چچا زاد بھائی کی طرح معاون و مددگار بنوں گا۔

پھر تبع نے اپنے اس خط کو سر بمہر کر کے ان چار سو علماء کے سب سے بڑے عالم کے سپرد کر دیا، اور وصیت کی کہ اگر وہ نبی آخر الزماں کو پائے تو یہ خط ان کی خدمت میں پیش کر دے ورنہ اپنی اولاد اور اولاد کو اس وصیت کو پہنچاتے رہنا۔

وہ مکان جو خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بنایا گیا تھا وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے قدم رنجہ فرمانے تک موجود رہا، کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مکان جس میں حضور نے ہجرت کے بعد نزول اجلال فرمایا تھا وہی مکان ہے۔

ایک یہودی کے خط میں حضور کا تذکرہ

بیان کرتے ہیں کہ زبیر بن بطا جو یہودیوں کا بڑا عالم تھا اس نے کہا کہ میرے باپ نے ایک خط جس میں احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر تھا مہر لگا کر مجھے دیا کہ وہ نبی ہیں جو زمین قرط میں ظاہر ہوں گے، ان کی صفات یہ ہیں پھر اس نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کا تذکرہ کیا، ابھی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث نہ ہوئے تھے مگر جب اس نے سنا کہ مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہر ہو چکے ہیں تو اس نے اس خط کو تلف کر دیا اور حضور کی شان و صفات کو چھپانے لگا۔

قبائل یہود کا حسد و عناد

قبائل بنی قریظہ، بنی نضیر، فدک اور خیبر کے یہودی اپنے پاس حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے پہلے سے تعریف و پہچان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی ہجرت مدینہ میں ہوگی۔ اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تو وہ کہتے تھے کہ آج کی رات احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پیدا ہو گئے اور ان کی ولادت کا ستارہ طلوع ہو گیا لیکن جب وہ مبعوث ہوئے تو وہ کافر و منکر ہو گئے، ان کا یہ کفر و انکار محض سرکشی اور حسد و عناد کی بناء پر تھا۔

عبداللہ بن سوریہ یا یہودی سے حضور کی گفتگو

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت مدراں میں تشریف لائے اور فرمایا تم میں جو سب سے زیادہ عقلمند ہے اسے میرے پاس لاؤ تو وہ عبداللہ بن سوریہ کو

لائے، حضور نے اس سے تنہائی میں گفتگو فرمائی اور فرمایا میں تجھے تیرے دین کی قسم دیتا ہوں اور اس نعمت کی جو بنی اسرائیل کو دی گئی جو من و سلوی کہلایا، اور ان پر برابر ابر کا سایہ کیا گیا کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ اس نے کہا اللھم نعم یعنی بارالہ ہاں، میں اور میری ساری قوم خوب جانتی ہے اور جو کچھ آپ کی تعریف و توصیف اور آپ کی خوبیاں ہیں میں جانتا ہوں وہ توریت میں واضح طور پر مرقوم ہیں لیکن یہ قوم آپ پر حسد کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تجھے کس چیز نے باز رکھا کہ ایمان نہیں لاتا اور مسلمان نہیں ہوتا اس نے کہا میں اپنی قوم کے خلاف چلنے کو اچھا نہیں جانتا میں خواہش رکھتا ہوں وہ سب آپ کی متابعت کریں اور اسلام لائیں تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں۔

طلحہ بن عبید اللہ کی متابعت

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے بیان کیا کہ میں ملک شام میں بصرے کے بازار میں موجود تھا کہ اچانک ایک صومعہ (عبادت خانے) سے کسی راہب کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا ان تاجروں سے دریافت کرو کیا تم میں کوئی اہل حرم یعنی مکہ کا باشندہ ہے، طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا ہاں! میں وہاں کا باشندہ ہوں اس نے کہا مکہ میں احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے ہوں گے، وہ آخری نبی ہیں، ان کا جائے خروج حرم ہے اور ان کی جائے ہجرت خرمازار، سنکستان اور زمین شور ہے جس کا نام یثرب ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ راہب کی بات نے میرے دل میں جگہ کر لی، پھر میں وہاں سے چل کر مکہ مکرمہ آیا میں نے دریافت کیا کیا کوئی حادثہ (نئی بات) یا سانحہ ہوا ہے لوگوں نے کہا ہاں! محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے دعوائے نبوت کیا ہے اور ابن ابی قحافہ یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی متابعت قبول کر لی ہے۔ پھر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا ان

سے راہب کی بات بیان کی اور کہا کیا تم نے اس شخص کی متابعت قبول کر لی ہے انھوں نے فرمایا ہاں، پھر حضرت صدیق اکبر طلحہ کو لے کر حضور کے پاس آئے اور انھوں نے حضور کی متابعت کی۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی تصاویر

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا جس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان کی نبوت مکہ میں مشہور ہوئی تو میں جانب شام نکل گیا اور جب بصری پہنچا تو وہاں نصاریٰ کی ایک جماعت آئی اور مجھ سے پوچھنے لگی کیا تم حرم مکہ سے آئے ہو میں نے کہا ہاں، وہ کہنے لگے کیا تم اس شخص کی صورت پہچانتے ہو جس نے تم میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے میں نے کہا ہاں میں پہچانتا ہوں۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک ایسے عبادت خانے میں لے گئے جس میں بے شمار تصویریں اور تمثیلیں آویزاں تھیں انھوں نے مجھ سے کہا انھیں بغوردیکھوان میں اس کی شبیہ ہے جس نے تم میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو میں نے ایک ایک کر کے بغور نظر ڈالی لیکن ان تصویروں میں مجھے آپ کی شبیہ نظر نہ آئی۔ پھر وہ مجھے اس سے بڑے عبادت خانے میں لے گئے وہاں پہلے سے کہیں زیادہ تصاویر و تماثل آویزاں تھیں انھوں نے کہا دیکھو کیا تمہیں ان میں ان کی مبارک صورت نظر آتی ہے میں دیکھنے لگا۔ اچانک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت و صفت نظر آئی کہ ابو بکر صدیق حضور کا زانوئے مبارک پکڑے ہوئے ہیں۔ انھوں نے پوچھا کیا تمہیں ان کی شبیہ نظر آئی میں نے کہا ہاں! پھر میں نے دل میں کہا مجھے ابھی ان کی نشاندہی نہیں کرنی چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و صفت بیان کی، میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ وہی ہیں۔ پھر انھوں نے مجھ سے پوچھا تم جانتے ہو وہ کون ہیں جو آپ کا زانوئے مبارک پکڑے ہوئے ہیں میں نے کہا ہاں میں گواہی دیتا ہوں وہ ان کے صحابی خاص اور ان کے بعد ان کے خلیفہ ہیں اور میں نے کہا لیکن میں ڈرتا ہوں کہ قریش انھیں قتل نہ کر دیں انھوں نے کہا خدا کی قسم! وہ ان کو ہرگز قتل نہیں

کر سکتے وہ نبی آخر الزماں ہیں اللہ تعالیٰ انھیں سب پر غالب فرمائے گا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

دو یہودیوں کی عداوت

ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب یہودی سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قدم رنجہ فرمایا اور قبائلیں قیام فرمایا تو میرے باپ حی بن اخطب اور میرے چچا ابو یاسر ابن اخطب رات اندھیرے بوقت سحر حضور کے پاس گئے پھر وہ نہ لوٹے یہاں تک کہ شام ہوئی اور رات آگئی۔ جب وہ گھر آئے تو میں نے دیکھا وہ انتہائی بوجھل، کسل مند اور حد درجہ غم و اندوہ میں تھے جس کا میں اندازہ نہیں کر سکتی تھی وہ گھر میں آ کر پڑ گئے۔ میں چوں کہ ان کے نزدیک اولاد میں سب سے زیادہ پیاری اور محبوب تھی تو اپنی دیرینہ عادت کے موافق ان کے سامنے آگئی مگر وہ غم و اندوہ کے بوجھ تلے اتنے شکستہ اور محزون تھے کہ انھیں اتنی فرصت و طاقت نہ ہوئی کہ وہ میری طرف التفات کر سکتے۔ اسی حالت کے دوران میرے چچا نے میرے باپ سے پوچھا کہ یہ وہی ہیں؟ کہا یہ شخص وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی توصیف ہم توریت میں پڑھتے ہیں۔ تو میرے باپ نے میرے چچا سے کہا ہاں یہ وہی ہیں، خدا کی قسم یہ وہی ہیں۔ چچا نے پھر پوچھا کیا تم یقین سے جانتے ہو کہ وہی ہیں میرے باپ نے کہا خدا کی قسم یقین سے جانتا ہوں کہ یہ وہی ہیں۔ اس نے کہا اپنے دل میں ان کی نسبت کیا پاتے ہو محبت یا عداوت؟ اس نے کہا عداوت، واللہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی عداوت میں برابر کوشاں رہوں گا۔ چنانچہ یہ دونوں یہودی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت میں شتی ازلی اور گرفتار و وبال و نکال ابدی ہو گئے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

ان یہودیوں میں سے کچھ بد بخت و شتی حیلہ و نفاق کو دنیاوی ذلیل و حقیر مال کے جمع کرنے کا ذریعہ اور دنیاوی فانی زندگی کی حفاظت و صیانت کا وسیلہ بنا کر اسفل السافلین کے درجہ میں اتر گئے اور انھیں میں کچھ ایسے علماء و احبار بھی تھے جن کے اقبال کی پیشانی پر پہلے ہی سے ازلی رحمت و سعادت کے نقوش

روشن تھے، انھوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور دولتِ آخرت و سعادت کو جمع کر لیا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ۔

مخیر یق یہودی کی وصیت

مخیر یق یہودی جو علمائے یہود میں نہایت عالم، تو نگر اور بہت دانشمند تھا وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات کو بھی خوب پہچانتا تھا اور اس پر قائم تھا۔ روزِ احد میں اس نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا اے معشر یہود! بخدا تم خوب جانتے ہو کہ سیدنا محمد رسول اللہ کی مدد ہم سب پر واجب ہے لہذا تم اس سعادت کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہود کہنے لگے آج روزِ سبت یعنی ہفتہ کا دن ہے اس نے کہا کوئی ہفتہ نہیں ہے۔ پھر انھوں نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور نکل آئے اور ایمان لا کر وصیت کی کہ اگر آج میں مارا جاؤں تو میرا تمام مال و متاع حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہے وہ جو چاہیں کریں اور جسے چاہیں عنایت فرمائیں۔ اس کے بعد وہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے حضور نے ان کا تمام مال قبضے میں لے لیا۔ حضور کا عام صدقہ فرمانا اسی مال میں سے تھا۔ (سیرت الرسول)



الحجرات

آیات قرآنیہ

در

ثنائے مصطفیٰ ﷺ
 ﷺ

اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداح حضور
 تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

ورفنا لکن ذکرک

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

آیات قرآنیہ در شانے مصطفیٰ ﷺ

حضور کی رسالت عامہ

و ما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا و لكن اكثر الناس لا يعلمون .

اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سنا تا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ (السا۔ ۲۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت عامہ ہے تمام انسان اس کے احاطہ میں ہیں گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی، پہلے ہوں یا پچھلے سب کے لیے آپ رسول ہیں اور وہ سب آپ کے امتی۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ دی گئیں۔

(۱) ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی۔

(۲) تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک کی گئی جہاں میرے امتی کو نماز کا وقت ہو نماز پڑھے۔

(۳) میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھیں۔

(۴) مجھے مرتبہ شفاعت عطا کیا گیا۔

(۵) اور انبیاء خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

حدیث میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل مخصوصہ کا بیان ہے جن میں سے ایک آپ کی رسالت عامہ ہے جو تمام جن وانس کو شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام خلق کے رسول ہیں اور یہ مرتبہ خاص آپ کا ہے جو قرآن کریم کی آیات اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ خوشخبری دینے سے مراد ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل کی خوشخبری دینا ہے اور ڈر سنانے سے مراد کافروں کو اس کے عدل کا ڈر سنانا ہے۔

تبرک الذی نزل الفرقان لیكون للعالمین نذیرا۔

بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر (یعنی سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر) جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔ (الفرقان، ۱)

اس میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عموم رسالت کا بیان ہے کہ آپ تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے جن ہوں یا بشر یا فرشتے یا دیگر مخلوقات سب آپ کے امتی ہیں۔ کیوں کہ عالم ماسوئی اللہ کو کہتے ہیں اس میں یہ سب داخل ہیں۔ ملائکہ کو اس سے خارج کرنا جیسا کہ جلالین میں شیخ محلی سے اور کبیر میں امام رازی سے اور شعب الایمان میں بیہقی سے صادر ہوا بے دلیل ہے اور دعویٰ اجماع غیر ثابت، چنانچہ امام سبکی و بازاری و ابن حزم و سیوطی نے اس کا تعاقب کیا اور خود امام رازی کو تسلیم ہے کہ عالم ماسوئی اللہ کو کہتے ہیں پس وہ تمام خلق کو شامل ہے ملائکہ کو اس سے خارج کرنے پر کوئی دلیل نہیں علاوہ بریں مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔

ارسلت الی الخلق كافة .

یعنی میں تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

علامہ علی قاری نے مرقات میں اس کی شرح میں فرمایا یعنی تمام موجودات کی طرف جن ہوں یا

انسان یا فرشتے یا حیوانات یا جمادات۔ (خزائن العرفان)

قل يا ايها الناس انى رسول الله اليكم جميعا الذى له ملك السموات و الارض لا اله الا هو يحيى و يميت فامنوا بالله و رسوله النبى الامى الذى يؤمن بالله و كلمته و اتبعوه لعلكم تهتدون .

تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں کہ آسمان اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں جلائے اور مارے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔ (الاعراف، ۱۵۸)

یہ آیت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عموم رسالت کی دلیل ہے کہ آپ تمام خلق کے رسول ہیں اور کل جہاں آپ کی امت، یعنی اللہ تعالیٰ کے دیگر تمام برگزیدہ رسول خاص خاص علاقوں اور مخصوص قوموں کے لیے ایک مقررہ وقت تک مرشد و رہبر بن کر آئے تھے لیکن اب جس مرشد اولین و آخرین، جس رہبر اعظم کا ذکر خیر ہو رہا ہے اس کی شان رہبری نہ کسی قوم سے مخصوص ہے اور نہ کسی زمانہ سے محدود، جس طرح اس کے بھیجنے والے کی حکومت و سروری عالمگیر ہے اسی طرح اس کے رسول کی رسالت بھی جہانگیر ہے۔ ہر خاص و عام، ہر فقیر و امیر، ہر عجمی و عربی، ہر رومی و حبشی کے لیے وہ مرشد بن کر آیا اس لیے اس بات کا اعلان اس کی زبان حقیقت ترجمان سے کر دیا کہ اے اولاد آدم! میں تم سب کے لیے اپنے زمین و آسمان کے خالق و مالک کی طرف سے رشد و ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں اب تمہارے لیے ہدایت و فلاح کا راستہ یہی ہے کہ اس کتاب کی پیروی کرو جو میں لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور میرے نقوش پا کو اپنے لیے خضر راہ بناؤ، میری سنت سے انحراف نہ کرو۔ (سیرت الرسول)

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین .

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ (الانبیاء، ۱۰۷)

یعنی کوئی ہو جن یا انس، مومن یا کافر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور کا رحمت ہونا عام ہے ایمان والے کے لیے اور اس کے لیے بھی جو ایمان نہ لایا۔ مومن کے لیے تو آپ دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور حسف و مسخ اور استیصال کے عذاب اٹھا دیے گئے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ تامہ کاملہ شاملہ جامعہ محیطہ بر جمیع مقیدات رحمت غیبیہ و شہادت علمیہ و عینیہ و وجودیہ و شہودیہ و سابقہ و لاحقہ و غیر ذلک تمام جہانوں کے لیے عالم ارواح ہوں یا عالم اجسام ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول، اور جو تمام عالموں کے لیے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہان سے افضل ہو۔ (خزائن العرفان)

ارشاد باری تعالیٰ، بالمومنین روف رحیم میں شان تعطف و احسان کا بیان ہے یعنی ہر درد مند کے درد کا احساس بھی ہے اور ہر درد مند کا درماں بھی۔ کسی غم زدہ اور دکھ درد کے مارے کو دیکھ کر غایت رحمت سے آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور نوک مژگان پاک پر دریتیم سے ارجمند تر اور تابندہ تر آنسوؤں کے موتی سراپا التجا بن کر بارگاہ رب العالمین میں گرتے ہیں تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور غم و اندوہ کی کالی گھٹائیں کافور ہو جاتی ہیں۔

آپ خود غور فرمائیے کہ جن افراد نے یا جن قوموں نے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

دامن رحمت کو تھا ما، حضور کے لائے ہوئے دین کو صدق دل سے قبول کیا اور حضور کے پیش کردہ نظام حیات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ گمراہ تھے لیکن اس نور مبین سے اکتساب نور کرنے کے بعد ظلمت کدہ عالم میں ہدایت کے چراغ روشن ہو گئے۔ جاہل تھے لیکن اس چشمہ علم و عرفان سے سیراب ہونے کے بعد دنیا کے جس جس گوشہ میں گئے علم و حکمت کے چمن کھلاتے گئے۔ گنوار اور اجڑ تھے لیکن تہذیب و تمدن کے بانی بن گئے۔ جہانگیری اور جہانبانی کا ایک اچھوتا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا جس میں کسی ایسے بادشاہ کی گنجائش نہیں جو مطلق العنان ہو، جو قانون کی گرفت سے بالاتر ہو، جو سب کا محاسبہ کر سکے لیکن اس سے باز پرس کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو۔ بلکہ جو قوم و ملک کا سربراہ ہوگا اسے خلیفہ کہا جائے گا جس کا معنی نائب ہے اور نائب وہ ہوتا ہے جسے کسی نے مقرر کیا ہو اور جس پر لازم ہو کہ وہ جو کچھ کرے گا اپنے مقرر کرنے والوں کی منشا اور ہدایت کے مطابق کرے گا۔ ان رحمتوں سے وہ افراد اور قومیں سرشار ہوئیں جنہوں نے حضور کی رسالت کو تسلیم کیا اور حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا شرف حاصل کیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ تو عالم ناسوت میں حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گونا گوں رحمتوں کا ظہور ہے لیکن صرف یہاں ہی نہیں بلکہ عالم ملکوت میں بھی حضور کی رحمت کا پرچم لہرا رہا ہے اور حضور کا دست شفقت گل افشانی کر رہا ہے۔ وہاں رحمت محمدی کے ظہور میں جو بانگین ہے اور بحر کرم میں جو مٹھاس اور روانی ہے اس کا حال تو فقط وہ نفوس قدسیہ ہی جانتے ہیں جنہیں اس عالم کی سیاحت ارزانی ہوئی ہو۔

غرض کہ یہ وہ آفتاب ہے جس کی تابانیوں سے صرف عالم رنگ و بو ہی روشن نہیں بلکہ وہ جہان لطیف بھی درخشاں ہے جو رنگ و بو، کم و کیف اور بالا و پست کے تعینات سے ماوراء ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہاں اس آفتاب کی نور افشانی کا رنگ ہی نرالا ہے جو نہ زبان پر لایا جاسکے اور نہ قلم سے لکھا جاسکے۔ اس رحمت عامہ کی برکتوں سے عقل بھی بہرور ہے اور دل کی دنیا بھی شاد کام ہے۔ (سیرت الرسول)

حضور انور اللہ کی دلیل ہیں

یا ایہا الناس قد جاءکم برهان من ربکم و انزلنا الیکم نوراً مبیناً.

اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن

(النساء، ۱۷۴)

نور اتارا۔

دلیل واضح سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے جن کے صدق پر ان کے

معجزے شاہد ہیں اور منکرین کی عقلوں کو حیران کر دیتے ہیں۔ اور روشن نور سے مراد قرآن پاک ہے۔

(خزائن العرفان)

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظہره علی الدین کلہ و کفی باللہ

شہیداً۔

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب

(الفتح، ۲۸)

کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

خواہ وہ مشرکین کے دین ہوں یا اہل کتاب کے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی اور اسلام کو

تمام ادیان پر غالب فرمایا، اور اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت پر گواہ ہے۔

(خزائن العرفان)

دین کے غلبہ کی جو بشارت اس آیت میں دی گئی ہے اس سے مراد دونوں غلبے ہیں دلیل و برہان

کے میدان میں بھی اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا اور میدان جنگ میں بھی، اس کے مخلص پیروکاروں کو ہر میدان

(سیرت الرسول)

میں فتح و کامرانی نصیب ہوگی۔

دعائے ابراہیم

ربنا و ابعث فیہم رسولا منهم یتلوا علیہم آیتک و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ
و ینزکہم انک انت العزیز الحکیم .

اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے
اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب سترہا فرما دے بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

(البقرۃ، ۱۲۹)

یعنی حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی ذریت میں یہ دعا سید انبیاء صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھی یعنی کعبہ معظمہ کی تعمیر کی عظیم خدمت بجالانے اور توبہ و استغفار کرنے کے بعد
حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا کی کہ یارب اپنے محبوب نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو ہماری نسل میں ظاہر فرما اور یہ شرف ہمیں عنایت کر یہ دعا قبول ہوئی اور دونوں صاحبوں کی نسل میں حضور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں باقی انبیاء حضرت اسحاق
علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

فائدہ

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا میلاد شریف خود بیان فرمایا۔ امام بغوی نے ایک حدیث
روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا۔ بحال کہ
حضرت آدم علیہ السلام کے پتلا کا خمیر ہو رہا تھا، میں تمہیں اپنے ابتدائے حال کی خبر دوں۔ میں دعائے
ابراہیم ہوں، بشارت عیسیٰ ہوں، اپنی والدہ کی اس خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت
دیکھی اور ان کے لیے ایک نور سا طع ظاہر ہوا جس سے ملک شام کے ایوان و قصور ان کے لیے روشن

ہو گئے۔ اس حدیث میں دعائے ابراہیم سے یہی دعا مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آخر زمانہ میں حضور سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

(خزائن العرفان)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مقبولیت کے ان لمحات میں یہ التجا کرتے ہیں کہ اے میرے پروردگار! ان میں ایک ایسا جلیل القدر رسول مبعوث فرما جو ان عظیم الشان فرائض کی تکمیل کرے۔

(۱) وہ اپنی طرف سے گڑھ کر کچھ نہ کہے بلکہ وہ صرف تیری آیتیں ہی تلاوت کر کے انھیں سنائے۔

(۲) صرف آیتیں ہی نہ سنائے بلکہ ان آیات ربانی کے معانی اور لطائف سے بھی اپنے سامعین کو مالا مال کرے۔

(۳) تیسرا فریضہ جس کو وہ نبی رحمت انجام دے وہ یہ ہو کہ گندے دلوں کو اپنی نگاہ پاک سے پاک و صاف کر دے، ان میں کسی قسم کی کوئی آلائش باقی نہ رہے، ان کا آئینہ دل یوں صاف ہو جائے کہ انوار الہیہ اس میں منعکس ہونے لگیں اور تمام حجابات ہمیشہ کے لیے اٹھادیئے جائیں۔

ان خوبیوں اور کمالات سے متصف نبی کی بعثت کے لیے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب سے التجا کی اور مولائے کریم نے اس دعا کی قبولیت کی بشارت بھی اسی کتاب مقدس میں نازل فرمائی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آياته و
يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة و ان كانوا من قبل لفي ضلل مبين .

یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب بھیجا اس نے ان میں ایک رسول انھیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اور سکھاتا ہے انھیں قرآن اور سنت اگرچہ وہ اس سے

پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور پروردگار عالم کی طرف سے قبولیت دعا کی بشارت میں جو کلمات استعمال ہوئے ہیں وہ بالکل ایک جیسے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا مژدہ دیا جا رہا ہے۔ کہ میرے خلیل نے قبولیت کی ان گھڑیوں میں جس رسول کے لیے التجا کی تھی انہیں صفات سے متصف کر کے ہم نے اپنے حبیب کو مبعوث فرمایا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے صحابہ سے پوچھا اے میرے صحابہ! تم مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟ انہوں نے عرض کی اللہ ورسولہ اعلم کہ اس راز کو اللہ جانتا ہے یا اس کا رسول معظم تو حضور نے فرمایا۔

انا دعوة ابی ابراہیم

میں اپنے ابراہیم کی دعا کا ثمر ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں حضور کی تین صفات کمال بیان فرمائی گئی ہیں۔

(۱) وہ اپنی طرف سے خود گڑھ کر کوئی کلام نہیں سناتا بلکہ اس کا فریضہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اس کے بندوں کو پڑھ کر سنائے۔

آپ خود اندازہ لگائیے کہ جس ہستی کی زبان سے صرف فرمان الہی کا صدور ہوتا ہے اس کی عظمت شان میں ہمسری کا دعویٰ کون کر سکتا ہے۔

(۲) دوسرے خوبی یہ بتائی کہ وہ نبی رحمت صرف آیات ربانی کو پڑھ کر سناتا ہی نہیں بلکہ انہیں سمجھاتا بھی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اپنے رب کے کلام میں جو معانی و لطائف مضمون ہیں ان پر بھی ہر طرح آگاہ ہو سکیں۔

(۳) تیسرا کمال جو بے نظیر بھی ہے اور بے مثال بھی وہ یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہ ناز سے دلوں کی کدورتوں کو بھی صاف کر دیتا ہے اور شرک، کفر اور فسق و فجور ہر قسم کی آلائشیں چشم زدن میں نیست و نابود ہو جاتی ہیں اور آئینہ دل اس قدر شفاف ہو جاتا ہے کہ اس میں انوار الہیہ منعکس ہونے لگتے ہیں۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نبی کے لیے جو صفات بیان کی ہیں بعینہ وہ صفات اس بشارت میں بیان کی گئی ہیں جو اس دعا کی قبولیت کے بارے میں نوع انسانی کو دی گئی لیکن ان کلمات کی ترتیب میں ایک خفیف سا فرق ہے۔

دعائے خلیل میں پہلے تلاوت آیات، پھر تعلیم کتاب و حکمت اور آخر میں تزکیہ قلوب کا ذکر ہے لیکن اس مژدہ قبولیت میں اس نبی مکرم کے لیے جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں ترتیب بدل دی گئی ہے پہلے تلاوت آیات دوسرے نمبر پر تزکیہ قلوب اور تیسرے نمبر پر تعلیم کتاب و حکمت۔

اس تبدیلی میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی التجا سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیہ قلب تعلیم کتاب و حکمت کا نتیجہ ہے اور اس خوشخبری میں بتا دیا کہ تعلیم کتاب و حکمت بعد میں اور تزکیہ اس سے پہلے جو نتیجہ ہے چشم ناز کی ذرہ پروری کا۔ (سیرت الرسول)

محبت خداوندی اور اتباع رسول

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم و اللہ غفور

رحیم .

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (آل عمران، ۳۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کا دعویٰ جب ہی سچا ہو سکتا ہے جب آدمی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تتبع ہو اور حضور کی اطاعت اختیار کرے۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش کے پاس ٹھہرے جنھوں نے خانہ کعبہ میں بت نصب کیے تھے اور انھیں سجا سجا کر ان کو سجدہ کر رہے تھے حضور نے فرمایا اے گروہ قریش خدا کی قسم تم اپنے آباء حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دین کے خلاف ہو گئے قریش نے کہا ہم بتوں کو اللہ کی محبت میں پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کریں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ محبت الہی کا دعویٰ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع و فرماں برداری کے بغیر قابل قبول نہیں جو اس دعوے کا ثبوت دینا چاہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کرے اور حضور نے بت پرستی کو منع فرمایا تو بت پرستی کرنے والا حضور کا نافرمان اور محبت الہی کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ (خزائن العرفان)

جب یہود کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انھوں نے یہ کہہ کر اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم تو پہلے محبت الہی میں سرشار ہیں اور اس کے لاڈلے فرزند ہیں ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی نئے نبی کی امت میں داخل ہونے کی زحمت گوارا کریں۔ اس آیت میں انھیں تنبیہ فرمائی جا رہی ہے کہ محبت الہی کا دعویٰ بغیر دلیل کے قابل التفات نہیں اور اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ تم اللہ کے اس برگزیدہ رسول کی اطاعت و فرماں برداری کرو، اگر تم نے دل و جان سے اس رسول کریم کی اطاعت کی تو تمہارا دعویٰ محبت بھی درست تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی نعمت سے سرفراز کیے جاؤ گے یعنی تمہیں محبوب الہی ہونے کا شرف بخشا جائے گا اور تمہارے اعمال نامہ کی سیاہی کو رحمت و مغفرت کے پانی سے صاف کر دیا جائے گا۔ مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کی عظمت شان اور جلالت قدر کا کیا کہنا جس کی غلامی قوم یہود جیسی راندہ درگاہ اور ذلیل قوم کو بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا سکتی ہے اور اس کے گھناؤنے کرتوتوں کی بخشش

کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر امت مسلمہ اتباع حبیب خدا کو اپنا شعار بنا لے اور سنت سرور کائنات کے سانچے میں اپنی سیرت کو ڈھال لے تو کیا یہ محبوبیت کے خلعت فاخرہ سے نوازی نہیں جائے گی؟ اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ اگر تم میرے محبوب کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے دست کرم سے تمہارے سروں پر محبوبیت کا تاج سجادے گا۔ (سیرت الرسول)

الذین يتبعون الرسول النبي الامي الذي يجدونه مكتوبا عنده في التوراة و الانجيل يا امرهم بالمعروف و ينههم عن المنكر و يحل لهم الطيب و يحرم عليهم الخبائث و يضع عنهم اصرهم و الاغلال التي كانت عليهم فالذين آمنوا به و عزرروه و نصرروه و اتبعوا الورد الذي انزل معه اولئك هم المفلحون .

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس تو ریت اور انجیل میں وہ انھیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتر اوہی با مراد ہوئے۔ (الاعراف، ۱۵۷)

یہاں رسول سے باجماع مفسرین سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں۔ آپ کا ذکر و وصف رسالت سے فرمایا گیا کیوں کہ آپ اللہ اور اس کے مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں فرائض رسالت ادا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نہی و شرائع و احکام اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں۔

”توریت و انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے“ سے مراد یہ ہے کہ توریت و انجیل میں آپ کی نعت و صفت و نبوت لکھی پائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ اوصاف دریافت کیے جو تورات میں مذکور ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضور کے جو اوصاف قرآن کریم میں آئے ہیں انہیں میں نے بعض اوصاف تورات میں مذکور ہیں اس کے بعد انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔

اے نبی ہم نے تمہیں بھیجا شاہد و مبشر اور نذیر اور امیوں کا نگہبان بنا کر تم میرے بندے اور میرے رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل رکھا، نہ بدخلق ہو نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں آواز بلند کرنے والے، نہ برائی سے برائی کو دفع کرو لیکن خطا کاروں کو معاف کرتے ہو اور ان پر احسان فرماتے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں نہ اٹھائے گا جب تک کہ تمہاری برکت سے غیر مستقیم ملت کو اس طرح راست نہ فرمادے کہ لوگ صدق و یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پکارنے لگیں اور تمہاری بدولت اندھی آنکھیں بینا اور بہرے کان شنوا اور پردوں میں لپٹے ہوئے دل کشادہ ہو جائیں۔

اور حضرت کعب بن احبار سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات میں تورات شریف کا یہ مضمون بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت میں فرمایا کہ میں انہیں ہر خوبی کا قابل کروں گا اور ہر خلق کریم عطا فرماؤں گا اور اطمینان قلب و وقار کو ان کا لباس بناؤں گا اور طاعات و احسان کو ان کا شعار کروں گا اور تقویٰ کو ان کا ضمیر اور حکمت کو ان کا راز اور صدق و وفا کو ان کی طبیعت اور عفو و کرم کو ان کی عادت اور عدل کو ان کی سیرت اور اظہار حق کو ان کی شریعت اور ہدایت کو ان کا امام اور اسلام کو ان کی ملت بناؤں گا احمدان کا نام ہے خلق کو ان کے صدقہ میں گمراہی کے بعد ہدایت اور جہالت کے بعد علم و معرفت اور گنہگار کے بعد رفعت و منزلت عطا کروں گا اور انہیں کی برکت سے قلت کے بعد کثرت اور فقر کے بعد دولت اور تفرقے کے بعد محبت عنایت کروں گا اور انہیں کی بدولت مختلف قبائل غیر مجتمع خواہشوں اور اختلاف رکھنے والے دلوں میں الفت پیدا کروں گا اور ان کی امت کو تمام امتوں سے بہتر کروں گا۔

ایک اور حدیث میں توریت شریف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ اوصاف منقول

ہیں۔

میرے بندے احمد مختار کی جائے ولادت مکہ مکرمہ اور جائے ہجرت مدینہ طیبہ ہے ان کی امت ہر حال میں اللہ کی کثیر حمد کرنے والی ہے۔

کتب الہیہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت و صفت سے بھری ہوئی تھیں اہل کتاب ہر قرن میں اپنی کتابوں میں تراش خراش کرتے رہے اور ان کی بڑی کوشش اس پر مسلط رہی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر اپنی کتابوں میں نام کو نہ چھوڑیں توریت و انجیل وغیرہ ان کے ہاتھ میں تھیں اس لیے انہیں اس میں کچھ دشواری نہ تھی لیکن ہزاروں تبدیلیاں کرنے کے بعد بھی موجودہ زمانہ کی بائبل میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت کا کچھ نہ کچھ نشان باقی رہ ہی گیا۔

چنانچہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء کی چھپی ہوئی بائبل میں یوحنا کی انجیل کے باب ۱۴ کی سولہویں آیت میں ہے۔

اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔

لفظ ”مددگار“ پر حاشیہ ہے، اس میں اس کے معنی وکیل یا شفیع لکھے۔

تو اب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایسا آنے والا جو شفیع ہو اور ابد تک رہے یعنی اس کا دین کبھی منسوخ نہ ہو۔ بجز سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کون ہے؟

پھر اثنیسویں تیسویں آیت میں ہے۔

اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو اس

کے میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیوں کہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔

کیسی صاف بشارت ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی امت کو حضور کی ولادت کا کیسا منتظر بنایا اور شوق دلایا ہے اور دنیا کا سردار خاص سید عالم کا ترجمہ ہے اور یہ فرمانا کہ مجھ میں اس کا کچھ نہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار اور اس کے حضور اپنا کمال ادب و انکسار ہے۔

پھر اسی کتاب کے باب سولہ کی ساتویں آیت ہے۔

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت کے ساتھ اس کا بھی صاف اظہار ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کا ظہور جب ہی ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لے جائیں۔

اس کی تیرہویں آیت ہے۔

لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

اس آیت میں بتایا گیا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد پر دین الہی کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ سچائی کی راہ یعنی دین حق کو مکمل کر دیں گے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور یہ کلمے کہ اپنی طرف سے نہ کہے گا جو سنے گا وہی کہے گا خاص و ما ینطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی کا ترجمہ ہے۔ اور یہ جملہ کہ آئندہ کی خبریں دے گا اس میں صاف بیان ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیبی علوم تعلیم فرمائیں گے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا یعلمکم ما لم تکنوا تعلمون

اور و ما هو علی الغیب بضنین .

اس لیے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے لفظ ”نبی“ کا ترجمہ ”غیب کی خبریں دینے والے“ کیا ہے اور یہ نہایت ہی صحیح ترجمہ ہے کیوں کہ ”نبا“ خبر کو کہتے ہیں جو مفید علم ہو اور شائبہ کذب سے خالی ہو۔ یہ لفظ اس معنی میں بکثرت مستعمل ہوا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوا : قل هو نبؤ عظیم .

ایک جگہ ارشاد فرمایا : تلک من انباء الغیب نو حیا الیک

ایک جگہ فرمایا : فلما انباء ہم باسمائہم .

اور بکثرت آیات میں یہ لفظ اس معنی میں وارد ہوا ہے۔ پھر یہ لفظ یا تو فاعل کے معنی میں ہوگا یا مفعول کے معنی میں۔

پہلی صورت میں اس کے معنی، غیب کی خبریں دینے والے۔

اور دوسری صورت میں اس کے معنی ہوں گے، غیب کی خبریں دیئے ہوئے۔

اور دونوں معنی کو قرآن عظیم سے تائید پہنچتی ہے۔ پہلے معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے نبی عبادی دوسری آیت میں فرمایا قل او نبئکم اور اسی قبیل سے ہے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد جو قرآن کریم میں وارد ہوا۔ انبئکم بما تا کلون و ما تدخرون۔ اور دوسری صورت کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ نبانی العلیم الخبیر اور حقیقت میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام غیب کی خبریں دینے والے ہی ہوتے ہیں۔

تفسیر خازن میں ہے کہ آپ کے وصف میں نبی فرمایا کیوں کہ نبی ہونا اعلیٰ اور اشرف مراتب میں

سے ہے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ اللہ کے نزدیک بہت بلند درجے رکھنے والے اور اس کی طرف سے خبر دینے والے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی نے لفظ ”امی“ کا ترجمہ ”بے پڑھے“ فرمایا یہ ترجمہ بالکل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشاد کے مطابق ہے اور یقیناً امی ہونا بھی آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی سے پڑھا نہیں اور کتاب وہ لائے جس میں اولین و آخرین اور غیبوں کے علوم ہیں۔

خاکی و بر اوج عرش منزل

امی و کتاب خانہ دروں

امی و دقیقہ دان عالم

بے سایہ و سائبان عالم

صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ۔ (خزائن العرفان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”الامی“ کہنے کی متعدد وجوہات علمائے کرام نے بیان کی

ہیں :

(۱) منسوب الی الام یعنی ہو علی ما ولدته امہ لم یکتب و لم یقراء .

ام یعنی ماں کی طرف منسوب کرتے ہوئے امی کہا یعنی جیسے نوزائیدہ بچہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اسی طرح حضور نے بھی کسی استاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور اس کے باوجود علوم ظاہری و باطنی سے سینہ مبارک کالبریز ہونا حضور کا روشن معجزہ ہے۔

اے بود کہ ما از اثر حکمت او
واقف از سر نہاں خانہ تقدیر شدیم

یعنی ہمارا ہادی برحق امی تھا لیکن اس کی حکمت کی برکت سے ہم تقدیر کے اسرار نہاں پر مطلع ہو گئے۔

(۲) ام القریٰ (مکہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے امی کہا گیا۔

(۳) بعض کی رائے ہے کہ امی امت کی طرف منسوب ہے یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام صاحب امت ہیں اور امت کی ”تاء“ نسبت کے وقت حذف کر دی گئی جیسے مکہ سے مکی، مدینہ سے مدنی میں ”تاء“ محذوف ہے۔

لفظ ”اصر“ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اصر بمعنی ثقل، بوجھ اور اصر بمعنی عہد۔ یہاں دونوں معنی ملحوظ ہیں یعنی اعمال شدیدہ کو بجالانے کا جو عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا حضور کی تشریف آوری سے انہیں ان اعمال شاقہ کی ادائیگی سے آزاد کر دیا گیا۔ ان کی شریعت کے چند احکام یہ تھے کہ اگر کوئی کپڑا نجاست لگنے سے پلید ہو جاتا تو اس کو کاٹ دینا پڑتا تھا۔ ایام حیض میں عورت کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا ایک ساتھ کھانا پینا تک ممنوع تھا، مال غنیمت کا استعمال جائز نہ تھا بلکہ اس کو ایک جگہ جمع کر کے نذر آتش کرنا لازمی تھا۔

اغلال جمع ہے اس کا واحد غل ہے اس کا معنی ہے زنجیر۔ اس سے مراد بھی شریعت موسوی کے وہ شدید اور سخت احکام ہیں جن پر عمل کرنا بنی اسرائیل کے لیے ناگزیر تھا۔ مثلاً یوم سبت کو ہر دنیاوی کام کی ممانعت تھی، اگر کوئی کسی کو قتل کر دیتا تو دیت کی گنجائش نہ تھی بلکہ قاتل کو بطور قصاص قتل کرنا ضروری تھا۔ اسی طرح کئی دیگر احکام تھے جن پر عمل کرنا مشقت سے خالی نہ تھا لیکن رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد

سے ان تمام احکام شاقہ میں تخفیف اور نرمی کر دی گئی۔ اگر کپڑا پلید ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کے لیے دھونا ہی کافی ہے، حائضہ عورت سے ہم بستری ممنوع قرار دی گئی اور دوسری پابندیاں ختم کر دی گئیں۔ قاتل کی دیت قبول کرنے کی بھی اجازت دی گئی، مال غنیمت کا استعمال حلال کر دیا گیا اور ان احکام میں بڑی آسانیاں اور نرمیاں کر دی گئیں۔ ہزار ہا صلوة و سلام ہوں اس طلعت زیبا پر جس کی آمد سے گلشن عالم میں بہار آگئی، جس کے ظاہر ہونے سے کائنات میں اجالا ہو گیا، توہمات کے قفس ٹوٹ گئے، غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں اور انسان کو شرف انسانیت سے آشنا کر دیا گیا۔

اس آیت کے آخر میں بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ فلاح و سعادت دارین سے صرف وہی خوش نصیب سرفراز ہوں گے جو میرے مصطفیٰ کریم پر سچے دل سے ایمان لائیں گے اور اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی تائید کے لیے ہر قربانی دینے پر مستعد ہوں گے اور اس کے نور تاباں (قرآن کریم) کے ارشادات پر عمل کرنے کے لیے دل و جان سے آمادہ ہوں گے۔ (سیرت الرسول)

خدا چاہتا ہے رضائے محمد

و الضحیٰ و الیل اذا سجدی ما ودعک ربک و ما قلی و للاخرة خیر لک من الاولیٰ و لسوف یعطیک ربک فترضی الم یجدک یتیمًا فاوی و وجدک ضالًا فهدی و وجدک عائلاً فاغنی فاما الیتیم فلا تقهر و اما السائل فلا تنهر و اما بنعمة ربک فحدث.

چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بیشک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی

ہو جاؤ گے کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو اور منگتا کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔
(الضحیٰ)

شان نزول: ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ چند روز وحی نہ آئی تو کفار نے بطریق طعن کہا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور مکروہ جانا اس پر سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی۔

والضحیٰ، جس وقت کہ آفتاب بلند ہو کیوں کہ یہ وقت وہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے مشرف کیا اور اسی وقت جادوگر سجدے میں گرے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضحیٰ سے دن مراد ہے۔

والیل اذا سجی، قسم رات کی جب پردہ ڈالے اور اس کی تاریکی عام ہو جائے، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ چاشت سے مراد وہ چاشت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام فرمایا، بعض مفسرین نے فرمایا کہ چاشت اشارہ ہے نور جمال مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اور شب کنایہ ہے آپ کے گیسوئے عنبریں سے۔

واللآخرۃ الآیۃ، یعنی آخرت دنیا سے بہتر ہے کیوں کہ وہاں آپ کے لیے مقام محمود و حوض مورد و خیر موعود اور تمام انبیاء و رسل پر تقدم اور آپ کی امت کا تمام امتوں پر گواہ ہونا اور آپ کی شفاعت سے مومنین کے مرتبے اور درجے بلند ہونا اور بے انتہا عزتیں اور کرامتیں ہیں جو بیان میں نہیں آتیں۔ اور مفسرین نے اس کے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں کہ آنے والے احوال آپ کے لیے گزشتہ سے بہتر و برتر ہیں گویا کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ روز بروز آپ کے درجے بلند فرمائے گا اور عزت پر عزت اور منصب پر

منصب زیادہ فرمائے گا اور ساعت بساعت آپ کے مراتب ترقیوں میں رہیں گے۔

و لسوف یعطیک ، اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کریمہ ان نعمتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں کمال نفس اور علوم اولین و آخرین اور ظہور امر اور اعلائے دین اور وہ فتوحات جو عہد مبارک میں ہوئیں اور عہد صحابہ میں ہوئیں اور تا قیامت مسلمانوں کو ہوتی رہیں گی اور دعوت کا عام ہونا اور اسلام کا مشارق و مغارب میں پھیل جانا اور آپ کی امت کا بہترین امم ہونا اور آپ کے وہ کرامات و کمالات جن کا اللہ ہی عالم ہے اور آخرت کی عزت و تکریم کو بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت عامہ و خاصہ اور مقام محمود و غیرہ جلیل نعمتیں عطا فرمائیں۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں دست مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو کر دعا فرمائی اور عرض کی اللہم امتی امتی اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں جا کر دریافت کر ورنے کا سبب کیا ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ دانا ہے۔ جبریل نے حسب حکم حاضر ہو کر دریافت کیا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں تمام حال بتایا اور غم امت کا اظہار فرمایا جبریل امین نے بارگاہ الہی میں عرض کی کہ تیرے حبیب یہ فرماتے ہیں باوجودیکہ وہ خوب جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ جاؤ اور میرے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے گا میں راضی نہ ہوں گا۔

آیت کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ اللہ وہی کرے گا جس میں رسول راضی ہوں۔ اور احادیث

شفاعت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اسی میں ہے کہ سب گنہگار ان امت بخش دیے جائیں۔ تو آیت و احادیث سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور کی شفاعت مقبول اور حسب مرضی مبارک گنہگار ان امت بخشے جائیں گے۔ سبحان اللہ! کیا یہ رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار عالم کو راضی کرنے کے لیے تمام مقررین تکلیفیں برداشت کرتے اور محنتیں اٹھاتے ہیں وہ اس حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے عطا عام کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو آپ کے ابتدائے حال سے آپ پر ہیں۔

الم یجدک یتیمًا ، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابھی والدہ ماجدہ کے لطن میں تھے حمل دو ماہ کا تھا کہ آپ کے والد صاحب نے مدینہ شریف میں وفات پائی اور نہ کچھ مال چھوڑا نہ کوئی جگہ چھوڑی آپ کی خدمت کے متکفل آپ کے دادا عبدالمطلب ہوئے جب آپ کی عمر شریف چار یا چھ سال کی ہوئی تو والدہ صاحبہ نے بھی وفات پائی۔ جب عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے بھی وفات پائی انھوں نے اپنی وفات سے پہلے اپنے فرزند ابوطالب کو جو آپ کے حقیقی چچا تھے آپ کی خدمت و نگرانی کی وصیت کی۔ ابوطالب آپ کی خدمت میں سرگرم رہے یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ایک معنی یہ بیان کیا ہے کہ یتیم بمعنی یکتا و بے نظیر کے ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے درہ یتیمہ، اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت و شرف میں یکتا و بے نظیر پایا اور آپ کو مقام قرب میں جگہ دی اور اپنی حفاظت میں آپ کے دشمنوں کے اندر آپ کی پرورش فرمائی اور آپ کو نبوت و اصطفاء و رسالت کے ساتھ مشرف کیا۔

ووجدک ضالًا فہدیٰ ، اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیے اور علوم ماکان و ما یکون عطا کیے اپنی ذات و صفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عنایت کیا۔ مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے

یہ بھی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی خبر بھی نہیں رکھتے تھے تو آپ کو آپ کے ذات و صفات اور مراتب و درجات کی معرفت عطا فرمائی۔

فائدہ

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب معصوم ہوتے ہیں نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے ہمیشہ سے عارف ہوتے ہیں۔

و وجدک عائلا ، دولت قناعت عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ تو نگری کثرت مال سے حاصل نہیں ہوتی حقیقی تو نگری نفس کا

بے نیاز ہونا ہے۔

و اما الیتیم ، جیسا کہ اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ یتیموں کو دباتے اور ان پر زیادتی کرتے تھے۔

حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کے گھروں میں وہ بہت اچھا گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور وہ بہت برا گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ برابر تاؤ کیا جاتا ہے۔

و اما السائل ، یعنی سائل کو نہ جھڑکو بلکہ کچھ دے دو یا حسن اخلاق اور نرمی کے ساتھ عذر کر دو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ سائل سے طالب علم مراد ہے اس کا اکرام کرنا چاہیے اور جو اس کی حاجت ہو اس کا پورا کرنا اور اس کے ساتھ ترش روئی و بد خلقی نہ کرنا چاہیے۔

نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائیں اور وہ بھی جن کا حضور سے وعدہ فرمایا۔ نعمتوں کے ذکر کا اس لیے حکم فرمایا کہ نعمت کا بیان کرنا

(خزائن العرفان)

شکرگزاری ہے۔

انشراح صدر و رفعت ذکر

الم نشرح لك صدرک و وضعنا عنک و زرک الذی انقض ظهرک
ورفعنا لك ذکرک فان مع العسر يسرا ان مع العسر يسرا فاذا فرغت فانصب و الی
ربک فارغب.

کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی
تھی اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے بیشک دشواری
کے ساتھ آسانی ہے تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعائیں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

(الانشراح)

یعنی ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ اور وسیع کیا ہدایت و معرفت اور موعظت و نبوت اور علم و حکمت
کے لیے یہاں تک کہ عالم غیب و شہادت اس کی وسعت میں سما گئے اور علائق جسمانیہ، انوار روحانیہ کے لیے
مانع نہ ہو سکے اور علوم لدنیہ و حکم الہیہ و معارف ربانیہ و حقائق رحمانیہ سینہ پاک میں جلوہ نما ہوئے۔ اور ظاہری
شرح صدر بھی بار بار ہوا۔ ابتدائے عمر شریف میں، اور ابتدائے نزول وحی کے وقت اور شب معراج، جیسا
کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس کی شکل یہ تھی کہ جبریل امین نے سینہ پاک کو چاک کر کے قلب مبارک نکالا
اور زریں طشت میں آپ زم زم سے غسل دیا اور نور و حکمت سے بھر کر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔

اس بوجھ سے مراد یا وہ غم ہے جو آپ کو کفار کے ایمان نہ لانے سے رہتا تھا یا امت کے گناہوں کا
غم ہے جس میں قلب مبارک مشغول رہتا تھا مراد یہ ہے کہ ہم نے آپ کو مقبول الشفاعة کر کے وہ بار غم دور کر
دیا۔

(خزائن)

اس بوجھ کے بارے میں علماء تفسیر نے متعدد اقوال لکھے ہیں ان میں سے دو قول یہ ہیں۔

(۱) اپنی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ کر خاطر عاظر کو بہت تکلیف ہوتی تھی، ان کا بے جان بتوں کو پوجنا، فسق و فجور میں غرق رہنا، قمار بازی اور شراب نوشی میں اپنی صحت و دولت کو برباد کرنا، غریبوں پر ظلم ڈھانا، ان کے حقوق غصب کرنا، باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت، ان کی اخلاقی پستی، ان کی معاشی بد حالی اور ان کی سیاسی ابتری، ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت دکھ ہوتا اور اس صورت حال کو یکسر بدل ڈالنے کے لیے دل ہر وقت مضطرب رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا اور قرآن کریم جیسا صحیفہ رشد و ہدایت عطا فرمایا، دین اسلام جیسا جامع اور مکمل نظام حیات مرحمت فرمایا جس سے یہ بوجھ اتر گیا، منزل کا تعین بھی ہو گیا اور اس منزل کی طرف لے جانے والا راستہ بھی نور نبوت سے روشن ہو گیا۔

(۲) یا اس بوجھ سے بار نبوت و رسالت مراد ہے ایسے لوگ جو صد ہا سال سے معبودان باطل کی پوجا پاٹ میں مشغول تھے جن کی کئی پشتیں اخلاقی آوارگی کی نذر ہو چکی تھیں۔ ظلم و ستم لوٹ مار، جن کے نزدیک فخر و مباہات کا باعث تھی، ان کو ان پستیوں سے نکال کر توحید، اخلاق حسنہ اور نظم و ضبط کی بلند یوں پر لے جانا، بڑا جان جو کھم کا کام تھا۔ اس راستہ میں مشکلات کے فلک بوس پہاڑ سینہ تانے کھڑے تھے اور ناکامیوں کی عمیق غاریں منہ کھولے ہوئے نکل جانے کے لیے بے تاب تھیں، اس فرض کی ادائیگی کا احساس دل کو ہر وقت بے چین رکھتا۔ ان کا تعصب و عناد اور باطل سے چمٹے رہنے پر ان کا احمقانہ اصرار اس بے چینی میں مزید اضافہ کر دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے مالا مال فرما کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ طبیعت میں قلق و اضطراب کی جگہ صبر و عزیمت نے لے لی، اپنی قوم کی بے اعتنائی اور دل آزاریوں پر دل گرفتہ ہونے کی بجائے

ہمت و حوصلہ پیدا ہو گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں فرمائی اور خوب فرمائی ہے۔

آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھیں، قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا تو وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔ (سیرت الرسول)

ورفعنا لک ذکرک

حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے اس آیت کو دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اذان میں، تکبیر میں، تشہد میں منبروں پر، خطبوں میں، تو اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے ہر بات میں اس کی تصدیق کرے اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بے کار وہ کافر ہی رہے گا۔

قنادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند کیا ہر خطیب، ہر تشہد پڑھنے والا اشہد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ اشہد ان محمد رسول اللہ پکارتا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ (خزائن العرفان)

نور مصطفیٰ

قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین .

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ (المائدہ، ۱۵)

اس آیت میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا کیوں کہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔ اور روشن کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے۔ (خزائن العرفان)

و داعیا الی اللہ باذنه و سراجا منیرا .

اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ (الاحزاب، ۴۶)

سراج کا ترجمہ آفتاب قرآن کریم کے بالکل مطابق ہے کہ اس میں آفتاب کو سراج فرمایا گیا جیسا کہ سورہ نوح میں و جعل الشمس سراجا اور آخر پارہ کی پہلی سورہ میں ہے و جعلنا سراجا و ہاجا اور درحقیقت ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی آپ کے نور نبوت نے پہنچائی اور کفر و شرک کے ظلمات شدیدہ کو اپنے نور حقیقت افروز سے دور کر دیا اور خلق کے لیے معرفت و توحید الہی تک پہنچنے کی راہیں روشن اور واضح کر دیں اور ضلالت کی وادی تاریک میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے انوار ہدایت سے راہ یاب فرمایا اور اپنے نور نبوت سے ضمائر و بصائر اور قلوب و ارواح کو منور کیا۔ حقیقت میں آپ کا وجود مبارک ایسا آفتاب عالم تاب ہے جس نے ہزار ہا آفتاب بنا دیئے اس لیے اس کی صفت میں منیر ارشاد فرمایا گیا۔

(خزائن العرفان)

و داعیا الی اللہ باذنه ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف

دعوت دینے والے ہیں اور یہ کام کیوں کہ بہت ہی کٹھن اور دشوار ہے، کوئی آدمی اپنے عقیدہ کو چھوڑنے کے

لیے باسانی تیار نہیں ہوتا خصوصاً مکہ کے مشرک جو کورانہ تقلید اور آباء پرستی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، جنہوں نے غور و فکر کے سارے چراغ گل کر دیئے تھے ان کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی طرف لے آنا از حد دشوار تھا یہی حالت یہود اور دوسرے اہل کتاب کی بھی تھی اس لیے ساتھ ہی باذنہ کا کلمہ بڑھا دیا یعنی اے محبوب ہم نے اس دشوار کام کو آپ کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان گونا گوں خوبیوں اور دل فریبیوں سے ممتاز فرمایا تھا کہ دل خود بخود اس طلعت زیا کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ وہ لوگ جن میں حق پذیری کا ادنیٰ سا بھی ملکہ موجود تھا وہ اس شمع جمال پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے اور دنیا نے دیکھا کہ عرب کے اجڈ اور سخت مزاج لوگ کس طرح اپنے بچوں، اپنے آباد گھروں، قیمتی مال و متاع اور وطن عزیز کو چھوڑ کر در مصطفیٰ علیہ الطیب التحیۃ و الثنا کی طرف کشاں کشاں جا رہے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے خالد بن ولید نے میدان احد میں مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا تھا لیکن وہی فاتح خالد، مکہ کو الوداع کہہ رہا ہے اور اپنے گلے میں غلامی کا قلابہ ڈال کر سرکار مدینہ کی حاضری کے لیے کوہ و دمن، دشت و صحراء کو عبور کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ یہی ”داعیا الی اللہ باذنہ“ کی شان کا ایک ظہور ہے۔

سراجا منیرا، اے محبوب میں نے تجھے سراجا منیرا بنا کر بھیجا ہے۔ ان دو لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر جن انعامات و لطافت کی بارش فرمائی ہے اس کی بے کرائیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے آفتاب اور آفتاب بھی عالم تاب، روشن اور اتنا روشن کہ دوسروں کو بھی نور و ضیاء کا منبع و مصدر بنا دینے والا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زبان فیض ترجمان سے تو داعی تھے اور قلب مبارک اور قالب منور کی وجہ سے سراج منیر تھے، اہل ایمان اس آفتاب کے رنگوں میں رنگے جاتے ہیں اور اس کے انوار سے درخشاں و تاباں ہوتے ہیں۔

(سیرت الرسول)

اللہ نور السموات و الارض مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجة الزجاجۃ کانہا کوكب درى یوقد من شجرة مبارکة زیتونہ لا شرقیة و لا غربیة یکاد زیتہا یضئ و لو لم تمسسه نار نور علی نور یهدی اللہ لنورہ من یشاء و یضرب اللہ الامثال للناس و اللہ بكل شیء علیم .

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھتم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (النور، ۳۵)

نور، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا ہادی ہے تو اہل سموات وارض اس کے نور سے حق کی راہ پاتے ہیں اور اس کی ہدایت سے گمراہی کی حیرت سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا منور فرمانے والا ہے اس نے آسمانوں کو ملائکہ سے اور زمین کو انبیاء سے منور کیا۔

اللہ کے نور سے یا تو قلب مومن کی وہ نورانیت مراد ہے جس سے وہ ہدایت پاتا اور راہ یاب ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کے اس نور کی مثال جو اس نے مومن کو عطا فرمایا۔ بعض مفسرین نے اس نور سے قرآن مراد لیا۔ اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اس نور سے مراد سید کائنات افضل موجودات حضرت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

درخت زیتون نہایت کثیر البرکت ہے کیوں کہ اس کا روغن جس کو زیت کہتے ہیں نہایت صاف و

پاکیزہ روشنی دیتا ہے، سر میں بھی لگایا جاتا ہے، سالن اور نان خورش کی جگہ روٹی سے بھی کھایا جاتا ہے دنیا کے اور کسی تیل میں یہ وصف نہیں اور درخت زیتون کے پتے نہیں گرتے۔

زیتون نہ پورب کا نہ پچھتم کا، سے مراد یہ ہے کہ وہ وسط کا ہے کہ نہ اسے گرمی سے ضرر پہنچے نہ سردی سے اور وہ نہایت اجود و اعلیٰ ہے اور اس کے پھل غایت اعتدال میں۔

نور علی نور، اس تمثیل کے معنی میں اہل کتاب کے کئی قول ہیں۔

ایک یہ کہ نور سے مراد ہدایت ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت غایت ظہور میں ہے کہ عالم محسوسات میں اس کی تشبیہ ایسے روشندان سے ہو سکتی ہے جس میں صاف و شفاف فانوس ہو اس فانوس میں ایسا چراغ ہو جو نہایت ہی بہتر اور مصطفیٰ زیتون سے روشن ہو کہ اس کی روشنی نہایت اعلیٰ اور صاف ہو۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تمثیل نور سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کعب احبار سے فرمایا کہ اس آیت کے معنی بیان کرو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثال بیان فرمائی۔ روشن دان (طاق) تو حضور کا سینہ شریف ہے اور فانوس قلب مبارک اور چراغ نبوت کہ شجر نبوت سے روشن ہے اور اس نور محمدی کی روشنی و اضاءت اس مرتبہ کمال ظہور پر ہے کہ اگر آپ اپنے نبی ہونے کا بیان بھی نہ فرمائیں جب بھی خلق پر ظاہر ہو جائے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ روشن دان تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ہے اور فانوس قلب اطہر اور چراغ وہ نور جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا کہ شرقی ہے نہ غربی نہ یہودی و نصرانی ایک شجرہ مبارک سے روشن ہے وہ شجر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ نور قلب ابراہیم پر نور محمدی نور پر نور ہے۔

اور محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ روشن دان و فانوس تو حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور

چراغ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شجرہ مبارکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، کہ اکثر انبیاء آپ کی نسل سے ہیں اور شرقی و غربی نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی نہ نصرانی، کیوں کہ یہود مغرب کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور نصاریٰ مشرق کی طرف، قریب ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن و کمالات نزول وحی سے قبل ہی خلق پر ظاہر ہو جائیں نور پر نور یہ کہ نبی ہیں، نسل نبی سے، نور محمدی ہے نور ابراہیمی پر۔ (خزائن العرفان)

زجاجہ، شیشہ سے بنا ہوا فانوس جس میں چراغ رکھا جاتا ہے، شفاف شیشہ سے بنے ہوئے فانوس میں اگر بڑا چراغ رکھا ہوا ہو اور اس چراغ کو مشکوٰۃ (چراغ دان) میں رکھ دیا جائے جس کی روشنی ہر سمت سے بند ہو کر ایک ہی سمت میں پھیل رہی ہو تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ روشنی کتنی تیز ہوگی۔ اگر چراغ روشن کر دیا جائے اور اسے فانوس میں نہ رکھا جائے ایک تو ہر وقت ہوا کے کسی جھونکے سے اس کے بجھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے نیز اس کی لو بھی مدہم ہوتی ہے اور اگر چراغ کو شیشہ کے فانوس میں رکھ دیا جائے تو بجھنے کا خطرہ بھی نہ رہے گا اور جب بلور کے شفاف فانوس سے اس کی روشنی چھن چھن کر آئے گی تو اس میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ اور اگر وہ فانوس کھلے میدان میں رکھا ہوا ہو اور اس کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی ہو تو بھی اس کی چمک ہر طرف پھیل جانے کی وجہ سے کم ہو جائے گی اور اگر اس فانوس کو اٹھا کر کسی ایسے چراغ دان میں رکھ دیا جائے جو صرف ایک طرف کھلتا ہو تو ساری روشنی ایک سمت میں پھیلنے کی وجہ سے کئی گنا تیز ہو جائے گی۔ وہ چراغ بالکل اس طرح دکھائی دے گا جیسے تاریک رات میں آسمان پر کوئی دمکتا ہوا ستارہ ہو جو روشن بھی ہو اور حسین بھی۔

اس زمانہ میں چراغ جلانے کے لیے مختلف قسم کے تیل استعمال کیے جاتے تھے ان تیلوں میں سے زیتون کے تیل کی روشنی بڑی تیز، صاف اور دھوئیں سے پاک ہوتی، جس چراغ میں زیتون کا تیل ڈالا جاتا اس کی چمک دمک کا مقابلہ کوئی اور چراغ نہ کر سکتا۔ پھر ہر زیتون کا درخت اور اس سے نکالا ہوا تیل ایک قسم کا

نہیں ہوتا بلکہ بعض زیتوں کے درخت اپنے علاقہ و آب و ہوا کی وجہ سے دوسرے زیتوں کے درختوں سے زیادہ عمدہ ہوتے ہیں اور ان سے نکلا ہوا تیل کہیں صاف اور روشن ہوتا ہے۔ خصوصاً زیتون کا وہ درخت جو کسی پہاڑ کی چوٹی یا کھلے میدان میں اگا ہو، طلوع آفتاب کے وقت بھی اس کی عنابی کر نیں اسے زندگی بخش اثرات سے سرشار کر دیں اور جب سورج غروب ہو رہا ہو تب بھی ہوا ہر طرف سے اسے لگتی ہو اس قسم کا درخت اپنے قد و قامت میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور اس کا تیل بھی بڑا نفیس ہوتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی لگائی جائے تو از خود روشنی کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔

اب اس مثال کی عظمت کا اندازہ لگائیے کہ ایسے چراغ کی روشنی کی کیا کیفیت ہوگی، اس کی چمک دمک دوسرے چراغوں کو مات کر رہی ہوگی اور اپنی صفائی اور لطافت کے باعث دل و نگاہ کو مسحور کر رہی ہوگی، ان امور کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب علمائے کرام نے اس تمثیل کے جو مختلف مطالب بیان فرمائے ہیں انہیں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کعب احبار سے کہا مجھے اس آیت کا مطلب بتاؤ؟

حضرت کعب احبار نے کہا کہ یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بیان کی ہے، مشکوٰۃ سے مراد سینہ مبارک ہے، زجاجہ سے مراد قلب انور ہے، مصباح سے مراد نبوت ہے۔ یعنی حضور کا نور، حضور کی شان لوگوں کے سامنے خود بخود عیاں ہو رہی ہے اگرچہ حضور اپنی نبوت کا اعلان نہ بھی کرتے۔

(۲) ابو العالیہ نے ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے۔ مشکوٰۃ اس کا نفس ہے، زجاجہ اس کا سینہ، مصباح نور ایمان اور نور قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں پیدا فرماتا ہے اور شجرہ مبارکہ سے مراد اخلاص ہے۔

(۳) حسن بصری اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی مثال ہے۔ مصباح سے مراد قرآن کریم ہے، جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجلجہ سے مراد قلب مومن ہے، مشکوٰۃ سے مراد اس کا منہ اور اس کی زبان ہے۔ شجرہ مبارکہ سے مراد اس کی وحی ہے۔

(۴) یانورہ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہوگا اس صورت میں مصباح سے مراد ذات خداوندی ہوگی۔ مشکوٰۃ سے مراد ساری کائنات ہوگی اور فانوس (زجلجہ) اس کا وہ نوری پردہ ہوگا جس کے باعث وہ عیاں اور آشکارا ہونے کے باوجود اپنی مخلوقات کی نگاہوں سے مخفی اور پنہاں ہے۔ یہ خفاء اس لیے نہیں کہ اس کے ظہور میں کچھ کمی ہے بلکہ تجلیات کی فراوانی اور انوار کی کثرت اس بات سے مانع ہے کہ کوئی آنکھ کھول کر دیکھنے کی جرأت کر سکے۔

نور اس کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور وہ دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو۔ کسی چیز کے ظاہر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ موجود ہو، جو چیز موجود نہیں ہوگی اس کا ظاہر ہونا ممکن نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے وہ ازل سے موجود ہے اور ابد تک موجود رہے گی نیز وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب کسی علت اور کسی فاعل کا محتاج بھی نہیں اس لیے وہی ہے جو صفت نور و ظہور سے متصف ہونے کا مستحق ہے وہ خود بھی موجود ہے اور اس کے امر کن سے ہر چیز کو خلعت و جود ارزانی ہوتی ہے اس لیے وہ ہر چیز کے لیے نور ہے یعنی مظہر ہے۔

اس لیے اکثر علمائے تفسیر نے اس آیت میں نور کا معنی موجد اور مبدع کیا ہے یعنی عدم سے وجود میں لانے والا، اس کے لیے آیت میں نور سے مراد مدبر بھی لیا گیا ہے کیوں کہ قوم کا وہ رئیس جو ان کے تمام کاموں کے متعلق سوچ و چار کرتا ہے اور انھیں صحیح راستہ پر چلاتا ہے اسے ”نور القوم“ کہا جاتا ہے یعنی سب اسی کی رائے کی روشنی میں اپنے جملہ امور طے کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نور کا معنی ”ہادی“ بھی منقول ہے۔

ہادی اهل السموات و الارض فهم بنورہ یعنی بہدایتہ الی الحق یہتدون و
بہداه من حیرة الضلالة ینجون .

یعنی آسمان اور زمین والوں کا وہی ہادی ہے پس وہ اس کے نور ہدایت سے حق کی طرف ہدایت
پاتے ہیں اور گمراہی کی حیرانی سے نجات پاتے ہیں۔ (سیرت الرسول)

بشریت مصطفیٰ

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الہکم الہ واحد فمن کان یرجوا لقاء ربہ
فلیعمل عملا صالحا و لا یشرک بعبادۃ ربہ احدا .

تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود
ہے تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو
شریک نہ کرے۔ (الکہف۔ ۱۱۰)

یعنی مجھ پر بشری اعراض و امراض طاری ہوتے ہیں اور صورت خاصہ میں کوئی بھی آپ کا مثل نہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن و صوبت میں بھی سب سے اعلیٰ و بالا کیا اور حقیقت و روح و باطن کے اعتبار سے
تو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اوصاف بشر سے اعلیٰ ہیں۔ جیسا کہ شفاء قاضی عیاض میں ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے
اجسام و ظواہر تو حد بشریت پر چھوڑے گئے اور ان کے ارواح و باطن بشریت سے بالا اور ملاء اعلیٰ سے متعلق
ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ کی بشریت کا وجود اصلاً نہ رہے اور غلبہ انوار حق آپ پر علی الدوام حاصل ہو۔ بہر حال آپ کی ذات و کمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں۔

اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تو واضح کے لیے حکم فرمایا گیا، یہی فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے۔

فائدہ

(۱) کسی کو جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے مثل بشر کہے، کیوں کہ جو کمالات اصحاب عزت و عظمت بطریق تواضع فرماتے ہیں ان کا کہنا دوسروں کے لیے روا نہیں ہوتا۔

(۲) یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائل جلیلہ و مراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں اس کے ان فضائل و مراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام سے ذکر کرنا جو ہر کہ و مہ میں پایا جائے ان کمالات کے نہ ماننے کا مشعر ہے۔

(۳) یہ کہ قرآن کریم میں جا بجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنے مثل بشر کہتے تھے اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔

پھر اس کے بعد آیت یوحی الی، میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخصوص بالعلم اور مکرم عند اللہ ہونے کا بیان ہے۔ (خزائن العرفان)

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الہکم الہ واحد فاستقیموا لہ و استغفروہ
وویل للمشرکین

تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو اس کے حضور سیدھے رہو اور اس سے معافی مانگو اور خرابی ہے شرک والوں کو۔ (حم السجدہ، ۶)

اے اکرم الخلق سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم براہ تو اضع ان لوگوں کے ارشادات و ہدایات کے لیے فرماؤ، کہ آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں ظاہر میں، کہ میں دیکھا بھی جاتا ہوں، میری بات بھی سنی جاتی ہے اور میرے تمہارے درمیان میں بظاہر کوئی جنسی مغایرت بھی نہیں ہے تو تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سننے میں آئے اور میرے تمہارے درمیان کوئی روک ہو بجائے میرے کوئی غیر جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں نہ ان کی بات سننے میں آئے نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں ہمارے ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں کیوں کہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا تو تمہیں مجھ سے مانوس ہونا چاہیے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنا چاہیے کیوں کہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے اس لیے کہ میں وہی کہتا ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔

فائدہ

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر، انا بشر مثلکم فرمانا حکمت ہدایت و ارشاد کے لیے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں چھوٹوں کا ان کلمات کو اسکی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امتی کو روانہ نہیں کہ وہ حضور علیہ السلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

(خزائن العرفان)

حضور انور حاضر و ناظر ہیں

یا ایہا النبی انا ارسلناک شہدا و مبشرا و نذیرا۔

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر

(الاحزاب، ۴۵)

ساتا۔

شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر بہت بہترین ترجمہ ہے۔ مفردات راغب میں ہے۔

الشہود و الشہادۃ الحضور مع المشاہدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ۔

یعنی شہود اور شہادت کے معنی ہیں حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے

ساتھ۔ اور گواہ کو بھی اسی لیے شاہد کہتے ہیں کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں آپ کی رسالت عامہ ہے جیسا کہ سورۃ

فرقان کی پہلی آیت میں بیان ہوا تو حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے

شاہد ہیں اور ان کے اعمال و افعال و احوال تصدیق، تکذیب، ہدایت، ضلالت سب کا مشاہدہ فرماتے

(خزائن العرفان)

ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑے محبت بھرے انداز میں خطاب فرماتا ہے اور

اس کے بعد ان جلیل القدر القاب کا ذکر کرتا ہے جن سے اس نے اپنے محبوب کو سرفراز فرمایا۔ ان کے ذکر

سے اگر ایک طرف اپنے پیارے رسول کی عزت افزائی مقصود ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی حوصلہ دیا

جا رہا ہے کہ تم ان طوفانوں سے نہ گھبراؤ، ان تند و تیز لہروں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ منہ

کھولے ہوئے گرداب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اس ملت کا سفینہ ہم نے کسی ایسے ملاح کے سپرد نہیں کیا جو تم

ہمت، دوس حوصلہ، نااہل اور ناتجربہ کار ہو بلکہ اس کشتی کا ناخدا وہ نبی برحق ہے جس کو ہم نے ان صفات جلیلہ

سے متصف کیا ہے۔ تم صبر و استقامت سے اس کا دامن اطاعت مضبوطی سے پکڑے رہو یقیناً تمہیں ساحل مراد تک رسائی نصیب ہوگی۔ ساتھ ہی دشمنان اسلام کی ان ناپاک آرزوؤں کو بھی خاک میں ملادیا جو اپنی سازشوں اور حیلہ سازیوں سے حق کی اس شمع فروزاں کو بجھانا چاہتے تھے۔ ارشاد فرمایا:

اے میرے نبی مکرم ہم نے تجھے شاہد بنایا ہے۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا کہ ہم نے تجھے شاہد بنایا لیکن جس چیز پر شاہد بنایا اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک چیز ذکر کر دی جاتی تو شہادت نبوت وہاں محصور ہو کر رہ جاتی، یہاں اس شہادت کو کسی ایک امر پر محصور کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے۔ یعنی حضور گواہ ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تمام صفات کمالیہ پر۔ کیوں کہ جب ایسی باکمال ہستی اور ہمہ صفت موصوف ہستی یہ گواہی دے رہی ہو کہ لا الہ الا اللہ تو کسی کو اس دعوت حق میں شک نہیں رہتا۔ دولت، حکومت، شخصی وجاہت، علم اور فضل و کمال یہ ایسے حجاب ہیں جن میں لوگ کھو جاتے ہیں اور اپنے خالق کریم کی ہستی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس شہادت سے وہ سارے خجابت تارتار ہو گئے اور اس جلیل المرتبت نبی کی شہادت توحید کے بعد کوئی سلیم الطبع آدمی اس کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اس کے عقائد، اس کے نظام عبادات و اخلاق اور اس کے سارے قوانین کی حقانیت کے بھی گواہ ہیں۔ اسی کے اتباع میں فلاح دارین کا راز مضمحل ہے، اسی آئین کے نفاذ سے اس گلشن ہستی میں بہار جاوداں آسکتی ہے۔ اور جب قیامت کے روز سابقہ امتیں اپنے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیں گی کہ نہ ان کے پاس کوئی نبی آیا نہ کسی نے ان کو دعوت توحید دی اور نہ انھیں کسی نے گناہوں سے روکا، تو اس وقت بھرے مجمع میں اللہ تعالیٰ کا یہ رسول انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی گواہی دے گا کہ رب العالمین! تیرے نبیوں نے تیرے احکام پہنچائے اور تیری طرف بلانے میں انھوں نے کسی کوتاہی کا ثبوت نہیں دیا، یہ لوگ جو آج

تیرے انبیاء کی دعوت کا سرے سے انکار کر رہے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں پر پتھر برسائے، ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، انہیں جھٹلایا اور بعض نے تو تیرے نبیوں کو تختہ دار پر کھینچ دیا۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے اعمال کی گواہی دیں گے کہ فلاں نے کیا کیا اور فلاں سے کیا غلطی سرزد ہوئی۔

اخرج ابن المبارک عن سعید بن المسیب قال لیس من یوم الا و یعرض علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امتہ غدوة و عشية فیعرفہم بسیمامہم و لذلك یشہد علیہم .

عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح و شام حضور کی امت حضور پر پیش کی جاتی ہے اور حضور ہر فرد کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں اس لیے حضور ان پر گواہی دیں گے۔

حضور کا دوسرا لقب، ”مبشرا“ ہے یعنی خوشخبری دینے والے، آپ نے اپنی امت کو یہ خوش خبری دی کہ جو اس دین پر ایمان لائے گا، اس کے ارشادات پر عمل کرے گا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامراں ہوگا۔

تیسرا لقب ”نذیرا“ ہے نذیر کا معنی ہے کسی شخص کو نافرمانی کے نتائج سے بروقت آگاہ کرنے والا۔ یہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ہے۔ (سیرت الرسول)

انا ارسلک شاہدا و مبشرا و نذیرا۔ (الفح، ۸)

بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سنا تا۔

حاضر و ناظر سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال و افعال ملاحظہ

فرماتے ہیں تاکہ روز قیامت ان کی گواہی دیں۔ ڈر سنانے سے مراد یہ ہے کہ حضور مومنین مقررین کو جنت کی خوشی اور نافرمانوں کو عذاب دوزخ کا ڈر سنا تے ہیں۔
(خزائن العرفان)

انا ارسلنا الیکم رسولا شاهدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا .

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر ناظر ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے۔
(المزمل، ۱۵)

و کذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیدا .

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔
(البقرہ، ۱۴۳)

امت کو تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطلاع کے ذریعہ سے احوال امم و تبلیغ انبیاء کا علم قطعی و یقینی حاصل ہے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکرم الہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاق و نفاق سب پر مطلع ہیں۔

فائدے

اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت دنیا میں بحکم شرع امت کے حق میں مقبول ہے یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنے زمانہ کے حاضرین کے متعلق جو کچھ فرمایا مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت کے فضائل و مناقب یا غائبوں اور بعد والوں کے لیے مثلاً حضرت اولیس و امام مہدی وغیرہ کے اس پر اعتقاد واجب ہے۔

ہر نبی کو ان کی امت کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے تاکہ روز قیامت شہادت دے سکیں چوں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت عام ہوگی اس لیے حضور تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہیں۔

یہاں ”شہید“ بمعنی مطلع بھی ہو سکتا ہے کیوں کہ شہادت کا لفظ علم و اطلاع کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و اللہ علی کل شیء شہید۔ (خزائن العرفان)

حضور کی حفاظت و صیانت کا خدائی وعدہ

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته و الله يعصمك من الناس ان الله لا يهدي القوم الكافرين .

اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے بے شک اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔ (المائدہ ۶۷)

یعنی کفار سے حفاظت کا وعدہ کیا گیا جو آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں، سفروں میں شب کو حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہرہ دیا جاتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی پہرہ ہٹا دیا گیا اور حضور نے پہرہ داروں سے فرمایا کہ تم لوگ چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی۔ (خزائن العرفان)

تشریح: جس قوم کی اصلاح اور ہدایت کے لیے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تھا ان کی کوئی بات بھی تو درست نہ تھی، سیاسی طور پر وہ بد نظمی اور انتشار کا شکار تھے، معاشی طور پر ان کی بد حالی کی مثال نہ تھی، اخلاقی لحاظ سے ان کے یہاں الٹی گنگا بہتی تھی، شراب نوشی، جو ابازی اور بدکاری، سرداری اور دولت مندی کی علامات تھیں۔ ظلم و قتل کو شجاعت، معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو تقاضائے حمیت و غیرت، اور اسراف و فضول خرچی کو سخاوت کہا نہیں جاتا بلکہ یقین کیا جاتا تھا۔ دینی

لحاظ سے تو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ گھر جو اللہ وحدہ ولا شریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہاں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ یہ ان کا دین تھا، ان کا عقیدہ تھا، انھیں اس پر کامل یقین بھی تھا اور اس سے والہانہ محبت بھی تھی۔ اب جو ہستی ایک ہمہ گیر انقلاب کی داعی بن کر آئی تھی، جسے زندگی کے ہر شعبہ میں جملہ خرابیوں کی اصلاح کے لیے مقرر فرمایا گیا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ اس سیاسی انتشار کے جو محرکات تھے ان پر ضرب کاری لگائے، وہ عناصر جن کی دھاندلیاں وہاں کی معاشی زندگی کو درہم برہم کر رہی تھیں ان کے منہ میں بھی لگام دے۔ وہ خبیث و مکروہ عادتیں اور وحشیانہ افعال جن پر بد اخلاقیوں کے موٹے اور سیاہ غلاف چڑھے ہوئے تھے ان کو بھی بے نقاب کرے اور اخلاق فاضلہ کا صحیح مفہوم بھی ان کے ذہن نشیں کرائے اور ان کی عقیدت کے صنم کدوں میں جتنے بت تھے پتھر کے، تانبے کے، پیتل کے، اپنی خواہشات کے، اپنے نفس کے، ذاتی اور قبائلی عصبیتوں کے ان سارے بتوں کو الا اللہ کی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دے۔

اس کار عظیم کے لیے قدرت کی نظر انتخاب پڑی تو اس پر جس کا کوئی بھائی نہیں، جس کے سر پر باپ اور دادا کا سایہ نہیں، دولت و ثروت نہیں، خدام و نوکر نہیں اس کے پاس صرف اللہ کا نام ہے یہی اس کی ساری قوتوں کا سرچشمہ ہے، یہی اس کی ساری توانائیوں کا منبع ہے اس نازک اور مشکل ترین خدمت کے لیے اسے متعین فرما کر اس کا رب اسے فرماتا ہے کہ آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور رسول کا کام یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کا پیغام بے خوف و خطر کسی رد و بدل کے بغیر پہنچا دے۔ اس لیے اپنے منصب رسالت کا پاس رکھتے ہوئے اپنے رب کریم کا جو حکم آپ کو ملے اس کو اس کی مخلوق تک پہنچا دیں اگر کسی حکم کے پہنچانے میں پس و پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اپنا فرض منصبی پورا کرنے میں غفلت برتی ہے اور اس کا حق ادا نہیں کیا۔ باقی رہی دشمنوں کی قوت، کفار کے حملے، منافقین کی سازشیں اور یہود کی ریشہ دوانیاں، تو سن لو اللہ تعالیٰ خود آپ کا نگہبان ہے کوئی آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اب آپ خود غور کیجیے کہ اس صریح اور پر

جلال حکم کے بعد کوئی یہ باور کر سکتا ہے کہ حضور نے کسی کی پاسداری کے لیے یا کسی کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو چھپایا ہو؟ نوع انسانی کے عوام و خواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلا کم و کاست اور بے خوف و خطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی۔

(سیرت الرسول)

حضور کی تعظیم و توقیر

انبا ارسلناک شاهدا و مبشرا و نذیرا لتؤمنوا باللہ و رسوله و تعزروه و توقروه و تسبحوه بکرة و اصیلا۔

بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سنا تا تا کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

(الفصح، ۹)

یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ میرے پیارے رسول پر سچے دل سے ایمان لاؤ، اس کی نصرت و اعانت میں سردھڑکی بازی لگا دو، اس کے دین کی سر بلندی کے لیے اپنے جملہ مادی اور ادبی وسائل کو پیش کر دو اور اس کے ساتھ ساتھ میرے محبوب کے ادب و احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھو، ایسا نہ ہو کہ تم دین کی خدمت تو کرو لیکن بارگاہ نبوت کے آداب کو ملحوظ نہ رکھو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت اور اسی طرح حضور کی تعظیم و تکریم یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ”تعزروه“ اور ”توقروه“ ضمیر مفعول کا مرجع حضور کی ذات والا صفات ہے یہاں وقف تام ہے۔ اور ”تسبحوه“ سے نیا کلام شروع ہوتا ہے اور یہاں مفعول کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو، بعض علماء نے تمام افعال میں مفعول کی ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیا ہے تاکہ تفریق ضمائر لازم نہ آئے۔

(سیرت الرسول)

يا ايها الذين آمنوا لا تقدموا بين يدي الله ورسوله و اتقوا الله ان الله سميع

علیم

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔

(الحجرات، ۱)

یعنی تمہیں لازم ہے کہ اصلاً تم سے تقدم واقع نہ ہونہ قول میں نہ فعل میں کہ تقدم کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف ہے بارگاہ رسالت میں نیاز مندی و آداب لازم ہیں۔

شان نزول: چند شخصوں نے عید اضحیٰ کے دن سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی سے تقدم نہ کرو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (خزانة العرفان)

يا ايها الذين آمنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي و لا تجهروا له بالقول
كجهر بعضكم لبعض ان تحبط اعمالكم و انتم لا تشعرون .

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ (الحجرات، ۲)

یعنی جب حضور میں کچھ عرض کرو تو آہستہ پست آواز سے عرض کرو یہی دربار رسالت کا ادب

واحترام ہے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجلال و اکرام و ادب و احترام تعلیم فرمایا گیا ہے اور حکم دیا ہے کہ ندا کرنے میں ادب کا پورا لحاظ رکھیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہیں اس طرح نہ پکاریں بلکہ جو کلمات ادب و تعظیم و توصیف و تکریم و القاب عظمت کے ساتھ عرض کرو جو عرض کرنا ہو ترک ادب سے نیکیوں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی انھیں ثقل سماعت کا عارضہ تھا اور آواز ان کی اونچی تھی بات کرنے میں آواز بلند ہو جایا کرتی تھی جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور کہنے لگے کہ میں اہل نار سے ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے ان کا حال دریافت فرمایا انھوں نے عرض کی کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انھیں کوئی بیماری تو نہیں ہوئی پھر آ کر حضرت ثابت سے اس کا ذکر کیا ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہوئی اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں تو میں جہنمی ہو گیا۔ حضرت سعد نے یہ حال خدمت اقدس میں عرض کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اہل جنت سے ہیں۔

ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم
للتقویٰ لہم مغفرة و اجر عظیم .

بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (الحجرات، ۳)

شان نزول: یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض اور صحابہ نے بہت احتیاط لازم کر لی اور خدمت اقدس

میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے ان حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرهم لا یعقلون و لو انهم صبروا
حتى تخرج الیهم لکان خیرا لهم و اللہ غفور رحیم .

بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
(الحجرات، ۴-۵)

شان نزول: یہ آیت وفد بنی تمیم کے حق میں نازل ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کے وقت پہنچے جب کہ حضور آرام فرما رہے تھے ان لوگوں نے حجروں کے باہر سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنا شروع کیا حضور تشریف لائے ان لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور اجلال شان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان فرمایا گیا کہ بارگاہ اقدس میں اس طرح پکارنا جہل و بے عقلی ہے اور ان لوگوں کو ادب کی تلقین کی گئی۔

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا .

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا جو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

(الفرقان، ۶۳)

کیوں کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پکاریں اس پر اجابت و تعمیل واجب ہو جاتی ہے اور ادب سے حاضر ہونا لازم ہو جاتا ہے اور قریب حاضر ہونے کے لیے اجازت طلب کرے اور اجازت سے ہی واپس ہو۔

اور ایک معنی بعض مفسرین نے یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا

کرے تو ادب و تکریم اور توقیر و تعظیم کے ساتھ آپ کے معظم القاب سے نرم آواز کے ساتھ متواضعانہ و منکسرانہ لہجہ میں یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ کہہ کر۔ (خزائن العرفان)

علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

و ما كان الله ليطالعكم على الغيب و لكن الله يجتبي من رسله من يشاء .

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگ تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ (آل عمران، ۱۷۹)

یعنی اللہ تعالیٰ برگزیدہ رسولوں کو غیب کا علم دیتا ہے اور سید انبیاء حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسولوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ اس آیت سے اور اس کے سوا بکثرت آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیب کے علوم عطا فرمائے اور غیب کے علم آپ کا معجزہ ہیں۔

و علمک ما لم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما .

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (النساء، ۱۱۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام امور دین و احکام شرع و علوم غیب سکھا دیئے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب و حکمت کے اسرار و حقائق پر مطلع کیا یہ مسئلہ قرآن کریم کی بہت آیات اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔

عالم الغیب فلا ینظر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول .

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(الجن، ۲۶-۲۷)

یعنی رسولوں کو غیب پر مسلط کرتا ہے اور اطلاع کامل اور کشف تام عطا فرماتا ہے اور یہ علم غیب ان کے لیے معجزہ ہوتا ہے۔ اولیاء کو بھی اگرچہ غیب پر اطلاع دی جاتی ہے مگر انبیاء کا علم باعتبار کشف و انجلاء اولیاء کے علم سے بہت بلند و بالا و ارفع و اعلیٰ ہے اور اولیاء کے علوم انبیاء کی وساطت اور انھیں کے فیض سے ہوتے ہیں۔ سید الرسل، خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرتضیٰ رسولوں میں سب سے اعلیٰ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اشیاء کے علوم عطا فرمائے جیسا کہ صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور یہ آیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام مرتضیٰ رسولوں کے لیے غیب کا علم ثابت کرتی ہے۔ (خزائن العرفان)

اس آیت نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات کی طرح اس کی یہ صفت بھی قدیم ہے، ذاتی ہے اور غیر متناہی ہے یعنی ایسا نہیں کہ وہ پہلے کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اور اب جاننے لگا ہے بلکہ وہ ہمیشہ سے ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی، اس کی حین حیات میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اپنے علم تفصیلی سے جانتا ہے۔ نیز اس کا یہ علم اس کا ذاتی ہے کسی نے اس کو سکھایا نہیں ہے نیز اس کے علم کی نہ کوئی حد ہے نہ نہایت، اگر کوئی شخص کم یا کیف یعنی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی کے لیے اثبات کرے تو وہ ہمارے نزدیک شرک کا مرتکب ہوگا۔

اس لیے حضور پر نور امام الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم مبارک خداوند کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے سے حاصل ہوا۔ خداوند کریم کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا۔ نیز حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح غیر متناہی اور غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے اور

اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ حضور فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے۔

ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حادثہ، عطائی اور محدود علم اتنا محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کی وسعتوں کو یا تو دینے والا جانتا ہے یا لینے والا یا سکھانے والے کو پتہ ہے یا سیکھنے والے کو۔ ہم تم تو کس گنتی میں ہیں جبریل امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتے۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی اس نے وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی۔ علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں جن پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے ان کی حد بر آری ہم کرنے لگیں گے تو ٹھو کریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی تحریر فرماتے ہیں:

حق بات یہ ہے کہ جس آیت یا حدیث میں جس علم غیب کی نئی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے وہ یہ علم نہیں جس کی آیت میں نئی کی گئی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فیض رسانی سے انھیں حاصل ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی فیض رسانی کے متعدد وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے انھیں مرحمت فرمایا ہے۔

وبالجملة علم الغیب بلا واسطۃ کلا او بعضا مخصوص باللہ جل و علا لا یعلمہ احد من الخلق اصلاً.

یعنی بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم الغیب بلا واسطہ کلاً اور بعضاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے اور نہ بعض کوئی جان سکتا ہے۔

(سیرت الرسول)

الرحمن علم القرآن ، خلق الانسان علمه البيان .

رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان وما یکون کا بیان انھیں سکھایا۔
(الرحمن، ۲، ۱، ۲، ۳، ۴)

شان نزول: جب آیت اسجدوا للرحمن نازل ہوئی تو کفار مکہ نے کہا رحمن کیا ہے، ہم نہیں جانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے الرحمن نازل فرمائی کہ رحمن جس کا تم انکار کرتے ہو وہی ہے جس نے قرآن نازل فرمائی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اہل مکہ نے جب کہا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کوئی بشر سکھاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمن نے قرآن اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھایا۔

انسان سے اس آیت میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں اور بیان سے ماکان وما یکون کا بیان، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولین و آخرین کی خبر دیتے تھے۔ (خزائن العرفان)

وما هو علی الغیب بضنین .

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

(الکوثر ۲۴)

معراج مقدس

سبحان الذی اسرى بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیتنا انه هو السميع البصیر .

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد

گردہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سنتادیکھتا ہے۔ (بنی اسرائیل، ۱) بندے سے مراد محبوب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور رات سے مراد شب معراج، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا فاصلہ چالیس منزل یعنی سوا مہینہ سے زیادہ کی راہ ہے۔

شان نزول: جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج درجات عالیہ و مراتب رفیعہ پر فائز ہوئے تو رب عزوجل نے خطاب فرمایا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ فضیلت و شرف میں نے تمہیں کیوں عطا فرمایا حضور نے عرض کی اس لیے کہ تو نے مجھے عبدیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

مسجد اقصیٰ کے اردگرد سے مراد دینی و دنیوی برکتیں ہیں کہ وہ سر زمین پاک وحی کی جائے نزول اور انبیاء کی عبادت گاہ اور ان کا جائے قیام و قبلہ عبادت ہے اور کثرت انہار و اشجار سے وہ زمین سرسبز و شاداب اور میوؤں اور پھلوں کی کثرت سے بہترین عیش و راحت کا مقام ہے۔

معراج شریف، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک جلیل معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اس سے حضور کا وہ کمال قرب ظاہر ہوتا ہے جو مخلوق الہی میں آپ کے سوا کسی کو میسر نہیں، نبوت کے بارہویں سال سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج سے نوازے گئے۔ مہینہ میں اختلاف ہے مگر اشہر یہ ہے کہ ستائیسویں جب کو معراج ہوئی۔ مکہ مکرمہ سے حضور کا بیت المقدس تک شب کے چھوٹے حصہ میں تشریف لے جانا نص قرآنی سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے۔ اور آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث صحیحہ معتمدہ مشہورہ سے ثابت ہے جو حد تو اتر کے قریب پہنچ گئی ہیں اس کا منکر گمراہ ہے۔

معراج شریف، بحالت بیداری جسم و روح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی یہی جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کثیر جماعتیں اور حضور کے اجلہ اصحاب اسی کے معتقد

ہیں نصوص آیات و احادیث سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ تیرہ دماغان فلسفہ کے اوہام فاسدہ محض باطل ہیں قدرت الہی کے معتقد کے سامنے وہ تمام شبہات محض بے حقیقت ہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا براق لے کر حاضر ہونا، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غایت اکرام و احترام کے ساتھ سوار کر کے لے جانا بیت المقدس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انبیاء کی امامت فرمانا، پھر وہاں سے سیر سموات کی طرف متوجہ ہونا، جبریل امین علیہ السلام کا ہر ہر آسمان کے دروازہ کھلوانا، ہر ہر آسمان پر وہاں کے صاحب مقام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شرف زیارت سے مشرف ہونا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکریم کرنا، احترام بجالانا، تشریف آوری کی مبارکبادیاں دینا، حضور کا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف سیر فرمانا، وہاں کے عجائب دیکھنا اور تمام مقربین کی نہایت منازل سدرۃ المنتہیٰ کو پہنچنا جہاں سے آگے بڑھنے کی کسی ملک مقرب کو بھی مجال نہیں۔ جبریل امین کا وہاں معذرت کر کے رہ جانا، پھر مقام قرب خاص میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترقیاں فرمانا اور اس قرب اعلیٰ میں پہنچنا کہ جس کے تصور تک خلق کے اوہام و افکار بھی پرواز سے عاجز ہیں وہاں مورد رحمت و کرم ہونا اور انعامات الہیہ اور خصائص نعم سے سرفراز فرمایا جانا اور ملکوت سماوات و ارض اور ان سے افضل و برتر علوم پانا اور امت کے لیے نمازیں فرض ہونا، حضور کا شفاعت فرمانا، جنت و دوزخ کی سیریں اور پھر اپنی جگہ واپس تشریف لانا اور اس واقعہ کی خبر دینا، کفار کا اس پر شور شمس مچانا اور بیت المقدس کی عمارت کا حال اور ملک شام جانے والے قافلوں کی کیفیتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کرنا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب کچھ بتانا اور قافلوں کے جو احوال حضور نے بتائے قافلوں کے آنے پر ان کی تصدیق ہونا، یہ تمام صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث ان تمام امور کے بیان اور ان کی تفصیل سے مملو ہیں۔

و النجم اذا هوى . ما ضل صاحبکم و ما غوی . ما بنطق عن الہوی . ان هو الا

وحی یوحی . علمہ شدید القوی . ذو مرة فاستوی . و هو بالافق الاعلی . ثم دنا فتدلی . فکان قاب قوسین او ادنی . فاوحی الی عبده ما اوحی . ما کذب الفواد ما رآی . افتمرونه علی ما یرى . و لقد راه نزلة اخرى . عنده سدرۃ المنتهی . عندها جنة الماوی . اذ یغشی السدرۃ ما یغشی . ما زاغ البصر و ما طغی . و لقد رآی من آیات ربہ الکبری .

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا سدرۃ المنتہی کے پاس اس کے پاس جنت الماوی ہے جب سدرہ پر چھار ہا تھا جو چھار ہا تھا آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (انجم، ۱۸۳۱)

”انجم“ کی تفسیر میں مفسرین کے بہت قول ہیں۔ بعض نے ثریا مراد لیا ہے اگرچہ ثریا کئی تارے ہیں لیکن انجم کا اطلاق ان پر عرب کی عادت ہے۔ بعض نے انجم سے جنس نجوم مراد لی ہے۔ بعض نے وہ نباتات جو ساق نہیں رکھتے زمین پر پھلتے ہیں۔ بعض نے انجم سے قرآن مراد لیا ہے لیکن سب سے لذیذ تفسیر وہ ہے جو حضرت مترجم (امام احمد رضا بریلوی) قدس سرہ نے اختیار فرمائی کہ انجم سے مراد ہے ذات گرامی بادی برحق سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔

صاحبکم ، سے مراد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں معنی یہ ہیں کہ حضور انور علیہ الصلاۃ

والسلام نے کبھی طریق حق و ہدایت سے عدول نہ کیا ہمیشہ اپنے رب کی توحید و عبادت میں رہے، آپ کے دامن عصمت پر کبھی کسی امر مکروہ کی گرد نہ آئی۔ اور بے راہ نہ چلنے سے یہ مراد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ رشد و ہدایت کی اعلیٰ منزل پر متمکن رہے اعتقاد فاسد کا شائبہ بھی کبھی آپ کے حاشیہ بساط تک نہ پہنچ سکا۔

و ما ينطق عن الهوى یہ جملہ اولیٰ کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہکنا اور بے راہ چلنا ممکن و متصور ہی نہیں کیوں کہ آپ اپنی خواہش سے کوئی بات فرماتے ہی نہیں جو فرماتے ہیں وحی الہی ہوتی ہے اور اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور آپ کی اعلیٰ منزلت کا بیان ہے نفس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش ترک کر دے۔ اور اس میں یہ بھی ارشاد ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں فنا کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا تجلی ربانی کا یہ استیلائے تام ہوا کہ جو کچھ فرماتے وہ وحی الہی ہوتی ہے۔

شديد القوى بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ سخت قوتوں والے طاقتور سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور سکھانے سے مراد بتعلیم الہی سکھانا یعنی وحی الہی کا پہنچانا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شديد القوى ذو مرة سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اس نے اپنی ذات کو اس وصف کے ساتھ ذکر فرمایا معنی یہ ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بے واسطہ تعلیم فرمائی۔

عام مفسرین نے فاستوی کا فاعل بھی حضرت جبریل علیہ السلام کو قرار دیا ہے اور یہ معنی لیے ہیں کہ حضرت جبریل امین اپنی اصلی صورت پر قائم ہوئے اور اس کا سبب یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں ان کی اصلی صورت میں ملاحظہ فرمانے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی تو حضرت جبریل جانب

مشرق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نمودار ہوئے اور ان کے وجود سے مشرق سے مغرب تک بھر گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی انسان نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل امین کو دیکھنا تو صحیح ہے اور حدیث سے ثابت ہے لیکن یہ حدیث میں نہیں ہے کہ اس آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنا مراد ہے بلکہ ظاہر تفسیر میں یہ ہے کہ مراد فاستوی سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکان عالی اور منزلت رفیعہ میں استوی فرمانا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے افق اعلیٰ یعنی آسمانوں کے اوپر استوی فرمایا اور جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے آگے نہ بڑھ سکے انھوں نے کہا کہ اگر میں ذرا بھی آگے بڑھوں تو تجلیات جلال مجھے جلا ڈالیں اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور مستوائے عرش سے بھی گزر گئے اور حضرت مترجم (امام احمد رضا بریلوی) قدس سرہ کا ترجمہ اس طرف مشیر ہے کہ استوی کی اسناد حضرت رب العزت عز و علا کی طرف ہے اور یہی قول حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

وہو بالا فوق الاعلیٰ یہاں بھی عام مفسرین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ حال جبریل امین علیہ السلام کا ہے لیکن امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حال سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ افق اعلیٰ یعنی فوق سماوات تھے۔ جس طرح کہنے والا کہتا ہے کہ میں نے چھت پر چاند دیکھا، پہاڑ پر چاند دیکھا اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ چاند چھت پر یا پہاڑ پر تھا بلکہ یہی معنی ہوتے ہیں کہ دیکھنے والا چھت یا پہاڑ پر تھا۔ اسی طرح یہاں یہ معنی ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام فوق سماوات پر پہنچے تو تجلی ربانی آپ کی طرف متوجہ ہوئی۔

ثم دنی فتدلی اس کے معنی میں بھی مفسرین کے کئی قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قریب ہونا مراد ہے کہ وہ اپنی صورت اصلی دکھانے کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرب میں حاضر ہوئے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حق کے قرب سے مشرف ہوئے۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے قرب کی نعمت سے نوازا اور یہی صحیح تر ہے۔

فتدلی کے معنی میں بھی چند قول ہیں ایک تو یہ کہ نزدیک ہونے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عروج و وصول مراد ہے اور اتر آنے سے نزول و رجوع، تو حاصل معنی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے قرب میں باریاب ہوئے پھر وصال کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر خلق کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت رب العزت اپنے لطف و کرم کے ساتھ اپنے حبیب سے قریب ہوا اور اس قرب میں زیادتی فرمائی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرب درگاہ ربوبیت ہو کر سجدہ طاعت ادا کیا۔

قصاب قوسین، سے اشارہ ہے تاکہ قرب کی طرف کہ قرب اپنے کمال کو پہنچا اور با ادب احباء میں جو نزدیکی متصور ہو سکتی ہے وہ اپنی غایت کو پہنچی۔

فاوحی الی عبدہ، اکثر علماء مفسرین کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی فرمائی۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی یہ وحی بے واسطہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور یہ خدا اور رسول کے درمیان کے اسرار ہیں جن پر ان کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ بقلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس راز کو تمام خلق سے مخفی رکھا اور نہ بیان فرمایا کہ اپنے حبیب کو کیا وحی فرمائی اور محبت و محبوب کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس شب میں جو آپ کو وحی فرمائی وہ کئی قسم کے علوم تھے۔

ایک تو علم شرائع و احکام جن کی سب کو تبلیغ کی جاتی ہے۔

دوسرے معارف الہیہ جو خواص کو بتائے جاتے ہیں۔

تیسرے حقائق و نتائج علوم ذوقیہ جو صرف ان خواص کو تلقین کیے جاتے ہیں۔

اور ایک قسم وہ اسرار جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ خاص ہیں کوئی ان کا تحمل نہیں کر سکتا۔

ما کذب الفواد ما رآی یعنی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک نے اس کی

تصدیق کی جو چشم مبارک نے دیکھا۔ معنی یہ ہیں کہ آنکھ سے دیکھا دل سے پہچانا اور اس رویت و معرفت میں

شک و تردد نے راہ نہ پائی۔ اب یہ بات کہ کیا دیکھا، بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام

کو دیکھا، لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا اور یہ

دیکھنا کس طرح تھا چشم سر سے یا چشم دل سے، اس میں مفسرین کے دونوں قول پائے جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رب

العزت کو اپنے قلب مبارک سے دوبار دیکھا۔

ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ نے رب عزوجل کو حقیقۃً چشم مبارک سے دیکھا۔ یہ قول

حضرت انس بن مالک اور حسن و عمرؓ کا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلت اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلام اور سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دیدار سے امتیاز بخشا۔

کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو بار کلام فرمایا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیدار کا انکار کیا اور آیت کو حضرت جبریل علیہ السلام کے دیدار پر محمول کیا اور فرمایا کہ جو کوئی کہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ کہا۔ اور سند میں لا تدركه الابصار تلاوت فرمائی۔

یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نفی میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اثبات میں اور مثبت ہی مقدم ہوتا ہے کیوں کہ نافی کسی چیز کی نفی اس لیے کرتا ہے کہ اس نے سنا نہیں اور مثبت اثبات اس لیے کرتا ہے کہ اس نے سنا اور جانا تو علم مثبت کے پاس ہے۔

علاوہ بریں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ کلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا بلکہ آیت سے اپنے استنباط پر اعتماد فرمایا، یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے ہے اور آیت میں ادراک یعنی احاطہ کی نفی ہے نہ رویت کی۔

فائدہ

صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیدار الہی سے مشرف فرمائے گئے، مسلم شریف کی

حدیث مرفوع سے بھی یہی ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو حبر الامۃ ہیں وہ بھی اسی پر ہیں۔ مسلم کی حدیث ہے۔

رایت ربی بعینی و بقلبی .

میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ و اپنے دل سے دیکھا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قسم کھاتے تھے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قائل ہوں حضور نے اپنے رب کو دیکھا، اس کو دیکھا، اس کو دیکھا، امام صاحب یہ فرماتے ہی رہے یہاں تک کہ سانس ختم ہو گئی۔

سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کی اصل (جڑ) چھٹے آسمان میں ہے اور اس کی شاخیں ساتویں آسمان میں پھیلی ہیں اور بلندی میں وہ ساتویں آسمان سے بھی گزر گیا ملائکہ اور ارواح شہداء و اتقیاء اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

ما زاغ البصر و ما طغی اس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمال قوت کا اظہار ہے کہ اس مقام میں جہاں عقلمیں حیرت زدہ ہیں آپ ثابت رہے اور جس نور کا دیدار مقصود تھا اس سے بہرہ اندوز ہوئے دہنے بائیں کسی طرف ملتفت نہ ہوئے نہ مقصود کی دید سے آنکھ پھیری نہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح بے ہوش ہوئے بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت رہے۔

آیات ربہ الکبریٰ، یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج عجائب ملک و ملکوت کا ملاحظہ فرمایا اور آپ کا علم تمام معلومات غیبیہ ملکوتیہ پر محیط ہو گیا جیسا کہ حدیث اختصام ملائکہ میں

(خزائن العرفان)

وارد ہوا ہے اور دوسری اور احادیث میں آیا ہے۔

شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ان تعذبہم فانہم عبادک و ان تغفرلہم فانک انت العزیز الحکیم .

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے

غالب حکمت والا۔ (المائدہ، ۱۱۸)

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کافی دیر تک ان آیات کی تلاوت فرماتے رہے اور حضور

نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی

امتی امتی ثم بکی

اے میرے رب میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

زار و قطار رونے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا جبریل اذهب الی محمد و قل لہ انا ستر ضیک فی امتک و لا نسوءک .

اے جبریل میرے محبوب کے پاس جا اور جا کر میرا یہ پیغام دے کہ اے حبیب ہم تجھے تیری

امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔

روز حشر جب ہر دل پر خوف و ہراس طاری ہوگا، جلال خداوندی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی

مجال نہ ہوگی بڑے بڑے شجاع اور زور آور اور سرکش مارے خوف کے پانی پانی ہو رہے ہوں گے، ساری

مخلوق خدا آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت کلیم اللہ تک شفاعت کا دروازہ کھٹکھٹائے گی لیکن کہیں

شنوائی نہ ہوگی، آخر کار حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچے گی اور ان سے شفاعت کی ملتجی ہوئی آپ جواب دیں گے کہ میں خود تو آج لب کشائی کی جسارت نہیں کر سکتا ہاں تمہیں ایک کریم کا آستانہ بتاتا ہوں جس پر حاضر ہونے والا کبھی نامراد واپس نہیں لوٹا۔ جاؤ اللہ کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اور وہاں جا کر عرض حال کرو چنانچہ سب بارگاہ محبوب کبریٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوں گے اور اپنی داستان غم پیش کریں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن کر فرمائیں گے انا لہا انا لہا ہاں تمہاری دستگیری کے لیے تیار ہوں، میں تمہاری دستگیری کے لیے تیار ہوں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش عظیم کے قریب پہنچ کر سر بسجود ہو جائیں گے۔ اپنی پاک اور اطہر زبان سے سبوح و قدوس رب کی حمد و ثنا کریں گے ادھر سے آواز آئے گی۔

یا محمد ارفع راسک قل تسمع و اسئل تعط و اشفع تشفع .

اے سراپا خوبی و زیبائی! اپنے سر مبارک کو اٹھا، کہو تمہاری بات سنی جائے گی، تم مانگتے جاؤ ہم دیتے جائیں گے، تم شفاعت کرتے جاؤ ہم شفاعت قبول فرماتے جائیں گے۔

اس طرح شفاعت حبیب کبریٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ کی رحمت بے پایاں کا دروازہ کھلے گا۔

علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے قاضی ابوالفضل عیاض سے نقل کیا ہے کہ حضور پر نور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانچ شفاعتیں فرمائیں گے۔

- (۱) شفاعت عامہ، جس سے مومن و کافر، اپنے اور بیگانے سب مستفیض ہوں گے۔
- (۲) بعض خوش نصیبوں کے لیے بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی شفاعت فرمائیں گے۔
- (۳) وہ موحد جو اپنے گناہوں کے باعث عذاب دوزخ کے مستحق قرار پائیں گے حضور کی شفاعت

سے بخش دیے جائیں گے۔

(۴) وہ گنہگار جنہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا حضور شفاعت فرما کر ان کو وہاں سے نکالیں گے اور جنت میں پہنچائیں گے۔

(۵) اہل جنت کے مدارج کی ترقی کے لیے سفارش فرمائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القيمة و لا فخر و بیدی لواء الحمد و لا یحقر و ما من نبی یومئذ آدم و من سواہ الا تحت لوائی .

قیامت کے دن ساری اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا، حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا، سارے نبی میرے پرچم کے نیچے ہوں گے یہ ساری باتیں اظہار حقیقت کے طور پر کہہ رہا ہوں فخر و مباہات مقصود نہیں۔

(سیرت الرسول)

من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه .

وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے۔ (البقرة، ۲۵۵)

اس میں مشرکین کا رد ہے جن کا گمان تھا کہ بت شفاعت کریں گے انہیں بتا دیا گیا کہ کفار کے لیے شفاعت نہیں اللہ کے حضور ماذونین کے سوا کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ اور اذن والے انبیاء و ملائکہ و مومنین ہیں۔ (خزائن العرفان)

یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن و رضی له قولا .

اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمن نے (شفاعت کرنے کا) اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی۔
(طہ، ۱۰۹)

و لا تنفع الشفاعة الا لمن اذن له .

اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے۔ (النبأ، ۲۳)

يوم يقوم الروح و الملائكة صفا لا يتكلمون الا من اذن له الرحمن و قال

صوابا .

جس دن جبریل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پر باندھے کوئی نہ بول سکے گا مگر جسے رحمن نے اذن دیا (کلام یا شفاعت کا) اور اس نے ٹھیک بات کہی۔
(النبأ، ۳۸)

و لو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول

لو جدوا الله تو ابا رحیما .

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

(النبأ، ۶۴)

اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الہی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ اور آپ کی شفاعت کا برآری کا ذریعہ ہے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور روضہ شریفہ کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور

جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے و لو انهم اذ ظلموا الاية میں نے بیشک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔ اس سے چند مسائل و فوائد معلوم ہوئے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لیے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے۔

(۲) قبر پر حاجت کے لیے جانا بھی ”جاؤک“ میں داخل اور خیر القرون کا معمول ہے۔

(۳) بعد وفات مقبولان حق کو ”یا“ کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے۔

(۴) مقبولان حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعا سے حاجت روائی ہوتی ہے۔

(خزائن العرفان)

بیعت نبی بیعت خدا

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ ید اللہ فوق ایدیہم۔

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ

(الفح، ۱۰)

ہے۔

مراد اس بیعت سے بیعت رضوان ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں لی تھی۔

اور یہ کہ رسول سے بیعت کرنا اللہ ہی سے بیعت کرنا ہے جیسے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

(خزائن العرفان)

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہیں کفار مکہ بضد ہیں کہ کسی

قیمت پر وہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفیر بن کر مکہ گئے ہیں اسی اثناء میں یہ افواہ پھیلتی ہے کہ کفار نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے اگرچہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اور حضور کے ساتھی جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ احرام کی دو چادریں اور قربانی کے جانور ہی ان کا زاد سفر تھا، لیکن یکا یک ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ تعداد کی قلت اور اسلحہ کے فقدان کی پرواہ کیے بغیر محض قوت ایمانی پر بھروسہ کرتے ہوئے باطل سے ٹکرانا ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوتے ہیں اور بیعت کرنے کی دعوت دیتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ یہ بیعت اس بات پر تھی کہ جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے، جب تک بدن میں خون کا ایک قطرہ موجود ہے ہم میدان جنگ میں ڈٹے رہیں گے اور اہل مکہ کو اس خیانت اور سفیر کشی کی عبرتناک سزا دیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ غلامان حبیب کبریا علیہ الصلاۃ والتسلیمات پروانہ وارد دوڑ دوڑ کر حاضر ہو رہے ہیں اور اپنے آقا و مولیٰ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر جان بازی اور سرفروشی کی بیعت کر رہے ہیں۔ الغرض چودہ سو ہمراہیوں میں سے کوئی ایک بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا۔ البتہ جد بن قیس جو حقیقت میں منافق تھا اس نے بیعت نہ کی، بخدا مجھے اب بھی وہ منظر نظر آ رہا ہے کہ وہ اپنی اونٹنی کے پیٹ کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

حضور سرور عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ان چودہ سو جاں نثاروں اور سرفروش مجاہدین کے بارے میں اپنی زبان حق ترجمان سے فرمایا۔

انتم خیر اهل الارض الیوم .

اے اسلام کے قابل فخر مجاہدو! آج روئے زمین پر تم سب سے بہترین لوگ ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور علیہ الصلاہ والسلام کا یہ ارشاد بھی منقول ہے۔

لا یدخل النار احد ممن بايع تحت الشجرة .

جنہوں نے اس درخت کے نیچے میرے ساتھ بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں

داخل نہ ہوگا۔

یہ بیعت بظاہر اگرچہ حضور علیہ الصلاہ والسلام کے دست حق پرست پر ہو رہی ہے لیکن درحقیقت

یہ بیعت اللہ کے ساتھ تھی، اگرچہ بظاہر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا لیکن درحقیقت یہ دست خدا

تھا۔ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کہا گیا اسی طرح حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ فرمایا گیا ہے۔

(سیرت الرسول)

اس کی نظیر اللہ عزوجل کا یہ ارشاد مقدس ہے۔

و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی

اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (الانفال، ۱۷)

امت پر حضور کی شفقت و رحمت

لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين

رؤف رحيم.

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں

ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔ (التوبہ، ۱۲۸)

محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عربی قرشی جن کے حسب نسب کو تم خوب پہچانتے ہو کہ تم میں سب سے عالی نسب ہیں اور تم ان کے صدق امانت، زہد و تقویٰ، طہارت و تقدس اور اخلاق حمیدہ کو بھی خوب جانتے ہو۔ اور ایک قراءۃ میں انفسکم بفتح فاء آیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تم میں سب سے نفس ترا اور اشرف و افضل۔

اس آیت کریمہ میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری یعنی آپ کی میلاد مبارک کا بیان ہے۔ ترمذی کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پیدائش کا بیان قیام کر کے فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد مبارک کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دو ناموں ”رؤف، رحیم“ سے مشرف فرمایا۔ یہ کمال تکریم ہے اس سرور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔

(خزائن العرفان)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد و محاسن کو بڑے جامع اور دلکش انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اس آیت کی ابتداء اس سے کی لقد جاء کم اے بنی نوع انسان تمہارے پاس تشریف لایا جلیل القدر عظیم الشان رسول، رسول پر تنوین تخیم یعنی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ من انفسکم، فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ نووارد اور اجنبی نہیں جس کے اخلاق و کردار کے بارے میں تمہیں کوئی واقفیت نہ ہو بلکہ یہ وہ مکرم و محتشم ہستی ہے جس کی ولادت بھی تمہارے یہاں ہوئی، جس کا بچپنا تمہارے سامنے گزرا، اس کی کتاب زندگی کا ہر ورق ایک کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے، اس کا شباب اپنی ساری معصومیوں کے ساتھ ہمیشہ تمہاری توجہ کا مرکز رہا۔ الغرض اس نے تم میں چالیس سال کا عرصہ گزارا ہے اور اس کی زندگی کا کوئی پہلو تم سے مخفی اور پوشیدہ نہیں

ہے۔ اس لیے جب اس کی سابقہ زندگی کو تم بے داغ پاتے ہو، اب تک اس کو الصادق اور الامین کے لقب سے ملقب کرتے رہے ہو تو اب اس کی دعوت کے بارے میں تمہارا یہ انکار قطعاً معقول نہیں۔ جو ہستی عام انسانوں سے کذب بیانی کو روا نہیں رکھتی وہ کیسے گوارا کر سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کو منسوب کرے۔

اس کے بعد اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و ستائش میں چند جامع کلمات ذکر فرمائے جن میں معانی کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ ان کی مزید وضاحت کے لیے میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو صحیح حدیث پیش کرتا ہوں ان کے پڑھنے سے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان صفات جلیلہ کی وسعتوں کا آپ کو اندازہ ہو سکے گا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا:

ان ربی اعطانی سبعین الفاً من امتی یدخلون الجنة بغير حساب فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہلا استزدتہ .

میرے رب نے میری امت میں سے مجھے ستر ہزار مسلمان ایسے دیئے ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا اچھا ہوتا اگر حضور اس تعداد سے زیادہ کے متعلق سوال کرتے۔

فقال استزدتہ فاعطانی ہکذا و فرج بین یدیہ و بسط باعیہ و حشی .

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے زیادہ کے لیے استدعا کی اور میرے رب نے اس قدر عطا فرمایا اس قدر کی وضاحت کرتے ہوئے حضور نے اپنے ہاتھوں کو کھولا دونوں بازوؤں کو پھیلا دیا اور

کلاوہ بھرا۔

ہشام کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا اور اس کی تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

عمر بن حزم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تین دن تک رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ صرف نماز پنج گانہ کے لیے مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فراغت کے بعد پھر خلوت نشیں ہو جاتے۔ چوتھے دن حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسب معمول تشریف لائے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور تین دن تک ہم سے الگ تھلگ رہے یہاں تک کہ ہمیں اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کوئی حادثہ وقوع پذیر ہو گیا ہے۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لم يحدث الاخيرا ان ربي وعدني ان يدخل من امتي الجنة سبعين الفا بلا حساب و اني سألت ربي في هذه الثلاث الايام المزيد فوجدت ربي ماجدا كريما فاعطاني مع كل واحد سبعين الفا.

یعنی اے میرے صحابہ! فکر و اندیشہ کی کوئی بات نہیں بڑا دل خوش کن واقعہ رو پذیر ہوا ہے۔ میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ میں اپنے رب سے تین دن تک اس تعداد میں اضافہ کی التجا کرتا رہا پس میں نے اپنے پروردگار کو بڑا عظیم کریم پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ستر ہزار کے علاوہ ان میں سے ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمائے جنہیں حساب لیے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (سیرت الرسول)

اطاعت رسول اطاعت خدا

قل اطعوا الله و الرسول فان تولوا فان الله لا يحب الكافرين .

تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

(آل عمران، ۳۲)

یہی اللہ کی محبت کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بغیر اطاعت رسول نہیں ہو سکتی۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

من يطع الرسول فقد اطاع الله و من تولى فما ارسلناك عليهم حفيظا.

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان

کے بچانے کو نہ بھیجا۔ (النساء، ۸۰)

شان نزول: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی

اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی، اس پر آج کل کے گستاخ بددینوں کی

طرح اس زمانہ کے بعض منافقوں نے کہا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ ہم انہیں رب

مان لیں جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو رب مان لیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرما کر

اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کی تصدیق فرمادی کہ بے شک رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت

ہے۔ (خزائن العرفان)

ان دونوں آیتوں میں تمام بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اس

کے ساتھ اپنے محبوب کی اطاعت و فرماں برداری کا بھی حکم دیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی

اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں ان کے بارے میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے

والوں کو۔

ان دونوں آیتوں سے بھی شان عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پتہ چلتا ہے کہ مولائے کریم

نے صرف اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ ہی اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرماں برداری کا حکم بھی دیا ہے۔ ایک بندہ مومن کے لیے اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اپنے خالق و مالک کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور اس کے محبوب نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کی بجا آوری میں بھی کاہلی و سستی کا مظاہرہ نہ کرے۔

اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہو گئی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعتیں دو علیحدہ علیحدہ اطاعتیں نہیں بلکہ فرمایا جو میرے رسول کی اطاعت کرے گا وہی میرا مطیع و فرماں بردار ہوگا اور جو میرے رسول کی اطاعت سے پہلو تہی کرتا ہے وہ جان لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے بھی محروم ہے۔

کیا شان ہے اس محبوب رب العالمین کی کہ اس کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کہا اور اس کے فرماں بردار کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مطیع قرار دیا ہے۔ جو کسی تاویل و بہانے سے اللہ کے محبوب کی اطاعت سے روتابی کرتا ہے وہ سمجھ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بھی نافرمان اور سرکش ہے۔ (سیرت الرسول)

شان اقدس میں تنقیص و گستاخی کا حکم

يا ايها الذين آمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا و اسمعوا و للكافرين عذاب

اليم .

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور

(البقرة، ۱۰۴)

کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

شان نزول: جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی

درمیان میں عرض کیا کرتے راعنا یا رسول اللہ اس کے یہ معنی تھے کہ یا رسول اللہ ہمارے حال کی

رعایت فرمائیے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجیے۔ یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوء ادب کے

معنی رکھتا تھا انھوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا اے دشمنان خدا تم پر اللہ کی لعنت اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا اس کی گردن مار دوں گا۔ یہود نے کہا ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں اس پر آپ رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی، جس میں راعنا کہنے کی ممانعت فرمادی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ انظرنا کہنے کا حکم ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی تعظیم و توقیر اور ان کی جناب میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترک ادب کا شائبہ بھی ہو وہ زبان پر لانا ممنوع ہے۔

واسمعوا، پہلے ہی سے بغور سنو اور ہمہ تن گوش ہو جاؤ تا کہ یہ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے کہ حضور توجہ فرمائیں کیوں کہ دربار نبوت کا یہی ادب ہے۔ دربار انبیاء میں آدمی کو ادب کے اعلیٰ مراتب کا لحاظ لازم ہے۔

و للکافرین میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جناب میں بے ادبی کفر ہے۔

(خزائن العرفان)

و لئن سألتهم ليقولن انما كنا نخوض و نلعب قل ابالله و آيته و رسوله كنتم تستهزون . لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم ان نعب عن طائفة منكم نعب طائفة بانهم كانوا مجرمين .

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر اگر ہم تم میں سے کسی

کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ مجرم تھے۔ (التوبہ، ۶۵، ۶۶)

شان نزول: غزوہ تبوک میں جاتے ہوئے منافقین کے تین نفروں میں سے دو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت تمسخراً کہتے تھے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ روم پر غالب آجائیں گے کتنا بعید خیال ہے اور ایک نفر بولتا تو نہ تھا مگر ان باتوں کو سن کر ہنستا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا ہم راستہ کاٹنے کے لیے ہنسی کھیل کے طور پر دل لگی کی باتیں کر رہے تھے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ان کا یہ عذر و حیلہ قبول نہ کیا گیا اور ان کے لیے یہ فرمایا گیا۔

لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم سے ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کفر ہے جس طرح بھی ہو اس میں عذر قبول نہیں۔

ان نعت عن طائفة منکم محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ اس سے وہی شخص مراد ہے جو ہنستا تھا مگر اس نے اپنی زبان سے کوئی کلمہ گستاخی نہ کہا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ تائب ہوا اور اخلاص کے ساتھ ایمان لایا اور اس نے دعا کی کہ یارب مجھے اپنی راہ میں مقتول کر کے ایسی موت دے کہ کوئی یہ کہنے والا نہ ہو کہ میں نے غسل دیا، میں نے کفن دیا، میں نے دفن کیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور ان کا پتہ ہی نہ چلا۔ ان کا نام یحییٰ بن حمیرا شجعی تھا اور چوں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدگوئی سے زبان روکی تھی اس لیے انہیں توبہ و ایمان کی توفیق ملی۔ (خرائن العرفان)

انبیاء کرام پر حضور کی افضلیت

تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم اللہ و رفع بعضهم

درجت.

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔
(البقرہ، ۲۵۳)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مراتب جداگانہ ہیں بعض حضرات سے بعض حضرات افضل ہیں اگرچہ نبوت میں کوئی تفرقہ نہیں وصف نبوت میں سب شریک یکدگر ہیں مگر خصائص و کمالات میں درجے متفاوت ہیں یہی آیت کا مضمون ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ طور پر بے واسطہ کلام سے مشرف فرمایا اور سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج میں۔

جسے سب پر درجوں بلند کیا وہ حضور پر نور سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کو درجات کثیرہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر افضل کیا اس پر تمام امت کا اجماع ہے اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ آیت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس رفعت مرتبت کا بیان فرمایا گیا اور نام مبارک کی تصریح نہ کی گئی اس سے بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علو شان کا اظہار مقصود ہے کہ ذات والا کی شان ہے کہ جب تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان کیا جائے تو سوائے ذات اقدس کے یہ وصف کسی پر صادق ہی نہ آئے اور کوئی اشتباہ راہ نہ پاسکے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ خصائص و کمالات جن میں آپ تمام انبیاء پر فائق و افضل ہیں اور آپ کا کوئی شریک نہیں بے شمار ہیں کہ قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا، درجوں بلند کیا، ان درجوں کی کوئی گنتی قرآن کریم میں ذکر نہیں فرمائی تو اب کون حد لگا سکتا ہے۔ ان بے شمار خصائص میں سے بعض کا اجمالی و مختصر بیان یہ ہے کہ آپ کی رسالت عامہ ہے، تمام کائنات آپ کی امت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و اما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔

اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری

(السیاء، ۲۸)

دیتا ڈر سنا تا۔

دوسری آیت میں فرمایا:

لیکون للعالمین نذیرا۔

جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

(الفرقان، ۱)

مسلم شریف کی حدیث میں ارشاد ہوا۔

ارسلت الی الخلق كافة

(مؤلف)

میں پوری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اور آپ پر نبوت ختم کی گئی قرآن پاک میں آپ کو خاتم النبیین فرمایا۔ حدیث شریف میں

ارشاد ہوا:

ختم بی النبیین

(مؤلف)

مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔

آیات بینات و معجزات باہرات میں آپ کو تمام انبیاء پر افضل فرمایا گیا، آپ کی امت کو تمام امتوں پر افضل کیا گیا، شفاعت کبریٰ آپ کو مرحمت ہوئی، قرب خاص معراج آپ کو ملا، علمی و عملی کمالات میں آپ کو سب سے اعلیٰ کیا اور اس کے علاوہ بے انتہا خصائص آپ کو عطا ہوئے۔ (خزائن العرفان)

اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفس رسالت میں اور جملہ انبیاء نفس نبوت میں برابر ہیں لیکن فضائل و کمالات، مراتب و مقامات، معجزات و کرامات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کسی کو ایک کمال

سے متصف فرمایا کسی کو دوسرے شرف سے مشرف فرمایا لیکن ایک ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جو مظہر اتم ہے تمام کمالات جلالیہ و جمالیہ کی۔ جو مراتب و کمالات دیگر انبیاء و رسل کو ایک ایک کر کے عنایت کیے گئے تھے وہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے اور ان کے علاوہ آپ کو بے شمار مراتب اور ان گنت معجزات بخشے گئے جن میں کوئی نبی، کوئی رسول آپ کی ہمسری تو کیا محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری نوع انسانی بلکہ ساری کائنات زمینی و آسمانی کے لیے نبی بنایا گیا محدود وقت کے لیے نہیں بلکہ ابد تک کے لیے قرآن جیسی کتاب ارزانی فرمائی۔ کسی کو کلیم اور کسی کو روح فرمایا لیکن کائنات کے اس آخری سہارے کو صفوت، خلعت، کلام وغیرہ کے علاوہ محبوبیت کی خلعت فاخرہ بخشی۔

مفسرین کرام نے تصریح کی ہے کہ رفع بعضہم درجت سے حضور نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دو کہ اس سے دوسرے نبی کی معاذ اللہ تحقیر ہو۔

(سیرت الرسول)

انبیاء کرام سے عہد و میثاق

و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتب و حکمة ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ قال ء اقررتم و اخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشهدوا و انا معکم من الشاہدین . فمن تولی بعد ذلک فاولئک ہم الفاسقون .

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور

ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا، فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (آل عمران، ۸۱، ۸۲)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد جس کسی کو نبوت عطا فرمائی ان سے سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت عہد لیا اور ان انبیاء نے اپنی قوموں سے عہد لیا کہ اگر ان کی حیات میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت کریں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور تمام انبیاء میں سب سے افضل ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ (خزائن العرفان)

یہی مضمون سیرت الرسول میں اس طرح ہے۔

حضرت سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں سرور عالم و عالمیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں تو اس نبی پر لازم ہے کہ وہ حضور کی رسالت پر ایمان لا کر آپ کی امت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح حضور کے دین کی تائید و نصرت کرے اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنی اپنی امتوں سے لیا۔

شب معراج تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بیت المقدس میں جمع ہو کر فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امامت میں حضور کی شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا اسی بلند مرتبت عہد کی عملی توثیق تھی اور امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان اور جلالت قدر کا صحیح اندازہ قیامت کے روز ہوگا جب ساری مخلوق خوف خدا سے لرزہ بر اندام ہوگی اور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء لواء الحمد ہاتھ میں لیے مقام

(سیرت الرسول)

محمود پر فائز ہوں گے۔

خلق عظیم

و انک لعلی خلق عظیم

(القلم، ۴)

اور بے شک تمہاری خو، بو بڑی شان کی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں وہ مجموعی طور پر اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذات اقدس و اطہر میں موجود ہیں۔ شکر نوح، خلت ابراہیم، اخلاص موسیٰ، صدق اسماعیل، صبر یعقوب، تواضع سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام سب یہاں جمع ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچه خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب کسی نے خلق مصطفوی کے بارے

میں پوچھا تو آپ نے مختصر اور جامع جواب دیا۔

کان خلقه القرآن

حضور کا خلق قرآن تھا۔

یعنی جن محاسن و اوصاف اور مکارم اخلاق کو اپنانے کا قرآن نے حکم دیا ہے حضور ان سے کمال

درجہ متصف تھے اور جن لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی ترغیب دی ہے حضور ان سے پوری طرح

منزہ و مبرا تھے۔ ایک دوسرے شخص نے جب یہی سوال کیا تو ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

سورہ المؤمنین کی پہلی دس آیتیں پڑھ لو ان میں ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق کی صحیح تصویر ہے۔

محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ فرماتے ہیں :

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے خلق سے کسی کا خلق اعلیٰ نہیں کیوں کہ حضور اپنی مرضی اور مشیت سے دست کش ہو گئے اور اپنے آپ کو کلیۃً حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : میں نے لگا تار دس سال حضور کی خدمت کی ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے کبھی اف نہیں کہا جو کام میں نے کیا اس کے متعلق کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و جمال میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے میں نے کسی اطلس یا ریشم کو حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ کوئی مشک ، کوئی عطر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پسینے سے زیادہ خوشبودار میں نے نہیں سونگھا۔

شاہ خوباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف خود ہی ہر کمال ، ہر جمال کے پیکر رعنا اور تصویر جمیل نہ تھے بلکہ اپنے نیاز مندوں کو بھی ان نعمتوں سے مالا مال کر دیا ، ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ آنے والی نسل انسانی کے لیے وہ ایک دلکش نمونہ بن گئے۔ (سیرت الرسول)

حیات اقدس کی قسم

لعمرك انهم لفي سكرتهم يعمهون .

اے محبوب تمہاری جان کی قسم ہے بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔ (الحجر، ۷۲)

مخلوق الہی میں سے کوئی جان بارگاہ الہی میں آپ کی جان پاک کی طرح عزت و حرمت نہیں رکھتی اور اللہ تعالیٰ نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر کے سوا کسی کی عمر و حیات کی قسم نہیں فرمائی یہ مرتبہ صرف حضور ہی کا ہے۔ (خزائن العرفان)

علماء تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی حیات پاک کی قسم کھائی ہے اور یہ حضور کی عظمت شان اور شرف رفیع کی قوی دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا

ما خلق الله نفسا اكرم عليه من محمد صلى الله تعالى عليه وسلم و ما اقسام بحياة احد الا بحياته .

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کسی چیز کو معزز و مکرم پیدا نہیں کیا اور حضور کے سوا کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

هذا نهاية التعظيم و غاية البر و التشریف .

اللہ کا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھانا تعظیم و تکریم کی انتہا ہے۔

(سیرت الرسول)

ساجدین میں حضور کا دورہ فرمانا

و تقلبک فی السجدین .

(الشعر، ۲۱۹)

اور (دیکھتا ہے) نمازیوں میں تمہارے دورے کو۔

یعنی جب تم اپنے تہجد پڑھنے والے اصحاب کے احوال ملاحظہ فرمانے کے لیے شب کو دورہ کرتے

ہو۔

بعض مفسرین نے کہا معنی یہ ہیں کہ جب تم امام ہو کر نماز پڑھاتے ہو اور قیام و رکوع و سجود و قعود میں

گزرتے ہو۔

بعض مفسرین نے کہا معنی یہ ہیں کہ وہ آپ کی گردش چشم کو دیکھتا ہے نمازوں میں کیوں کہ نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پس و پیش یکساں ملاحظہ فرماتے تھے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے، بخدا مجھ پر تمہارا خشوع و رکوع مخفی نہیں

میں تمہیں اپنے پس پشت دیکھتا ہوں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں ”ساجدین“ سے مومنین مراد ہیں اور معنی یہ ہیں کہ زمانہ

حضرت آدم و حوا علیہما الصلاۃ والسلام سے لے کر حضرت عبداللہ و آمنہ خاتون تک مومنین کی اصلاب و ارحام

میں آپ کے دورے کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے تمام اصول آباء و اجداد حضرت آدم

علیہ السلام تک سب کے سب مومن ہیں۔ (خزائن العرفان)

مذکورہ توضیح کے ساتھ اس آیت کے متعدد مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) جب آپ نماز ادا کرتے ہیں اور اس میں قیام سے رکوع کی طرف، رکوع سے سجود کی طرف، پھر

سجدہ سے قیام کی طرف جو تقلبات آپ سے صادر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام کو دیکھ رہا

ہوتا ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جماعت کرائی بعض صحابہ رکوع و سجود میں حضور سے پہلے چلے گئے

نماز سے فراغت کے بعد حضور نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور انہیں بتایا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ

جب میں قبلہ رو کھڑا ہوتا ہوں تو میں تمہاری حرکات و سکنات سے بے خبر ہوتا ہوں۔

فواللہ ما ینخفی علیٰ نحشوعکم و رکوعکم انی لا اراکم من وراء ظہری.

یعنی مجھ پر نہ تمہارا قلبی خشوع و خضوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا رکوع میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب آپ اپنے صحابہ کی ظاہری و باطنی کیفیات ملاحظہ کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اس فعل کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔

(۳) بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جب نماز تہجد کی فرضیت ختم ہوگئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سحری کے وقت اٹھے اور صحابہ کرام کے گھروں کا چکر لگایا یہ دیکھنے کے لیے کہ فرضیت کے ختم ہونے کے بعد کیا وہ آج آرام سے سو رہے ہیں یا اپنے معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف ہیں۔ حضور جس صحابہ کے گھر کے پاس سے گزرتے تلاوت قرآن کریم اور ذکر الہی کی آوازیں اس طرح آرہی ہوتیں جیسے شہد کے چھتہ سے شہید کی مکھیاں بھنھنا رہی ہوں۔

(۴) ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا یہ مفہوم بھی نقل کیا ہے کہ ”تقلب“ سے مراد، تنقل فی الاصلاب ہے، یعنی جب آپ کا نور یکے بعد دیگرے آپ کے اجداد کی پشتوں سے منتقل ہوتے چلا آ رہا تھا تو اس وقت بھی آپ کا رب دیکھ رہا تھا۔ کیوں کہ آپ کے آباء و اجداد کو قرآن کریم نے ”السجدین“ (سجدہ کرنے والے) کہا ہے۔ اس لیے اکثر علماء نے اس آیت سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کے کثیر تعداد جلیل القدر علماء کا یہی مسلک ہے۔

اس حقیقت پاک سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء و امہات سے کوئی مشرک یا فاسق نہیں ہوا کیوں کہ مشرکین کے بارے میں صراحتاً مذکور ہے۔ انما المشرکون نجس بیشک مشرک نجس ہیں۔ اور حضور کے آباء نجس نہیں ہو سکتے جن کی تمام حرکات و سکنات کو نگاہ قدرت ہمہ وقت بغور ملاحظہ فرما رہی ہو اس ہستی کی شان عظمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ (سیرت الرسول)

حضور کے تشریحی اختیارات

و ما اتاکم الرسول فخذوه و ما نہاکم عنہ فانتہوا و اتقوا اللہ ان اللہ شدید

العقاب.

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (الحشر، ۷)

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں جو حکم دیں اس کا اتباع کرو کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت ہر امر میں واجب ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت نہ کرو اور ان کی تعمیل ارشاد میں سستی نہ کرو۔ (خزائن العرفان)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نعت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے مالک اور تمام مسلمان ان کے بندۂ بے زر، اس سے معلوم ہوا کہ ایماندار وہ ہے جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ہر حکم کو بے تاثر قبول کرے، خواہ اس کی عقل میں آوے یا نہ آوے اور خواہ دنیاوی نفع اس میں معلوم ہو یا نہ ہو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کام خود کیے یا جن کاموں کا حکم دیا، یا جو کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھا اور منع نہ فرمایا یہ سب ما اتاکم میں داخل ہے۔ پہلے کو سنت فعلی، دوسرے کو سنت قولی

تیسرے کو سنت سکوتی کہتے ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہ حضور ہی کی شان ہے کہ آپ کا ہر حکم، ہر فعل قابل اتباع ہے اور کسی کی یہ شان نہیں کیوں کہ حضور مختار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر حکم، ہر فعل رب کی طرف سے ہے۔ ہمارے فعل نفسیاتی اور شیطانی بھی ہوتے ہیں۔ بارگاہ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک نہ شیطان کی رسائی نہ نفس امارہ کا دخل۔ اس لیے زبان پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حق ہی جاری ہوتا ہے۔

(شان حبیب الرحمن)

مالک کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

انا اعطیناک الکوثر فصل لربک و انحر ان شانک هو الابتر

اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔ (الکوثر)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضائل کثیرہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل کیا۔ حسن ظاہر بھی دیا حسن باطن بھی، نسب عالی بھی، نبوت بھی، کتاب بھی، حکمت بھی، علم بھی، شفاعت بھی، حوض کوثر بھی، مقام محمود بھی، کثرت امت بھی، اعدائے دین پر غلبہ بھی، کثرت فتوح بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں۔

اے محبوب جس نے تمہیں عزت و شرافت دی اس کے لیے نماز پڑھئے اور اس کے نام پر قربانی کیجئے، بخلاف بت پرستوں کے جو بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ نماز سے نماز عید مراد ہے۔

ان شانک ہو الا بتر جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے نہ کہ آپ کیوں کہ آپ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ کی اولاد میں بھی کثرت ہوگی اور آپ کے تبعین سے دنیا بھر جائے گی، آپ کا ذکر منبروں پر بلند ہوگا، قیامت تک پیدا ہونے والے عالم اور واعظ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کرتے رہیں گے۔ بے نام و نشان اور ہر بھلائی سے محروم تو آپ کے دشمن ہیں۔

شان نزول: جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرزند حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو کفار نے آپ کو ابتر یعنی منقطع النسل کہا اور یہ کہا کہ اب ان کی نسل نہیں رہی، ان کے بعد اب ان کا ذکر بھی نہ رہے گا یہ سب چرچا ختم ہو جائے گا اس پر سورہ کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی تکذیب کی اور ان کا بالغ رد فرمایا۔ (خزائن العرفان)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں مختلف عنوانوں سے ان انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جو اس نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یا اس کے طفیل اس کی امت پر فرمائے ہیں۔ اس سورت میں ان تمام عنایات کو ”الکوثر“ کے ایک کلمہ میں سمو کر رکھ دیا تا کہ چشم حق میں حسن محمدی کے ایک ایک جلوے کو دیکھتی رہے اور سرشار ہوتی رہے، اس پیکر جمیل و رعنا کی رعنائیوں اور دلربائیوں میں کھوئی رہے، دل اس حسن سرمدی کی دل نوازیوں پر قربان ہوتا رہے، اس کی ایک ایک ادا جاں پرور ہے، اس کا ایک ایک انداز روح افزا، زبان قدرت جہاں اپنے حبیب کی شان بیان کرتی ہے وہاں اسلوب ہی بڑا نرالا اختیار کیا جاتا ہے ارشاد فرمایا انا (ہم نے) جمع کی ضمیر استعمال ہوئی، جمع کا صیغہ کبھی کثرت اور تعدد پر دلالت کرتا ہے اور کبھی عظمت شان کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہی مقصد ہے۔ یعنی ہم نے جو زمین و آسمان کا خالق و مالک ہیں، ہم جو عروس گیتی کو سنوارنے اور نکھارنے والے ہیں، ہم جن کے جو دو کرم کا وسیع دسترخوان ہر وقت بچھا ہوا ہے اور ہر ایک کے لیے صدائے عام ہے۔ اے حبیب ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ جو چیز ہم عطا فرمانا چاہیں اسے

کوئی روک نہیں سکتا، جو چیز ہم عطا فرمائیں اسے کوئی چھین نہیں سکتا، ہم نے اپنے دست قدرت سے الکوثر آپ کے حوالے کر دیا، آپ کو اس کا مالک بنا دیا، کیا شان جو دو سخا ہے دینے والے کی اور کیا مقام رفعت و علا ہے لینے والے کا۔

علمائے تفسیر نے ”الکوثر“ کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) کوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس سے جنت کی ساری نہریں نکلتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمادی ہیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الكوثر نهر في الجنة حافته من ذهب و مجراه على الدر و الياقوت تربته اطيب من المسك و ماءه احلى من العسل و ابيض من الثلج .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں موتیوں اور یاقوت کافرش بچھا ہوا ہے اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔

(۲) اس حوض کا نام ہے جو میدان حشر میں ہوگا جس سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنی امت کے پیاسوں کو سیراب فرمائیں گے۔ جس کے کناروں پر پیالے، آنخورے اتنی کثرت سے رکھے ہوں گے جتنے آسمان پر ستارے ہیں تاکہ در حبیب پر آکر کسی پیاسے کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

اس حوض کے بارے میں احادیث متواترہ مذکور ہیں اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے۔

و ان علی مارکانها الاربعة خلفاء الاربعة .

اس کے چاروں کونوں پر خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف فرما ہوں گے۔ جو شخص ان میں سے کسی کے ساتھ بغض کرے گا اسے حوض کوثر سے ایک گھونٹ بھی نہیں ملے گا۔

(۳) النبوة، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو حضور سے پہلے بھی تشریف لائے لیکن نبوت محمدیہ کے فیوض و برکات کی کثرت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ آپ کی نبوت کا دامن ساری نوع انسانیت کو سمیٹے ہوئے ہے بلکہ آپ ساری کائنات کے نبی ہیں آپ کا بحر رسالت زمان و مکان کی حدود سے آشنا نہیں۔

(۴) کوثر سے مراد قرآن کریم ہے، انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی صحائف اور کتابیں لے کر آئے لیکن جو جامعیت اور ابدیت اس کی تعلیمات میں ہے اس کی نظیر کہاں، علوم و معارف کے جو خزینے اس صحیفہ رشد و ہدایت میں مستور ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ انسانی زندگی کے ان گنت شعبوں پر جس طرح اس کتاب مبین کا نور ضیاء پاشیاں گرا رہا ہے وہ کسی بصیرت والے سے مخفی نہیں۔

(۵) اس سے مراد دین اسلام ہے۔

(۶) اس سے مراد صحابہ کرام کی کثرت ہے جتنے صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تھے کسی دوسرے نبی یا رسول کو اتنے صحابہ میسر نہیں آئے۔

(۷) اس سے مراد رفع ذکر ہے ساری کائنات کی بلند یوں اور پستیوں میں جس طرح اس نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا ڈنکا بج رہا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

(۸) امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کوثر سے مراد حضور کے دل کا نور ہے جس نے آپ کی اللہ تعالیٰ تک رہنمائی کی اور ماسوا سے ہر قسم کا رشتہ منقطع کر دیا۔

(۹) ”مقام محمود“ روز محشر جہاں شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت عامہ فرمائیں گے۔

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے الکوثر کی تفسیر بیان کی ہے ”الخبیر الکثیر“ یعنی خیر کثیر۔

حضرت سعید بن جبیر نے عرض کی کہ لوگ تو کہتے ہیں کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو آپ نے فرمایا وہ بھی اس خیر کثیر میں سے ایک ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الکوثر کے بارے میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے

ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں کوثر میں داخل ہیں۔ ظاہری نعمتوں سے مراد دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ علوم لدنیہ ہیں جو بغیر کسب کے محض فیضان الہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے بھی اسی سے ملتی جلتی تشریح کی ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور دنیوی و اخروی نعمتیں جن میں فضیلتیں اور فضائل سب شامل ہیں اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ احادیث میں کوثر کا معنی نہر بتایا گیا ہے یہ بطور تمثیل ہے۔

یہ سورت اپنے اختصار و ایجاز کے باوصف فصاحت و بلاغت کا وہ مرقع جمیل ہے کہ فصحاء عرب، بلغائے حجاز کو اسے پڑھ کر کہنا پڑا ما هذا کلام البشر یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

(بیرت الرسول)

درود کا حکم اور اس کا مقصد

ان الله و ملائکته یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما.

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔
(الاحزاب، ۵۶)

درود شریف اللہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکریم ہے۔ علماء نے اللہم صل علی محمد کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یارب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عظمت عطا فرما دنیا میں ان کا دین بلند اور ان کی دعوت غالب فرما کر اور ان کی شریعت کو بقا عنایت کر کے اور آخرت میں ان کی شفاعت قبول فرما کر اور ان کا ثواب زیادہ کر کے اور اولین و آخرین پر ان کی فضیلت کا اظہار فرما کر اور انبیاء و مرسلین و ملائکہ اور تمام خلق پر ان کی شان بلند کر کے۔

درود شریف کی بہت برکتیں اور فضیلتیں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب درود بھیجنے والا مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار بھیجتا ہے۔
ترمذی کی حدیث شریف میں ہے، بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے۔

فائدے

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا واجب ہے، ہر ایک مجلس میں آپ کا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی ایک مرتبہ اور اس سے زیادہ مستحب ہے یہی قول معتمد ہے اور اس پر جمہور ہیں۔ اور نماز کے قعدہ اخیرہ میں بعد تشهد درود شریف پڑھنا سنت ہے اور آپ کے تابع کر کے آپ کے آل و اصحاب اور دوسرے مومنین پر درود بھیجا جاسکتا ہے یعنی درود شریف میں آپ کے نام اقدس کے بعد ان کو

شامل کیا جاسکتا ہے اور مستقل طور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا ان میں سے کسی پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔

درود شریف میں آل و اصحاب کا ذکر متواتر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل کے ذکر کے بغیر درود مقبول نہیں۔ (خزائن العرفان)

پورا قرآن حضور کی نعت ہے

حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کو بنظر ایمان دیکھا جائے تو اس میں اول سے آخر تک نعت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معلوم ہوتی ہے۔ حمد الہی ہو یا بیان عقائد، گزشتہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے واقعات ہوں یا احکام، غرض قرآن کریم کا ہر موضوع اپنے لانے والے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد اور اوصاف کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر سورہ اخلاص قل هو اللہ احد کو لیجیے کہ اس میں خدائے قدوس کے صفات کا ذکر ہے۔ اور سورہ لہب کو دیکھئے یعنی تبت یدا ابی لہب و تب کہ اس میں بظاہر ابو لہب کافر اور اس کی بیوی کا تذکرہ ہے از اول تا آخر، مگر جب غور کرو تو یہ دونوں سورتیں محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پاک سے بھری ہوئی ہیں۔

قل هو اللہ احد میں ارشاد ہے کہ اے محبوب تم کہہ دو کہ اللہ ایک اور وہی بھروسہ کے لائق ہے نہ وہ کسی کی اولاد نہ اس کی کوئی اولاد، وغیرہ وغیرہ۔ مگر ایک کلمہ قل نے (یعنی محبوب تم کہہ دو) اس ساری سورہ میں نعت کو شامل کر دیا۔ کیوں کہ مرضی الہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کلام تو ہمارا ہو اور زبان تمہاری۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے تیرے سنی
اتنی ہے گفتگو تیری اللہ کو پسند

ہماری صفات تو تم دنیا کو بتاؤ اور فرماؤ اللہ احد اور تمہاری صفت ہم ارشاد فرماتے ہیں محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار، یعنی لا الہ الا اللہ تم کہلو اور محمد رسول اللہ ہم کہلو اتے ہیں یعنی ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے منہ سے اپنے اوصاف سنیں تم ہمیں۔ ماؤ اللہ احد۔ بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ لوگ اپنے محبوب فرزند سے باتیں سنتے ہیں چوں کہ اس کی زبان کے لفظ میٹھے اور پیارے معلوم ہوتے ہیں تو بار بار کہلو کر سنتے ہیں۔ رب نے اپنے محبوب سے قرآن پڑھا کر سنا ورنہ میثاق کے دن سب سے پہلے توحید کا اقرار حضور ہی نے کیا تھا۔ یا قل سے یہ مقصود ہے کہ اے محبوب لوگوں سے کہہ دو اللہ احد لہذا اگر کوئی انسان آپ کی غلامی کے بغیر ہماری صفات کو جانے مانے برگز عارف یا موحد نہیں جب تک کہ آپ کی بتائی ہوئی توحید آپ کے دامن پاک سے لپٹ کر نہ مانے۔ اسی لیے کلمہ طیبہ کا نام تو ہے کلمہ توحید۔ مگر اس میں اللہ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی ہے کہ جزو اول میں توحید اور جزو دوم میں توحید سکھانے والے کا اسم پاک آجائے کہ توحید صحیح بغیر رسالت کی دستگیری کے حاصل نہیں ہوتی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تبت یدا ابی لہب میں بھی نعت شامل ہے۔ قل هو اللہ احد میں تو قل فرمانے سے نعت کی شان نظر آئی اور یہاں قل نہ فرمانے سے۔ کیوں کہ ایک بار ابو لہب بن عبد المطلب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کہا تھا کہ تبا لک (آپ تباہ ہو جائیں) پروردگار عالم نے اس کلمہ ملعونہ کا بدلہ اور انتقام لیتے ہوئے خود فرمایا کہ تبت یدا ابی لہب و تب (ابو لہب ہلاک ہو جائے اور وہ ہلاک ہو بھی گیا) یعنی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کا جواب آپ نہ دیں ہم خود جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اب اس سے جہاں ابو لہب کی گمراہی و ہلاکت وغیرہ کا ذکر ہو ساتھ ہی ساتھ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت بارگاہ الہیہ میں معلوم ہو گئی کہ ان کی شان میں ادنیٰ سی بکو اس کرنے والا خدائے پاک کا دشمن قرار پاتا ہے۔

من عاد لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب.

جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

صحابہ کرام و اہل بیت عظام کے مناقب، مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے فضائل جو قرآن کریم میں ارشاد ہوئے وہ حقیقت میں نعت مصطفیٰ ہی ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ بادشاہ کے غلاموں کی تعریف، اس کے تخت و تاج کی مدحت درحقیقت بادشاہ کی ثنا خوانی ہے۔ کفار کی برائیاں، بت پرستوں کی مذمت بھی اسی شہنشاہ کی نعت ہے جس کی مخالفت سے یہ لوگ مردود و ملعون ہوئے۔

اسی طرح آیات احکام کو دیکھئے کہ سب میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نعت ظاہر ہے مثلاً قرآن میں جگہ جگہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا یا حج فرض فرمایا مگر کسی جگہ نہیں بتایا گیا کہ نماز کس طرح پڑھو، کس کس وقت پڑھو، کتنی کتنی رکعتیں پڑھو، اسی طرح یہ وضاحت بھی نہ فرمائی کہ زکوٰۃ کون دے، کتنے مال پر دے، کس قدر دے، حج کرو مگر حج کے تمام قاعدے نہیں بیان کیے۔ جس کی منشا یہ ہے کہ احکام ہم نے بتائے اب اگر ان احکام کی تفصیل اور طریقہ دیکھنا ہے تو ہمارے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کے مبارک فعل اور قول کو دیکھ لو۔ ان کی زندگی پاک ہمارے سارے احکام کی مکمل تفسیر ہے اور حق تو یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج وغیرہ محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کی محبوب اداؤں کا نام ہے، ان کی ادائیں پیاری ہیں۔ جو بھی اخلاص سے ان کی سی ادائیں کرے گا مقبول ہوگا۔ اگر کوئی شخص رکوع سجدہ میں قرآن پڑھ لے اور قیام میں التحیات پڑھے یعنی جو ذکر الہی نماز میں ہوتا ہے اس کی ترتیب بدل دے نماز نہ ہوگی۔ آخر یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس نے اگرچہ سارے ارکان ادا کر دیئے اور سارے ذکر بھی کر لیے مگر اس طرح نہیں کیے جس طرح سے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کرتے تھے پیاری تو ان کی ادائیں ہیں نہ کہ محض تمہارے افعال، دیکھو نماز و تلاوت بزبان عربی لازم ہے کہ یہی محبوب کی زبان ہے ہمیں طوطا مینا پیاری ہیں کیوں کہ وہ ہماری سی بولی بولتے ہیں۔ اگرچہ بغیر سمجھے ہی سہی۔ تو اے مسلمانو! تم بھی اس محبوب کی بولی بولو اگرچہ بغیر سمجھے

ہوئے سبھی ثواب پاؤ گے۔ اگر نماز محض درخواست ہوتی تو ہر زبان میں ادا ہو جاتی کہ رب تبارک و تعالیٰ تو ہر زبان جانتا ہے۔ حج میں کیا ہے؟ کہیں ٹھہرنا، کہیں دوڑنا، کہیں کنکر پھینکنا، کہیں طواف میں گھومنا، آخر یہ کام ان تاریخوں میں عبادت کیوں بن گئے اس لیے کہ یہ اللہ والوں کے کام ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا۔

من تشبه بقوم فهو منهم .

جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ اسی قوم سے ہے۔

ہماری نمازوں اور ساری عبادتوں کا یہی حال ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشابہت اور تشبیہ نصیب ہو جائے شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمیں بخش دے۔ ہمارے یہ سجدے سجود ان ہی مقبول سجدوں کی نقل ہیں غرض کہ احکام کی ساری آیات نعت رسول ہیں۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔

اسی طرح وہی کام گناہ ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناراض کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے و الذین یؤذون رسول اللہ لهم عذاب الیم (جو لوگ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا و تکلیف دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے) لهم، کے مقدم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف انہیں کو عذاب ہوگا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا دیں۔ معلوم ہوا کہ ہر کافر کے کفر اور مومنوں کے گناہ سے حضور کو ایذا ہوتی ہے۔ اگر کسی عبادت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناراض ہیں تو وہ عبادت گناہ ہے اور اگر کسی خطا سے حضور راضی ہوں تو وہ خطا عین عبادت ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غار ثور میں سانپ سے اپنے کو کٹوا لینا خود کشی نہیں عین عبادت ہے۔ ابوامیہ ضمیری کا بہ مجبوری کلمہ کفر منہ سے نکال دینا کفر نہیں۔ خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا نماز عصر قضا کر دینا گناہ نہیں بلکہ عبادت تھا کہ ان چیزوں سے حضور مختار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی تھے۔ مگر فاطمہ زہراء

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں حضرت علیؑ کے لیے دوسرا نکاح گناہ تھا کہ اس سے حضور کو ایذا پہنچتی۔
 عرفات میں نماز مغرب قضا کرنا عبادت ہے کہ اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہیں۔

(شان حبیب الرحمن)



سرور کونین ﷺ کے فضائل و کمالات

احادیث کی روشنی میں

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ ، خلق کا آقا کہوں تجھے

ارواحِ حیات خدا نے بعضوں کو رحم سے پہلے
مجھے پانچ چیزیں وہ دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔

(الحديث)

سرور کونین ﷺ کے فضائل و کمالات

خاندانی شرافت

عن واثلة بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ اصطفیٰ من ولد ابراهیم اسمعیل ، و اصطفیٰ من ولد اسمعیل بنی کنانہ و اصطفیٰ من بنی کنانہ قریشا و اصطفیٰ من قریش بنی ہاشم و اصطفانی من بنی ہاشم .

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت اسماعیل کو چن لیا پھر حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ کی اولاد سے قبیلہ قریش کو فضیلت بخشی اور قبیلہ قریش سے خاندان بنو ہاشم کو ممتاز کیا اور خاندان بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔

(مسلم و ترمذی)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتانی جبریل فقال قلبت مشارق الارض و مغاربہا فلم ار رجلا افضل من محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و لم ار بنی اب افضل من بنی ہاشم .

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک روز جبریل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو چھان مارا ہے لیکن میں نے کوئی ایسا مرد نہیں دیکھا کہ جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل ہو اور نہ کوئی خاندان

(طبرانی، ابو نعیم، بیہقی)

دیکھا ہے جو خاندان بنو ہاشم سے ارفع و اعلیٰ ہو۔

اولاد آدم میں سب سے مکرم

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا اکرم ولد آدم علی ربی و لا فخر .

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام ذریت سے میں اپنے رب کے نزدیک معزز و مکرم ہوں میں یہ بات فخر و مباہات کے لیے نہیں کہہ رہا بلکہ اظہار حقیقت کر رہا ہوں۔ (ترمذی)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا اکرم الاولین و الاخرین و لا فخر .

میں تمام پہلے گزرے ہوئے انسانوں سے اور بعد میں آنے والے انسانوں سے بارگاہ الہی میں زیادہ معزز و مکرم ہوں میرا یہ قول ازراہ فخر و مباہات نہیں بلکہ یہ اظہار حقیقت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شب معراج نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری کے لیے براق پیش کیا گیا تو اس نے شوخی دکھانا شروع کی جبریل امین نے اسے جھڑک کر کہا کیا اللہ کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے شوخی دکھا رہے ہو۔ آج تک تیری پشت پر کوئی ایسا آدمی سوار نہیں ہوا جو بارگاہ ایزدی میں ان سے زیادہ معزز و محترم ہو۔ جبریل کی اس سرزنش پر براق کو پسینہ آ گیا۔

خزائن ارض کی کنجیاں حضور کے قبضے میں

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

قال نصرت بالرعب و اوتيت جوامع الكلم و بينما انا نائم اذ جئ بمفاتيح خزائن الارض و وضعت في يدي و ختم بي النبيون .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رعب سے میری مدد کی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں اور اس وقت جب کہ میں سویا ہوا تھا زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں اور میری ذات پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا۔ (مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے امتیو! میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہی دینے والا ہوں اور بلاشبہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرمادی گئی ہیں۔ (شفاء شریف)

حضور پر مخصوص انعامات الہیہ

ابن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے میرے محبوب مجھ سے مانگو میں نے عرض کی اے میرے پروردگار! میں تجھ سے کیا مانگوں تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا، موسیٰ سے بلا واسطہ کلام کیا، نوح کو چن لیا، سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وہ ملک عظیم عطا کیا جو آپ کے بعد کسی کو نہیں دیا جائے گا۔ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر اللہ جل مجدہ نے فرمایا اے میرے حبیب! جو میں نے آپ کو عطا فرمایا ہے وہ ان تمام انعامات سے اعلیٰ و افضل ہے۔ میں نے آپ کو کوثر عطا فرمایا، میں نے آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے جو ہر اذان و شہادت کے وقت فضا میں گونجتا رہتا ہے اور میں نے زمین کو آپ کے لیے بنایا ہے اور آپ کی امت کے لیے زمین کو طہارت کا سبب قرار دیا ہے اور آپ پر جو الزامات

ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد لگائے گئے میں نے ان سب سے آپ کے دامن کو پاک کر دیا ہے۔ آپ لوگوں میں اس حالت میں چلتے ہیں کہ آپ مغفور ہیں اور یہ مہربانی آپ سے پہلے میں نے کسی کے ساتھ نہیں کی اور میں نے آپ کے امتیوں کے دلوں کو قرآن کریم کا حامل بنا دیا ہے اور میں نے مقام شفاعت آپ کے لیے مخصوص کر رکھا ہے حالاں کہ میں نے آپ کے بغیر کسی نبی کو یہ شان عطا نہیں فرمائی۔

(شفاء شریف)

اس حدیث پاک میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگرچہ حضور کی آمد سے پہلے اولوالعزم رسولوں کو مقام رفیعہ پر فائز کیا گیا لیکن جو شانیں اور عظمتیں آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہیں وہ تمام سابقہ انعامات سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔

دعائے ابراہیم و نوید عیسیٰ

عن العرباض بن ساریة رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول انی عبد اللہ و خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ انا دعوة ابی ابراہیم و بشارة عیسیٰ بن مریم علیہم الصلاة و السلام .

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا میں اللہ کا بندہ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں، میں اس وقت خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ الصلاة والسلام آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ میں وہ دعا ہوں جو میرے باپ ابراہیم علیہ الصلاة والسلام نے اللہ سے کی تھی میں وہ مرثدہ ہوں جو حضرت عیسیٰ بن مریم نے نوع انسانی کو سنایا تھا۔

ساق عرش پر حضور کا اسم مبارک

قال آدم لما خلقتني رفعت راسي الى عرشك فاذا فيه مكتوب لا اله الا الله
محمد رسول الله فعلمت انه ليس احد اعظم قدرا عندك ممن جعلت اسمه مع
اسمك .

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی اے میرے پروردگار جب تو نے مجھے پیدا فرمایا اور
میں نے سر اٹھا کر تیرے عرش کی طرف دیکھا تو وہاں یہ لکھا ہوا پایا لا اله الا الله محمد رسول الله
پس میں نے جان لیا کہ یہ ہستی جس کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ یکجا لکھا ہے اس کی قدر و منزلت تیری
بارگاہ میں بہت بڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ وحی کی :

و عزتي و جلالی انه لاخر النبیین من ذریتک و لو لاہ ما خلقتک .
مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم تیری اولاد میں یہی ہستی خاتم النبیین ہے اور اگر یہ نہ ہوتے تو اے آدم
میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

سر پائے اقدس

ہر خوبی اور ہر کمال جس کا تعلق جسم سے ہو یا روح سے، ظاہر سے ہو یا باطن سے، دنیا سے ہو یا
آخرت سے، فکر سے ہو یا عمل سے، فرد و واحد سے ہو یا ساری قوم سے، زمانہ ماضی سے ہو یا حال و مستقبل
سے، کسی کی جد و جہد کا نتیجہ ہو یا محض عطاء الہی ہو۔ یہ گونا گوں خوبیاں اور بوقلموں کمالات اپنی جملہ
رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ ذات پاک سید الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ و علی آلہ اطیب التحیۃ و الثناء میں

بعطاء الہی اپنی اکمل ترین صورت میں پائے جاتے ہیں۔ جلال و جمال محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر بیکراں ہے جس کا احاطہ انس و ملک میں سے کسی کے بس کا روگ نہیں۔

متعدد صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلیہ مقدس بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے :

من انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگ مبارک
کان ازہر اللون	سرخ و سپید تھا۔
ادعج	چشم مازاغ بڑی بڑی تھیں ان کا سفید حصہ بہت
انجل	سفید اور سیاہ حصہ بہت سیاہ تھا۔
اشکل	چشم ہائے مبارک بڑی تھیں۔
اهدب الاشفار	آنکھ کے سفید حصہ میں سرخ ڈورے تھے۔
ابلج	مژگان مبارک لمبی تھیں۔
ازج	ابروؤں کا درمیانی حصہ بالوں سے صاف تھا ابرو
اقنی	کمان کی طرح خمیدہ اور لمبے تھے۔
افلج	ناک مبارک اونچی اور پتلی تھی۔
مدور الوجه	دندان مبارک پیوستہ نہ تھے درمیان میں تھوڑا سا
	فاصلہ تھا۔
	رخ انور گول تھا۔

پیشانی مبارک فراخ تھی۔	واسع الجبین
ریش پر نور گھنی تھی۔	كث اللحية
جوسینہ مبارک پر پھیلی ہوئی تھی۔	تملاً صدره
شکم مبارک اور سینہ مبارک، ہموار تھے۔	سواء البطن و الصدر
صدر پر نور کشادہ تھا۔	واسع الصدر
کندھے بڑے بڑے تھے۔	عظیم المنکبین
جسم کی ہڈیاں بھاری بھر کم تھیں۔	ضخم العظام
کہنیوں سے کندھوں تک اور دونوں کلاسیاں اور پنڈلیاں بہت مضبوط اور طاقتور تھیں۔	عبل العضدين و الذراعین و الاسافل
ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں اور دونوں مبارک پاؤں کشادہ تھے۔	رحب الکفین و القدمین
انگشت مبارک ہموار تھیں۔	سائل الاطراف
جسم مبارک نورانی تھا۔	انور المتجرد
سینہ کے بالوں کی وہ لکیر جو سینہ کی ہڈی سے ناف تک چلی جاتی ہے وہ پتلی تھی۔	دقیق المسربة
قامت زیادہ درمیانہ تھی۔	ربعة القد

حضور زیادہ دراز قامت نہ تھے اور نہ از حد پست قامت۔

بایں ہمہ اگر کوئی دراز قامت انسان سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے اونچے دکھائی دیتے تھے۔

گیسوائے مبارک زیادہ گھنگھریا لے نہ تھے۔

جب حضور ہنستے تو دندان مبارک یوں چمکتے تھے۔

جس طرح بجلی کی چمک یا ژالہ باری کے وقت۔

گرنے والے دانے۔

جب حضور گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ دندان مبارک سے نور نکل رہا ہے۔

حضور کی گردن مبارک تمام لوگوں کی گردنوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔

حضور کا جسم اطہر نہ زیادہ فریبہ تھا اور نہ لاغر۔

بدن مبارک مضبوط اور بھرا ہوا تھا۔

جسم پر گوشت زیادہ نہ تھا۔

(شفا شریف)

ليس بالطويل البائن

ولا بالقصير المتردد

و مع ذلك لم يكن يما شبه احد

ينسب الى الطول الاطال

رجل الشعر

اذا الفترضا حكا

افتر عن مثل سنا البرق

و عن مثل حب الغمام

اذا تكلم رنى كالنور يخرج من

ثناياه

احسن الناس عنقا

ليس بمطهم ولا مكلمم

متماسك البدن

ضرب اللحم

جسم اطہر کی نظافت و پاکیزگی

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو اتنا لطیف اور نفیس بنایا تھا کہ گرد و غبار کی وہاں گنجائش ہی نہ تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بڑے نظافت پسند تھے اور اپنے غلاموں کو بھی اپنے جسم و لباس کو صاف رکھنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے :

بنی الدین علی النظافة

دین اسلام کی بنیاد نظافت پر ہے۔

خادم خاص بارگاہ نبوت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ما شمت عنبر اقط و لا مسکا و لا شیئا اطیب من ریح رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم .

میں نے کبھی کوئی عنبر کوئی مشک یا کوئی اور چیز ایسی نہیں سونگھی جس کی مہک شاہِ خوباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محبوب کی اس روح پرور ادا کو یوں بیان فرماتے ہیں:

کہ ایک روز سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے زخسار پر پھیرا تو حضور کے دست مبارک کی خنکی اور مہک میں نے محسوس کی تو یوں معلوم ہوا کہ جیسے عطار کی صندوقچی سے یہ دست مبارک ابھی ابھی نکالا تھا۔

فہم و ذکاء

ہادیٰ انس و جاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا گیا

وہ حلم و بردباری کے نام سے بھی واقف نہ تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تلواریں بے نیام ہو جاتیں، خون کے دریا بننے لگتے اور کشتوں کے پتے لگ جاتے اور قتل و غارت کا یہ سلسلہ ختم ہونے کا نام نہ لیتا ایسی تیز مزاج قوم کو حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حلم و بردباری کا علمبردار بنا دیا۔ نیز وہ قوم جو اخلاقی لحاظ سے پستی کی انتہا میں گر چکی تھی، فسق و فجور کی دلدل میں تابدوش غرق تھی، پیشہ ور عورتیں اپنے گھروں پر جھنڈے نصب کر کے لوگوں کو دعوت گناہ دے رہی ہوتی تھیں، بڑے بڑے شرفاء وہاں جا کر اپنا منہ کالا کرتے لیکن نہ ان کو کسی سے شرم محسوس ہوتی اور نہ انھیں کوئی برا بھلا کہتا۔ وہ قوم شراب جس کی گھٹی میں تھی، وہ قوم جو گاڑھے پسینے کی کمائی ہوئی دولت کو شراب خوری اور قمار بازی میں پانی کی طرح بہا دینے کی عادی تھی اور اس کو وہ باعث عزت و افتخار سمجھتی تھی، ایسی قوم کو انتہائی دانش مندی سے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قعر مذلت سے نکالا اور عفت و پاک دامنی کا خوگر بنایا، وہ جو کسی کی اطاعت کے لیے تیار نہیں تھی، جس کی انانیت کسی قانون اور دستور کی پابند نہ تھی، جن کے ہاں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کوئی عیب شمار نہ ہوتا تھا اس قوم کو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حکیمانہ کلمات اور دل نشیں مواعظ سے جس طرح قانون و آئین کی پابندی کا خوگر بنا دیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ وہ قوم جو متعدد قبائل میں بٹی ہوئی تھی، ایک دوسرے کی جان و مال کو نقصان پہنچانا ہر طاقتور اپنا حق سمجھتا تھا۔ ان بکھرے ہوئے قبائل کو خدا کے مقدس رسول نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یک جان کیا اور عدل و انصاف کے ضابطوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا عادی بنا دیا۔ یہ ہمہ پہلو انقلاب جو عرب کے اجڈ بدوں میں برپا ہوا۔ یہ سب امور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دانش و خرد مندی کی ناقابل تردید دلیل ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے ظاہر کو ہی نہیں بدلا بلکہ اس کے باطن کو بھی صدق و صفا، عفت و تقویٰ، تواضع و انکسار اور جذبہ اطاعت امیر سے مزین کر دیا۔ جب سے اولاد آدم علیہ السلام اس کرۂ ارضی پر آباد ہوئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک کوئی فاتح عالم، کوئی سلطان ہفت اقلیم، کوئی

سیاسی مدبر، ایسا جامع انقلاب برپا نہ کر سکا جس طرح اللہ کے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
قلیل ترین وقت میں برپا کیا۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی عقل کی برتری ثابت کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کسی دلیل کی
ضرورت نہیں کہ سرور انبیاء علیہ الصلاۃ والسلام نے بڑے حکیمانہ انداز سے ہر قسم کے لوگوں کو اسلام کے
سانچے میں اس طرح ڈھالا کہ ان کے مزاج اور ان کی فطرت و عادت بدل کر رکھ دی۔

اسی لیے وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ میں نے اکہتر کتابوں کا دقت نظر سے
مطالعہ کیا ہے اور ان کتب کے جملہ مصنفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ :

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارجح الناس عقلاً و افضلهم رایاً.

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقل و دانش کے لحاظ سے تمام لوگوں سے برتر تھے ہر معاملہ میں
حضور کی رائے تمام لوگوں کی آراء سے افضل تھی۔

انھیں وہب سے یہ روایت بھی منقول ہے :

ابتدائے آفرینش سے لے کر قیام قیامت تک اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو جو فہم و فراست عطا
فرمائی ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقل و رائے کے سامنے اس کی حیثیت اتنی بھی نہ تھی جتنی ریت
کے ایک ذرہ کی دنیا کے تمام ریگستانوں سے ہوتی ہے۔

سبل الہدیٰ کے مصنف کا یہ قول بھی آپ کی توجہ کا مستحق ہے۔

اگر عقل و خرد کے سوا جزاء تصور کیے جائیں تو ان میں سے ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارزانی فرمائے اور ایک حصہ ساری مخلوق کو عطا فرمایا۔

فصاحت و بلاغت

اہل عرب فصاحت و بلاغت میں تمام اقوام عالم سے برتر اور افضل تھے انھیں اپنے اس وصف پر اتنا ناز تھا کہ وہ اپنے سوا تمام اقوام عالم کو عجمی (گونگا) کہتے تھے ان فصحاء و بلغاء میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان فصاحت عدیم المثال تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان فصاحت کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا حضور کے کلام میں انتہا درجہ کی سلاست و روانی تھی، یوں معلوم ہوتا کہ کلمات نور کے سانچے میں ڈھل کر زبان اقدس سے ادا ہو رہے ہیں۔ جو بات زبان مبارک سے نکلتی وہ ہر عیب سے پاک ہوتی۔ اس میں تکلف کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جوامع الکلم سے نوازا تھا یعنی الفاظ قلیل ہوتے لیکن لطائف و معانی کا ایک سمندر ان میں موجزن ہوتا تھا حضور کی زبان مبارک سے ایسے حکیمانہ جملے صادر ہوتے جو حکمت و دانائی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔

عرب کے مختلف خطوں میں جو عربی بولی جاتی تھی اس میں بڑا تفاوت ہوتا تھا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وطن مبارک اگرچہ حجاز تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجاز کی لغت میں بھی جب گفتگو فرماتے تو فصاحت و بلاغت کے چمن آباد ہو جاتے۔ اور عرب کے دیگر علاقوں کی علاقائی زبان میں اس سلاست و قادر الکلامی سے گفتگو فرماتے کہ سننے والے حیران ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی کسی کو مخاطب فرماتے تو اس کی علاقائی زبان میں خطاب فرماتے، اسی زبان کے محاورے استعمال فرماتے، ان ہی کی شان فصاحت کا مقابلہ کرتے یہاں تک کہ صحابہ کرام جب کسی دوسرے علاقہ کی زبان میں حضور کو گفتگو کرتے سنتے تو کئی الفاظ کی تشریح و وضاحت کے لیے اپنے آقا کی طرف رجوع کرتے۔

جب عرب کی ان علاقائی زبانوں میں جو متداول نہ تھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا سمندر یوں ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا کہ پڑھنے اور سننے والے سمجھے بغیر ان کی فصاحت و جزالت سے لطف اندوز ہوتے تو روزمرہ کی زبان میں جو شیرینی اور دلکشی ہوگی اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

کئی ادباء نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوامع الکلم اور حکیمانہ اقوال کے مجموعے تالیف کیے ہیں جو عربی زبان کا طرہ امتیاز ہیں اور اہل عرب کے لیے فخر و مباہات کا باعث ہیں۔ جوامع الکلم اور اقوال حکمت کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد نبوی ہے :

(۱) المسلمون تتكافأ دماءهم

تمام مسلمانوں کا خون مساوی ہے۔

یعنی قصاص و دیت میں کسی شخص کو اس کی ثروت اور اس کے خاندان کے پیش نظر ترجیح نہیں دی جائے گی بلکہ سب کا قصاص یکساں ہوگا۔

(۲) يسعى بدمتهم ادناهم .

اگر کوئی کم درجے والا مسلمان کسی قوم کو امان دے گا یا عہد کرے گا تو سب مسلمانوں پر اس کی پابندی لازمی ہوگی۔

(۳) وهم يد على من سواهم .

تمام مسلمان دشمن کے مقابلے میں یکجان ہوں گے۔

(۴) الناس كاسنان المشط .

تمام انسان اس طرح برابر ہیں جس طرح کنگھی کے دندانے۔

(۵) المرء مع من احب

ہر انسان کو اس کی معیت حاصل ہوگی جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔

(۶) لا خیر فی صحبۃ من لا یری لک ماتری لہ .

اس شخص کی ہم نشینی میں کوئی فائدہ نہیں کہ تو اس کے بارے میں خیر کی تمنا کرے اور وہ تمہیں زک پہنچانے کے منصوبے بناتا رہے۔

(۷) الناس معادن .

لوگوں کے مزاج مختلف قسم کے ہوتے ہیں جس طرح زمین میں مختلف قسم کی معدنیات ہوتی ہیں۔

(۸) و ما ہلک امرء عرف قدرہ .

جو اپنی قدر کو پہچانتا ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا۔

(۹) المستشار مو تمن و هو بالخیار ما لم یتکلم .

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے جب تک وہ اپنی رائے کا اظہار نہ کرے بلکہ خاموش رہے اسے اختیار ہے کہ وہ مشورہ دے یا نہ دے۔

(۱۰) رحم اللہ عبدا قال خیرا فغنم او سکت فسلم .

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اچھی بات زبان سے نکالتا ہے اور اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ یا سکوت اختیار کرتا ہے اور تمام لوگوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رہتا ہے۔

حضور کی شرم و حیا

شرم و حیا اور پردہ پوشی میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انسانوں سے ارفع و اعلیٰ تھے کسی شخص کو اگر کوئی ناپسندیدہ حرکت کرتے دیکھتے تو اس کی طرف سے ازراہ تغافل آنکھیں پھیر لیتے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت منقول ہے :

كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اشد حياء من العذراء فى

خدرها.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک پردہ نشین کنواری سے بھی زیادہ حیا دار اور شرمیلے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی فحش بات اپنی زبان پر نہ لاتے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔

حضور کی شان تواضع

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جن ارفع و اعلیٰ مقامات پر فائز کیا وہ کسی پر مخفی نہیں۔ بارگاہ رب العزت میں اتنا بلند مرتبہ پالینے کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے قول و فعل میں ہمیشہ عجز و انکسار کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

ایک روز سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے خدمت اقدس میں حضرت جبریل امین حاضر تھے کہ اچانک آسمان ایک کنارے سے پھٹا، اچانک ایک فرشتہ کودیکھا کہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہے وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام تھے جو نہ اس سے پہلے کبھی کسی نبی پر نازل ہوئے اور نہ آج کے بعد کبھی وہ آسمان سے اتریں گے انھوں نے عرض کی :

یا رسول اللہ آپ پر سلام ہو اور آپ کا پروردگار بھی آپ کو سلام فرماتا ہے میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کی خدمت میں بحیثیت قاصد حاضر ہوا ہوں۔ میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اختیار دوں چاہے تو آپ ایسے نبی بنیں جو عبد ہے اور چاہے تو آپ ایسے نبی بنیں جو بادشاہ ہے۔ جبریل علیہ السلام پہلے ہی حاضر خدمت تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشورہ طلب کرتے ہوئے ان کی طرف

نگاہ فرمائی انھوں نے تو وضع اختیار کرنے کے بارے میں عرض کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسرافیل کو فرمایا بل نبیاً عبداً میں ایسا نبی بنا چاہتا ہوں جو اپنے خالق و مالک کا بندہ ہو اور اے عائشہ اگر میں ایسا نبی بنا پسند کرتا جو بادشاہ ہو تو یہ پہاڑ سونا بن کر میرے ہمراہ ہوتے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کوئی ایسی خونہ تھی جو متکبروں اور مغروروں کا شیوہ ہوا کرتی ہے۔ جو شخص بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کرتا وہ سرخ رنگ کا ہو یا سیاہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی دعوت قبول فرماتے، زمین پر گری ہوئی کھجور پاتے تو اسے اٹھا لیتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے گدھے پر سواری کرنے کو عار محسوس نہ کرتے جس کی پیٹھ پر کوئی کپڑا نہ ڈالا گیا ہو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ جزیرہ عرب کے دور دراز گوشوں سے شمع جمال محمدی کے پروانے اپنے آقا کی زیارت اور حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت میں حج ادا کرنے جمع ہو گئے تھے اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس اونٹ پر سوار تھے اس کا جو کجاوہ تھا وہ پرانا اور بوسیدہ تھا اور جو چادر اس پر ڈالی ہوئی تھی اس کی قیمت صرف چار درہم تھی، اس عجز و انکسار کے ساتھ ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سر اپا عجز و نیاز بن کر اپنے مولائے کریم کی بارگاہ میں عرض کر رہے تھے :

اللهم حجة مبرورة لا رياء ولا سمعة .

اے اللہ اس حج کو حج مبرور بنا جس میں کوئی ریا کاری اور شہرت کی خواہش نہ ہو۔

سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب فاتحانہ جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی گردن جھکائی ہوئی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک پالان کے سامنے والی لکڑیوں کو چھو رہی تھی اور چشم ہائے مبارک سے ازراہ تواضع اشک رواں تھے۔

امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے تو بے کار

و خالی نہ رہتے اگر کوئی کپڑا پھٹا ہوتا تو اسے سیتے، اپنے جوتے کی مرمت فرماتے، کنوئیں سے ڈول نکالتے اور اس کی مرمت کرتے، اپنی بکری خود دوہتے، اپنے ذاتی کام خود انجام دیتے، کبھی کبھی کا شانہ اقدس کی صفائی بھی فرماتے، اپنے اونٹ کے گھٹنے باندھتے، اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالتے، خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، حضرت عائشہ کے ساتھ آٹا گوندھتے، بازار سے اپنا سودا سلف خود اٹھالاتے۔

یہ سارے کام اس لیے کرتے تاکہ اپنے صحابہ کو تواضع و انکسار کا طریقہ سکھائیں اور تکبر و غرور سے باز رہنے کی تلقین کریں۔

وفائے عہد

عبداللہ بن ابی الحساء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی چیز فروخت کی لیکن جو چیز میں نے فروخت کی وہ ساری کی ساری اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش نہ کر سکا اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا میں نے وعدہ کیا کہ حضور یہاں ٹھہریں میں ابھی بقیہ لے کر حاضر ہوتا ہوں، میں چلا گیا، میں یہ بات بھول گیا اور دیگر کاموں میں مصروف ہو گیا، تین دن کے بعد مجھے اچانک یاد آیا کہ میں تو آپ کے ساتھ وعدہ کر آیا ہوں کہ میں بقیہ چیز آپ کو لا کر دیتا ہوں آپ میرا انتظار کریں۔ جب میں وہ چیز لے کر وہاں پہنچا تو رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی جگہ پر تشریف فرما تھے جہاں میں حضور کو چھوڑ کر گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی ناراضگی اور غضب کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنے من موہنے انداز میں اتنا فرمایا :

یا فتی لقد شقت علی وانا ہنا منذ ثلث انتظرک .

اے نوجوان! تو نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی ہے میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا

ہوں۔

صلہ رحمی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بارگاہ نبوت میں جب کوئی شخص ہدیہ پیش کرتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ یہ فلاں خاتون کو پہنچا دو کیوں کہ وہ میری رفیقہ حیات خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی تھی، وہ حضرت خدیجہ سے محبت کرتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کوئی بکری ذبح کرتے تو اس کا گوشت ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کی طرف بھیجا کرتے، ایک دفعہ آپ کی بہن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے آئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوشی سے ان سے گفتگو کی اور ان کی بات سنی۔

ایک دن ایک خاتون حاضر خدمت ہوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی آمد پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور اس کے حالات احسن طریقے سے دریافت کیے، وہ چلی گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ خاتون ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے زمانہ میں اکثر حاضر ہوتی تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

ان حسن العهد من الایمان

پرانے تعلقات کو ملحوظ رکھنا اور جو تم سے محبت کرے اس کا خیال رکھنا اور جو تیرے محبت کرنے والے سے محبت کرے اس کا خیال رکھنا ایمان کا حصہ ہے۔

حضرت ابوقادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ ایک دفعہ نجاشی کی طرف سے ایک وفد آیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان کی مہمان داری اور خاطر مدارات کا انتظام کرنے لگے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں، ہم ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے حضور خود کیوں

تکلیف فرماتے ہیں اس پر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

انہم کانوا لاصحابنا مکرمین و انی احب ان اکافئہم

میرے صحابہ جب وہاں گئے تو ان لوگوں نے ان کی بڑی عزت کی میں چاہتا ہوں کہ میں ان کو اس

خاطر مدارات کا خود صلہ دوں۔

حضور کی صداقت و امانت اور عفت و پاک دامنی

امانت، عفت، سچائی اور عدل، محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ صفات تھیں کہ وہ دشمن جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے، اسلام کے نام و نشان مٹانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے مستعد رہتے تھے ایسے دشمن بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان صفات کا انکار نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ تسلیم کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ سچا و امین اور کوئی نہیں ہے۔

نبوت کے اعلان سے پہلے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امین اور صادق کے القاب سے اپنے معاشرہ میں معروف و مشہور تھے، جب کعبہ شریف کی پہلی عمارت پے در پے سیلابوں سے شکستہ ہو گئی تو اہل مکہ نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا، جب اس کی بنیادیں وہاں تک پہنچ گئیں جہاں حجر اسود کو رکھنا تھا تو اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے حاصل ہو، اس کشمکش نے یہ سنگین صورت اختیار کر لی کہ قریب تھا کہ خون ریز جنگ شروع ہو جائے اور کشتوں کے پستے لگ جائیں، کسی صاحب نے کہا کہ اس بات پر ایک دوسرے کا خون بہانے کی بجائے تم اپنے میں کوئی ثالث چن لو جو اس کے بارے میں تمہارے اس جھگڑے کا فیصلہ کرے۔ سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور طے یہ پایا کہ کل صبح جو سب سے پہلے حرم شریف میں داخل ہو وہ ہمارا ثالث ہوگا جو فیصلہ وہ کرے گا ہم تمام قبائل دل و جان

سے اس کو قبول کر لیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن لوگ اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے کون شخص سب سے پہلے حرم شریف میں داخل ہوتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ اللہ کا محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ پہلے شخص ہیں جو حرم شریف میں داخل ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر سب کے دل مطمئن ہو گئے اور خوشی سے وہ یہ کہنے لگے:

(الشفاء)

هذا محمد الامين قد رضينا به

یہ محمد مصطفیٰ ہیں جو امین ہیں ہم اپنی رضامندی سے ان کو اپنا ثالث تسلیم کرتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر چاہتے تو حجر اسود کو خود اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیتے اور سارا شرف خود حاصل کرتے لیکن جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا تھا وہ ایسا کام کرنے کے لیے تیار نہیں تھی جس سے سارا شرف آپ کو حاصل ہو اور باقی سارے قبیلے اس سے محروم رہ جائیں۔ رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح اس کام کو انجام دیا کہ اپنے بیگانے سب لوگ مطمئن بھی ہو گئے اور خوش بھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک بچھائی، حجر اسود کو اٹھایا اور اس کو چادر مبارک میں رکھ دیا پھر تمام قبائل کے رئیسوں کو بلا یا سب کو کہا اس چادر کو پکڑ لیں اور حجر اسود کو اٹھا کر دیوار کے پاس لے جائیں چنانچہ سب نے اس چادر کو اٹھایا، جب حجر اسود کو لے کر اس جگہ پہنچے جہاں اسے رکھنا تھا تو وہاں خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس پتھر کو اٹھا کر اس جگہ پر رکھ دیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تدبیر سے اہل مکہ قتل و غارت سے بھی بچ گئے اور ہر ایک کو حجر اسود کو کعبہ شریف میں رکھنے کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے بارے میں خود فرمایا کرتے :

و اللہ انی لامین فی السماء امین فی الارض .

یعنی آسمان کے مکین بھی مجھے امین جانتے ہیں اور زمین کے بسنے والے بھی مجھے امین تسلیم کرتے ہیں۔ (شفا شریف)

ابو جہل جیسا دشمن حق بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت کو تسلیم کرتا تھا۔ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے کہ ایک روز ابو جہل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔

انا لا نکذب و لكن نکذب ما جئت به .

ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے، ہم تو اس دین کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی (شفا شریف)

فانہم لا یکذبونک و لكن الظلمین بایت اللہ یجحدون .

وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے لیکن یہ ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

(انعام، ۳۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور کی عفت و پاک دامنی کی گواہی دیتے ہوئے فرماتی

ہیں۔

ما لمست یدہ ید امرأۃ قط لا یملک رقھا .

میرے آقا کے ہاتھ نے کبھی کسی ایسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

(شفا شریف)

زوجیت میں نہ تھی۔

روزانہ کے معمولات

کسریٰ شہنشاہ ایران نے اپنے دنوں کی اس طرح تقسیم کیا ہوا تھا، وہ کہتا تھا جس روز ٹھنڈی ہوا چل رہی ہو وہ دن سونے کے لیے ہے، جس دن بادل گھر کر آئے ہوں وہ دن شکار کے لیے مخصوص ہے، جس روز بارش برس رہی ہو وہ مے نوشی اور لہو لعب کے لیے ہے اور جس دن سورج نکلا ہو وہ دن لوگوں کے حواج کو پورا کرنے کے لیے ہے۔

لیکن ایک دانشور ابن خالویہ کہتے ہیں کہ کسریٰ کے مقابلے میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح اوقات کی تقسیم فرمائی ہوئی تھی اس کا مطالعہ کریں تو آپ کو خود بخود ایک شہنشاہ اور اللہ کے نبی میں جو فرق ہے معلوم ہو جائے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہر دن کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد کے لیے، دوسرا حصہ اپنے اہل خانہ کے لیے اور تیسرا حصہ اپنی ذات کے لیے، پھر تیسرے حصے کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کے حواج سننے اور ان کو پورا کرنے کے لیے وقف کیا تھا۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عوام کے حالات کو جاننے کے لیے خواص سے رابطہ کرتے اور انہیں فرماتے :

ابلفوا حاجة من لا يستطيع ابلاغی فانه من ابلاغ حاجة من لا يستطيع ابلاغها
امنہ اللہ تعالیٰ یوم الفزع الاکبر .

وہ لوگ جو اپنی تکالیف مجھے نہیں پہنچا سکتے ان کی حاجات تم مجھے پہنچایا کرو کیوں کہ جو شخص ایسے آدمی کی تکلیف کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے جو خود رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے

(شمال ترمذی، شفا شریف)

روز محشر کے خوف سے امن عطا فرمائے گا۔

خشیت الہی

اللہ جل مجدہ کی الوہیت و کبریائی کا جتنا کسی کو عرفان نصیب ہوتا ہے اسی قدر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے، ساری کائنات میں سے اپنے رب کا جتنا عرفان محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا اتنا نہ کسی پیغمبر کو اور نہ کسی فرشتہ کو حاصل تھا اسی لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب کریم میں اللہ تعالیٰ کا جتنا خوف تھا کوئی فرشتہ، کوئی مقبول بارگاہ الہی، کوئی نبی، کوئی الو العزم رسول اس مقام پر رسائی حاصل نہ کر سکا۔

امام ترمذی اپنی سنن میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے، میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے، آسمان چھیں چھیں کر رہا ہے اور اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسا کرے کیوں کہ آسمان پر چار انگشت کی مقدار بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے اپنی پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔

و الله لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليلا و لبكيتم كثيرا.

بخدا اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

اور تم بلند و بالا راستوں پر نکل جاتے اور گرگڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں فریادیں کرتے۔

(ترمذی، شفا شریف)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روایت کے بعد کہا میں پسند کرتا ہوں کہ کاش میں ایک

درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کو نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو اتنی دیر قیام فرما رہتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک سوج جاتے، عرض کی گئی یا رسول اللہ! حضور اتنی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مغفرت کی نوید سنادی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے:

أفلا اکون عبدا شکورا.

جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ بے پایاں انعامات اور احسان فرمائے ہیں (تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز نماز شروع کی اور ایک آیت تلاوت فرمائی ساری رات یہی ایک آیت تلاوت فرماتے رہے وہ آیت مبارکہ یہ تھی:

ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفر لهم فانک انت العزیز الحکیم .

اگر تو عذاب دے انھیں تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب اور دانا ہے۔ (سورہ مائدہ، ۱۱۸)

حضور کی شان استغفار و توبہ

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مقام رفیع کے باوجود جس پر رب کریم نے حضور کو فائز فرمایا تھا دن میں بار بار استغفار اور توبہ کیا کرتے تھے، امام بخاری کی روایت میں ستر بار اور طبرانی کی روایت میں

سویار کے الفاظ آئے ہیں دونوں اعداد سے مراد استغفار و توبہ کی کثرت ہے۔

امام احمد اور امام بخاری نے ادب مفرد اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت اغر سے یہ حدیث نقل کی ہے اغر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

يا ايها الناس توبوا الى الله و انى اتوب اليه كل يوم مائة مرة

اے لوگو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کیا کرو میں اللہ سے ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (سبل الہدیٰ)

ابن ابی شیبہ، امام احمد اور حاکم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز مجھ سے ارشاد فرمایا:

اين انت من الاستغفار يا حذيفة

اے حذیفہ تم طلب مغفرت میں کیوں سستی کا مظاہرہ کرتے ہو۔

انى لا استغفر الله فى كل يوم مائة مرة و اتوب اليه .

میں باوجود ان کمالات کے ہر روز اللہ تعالیٰ کی جناب میں سویار مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ (سبل الہدیٰ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح استغفار کرتے دیکھا۔

استغفر الله الذى لا اله الا هو الحى القيوم و اتوب اليه قبل ان يقوم من

المجلس مائة .

میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں وہ اللہ جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں وہ حى و قيوم ہے اور خود

ہمیشہ سے ہمیشہ تک زندہ ہے، کائنات کی ہر چیز کو زندہ رکھنے والا ہے میں اس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں آپ مجلس برخواست کرنے سے پہلے سو مرتبہ توبہ فرماتے۔

استغفار کی حکمتیں

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صغیرہ و کبیرہ تمام گناہوں سے معصوم تھے اور استغفار کی تو اس وقت ضرورت پڑتی ہے جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معصوم تھے تو پھر استغفار کا کیا مطلب ہے۔ اس اشکال کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں :

(۱) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو مباح کام کیا کرتے تھے مثلاً کھانا پینا، سونا آرام کرنا، لوگوں سے میل جول رکھنا، ان کے فائدے کے لیے غور و فکر کرنا، کبھی ان کے دشمنوں سے جنگ کرنا اور کبھی ان سے خوش خلقی کا مظاہرہ کرنا، متنفر دلوں میں الفت پیدا کرنے کے لیے کوئی کام کرنا، یہ چیزیں اگرچہ مباح اور بعض بڑی پسندیدہ ہیں لیکن ہر حال میں وہ ذکر الہی میں مشغول ہونے اور اس کی بارگاہ میں عجز و نیاز کرنے اس کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرنے اور اس کے مراقبہ میں مشغول ہونے میں کچھ نہ کچھ خارج ہوتی تھیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام رفیع کے باعث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان چیزوں کو بھی ذنوب میں شمار کرتے تھے اس لیے ان سے استغفار فرماتے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس لیے کثرت سے استغفار فرمایا کرتے کہ امت حضور کی اس سنت پر عمل پیرا رہے اور کوئی بھی استغفار اور توبہ سے غفلت نہ برتے۔

(۳) یا یہ استغفار اپنی امت کے گناہوں کے لیے فرماتے۔

(۴) اس سلسلے میں ایک لطیف بات یہ کہی گئی ہے جو حضرت شیخ شہاب الدین کی طرف منسوب ہے کہ

بمقتضائے فرمان الہی و للآخرة خیر لک من الاولیٰ یعنی تیری ہر آنے والی ساعت، ہر آنے والی گھڑی گزشتہ ساعتوں اور لمحوں سے افضل اور اعلیٰ ہے، اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عقاب ہمت ہمہ وقت خدا داد رفعتوں اور بلند یوں کی طرف مصروف پرواز رہتا تھا۔ اس چھوڑی ہوئی منزل میں جو لمحہ گزرا تھا وہ بھی نگاہ مصطفوی میں ایک ذنب تھا اس سے بار بار استغفار کیا جا رہا ہے۔

(۵) ایک اور بڑی پیاری بات کہی گئی ہے کہ استغفار جو بظاہر تو طلب مغفرت ہے لیکن اس کا مدعا اللہ تعالیٰ کی مزید محبت کی طلب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر لمحہ استغفار و توبہ میں مصروف رہنا درحقیقت ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافے اور ترقی کی التجا ہے۔

امام رافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ اپنے بلند مقام کے باوجود یہ کہا کرتے کاش میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حال پر آگاہ ہوتا اور کاش میں اس چیز کا مشاہدہ کرتا جس سے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استغفار کیا ہے۔

حضور کی شان عدل

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اگر کسی کو تکلیف پہنچتی تو حضور اس کو اجازت دیتے کہ اتنی تکلیف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچا کر بدلہ لے لے، اسی طرح ہم نے صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کرتے ہوئے دیکھا۔

حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو حکم دیا کہ اس خراش کا بدلہ لے لے جو اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نادانستہ پہنچی ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعرابی کو بلایا اور حکم دیا کہ وہ آپ سے بدلہ لے لے، اعرابی نے عرض کی میں

نے حضور کو معاف کیا میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں میں ہرگز بدلہ نہیں لوں گا خواہ میری جان پر بھی بن جا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دعائے خیر سے مشرف فرمایا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ انھیں ایک شخص نے بتایا۔

غزوہ حنین کے موقع پر ایک دفعہ بڑی بھیڑ تھی میرے پاؤں میں بڑے سخت قسم کا جوتا تھا میں نے اس جوتے کے ساتھ حضور کے قدم مبارک کو لتاڑ دیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک میں چھڑی تھی اس کے ساتھ مجھے کچوکا دیا اور فرمایا تو نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ رات بھر میں اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا اور اپنے آپ کو کہتا رہا کہ تو نے اللہ کے پیارے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔ جب صبح ہوئی تو ایک شخص میرے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ وہ شخص کہاں ہے میں نے کہا حاضر ہوں۔ اس شخص نے کہا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجھے یاد فرما رہے ہیں میں اس کے ساتھ لڑاں ترساں چل پڑا شاید میری کل کی ہارستانی کی مجھے سزا دی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کل تو نے اپنی بھاری بھر کم جوتے سے میرے پاؤں کو لتاڑا تھا اور مجھے تکلیف پہنچائی تھی، پھر میں نے تمہیں کچوکا دیا تھا یہ ۸۰/۱۸۰ سی اونٹنیاں اس جوتے کے کا بدلہ ہیں جو کچوکا میں نے تجھے دیا تھا۔

اس طرح کی متعدد روایات کتب احادیث و سیرت میں موجود ہیں۔

حضور کا وقار و ہیبت

سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے منزہ اور پاک تھی، حضور کا لباس زینت و آرائش سے بالکل پاک تھا، نشست و برخاست اور آمد و رفت میں کسی قسم کا رکھ رکھاؤ نہیں ہوتا تھا، مکمل سادگی کی پاکیزہ ترین تصویر ہوتی۔ اس کے باوجود وجود یکتا ہیبت نبوت سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ کتب سیرت میں بیسیوں ایسی مثالیں ہیں کہ جب کوئی شخص نور جمال محمدی کو پہلی بار دیکھتا تو

تھر تھر کانپنے لگتا۔

ابن سعد اور ابن جریر حضرت قبیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں نے اللہ کے رسول نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خضوع و خشوع کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں برق تجلی کو برداشت نہ کر سکی اور خوف کے باعث کانپنے لگی۔ ایک صحابی جو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے انھوں نے عرض کی:

يا رسول الله ارعدت المسكينه .

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مسکینہ پر تو لرزہ طاری ہو گیا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھے بغیر فرمایا اور میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پشت انور کے پیچھے بیٹھی تھی۔

يا مسكينه عليك بالسكينه .

اے اللہ کی مسکین بنی اطمینان و تسکین کو لازم پکڑ لو۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے تسلی دیتے ہوئے جب یہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے سارے خوف و رعب کو میرے دل سے نکال دیا۔

امام ابن ماجہ و امام ابوداؤد حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں ہم حاضر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے گفتگو فرمائی تو وہ بڑا مرعوب ہو کر کانپنے لگا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

ہون عليك فاني لست بملك انما انا ابن امراء ة من قريش كانت تاكل القديد.

خوف زدہ مت ہو میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو قریش کی ایک خاتون کا بیٹا ہوں جو دھوپ میں خشک کیا ہوا گوشت کھاتی تھی۔

کتنے پیارے انداز میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو تسلی دی کہ انسان ڈرتا تو اس وقت ہے، جب کسی جابر بادشاہ کے سامنے وہ پیش ہوتا ہے، میں تو بادشاہ نہیں ہوں بلکہ قریش کی ایک غریب خاتون کا بیٹا ہوں۔

حضور کا ظاہری حسن و جمال

نور مجسم فخر آدم و بنی آدم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیگر انبیاء و رسل کی طرح کسی ایک قبیلہ کی طرف اور وہ بھی محدود وقت کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے تا قیام قیامت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس وہ آفتاب عالم تاب تھی جس کی روشنی ظاہر و باطن کو اپنے انوار سے منور کرنے والی تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری جسمانی محاسن بھی تمام انبیاء سابقین سے اعلیٰ و برتر ہوں کیوں کہ یہ مظاہر جسم باطن کی عظمت کے گواہ ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب تمام بنی نوع انسان کے لیے ہادی و مرشد بنا کر بھیجا تو یقیناً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہر و باطن کو اتنی عظمتیں اور وسعتیں دی ہوں گی کہ کوئی اس کی ہمسری کا گمان بھی نہ کر سکے۔ اسی حقیقت کو عاشق صادق حضرت شرف الدین بوصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے قصیدہ میں یوں بیان کیا ہے :

هو الذی تم معناه و صورته

ثم اصطفاه حیبا باری النسم

وہی ذات ہے جو معنوی و صوری لحاظ سے درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے پھر تمام ارواح کو پیدا کرنے والے نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا محبوب بنانے کے لیے چن لیا۔

منزه عن شريك في محاسنه

فجوهر الحسن فيه غير منقسم

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے محاسن و کمالات میں شریک سے پاک ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا جو ہر منقسم نہیں ہے یعنی حسن کی تمام ادائیں حضور کی ذات میں مجتمع ہیں جہاں کہیں بھی حسن و کمال پایا جاتا ہے وہ ذات پاک مصطفوی کا فیضان ہے۔

صاحب مواہب لدنیہ علامہ قرطبی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

لم يظهر لنا تمام حسنه لانه لو ظهر لنا تمام حسنه لما اطاقت اعيننا رويته

صلى الله تعالى عليه وسلم لعجز ناعن ذلك

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام حسن ہمارے لیے ظاہر نہیں کیا گیا کیوں کہ اگر حضور اپنے تمام حسن کے ساتھ جلوہ فرما ہوتے تو ہماری آنکھیں اس کی دید کی طاقت نہیں رکھتیں کیوں کہ ہم اس بات سے عاجز ہیں کہ آفتابِ محمدی کی جلوہ سامانیوں کا صحیح ادراک اور احاطہ کر سکیں۔

علامہ قرطبی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خداداد جمال و کمال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے

ہیں :

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا آفتاب پوری طرح ہمارے سامنے نمایاں نہ ہوا، اگر وہ پوری طرح نمایاں ہوتا تو کوئی ہستی اس کے دیکھنے کی تاب نہ لاسکتی، آنکھیں چندھیا جاتیں، دل ہیبت زدہ ہو جاتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد پورا نہ ہوتا۔

اس لیے مولا کریم نے اپنی حکمت بالغہ سے اپنے محبوب کے حسن و جمال صرف اتنا ظاہر ہونے دیا جس سے لوگ تاب لاسکیں اور چشمہ فیض کے قریب پہنچ کر اپنی پیاس بجھا سکیں۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ اللہ کے محبوب کے حسن و جمال کی ساری اداؤں کا احاطہ کر لے تو یہ ممکن نہیں۔ (سیرت الرسول)



نسب پاک سیدلولاک ﷺ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کل سبب و نسب منقطع بول (القبامہ لالا سببی و نسبی
 ہر علاقہ اور رشتہ روز قیامت قطع ہو جائے گا مگر میرا علاقہ اور رشتہ

(الحدیث)

نسب پاک سید لولاک ﷺ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نسب شریف والد ماجد کی طرف سے یہ ہے:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بن عبد اللہ، بن عبد المطلب، بن ہاشم، بن عبد مناف، بن قصی، بن کلاب، بن مرہ، بن کعب، بن لوی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان۔

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضور کا شجرہ نسب یہ ہے:

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بن آمنہ، بنت وہب، بن عبد مناف، بن زہرہ، بن کلاب بن مرہ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کا نسب کلاب بن مرہ، پر مل جاتا ہے اور آگے چل کر دونوں سلسلے ایک ہو جاتے ہیں۔ عدنان تک آپ کا نسب نامہ صحیح سندوں کے ساتھ باتفاق مورخین ثابت ہے اس کے بعد ناموں میں بہت کچھ اختلاف ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی اپنا نسب نامہ بیان فرماتے تو عدنان ہی تک ذکر فرماتے تھے۔

مگر اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ عدنان، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند ارجمند ہیں۔

خاندانی شرافت

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاندان و نسب نجابت و شرافت میں تمام دنیا کے خاندانوں سے اشرف و اعلیٰ ہے اور یہ وہ حقیقت ہے کہ آپ کے بدترین دشمن کفار مکہ بھی کبھی اس کا

انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان نے جب وہ کفر کی حالت میں تھے، بادشاہ روم ہرقل کے بھرے دربار میں اس حقیقت کا اقرار کیا کہ ہو فینا ذو نسب یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالی خاندان ہیں۔

حالاں کہ اس وقت وہ آپ کے بدترین دشمن تھے اور چاہتے تھے کہ اگر ذرا بھی کوئی گنجائش ملے تو آپ کی ذات پاک پر کوئی عیب لگا کر بادشاہ روم کی نظروں سے آپ کا وقار گرا دیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے، کنانہ، کو برگزیدہ بنایا اور کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھ و پین لیا۔

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ

لہ النسب العالی فلیس کمثلہ

حسب نسب منعم متکرم

یعنی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاندان اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ کوئی بھی حسب و نسب والا اور نعمت و بزرگی والا آپ کے مثل نہیں ہے۔

نسب کی صحت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنا نسب شریف بیان فرمایا کرتے تھے تو معد بن عدنان سے تجاوز نہیں کرتے، اس جگہ ٹھہر جاتے اور فرماتے کذب النسابون نسب گویوں نے جھوٹ ملا رکھا ہے۔ ایسا ہی مسند الفردوس میں روایت کیا گیا ہے۔

لیکن سہیلی فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جب وہ اس آئیہ کریمہ کو پڑھتے کہ

الم یاتکم نبؤ الذین من قبلکم قوم نوح و عاد ثمود الذین من بعدہم لا یعلمہم

الا اللہ .

کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہ ملی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح، عاد و ثمود اور وہ جو ان کے بعد ہوئے جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت فرماتے کذب النسابون مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ علم الانساب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ بندوں سے اس کے علم کی نفی فرماتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ ہم عدنان تک اپنا نسب لے جاتے ہیں اس سے اوپر ہم نہیں جانتے اور عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے پہچانتے جو معد بن عدنان کے بعد سلسلہ نسب لے جائے، کیوں کہ عدنان سے حضرت اسماعیل تا حضرت آدم علیہم الصلاۃ والسلام تک بہت اختلاف ہے۔ چنانچہ کسی نے عدنان سے حضرت اسماعیل تک تیس ایسی پشتوں کا ذکر کیا ہے جن کا کچھ اتہ پتہ نہیں اور کسی نے اس سے کم اور کسی نے اس سے زیادہ پشتوں کا ذکر کیا ہے۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اپنے نسب کو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تک بیان کرتا تھا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا کیا اسے اس کی خبر دی گئی ہے؟

اسی طرح امام مالک سے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے رفع نسب روایت کی گئی ہے لہذا ہمیں لازم ہے کہ عدنان سے اوپر اس بنا پر توقف کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی وحی نہیں کی

گئی ہے۔

روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں عدنان سے اوپر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ابن جوزی کی کتاب انساب سے تقریباً تیس پشتیں ذکر کی گئی ہیں۔ (مولف) (مدارج النبوة جلد دوم، سیرت مصطفیٰ)



انتخاب باری تعالیٰ

امام احمد رضا بریلوی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب شریف کی فضیلت و برتری میں جو احادیث پیش فرمائی ہیں وہ یہ ہیں۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان الله اختار من آدم العرب و اختار من العرب مضر و من مضر قریش و اختار من قریش بنی ہاشم و اختار من بنی ہاشم بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھ کو۔ اسے امام بیہقی و ابن عدی و حکیم ترمذی اور طبرانی و ابن عساکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان الله تعالى خلق خلقه فجعلهم فریقین فجعلنی فی خیر الفریقین ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیر قبائل فجعلهم بیوتاً فجعلنی فی خیرہم بیوتاً فانا خیر کم قبیلۃ و خیر کم بیوتاً۔

اللہ عزوجل نے خلق بنا کر دو فریق کی مجھے بہتر فریق میں رکھا پھر ان کے قبیلے قبیلے جدا کیے، مجھے سب سے بہتر قبیلے میں رکھا پھر قبیلوں میں خاندان بنائے مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا۔ اسے امام احمد و ترمذی نے مطلب بن و داعہ اور حاکم نے ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان اللہ اختار العرب فاختر منهم کنانہ و اختار قریشا من کنانہ و اختار بنی ہاشم من قریش و اختارنی من بنی ہاشم ، و فی لفظ ثم اختار بنی عبد المطلب من بنی ہاشم ثم اختارنی من بنی عبد المطلب .

بے شک اللہ عزوجل نے عرب کو پسند فرمایا پھر عرب سے کنانہ اور کنانہ سے قریش اور قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے اولاد عبد المطلب اور عبد المطلب سے مجھ کو پسند کیا۔ اسے ابن سعد نے عبد اللہ بن عمیر سے مرسل روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان اللہ عزوجل اصطفیٰ کنانہ من ولد اسمعیل و اصطفیٰ قریشا من کنانہ و اصطفیٰ من قریش بنی ہاشم و اصطفانی من بنی ہاشم .

بیشک اللہ عزوجل نے اولاد اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کنانہ کو چنا اور کنانہ سے قریش کو چنا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا، بنی ہاشم سے مجھ کو چن لیا۔ اسے امام مسلم و ترمذی نے حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔



حضور افضل ترین قبیلہ میں پیدا ہوئے

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت فی القرن الذی کنت فیہ .

میں ہر قرن و طبقہ میں بنی آدم کے بہترین طبقات میں بھیجا گیا یہاں تک کہ اس طبقے میں آیا جس میں پیدا ہوا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اسے امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: خرجت من افضل حیین من العرب ہاشم و زہرہ .

میں عرب کے دو سب سے افضل قبیلوں بنی ہاشم و بنی زہرہ سے پیدا ہوا۔ ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: جب معد بن عدنان کی اولاد میں چالیس مرد ہو گئے ایک بار انھوں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر پر حملہ کر کے مال لے لیا، موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ضرر کی دعا فرمائی، رب عزوجل نے وحی بھیجی اے موسیٰ انھیں بددعا نہ کرو کہ ان ہی میں سے وہ نبی امی، بشیر نذیر ہوگا جو

میرا پیارا ہے، اور ان ہی میں سے امت مرحومہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوگی، جو مجھ سے تھوڑے رزق پر راضی اور میں ان سے تھوڑے عمل پر راضی ہوں گا، فقط ایمان پر انھیں جنت دوں گا کہ ان میں ان کے نبی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں گے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو باوصف کمال رعب دار ہونے کے متواضع ہوں گے۔

أخرجته من خير جيل من امة قريش ثم اخرجته من بنى هاشم صفوة قريش.

میں نے ان کو سب سے بہتر گروہ قریش سے پیدا کیا، پھر قریش میں ان کے برگزیدہ بنی ہاشم سے، وہ بہتر سے بہتر ہیں اور ان کے امتی کی طرف پھرنے والے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔



نفس میں سب سے بہتر جان حضور

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتانی جبریل فقال یا محمد ان اللہ بعثنی فطفت شرق الارض و غربها و سهلها و جبلها فلم اجد حیا خیرا من العرب ثم امرنی فطفت فی العرب فلم اجد حیا خیرا من مضر ثم امرنی فطفت فی مضر فلم اجد حیا خیرا من کنانہ ثم امرنی فطفت فی کنانہ فلم اجد حیا خیرا من کنانہ ثم امرنی فطفت ما فی کنانہ فلم اجد حیا خیرا من قریش ثم امرنی فطفت فی قریش فلم اجد حیا خیرا من بنی ہاشم ثم امرنی فی انفسہم فلم اجد فیہا نفسا خیرا من نفسک .

جبریل نے حاضر ہو کر مجھ سے عرض کی کہ اللہ عزوجل نے مجھے بھیجا میں زمین کے پورے پچھتم نزم و کوہ ہر حصے میں پھرا، کوئی قبیلہ عرب سے بہتر نہ پایا، پھر اس نے مجھے حکم دیا کہ میں نے تمام عرب کا دورہ کیا تو کوئی قبیلہ مضر سے بہتر نہ پایا پھر حکم فرمایا میں نے مضر میں تفتیش کی کوئی قبیلہ کنانہ سے بہتر نہ پایا پھر حکم دیا تو میں نے کنانہ میں گشت لگائی کوئی قبیلہ قریش سے بہتر نہ پایا، پھر حکم دیا میں قریش میں پھرا کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے بہتر نہ پایا، پھر حکم دیا کہ سب میں بہتر نفس تلاش کرو تو کوئی جان حضور کی جان سے بہتر نہ پائی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اسے امام حکیم ترمذی نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: قال لی جبریل قلبت مشارق الارض و مغاربہا فلم اجد افضل من محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قابت مشارق و الارض و مغاربہا

فلم اجد حیا الفضل من بنی ہاشم .

مجھ سے جبریل نے کہا میں نے زمین کے پورے پچھتم تلیٹ کیے کوئی شخص محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل نہ پایا، نہ کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے بہتر۔ حاکم نے اسے کتاب الکنی اور ابن عساکر نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سند صحیح کے ساتھ روایت کی۔
(اراءة الادب لفاضل النسب)



حضور کا نسب و سبب غیر منقطع ہے

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : کل سبب و نسب منقطع یوم القيمة الاسبی و

نسبی .

ہر علاقہ اور رشتہ روز قیامت قطع ہو جائے گا مگر میرا علاقہ اور رشتہ۔

اسے بزار نے اور طبرانی نے کبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں اور دارقطنی و بیہقی نے سنن میں

اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : کل نسب و صہر ینقطع یوم القيمة الانسبی و

صہری .

ٹوپی اور پائچے کے سب رشتے قیامت میں منقطع ہو جائیں گے مگر میرے رشتے۔

اسے ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر

تشریف لے گئے اور فرمایا ما بال اقوام یزعمون ان قرابتی لا تنفع کل سبب و نسب ینقطع

الانسبی و سببی فانہا موصولۃ فی الدنیا و الآخرة . (رواہ البزار)

کیا حال ہے ان لوگوں کا کہ زعم کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہ دے گی، ہر علاقہ اور رشتہ قیامت

میں منقطع ہو جائیگا مگر میرا رشتہ اور علاقہ کہ دنیا و آخرت میں جڑا ہوا ہے۔ اسے بزار نے روایت کی۔

دوسری حدیث صحیح میں یوں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برسر منبر فرمایا:

ما بال رجال يقولون ان رحم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لا تنفع

قومه يوم القيمة و الله ان رحمى موصولة فى الدنيا و الآخرة .

کیا خیال ہے ان شخصوں کا کہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت روز قیامت ان

کی قوم کو نفع نہ دے گی، خدا کی قسم میری قرابت دنیا و آخرت میں پیوستہ ہے۔ حاکم نے اسے حضرت ابوسعید

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ (اراءة الادب لفاضل النسب)



حضور سے قرابت کا نفع

حدیث

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: رایت کانى دخلت الجنة الجعفر درجة فوق درجة زيد فقلت ما كنت اظن ان زيدا دون جعفر فقال جبريل زيد ليس بدون جعفر و لكننا فضلنا جعفر لقرابة منك.

میں جنت میں گیا تو ملاحظہ فرمایا کہ جعفر بن ابی طالب کا درجہ زید بن ثابت کے درجہ سے اوپر ہے، میں نے کہا مجھے گمان نہ تھا کہ زید جعفر سے کم ہے، جبریل نے عرض کی زید جعفر سے کم تو نہیں مگر ہم نے جعفر کا درجہ اس لیے زیادہ کیا ہے کہ آپ کو حضور سے قرابت ہے۔ اسے حاکم نے ابن عباس سے اور ابن سعد نے طبقات میں محمد بن عمر بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرسل روایت کی۔

(اراءة الادب لفاضل النسب)

اکیس پشت تک نسب شریف

بیہقی و ابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک عن الزہری عن انس رضی اللہ تعالیٰ ہے -

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان .

ما افترق الناس فرقتين الا جعلني الله في خيرهما فاخرجت من بين ابوين فلم
يصبنى شي من عهد الجاهلية و خرجت من نكاح و لم اخرج من سفاح من لدن آدم
حتى انتهت الى ابي و امي فانا خير كم نفسا و خير كم ابا . و في لفظ فانا خير كم نسبا
و خير كم ابا .

میں ہوں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم، یوں ہی اکیس پشت تک نسب نامہ مبارک بیان
کر کے فرمایا کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا
پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا آدم سے لے کر
اپنے والدین تک، تو میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے ماں باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔

(شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام)

حضور افضل خاندان میں تشریف لائے

ترمذی حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی تو مجھے بہترین مخلوقات میں رکھا پھر ان کے دو گروہ کیے تو مجھے بہتر گروہ
میں رکھا پھر ان کے قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا پھر ان کے خاندان بنائے تو مجھے بہتر خاندان میں
رکھا، پس میں تمام مخلوق الہی سے خود بھی بہتر اور میرا خاندان بھی سب خاندانوں سے افضل۔

طبرانی معجم اور بیہقی دلائل اور امام علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خلق کی دو قسمیں کیں تو مجھے بہتر قسم میں رکھا اور یہ وہ بات ہے جو خدا نے فرمائی دہنے

ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے تو میں دہنے ہاتھ والوں سے ہوں اور میں سب دہنے ہاتھ والوں سے بہتر ہوں۔ پھر ان دو قسموں کے تین حصے کیے تو مجھے بہتر حصے میں رکھا اور یہ خدا کا وہ ارشاد ہے کہ داہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے اور سابقین، تو میں سابقین میں ہوں اور میں سب سابقین سے بہتر ہوں، پھر ان حصوں کے قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا اور یہ خدا کا وہ فرمان ہے کہ ہم نے کیا تمہیں شاخیں اور قبیلے (الی قولہ تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) بیشک تم سب میں زیادہ عزت والا خدا کے یہاں وہ ہے جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار ہے۔) تو میں سب آدمیوں سے زیادہ پرہیزگار ہوں اور سب سے زیادہ اللہ کے یہاں عزت والا اور کچھ فخر مراد نہیں۔ پھر ان قبیلوں کے خاندان کیے تو مجھے بہتر خاندان میں رکھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے کہ خدا یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کرے اے نبی کے گھر والو اور تمہیں پاک کر دے ستھرا کر کے۔ (تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)



سُبْحَانَ اللَّهِ
وَتَعَالَى

قریش کے فضائل و مناقب

قریش خالصہ اللہ تعالیٰ :-
قریش برگزیدہ خدا ہیں۔ (الحدیث)

قریش کے فضائل و مناقب

قریش

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان نبوت میں سبھی حضرات اپنی گونا گوں خصوصیات کی وجہ سے بڑے نامی گرامی ہیں، مگر چند ہستیاں ایسی ہیں جو آسمان فضل و کمال پر چاند تارے بن کر چمکے، ان باکمالوں میں سے فہر بن مالک بھی ہیں، ان کا لقب ”قریش“ ہے اور ان کی اولاد قریشی یا قریش کہلاتی ہیں۔

فہر بن مالک قریش اس لیے کہلاتے ہیں کہ قریش ایک سمندری جانور کا نام ہے جو بہت ہی طاقتور ہوتا ہے اور سمندری جانور کو کھا ڈالتا ہے، یہ تمام جانوروں پر ہمیشہ غالب ہی رہتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا، چوں کہ فہر بن مالک اپنی شجاعت اور خداداد طاقت کی بناء پر تمام قبائل پر غالب تھے اس لیے تمام اہل عرب ان کو قریش کے لقب سے پکارنے لگے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ دونوں کا سلسلہ نسب، فہر بن مالک سے ملتا ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماں باپ دونوں کی طرف سے قریشی ہیں۔

ہاشم

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردادا، ہاشم بڑی شان و شوکت کے مالک تھے ان کا اصلی نام عمر تھا وہ انتہائی بہادر بے حد سخی اور اعلیٰ درجے کے مہمان نواز تھے۔ ایک سال عرب میں بہت سخت قحط پڑ گیا اور لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے تو یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر حج کے دنوں میں مکہ پہنچے اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹ کے گوشت کے شوربے میں ترید بنا کر تمام حاجیوں کو خوب پیٹ بھر کر کھلایا اسی دن سے لوگ ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ کرنے والا) کہنے لگے۔

چوں کہ یہ عبد مناف کے سب لڑکوں میں بڑے اور باصلاحیت تھے اس لیے عبد مناف کے بعد کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے، وہ بہت حسین و خوبصورت اور وجیہہ تھے۔ جب سن شعور کو پہنچے تو ان کی شادی مدینہ میں قبیلہ خزرج کے ایک سردار عمرو کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا نام سلمیٰ تھا۔ اور ان کے صاحبزادے عبدالمطلب مدینہ ہی میں پیدا ہوئے چوں کہ ہاشم پچیس سال کی عمر پا کر ملک شام کے راستہ میں بمقام غزہ انتقال کر گئے۔ اس لیے عبدالمطلب مدینہ ہی میں اپنے نانا کے گھر پلے بڑھے اور جب سات یا آٹھ سال کے ہو گئے تو مکہ آ کر اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہنے لگے۔

عبدالمطلب

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا اصلی نام شیبہ ہے یہ بڑے ہی نیک نفس اور عابد و زاہد تھے۔ غار حرا میں کھانا پانی ساتھ لے کر جاتے اور کئی کئی دنوں تک لگا تار خدا کی عبادت میں مصروف رہتے رمضان شریف کے مہینے میں اکثر غار حرا میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور خدا کے دھیان میں گوشہ نشین رہا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور نبوت ان کی پیشانی میں چمکتا تھا اور ان کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

اہل عرب خصوصاً قریش کو ان سے بڑی عقیدت تھی، مکہ والوں پر جب کوئی مصیبت آتی یا قحط پڑ جاتا تو لوگ عبدالمطلب کو ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ جاتے اور بارگاہ خداوندی میں ان کو وسیلہ بنا کر دعا مانگتے تھے تو دعا مقبول ہو جاتی تھی، یہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے لوگوں کو بڑی سختی کے ساتھ روکتے تھے اور چور کا ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے۔ اپنے دسترخوان سے پرندوں کو بھی کھلایا کرتے تھے اس لیے ان کا لقب ”مطعم الطیر“ (پرندوں کو کھلانے والا) ہے۔ شراب اور زنا کو حرام جانتے تھے اور عقیدہ کے لحاظ سے ”موحد“ تھے۔ زم زم شریف کا کنواں جو بالکل پٹ گیا تھا آپ ہی نے اس کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا۔ اور لوگوں

کو آب زم زم سے سیراب کیا، آپ بھی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے، اصحاب فیل کا واقعہ آپ ہی کے وقت میں پیش آیا ایک سو بیس برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

جب حضرت ہاشم کی وفات ہوئی تو اہل مکہ کی سرداری حضرت عبدالمطلب کے لیے مقرر ہوئی اور خانہ کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو زم زم پلانے کا منصب ان کے سپرد ہوا اور تمام اہل مکہ ان کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے اور ان کی خوب تعظیم و احترام کرنے لگے۔ حضرت عبدالمطلب کے جسم مبارک سے مشک و عنبر کی خوشبوؤں کی لپٹیں آیا کرتی تھیں، آپ کی پیشانی مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور روشن و تاباں تھا اور جب اہل مکہ کو کوئی حادثہ درپیش ہوتا تو ان کو جبل شبیر (مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ) پر لے جاتے اور بارگاہ رب العزت میں ان کو وسیلہ بناتے اور قحط کے دنوں میں استسقاء کی دعائیں کرتے تھے اور اس نور محمدی کی برکت سے جو ان کی پیشانی میں تاباں تھا ان کی مشکلیں حل ہو جاتی تھیں۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ جب نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں تاباں ہوا اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی تو وہ ایک دن خانہ کعبہ کے ایک گوشے مقام حجر میں سو رہے تھے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا، سر کے بالوں میں تیل پڑا ہوا تھا اور بیش بہا جوڑا جسم پر تھا، لوگ ان کے جلال و جمال پر متحیر رہ گئے کہ یہ انھیں کہاں سے حاصل ہوا اور ان کو کس نے اس مرتبہ بلند پر پہنچایا۔ اس کے بعد ان کے والد انھیں قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا حال بیان کیا۔ کاہنوں نے کہا آسمانی خدا نے حکم دیا ہے کہ اس بچے کا نکاح کر دیں غرضیکہ ان کے والد نے ایک عورت ”قیلہ“ نامی سے نکاح کر دیا اور ان سے ایک فرزند ”حارث“ نامی پیدا ہوئے جو سب سے بڑے فرزند تھے۔ اس کے بعد قیلہ کا انتقال ہو گیا قیلہ کے بعد انھوں نے ہند بنت عمرو نامی عورت سے نکاح کیا۔

اصحاب قبیل کا واقعہ

جب ابرہہ حاکم یمن نے اصمہ نجاشی کی جانب سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور وہ بیت الحرام کے انہدام کے لیے بہت بڑا سفید ہاتھی لایا تو لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی انہوں نے فرمایا اے قریش مت ڈرو اس گھر کا خدا حفاظت فرمانے والا ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ اس کے بعد ابرہہ قریش کے اونٹ بکریاں ہانک کر لے گیا ان میں حضرت عبدالمطلب کے بھی چار سواونٹ تھے۔ حضرت عبدالمطلب قریش کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر نکلے اور جبل شبیر پر آئے اس وقت حضرت عبدالمطلب کی پیشانی پر نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہلال کی مانند چمکنے لگا اور اس نور مبارک کی تیز شعاعیں خانہ کعبہ پر پڑنے لگیں جس سے وہ خوب روشن ہو گیا۔

جب حضرت عبدالمطلب نے اس نور مبارک کو دیکھا تو فرمانے لگے اے گروہ قریش جاؤ بلاشبہ اس معاملہ میں تمہیں کامیابی ہوگی خدا کی قسم یہ نور مبارک اسی وقت چمکتا ہے جب کہ ہمیں کامیابی و ظفر مندی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد قریش لوٹ گئے اور منتشر ہو گئے۔ ابرہہ نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ لشکر کو شکست دے جب وہ مکہ میں داخل ہوا اور حضرت عبدالمطلب کے چہرہ پر نور پر نظر ڈالی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور ذبح کے وقت گانے کے ذکر کرنے کی مانند منہ سے آواز نکالنے لگا جب وہ ہوش میں آیا تو حضرت عبدالمطلب کو سجدہ کر کے کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم قریش کے سچے سردار ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے اس سفید ہاتھی کو بلایا جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے لایا گیا تھا جب ہاتھی نے حضرت عبدالمطلب کے چہرہ پر نور پر نظر ڈالی تو وہ سجدے میں گر گیا حالانکہ یہ ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کے برعکس ابرہہ کو بھی سجدہ نہ کرتا تھا۔ گویا کہ یہ ہاتھی حق تعالیٰ کی مشیت کے مطابق حضرت عبدالمطلب کے آگے سر جھکا کر زبان حال

سے کہہ رہا تھا۔ کہ سلام ہو اس پر جو اے عبدالمطلب تمہاری پشت میں ہے۔ اس ہاتھی کے سر پر ہر چند آنکس مارتے تھے مگر وہ ہاتھی زمین سے سر نہ اٹھاتا تھا۔

اس کے بعد ابرہہ یمن کی جانب لوٹ گیا، اس وقت حق تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کو تین تین کنکریاں لے کر دریا سے بھیجا، ایک کنکری ان کے منہ میں تھی اور دو کنکریاں ان کے پنجوں میں اور کوئی کنکری مسور کے دانہ سے بڑی نہ تھی۔ یہ کنکری جس کے بدن پر پڑتی وہ زمین پر ڈھیر ہو کر گر پڑتا۔ چنانچہ جب ابرہہ کے جسم پر یہ کنکری پڑی تو اس کی انگلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اور اس کے جسم سے خون، پیپ اور پانی بہنے لگا حتیٰ کہ اس کے دل میں بھی چھید ہو گیا۔

یہ قصہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو اظہار نبوت سے پہلے رونما ہوئے اس قسم کے معجزات کو ”ارہاصات“ کہتے ہیں جس کے معنی تائیس و بنیاد رکھنے کے ہیں۔ انھیں معجزات میں سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بعثت سے پہلے ابر کا سایہ کرنا ہے۔

حضرت عبد اللہ

یہ ہمارے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں یہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ باپ کے لاڈلے اور پیارے تھے چوں کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر تھا اس لیے حسن و خوبی کے پیکر اور جمال صورت و کمال سیرت کے آئینہ دار اور عفت و پارسائی میں یکتائے روزگار تھے۔

جب حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسن و جمال کی شہرت عام ہو گئی اور ذبیح و فد یہ کا واقعہ مزید شہرت کا باعث ہوا تو قریش کی عورتیں ان کے جمال و وصال کی طالب بن کر سر راہ نکل کر کھڑی ہو گئیں اور اپنی جانب بلانے لگیں مگر حق تعالیٰ نے انھیں محفوظ رکھا۔

اہل کتاب بعض علامتوں اور نشانیوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود گرامی حضرت عبدالمطلب کے صلب میں ودیعت ہے وہ ان کے دشمن بن کر ہلاک کے درپے ہو گئے اور اطراف و جوانب سے ان کو ہلاک کرنے کے ارادے سے مکہ آنے لگے یہاں انھوں نے عجیب و غریب آثار و قرائن کا مشاہدہ کیا اور وہ خائب و خاسر بے نیل و مرام لوٹ گئے۔

ایک دن حضرت عبد اللہ شکار کے لیے تشریف لے گئے تھے اہل کتاب کی ایک بہت بڑی جماعت شام کی جانب سے تلوار سونت کر حضرت عبد اللہ کے قتل کے ارادے سے نمودار ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے والد حضرت وہب بن مناف بھی جنگل میں موجود تھے انھوں نے دیکھا کہ چند سوار جن کی شکل و صورت اس دنیا کے لوگوں سے مشابہ نہ تھی غیب سے ظاہر ہوئے اور وہ اس حملہ آور گروہ کو حضرت عبد اللہ کے آگے سے دور کرنے لگے۔

وہب بن مناف نے گھر آ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی سیدہ آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح حضرت عبد اللہ بن عبدالمطلب سے کر دوں۔ اور پھر یہ بات اپنے دوستوں کے ذریعہ حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں پہنچائی۔ حضرت عبدالمطلب بھی یہی چاہتے تھے کہ عبد اللہ کی شادی ہو جائے اس سلسلہ میں وہ کسی ایسی عورت کی جستجو میں تھے جو شرف حسب و نسب اور عفت میں ممتاز ہو، آمنہ بنت وہب میں یہ صفات موجود تھیں عبدالمطلب نے اس رشتہ کو پسند کیا اور حضرت عبد اللہ کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔

منقول ہے کہ حضرت عبد اللہ بن اسد کی ایک عورت کے سامنے سے گزرے یہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑی تھی اور اس کا نام رقیصہ یا قتیلہ بنت نوفل تھا جب اس عورت کی نظر حضرت عبد اللہ پر پڑی تو وہ آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور کہنے لگی وہ سوانٹ جو تم پر فدا کیے گئے میرے ذمہ ہیں میں پیش کر دوں گی۔ حضرت عبد اللہ کو اس پر عفت و حیادامن گیر ہوئی آپ انکار کر کے آگے نکل گئے۔

دوسرے دن ایک خشمی عورت نے جو علم کہانت میں ماہر اور خوب مالدار تھی اس نے بھی اپنے مال کے ذریعہ حضرت عبداللہ کو ورغلا نا چاہا، اسی طرح بہت سی عورتوں نے پیش کش کی مگر حضرت عبداللہ کسی کے فریب میں نہ آئے، جب گھر تشریف لائے تو حضرت آمنہ سے زفاف ہوا اور نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی پشت مبارک سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں جلوہ فگن ہوا اور وہ حاملہ ہو گئیں۔ یہ منیٰ کے ایام تھے۔

پھر جب دوسری مرتبہ اس عورت کے سامنے سے حضرت عبداللہ گزرے تو اس عورت نے حضرت عبداللہ کی پیشانی میں وہ نور مبارک نہ پایا تو وہ ان سے کہنے لگی کیا اول مرتبہ میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کسی عورت سے صحبت کی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے اپنی منکوحہ بی بی آمنہ بنت وہب سے زفاف کیا ہے۔ اس خشمی عورت نے کہا اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں میں تو اس نور مبارک کی خواستگار تھی جو تمہاری پیشانی میں جلوہ افروز تھا اب وہ دوسرے کے نصیب میں چلا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ عورت جس نے اپنے تئیں حضرت عبداللہ کو پیش کیا تھا وہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔

ایک دوسری روایت میں ایک اور عورت کا ذکر بھی آیا ہے جس کا نام عدویہ تھا۔ ممکن ہے کہ ان تمام عورتوں نے پیش کش کی ہو۔

اور جب حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو کھجوریں لینے کے لیے مدینہ بھیجا یا تجارت کے لیے ملک شام روانہ کیا، وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے نہال، بنوعدی بن نجار، میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں دارنا بغہ میں مدفون ہوئے۔

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں

نے خبر گیری کے لیے سب سے بڑے لڑکے حارث کو مدینہ بھیجا۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبد اللہ راہی ملک بقاء ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ واپس آ کر جب وفات کی خبر سنائی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا اور بنو ہاشم کے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ خود حضرت آمنہ نے اپنے مرحوم شوہر کا ایسا پرورد مرثیہ کہا ہے کہ جس کو سن کر آج بھی دل درد سے بھر جاتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ الہی تیرا نبی یتیم ہو گیا۔ حضرت حق نے فرمایا کیا ہوا؟ میں اس کا حامی و حافظ ہوں۔

حضرت عبد اللہ کا ترکہ ایک لونڈی ام ایمن جس کا نام ”برکہ“ تھا، کچھ اونٹ اور کچھ بکریاں تھیں، یہ سب ترکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملا۔ ام ایمن بچپن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں کھلاتیں، کپڑا پہناتیں، پرورش کی پوری ضروریات مہیا کرتیں، اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عمر ام ایمن کی دل جوئی فرماتے رہے۔ اپنے محبوب و متبہنی غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا اور ان کے شکم سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔ (مولف)

(مدارج النبوة جلد دوم، سیرت مصطفیٰ)

قریش کی خلافت و امامت

قریش کے فضائل و مناقب اور قریش کی امامت و خلافت احادیث کی روشنی میں واضح و آشکار کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

امامت کبریٰ میں شرع مطہر نے اس درجہ کا لحاظ فرمایا ہے کہ اسے صرف قریش کے ساتھ مخصوص فرمادیا غیر قریش اگرچہ عالم اجل ہو امام و خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الانعمة من قریش

تمام خلفاء قریشی ہوں گے۔

اسے امام احمد و ابن ابی شیبہ و نسائی و ابن جریر و حاکم و بیہقی اور ضیاء مقدسی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور طبرانی نے کبیر میں ابو ذر اور ابو بکر بن ابی شیبہ و نعیم بن حماد و ابن السنی نے کتاب الاخوة میں اور امام بیہقی نے امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان هذا الامر فی قریش لا یعادیہم احد الا کبہ

اللہ علی وجہہ فی النار .

بیشک خلافت قریشی میں ہے جو ان سے بیر رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل جہنم میں اوندھا

دے گا۔

اسے امام احمد و امام بخاری و مسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابو بکر بن ابی

شیبہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے اور ابن جریر نے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا ان الامراء من قریش .

سن لو امراء اور حکام اسلام قریش ہیں۔ اسے ابو یعلیٰ نے امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے

روایت کی۔

امام احمد و حاکم اور طبرانی کے نزدیک الامراء من قریش کا لفظ ہے۔

امراء قریش ہیں۔ یہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش و لاة هذا الامر .

اسلامی حکومت کے والی قریش ہیں۔ اسے امام احمد نے حضرت ابو بکر صدیق اور سعد بن ابی

وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدموا قریشا و لا تقدموها۔

قریش کو تقدیم دو اور قریش پر تقدیم نہ کرو۔

اسے امام شافعی و امام احمد نے عبد اللہ بن خطاب سے اور طبرانی نے کبیر بن عبد اللہ بن سائب اور بزار نے امیر المؤمنین علی سے اور ابن عدی نے ابو ہریرہ سے اور ابن جریر نے حارث بن عبد اللہ سے روایت کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

بلکہ ایک روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا ایہا الناس لا تتقدموا قریشا فتہلکوا۔

اے لوگو قریش پر سبقت نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اسے بیہقی نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

دوسری روایت میں ہے فتضلوا یعنی قریش پر سبقت نہ کرو کہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

اسے ابن ابی طالب نے امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسل روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الناس تبع لقریش فی هذا الشان۔

سب لوگ اس کام میں قریش کے تابع ہیں۔

بخاری و مسلم نے اسے ابو ہریرہ سے اور امام احمد و مسلم نے حضرت جابر سے اور طبرانی نے اوسط میں اور ضیاء مقدسی نے سہل بن سعد اور عبد اللہ بن احمد و احمد بن ابی شیبہ نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔

قریش کی خصوصیات

حدیث : فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش صلاح الناس و لا یصلح الناس الا

بہم .

قریش آدمیوں کے سنوار ہیں۔ لوگ نہ سنوریں گے مگر قریش سے۔ اسے ابن عدی نے ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

حدیث : فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش خالصۃ اللہ تعالیٰ .

قریش برگزیدہ خدا ہیں۔ اسے ابن عساکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من یردہو ان قریش اہانہ اللہ .

جو قریش کی ذلت چاہے اللہ اسے ذلیل کرے۔ اسے احمد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، عدنی، طبرانی، ابو یعلیٰ، حاکم اور ابو نعیم نے کتاب المعرفة میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کی اور تمام، ابو نعیم اور ضیاء نے ابن عباس سے اور طبرانی نے کبیر میں حضرت انس سے اور ابن عساکر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوۃ الرجل من قریش قوۃ رجلین .

ایک مرد قریش کو قوت دو مردوں کے برابر ہے۔ اسے احمد، ابن ابی شیبہ، طیالسی، ابو یعلیٰ، ابن ابی عاصم، ماوردی، طبرانی، حاکم، بیہقی، ضیاء اور ابو نعیم نے حلیہ میں جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ اور طبرانی نے ابن ابی خثیمہ اور ابن النجار حدیث طویل میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی جس کے شروع میں یہ ہے یا ایہا الناس قدموا قریشا و لا تقدموہا .

(مؤلف)

اے لوگو قریش کو آگے بڑھاؤ ان سے آگے نہ بڑھو۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تائموا قریشا و اتموها و لا تعلموا قریشا و تعلموا منها فان امانة الامین من قریش تعدل امانة الامینین .

قریش کو اپنا پیرو نہ بناؤ اور ان کی پیروی کرو قریش پر دعویٰ استاذی نہ رکھو اور ان کی شاگردی کرو کہ قریش میں ایک امین کی امانت دو امینوں کے برابر ہے۔ اسے ابن عسا نے امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعطیت قریش ما لم يعط الناس .

قریش کو وہ عطا ہوا جو کسی کو نہ ہوا۔

اسے حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابو نعیم نے معرفة الصحابة میں حلیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور نعیم بن حماد نے ابوالزہریہ سے مرسل روایت کی۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فضل الله قریشا بسبع خصال لم يعطاها احد قبلهم ولا يعطاها احد بعدهم .

اللہ نے قریش کو ایسی سات باتوں سے فضیلت دی جو نہ ان سے پہلے کسی کو ملیں نہ ان کے بعد کسی کو عطا ہوں گی۔

● انی منہم ، ایک تو یہ ہے کہ میں قریش ہوں (یہ تمام فضائل سے ارفع و اعلیٰ ہے)

● و فیہم الخلافة و الحجابة اور انھیں میں خلافت اور کعبہ معظمہ کی درباری اور حاجیوں کا

ستماہیہ۔

- و نصرهم علی الفیل اور انھیں اصحاب فیل پر نصرت بخشی۔
- و عبد اللہ عشر سنین لا یعبده غیرہم اور انھوں نے دس سال اللہ کی عبادت تنہا کی کہ ان کے سواروئے زمین پر کسی اور خاندان کے لوگ اس وقت عبادت نہ کرتے تھے (یہی تھے یا ان کے عبید و موالی)
- و انزل اللہ فیہم سورۃ من القریش لم یذکر فیہا احد غیرہم لا یلف قریش۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک سورت قرآن عظیم کی اتاری کہ اس میں صرف انھیں کا ذکر فرمایا اور وہ سورۃ لایلف قریش ہے۔
- بخاری نے تاریخ میں طبرانی کبیر میں حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے خلائیات میں حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسے روایت کیا۔
- حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا معشر الناس احبوا قریشا فان من احب قریشا فقد احبنی و من ابغض قریشا فقد ابغضنی و ان اللہ تعالیٰ حب الی قومی فلا اتعجل لہم نقمة و لا استکثر لہم نعمة۔
- اے گروہ مردم قریش سے محبت رکھو کہ قریش کا دوست میرا دوست ہے اور قریش کا دشمن میرا دشمن ہے، اور بیشک اللہ تعالیٰ نے میری قوم کی محبت میرے دل میں ڈالی کہ ان پر کسی انتقام کی جلدی نہیں کرتا نہ ان کے لیے کسی نعمت کو بہت سمجھوں۔

قریش برکت کے درخت ہیں

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: الا ان اللہ تعالیٰ علم ما فی قلبی من حبی بقومی

فسرني فيهم قال الله تعالى و انه لذكر لك و لقومك فجعل الذكر و الشرف لقومي
في كتابه .

سن لو بیشک اللہ تعالیٰ نے جانا جیسی میرے دل میں میری قوم کی محبت ہے تو اس نے مجھے ان کے
بارے میں شاد کیا کہ ارشاد فرمایا بیشک یہ قرآن ناموری ہے تیری اور تیری قوم کی، تو اس نے اپنی کتاب کریم
میں میری قوم کے لیے ذکر و شرف رکھا۔

فالحمد لله الذي جعل الصديق من قومي و الشهيد من قومي و الائمة من
قومي .

اللہ کے لیے حمد ہے جس نے میری قوم میں سے صدیق کیا اور میری قوم سے شہید اور میری قوم
سے امام۔

ان الله تعالى قلب العباد ظهرا و بطنا فكان خير العرب قريشا ذى الشجرة
المباركة التى قال الله تعالى عزوجل فى كتابه و مثل كلمة كشجرة طيبة يعنى بها
قريش اصلها ثابت بقول اصلها كرم و فرعها فى السماء اشرف الذى شرفهم الله
بالاسلام الذى هداهم و جعلهم اهله .

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے ظاہر و باطن پر نظر فرمائی تو سب عرب سے بہتر قریش نکلے اور
وہی برکت والے درخت ہیں جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے کہ پاکیزہ بات کی کہاوٹ ایسی ہے جیسے ستھرا
درخت یعنی قریش، کہ اس کی جڑ پائدار ہے، یعنی ان کی اصل کرم ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں یعنی
وہ جو اللہ نے ان کو اسلام کا شرف بخشا اور انھیں اس کا اہل کیا۔ اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابن مردویہ نے
تفسیر میں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

قریش صاحب عزت ہیں

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: کنانة عز العرب.

بنی کنانہ سارے عرب کی عزت ہیں۔ اسے دیلمی و ابن عساکر نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: قریش سادة العرب.

قریش سارے عرب کے سردار ہیں۔

اسے رامہرمزی نے کتاب الامثال میں و ضین بن مسلم سے مرسل روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: عبد مناف عزة قریش و قریش تبع لولد

قصی و الناس تبع لقریش.

بنی عبد مناف سارے قریش کی عزت ہیں اور قریش اولاد قصی کے تابع ہیں اور تمام آدمی قریش

کے تابع ہیں۔ رامہرمزی نے اسے کتاب الامثال میں ابن الضحاک سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: یا ابا الدرداء اذا فاخرت ففاخر بقریش.

اے ابو درداء جب تو فخر کرے تو قریش سے فخر کر۔

اسے تمام نے فوائد میں اور ابن عساکر نے ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: خیر الناس العرب و خیر العرب قریش و

خیر القریش بنو ہاشم.

سب آدمیوں سے بہتر عرب ہیں اور سب عرب سے بہتر قریش اور سب قریش سے بہتر بنی ہاشم۔

اسے دیلمی نے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخلافة فی قریش .

خلافت قریش میں ہے۔

اسے احمد و طبرانی نے کبیر میں ختبہ بن عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

حدیث: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوة او طاس میں فرمایا: لو کان ثابنا علی احد

من العرب کان الیوم .

اگر کوئی عرب غلام بن سکتا تو آج بنایا جاتا۔

بنی ہاشم کی تعظیم و تکریم

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لا یقوم الرجل من مجلسه الا لبني هاشم

آدمی اپنی جگہ چھوڑ کر کسی کے لیے نہ اٹھے سوائے بنی ہاشم کے۔

اسے خطیب نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

دوسری روایت میں ہے یقوم الرجل من مجلسه لاخيه الا بنی هاشم لا یقومن لاحد .

ہر شخص اپنے بھائی کے لیے اپنی مجلس سے اٹھے مگر بنی ہاشم کسی کے لیے نہ اٹھے۔

اسے خطیب اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔

قریش کی شجاعت و شرافت

قریش کی جرأت، شجاعت، سماحت، فتوت، قوت اور شہامت اسلام و جاہلیت دونوں میں شہرہ

آفاق رہی ہے۔ اور ان میں بالخصوص بنی ہاشم کی، یوں ہی جاہلیت میں بنی باہلہ خست و دنائت سے معروف تھے۔ حتی قال قائلہم

لا ینفع الاصل من بنی ہاشم

اذا کانت النفس من باہلہ



اذا قیل للکلب یا باہلی

عوی الکل من شؤم ہذ النسب

یعنی بنی ہاشم کی اصل سے ہونا نفع بخش نہ ہوگا، جب کہ نفس بنی باہلہ سے ہو، جب کتے سے کہا جائے کہ اے باہلی، تو کتا اس نسب کی برائی اور نحوست سے بھوکے لگتا ہے۔ (مولف)

اسی تفاوت ہمت کے باعث ہے کہ دنیا و دین دونوں کی سلطنتیں یعنی سلطنت ملک و سلطنت علم ہمیشہ شریف ہی اقوام میں رہیں، دوسری قوموں کا اس میں حصہ معدوم یا کالمعدوم ہے۔ قریش کہ زمانہ جاہلیت میں بت پرست تھے تو ان کا بت پرست ہونا شریف قوم گنے جانے کے منافی نہیں اور اب اسلام کے بعد وہ بلاشبہ تمام جہان کی اقوام سے افضل قوم ہے۔ اور اخلاق فاضلہ میں شریف قوموں کا حصہ غالب ہے اور احادیث کثیرہ اس پر ناطق، متعدد احادیث سے گزرا کہ :

ایک قریش کی قوت دو مردوں کے برابر ہوتی ہے اور ایک قریش کی امانت دو آدمیوں کے مثل ہے۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اذا اختلف الناس فالعدل فی مضر.

جب لوگ مختلف ہوں تو عدل قوم مضر میں ہے (جن میں سے قریش ہیں)

اسے طبرانی نے کبیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قسم الحیاء عشرة فتسعة فی العرب و
جزء فی سائر الناس.

حیا کے دس حصے کیے گئے ان میں سے نو حصے عرب میں ہیں اور ایک باقی تمام لوگوں میں۔ اسے
خطیب نے بجلاء میں محمد بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان فلانا اهدی لی ناقة فعوضته منہا ست
بکرات فظل ساخطا لقد هممت ان لا اقبل ہدیة الا من قریش او انصاری او ثقفی او
دوسی.

بے شک فلاں شخص نے ایک ناقہ نذر دیا تھا میں نے اس کے بدلے چھ جوان ناقے عطا فرمائے
اور وہ ناراض ہی رہا، بیشک میرا ارادہ ہوا کہ یہ ہدیہ قبول نہ کروں مگر قریشی یا انصاری یا ثقفی یا دوسی کا (کہ وہ
اپنے کرم اخلاق و شرافت کے باعث کمینوں کی طرح ہدیہ پر زیادہ معاوضے کے نگران نہیں رہتے) اسے
امام احمد و ترمذی و نسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

قریش کی امانت و دیانت

حدیث: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یملی مصاحفنا الا غلمان قریش
و غلمان ثقیف.

ہمارے مصحف نہ لکھیں مگر قریش و ثقیف کے لڑکے (یہ باب امانت سے ہوا) اسے ابو نعیم نے جابر
بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان قریشا اهل صدق و امانة فمن بلغ لهم
العواثر کبه الله علی وجہہ.

بیشک قریش راستی و امانت والے ہیں تو جوان کی لغزشیں چاہے اللہ سے منہ کے بل اوندھا کر دے۔

اسے امام شافعی و ابو بکر بن ابی شیبہ و امام احمد و امام بخاری نے ادب المفرد میں اور ابن جریر و شاشی و طبرانی و ضیاء نے رفاعہ بن رافع زرقی سے اور ابن النجار نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

بنی ہاشم و قریش کی چار خصلتیں

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان فیہم لخصالا اربعة انہم اصلح الناس عند فتنہ و اسرعہم اقامة بعد مصیبة و اوشکھم کرة بعد فرة و خیرہم لمسکین و یتیم و امنعہم من ظلم المملوک.

یعنی قریش یا بنی ہاشم میں چار خصلتیں ہیں، فتنہ کے وقت وہ سب سے زائد صلاح پر ہوتے اور مصیبت کے بعد سب سے پہلے ٹھیک، اور لڑائی میں پسپا بھی ہوں تو سب سے جلد تر دشمن پر پلٹ پڑتے ہیں اور مسکین و یتیم و مملوک کے حق میں سب سے بہتر ہیں۔

قریش کی عورتیں نیک ہیں

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: خیر الناس رکن الابل صالح نساء قریش احناہ علی ولد فی صغره و ارعاه علی زوج فی ذات یدہ.

عرب کی سب عورتوں میں بہتر قریش کی نیک بیویاں ہیں، اپنے چھوٹے چھوٹے بچے پر سب سے زیادہ مہربان اور اپنے شوہر کے مال کی سب سے بڑھ کر نگہبان۔

اسے امام احمد و بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے مکحول سے مرسلًا اور ابن سعد نے طبقات میں ابن ابی نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

عرب، غیر عرب کے کفو نہیں

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم العرب للعرب اکفاء و الموالی للموالی اکفا الا حانک او حجام

عرب عرب کے کفو ہیں، اور موالی موالی کے مگر جو لاہہ یا حجام۔

اسے امام بیہقی نے ام المومنین صدیقہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔

قریش قیامت میں آگے ہوں گے

ظاہر ہے کہ اخلاق فاضلہ باعث اعمال صالحہ ہیں اور اعمال صالحہ باعث نفع آخرت۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: قریش علی مقدمۃ الناس یوم القیامۃ و لولا

ان یبظر قریش لا خبر تھا ما لمحسنا من الثواب عند اللہ .

قریش روز قیامت سب لوگوں سے آگے ہوں گے اور اگر قریش کے اتر جانے کا خیال نہ ہوتا تو

میں انھیں بتا دیتا کہ ان کے نیک کے لیے اللہ کے یہاں کیا ثواب ہے۔ اسے ابن غدی نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

روز قیامت حضور سے قریب تر قریش ہوں گے

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لواء الحمد یوم القیامۃ بیدی و ان اقرب

الخلق من لوانی یومئذ العرب .

بیشک روز قیامت لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور بیشک اس دن تمام مخلوق میں میرے نشان سے زیادہ قریب عرب ہوں گے۔ اسے امام حکیم ترمذی اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اول من اشفع له یوم القیامة من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فالاقرب الی قریش ثم الانصار ثم من آمن بی و اتبعنی من الیمن ثم من سائر العرب ثم الاعاجم و من اشفع له اولاً افضل .

روز قیامت میں سب سے پہلے اہل بیت کی شفاعت فرماؤں گا، پھر درجہ بدرجہ جو زیادہ نزدیک ہیں قریش تک، پھر انصار پھر وہ اہل یمن جو کہ مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی پھر باقی عرب پھر اہل عجم اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں اور دارقطنی نے کتاب الافراد میں اور مخلص نے کتاب الفوائد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

روز قیامت ترجیح قریش کو ہوگی

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوانی اخذت بحلقة باب الجنة ما بدأت الا

بکم یا بنی ہاشم .

میں دروازہ بہشت کی زنجیر ہاتھ میں لوں تو اے بنی ہاشم پہلے تمہیں سے شروع کروں۔ اسے خطیب نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اترونی انی اذا تعلقت ، بحلق ابواب

الجنة او ثر علی بنی عبد المطلب احدا .

کیا یہ خیال کرتے ہو کہ میں درہائے جنت کی زنجیر ہاتھ میں لوں گا اس وقت اولاد عبد المطلب پر

کسی اور کو ترجیح دوں گا۔ اسے ابن النجار نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(اراءة الادب لفاضل النسب)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے شرط قرشیت کے مسئلہ کو مزید واضح و مبرہن کرنے کے لیے علم کلام سے یوں استدلال فرمایا ہے:

خلافت کے لیے قرشیت شرط ہے

عقائد نسفی میں ہے و یکون من قریش و لا يجوز من غیرہم

یعنی خلیفہ قریش سے ہوں غیر قریشی جائز نہیں۔

شرح علامہ تفتازانی میں ہے لم يخالف فيه الا الخوارج و بعض المعتزلة

قرشیت کی شرط میں کسی نے خلاف نہ کیا مگر خارجیوں اور بعض معتزلیوں نے۔

اسی میں ہے یشرط ان یکون الامام قریشا لقوله عليه الصلاة و السلام الائمة

من قریش و هذا و ان کان خیرا و احدا لمارواه ابو بکر محتجابه علی الانصار و لم ینکره احد فصار مجمعا علیه .

یعنی شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہو، بدلیل قول نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الائمة من قریش . اور

یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے لیکن جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار پر حجت میں اسے

پیش کیا اور صحابہ کرام میں کسی نے اس پر انکار نہ کیا تو اس پر اجماع ہو گیا۔

کتاب قواعد العقائد امام حجۃ الاسلام غزالی میں ہے شرط الامامة نسبة قریش لقوله

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الائمة من قریش .

خلافت کی شرط نسب قریشی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خلفاء قریش سے

ہیں۔

اس کی شرح اتحاد میں ہے ان كثيرا من المعتزلة نفی هذا الاشتراط و دلیل اهل السنة قوله صلى الله تعالى عليه وسلم الائمة من قریش . قال العراقي اخرجه النسائي من حديث انس و الحاکم من حديث علي و صححه . اه قلت و كذا اخرجه البخاري في التاريخ و ابو يعلى و ابو داؤد الطيالسي و البزار من حديث انس و احمد من حديث ابی هريرة و ابی بكر الصديق و الطبرانی من حديث علي و عنده عن انس بلفظ ان الملك في قریش . و اخرج يعقوب بن سفيان و ابو يعلى و الطبرانی من طريق مسكين بن عبد العزيز حدثنا سيار بن سلامة ابو المنهال قال دخلت مع ابی علي ابی برزة الاسلمي فسمعته يقول سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول الامراء من قریش الخ .

یعنی بہت معتزلیوں نے شرط قریشیت کا انکار کیا اور اہل سنت کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہوں۔ امام زین الدین عراقی نے فرمایا یہ حدیث نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حاکم نے امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی اور کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں یوں ہی اسے امام بخاری نے کتاب التاريخ اور ابو یعلیٰ و ابو داؤد طيالسي و بزار نے انس اور امام احمد نے ابو ہریرہ و حضرت صدیق اکبر اور طبرانی نے مولیٰ علی سے روایت کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ نیز طبرانی کے یہاں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لفظوں سے ہے کہ سلطنت قریش میں ہے۔ اور یعقوب بن سفيان و ابو یعلیٰ و طبرانی نے مسكين بن عبد العزيز سے روایت کی کہ ہم سے سيار بن سلامة ابو المنهال نے حدیث بیان کی کہ میں اپنے والد کے ساتھ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا انھیں یہ حدیث روایت کرتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلفاء قریش سے ہیں۔

مسایرہ امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام میں ہے۔ شرط الامام نسب قریش
 خلافاً لكثير من المعتزلة .

خلیفہ کی شرط نسب قرشی ہے۔ بہت معتزلیوں کے خلاف۔

مسامرہ علامہ ابن ابی شریف شافعی تلمیذ امام ابن الہمام میں ہے لنا قوله صلى الله تعالى
 عليه وسلم الانمة من قریش قدمنا تخريجه و قوله صلى الله تعالى عليه وسلم الناس تبع
 لقریش . اخرجہ الشيخان و فی البخاری من حدیث معوية رضی الله تعالى عنه ان هذا
 الامر فی قریش .

ہم اہل سنت کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہیں۔ ہم
 نے اس حدیث کی تخریج اور پر بیان کی۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ سب آدمی قریش کے
 تابع ہیں، اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ نیز بخاری میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے
 ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک خلافت قریش میں ہے۔ اور تخریج حدیث چھ ورق اور
 بیان کی رواہ النسائی من حدیث انس و رواہ بمعناه الطبرانی فی الدعاء و البزار و
 البيهقي و افردہ شیخنا الامام الحافظ ابو الفضل بن حجر بجزء جمع فیہ طرقہ عن نحو
 من اربعین صحابیا .

یہ حدیث نسائی نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور یہی مضمون طبرانی نے کتاب الدعاء
 اور بزار و بیہقی نے روایت کیا اور ہمارے امام حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی نے خاص اس حدیث میں
 ایک رسالہ لکھا جس میں اس کی روایات قریب چالیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع کیں۔

علامہ امام قاسم بن قطلوبغا حنفی تلمیذ امام ابن الہمام تعلیقات مسایرہ میں فرماتے ہیں اما عندنا

فالشروط انواع بعضها لازم لا تنعقد بدونه وهى الاسلام والذكورة والحرية والعقل والبلوغ واصل الشجاعة وان يكون قرشياً.

ہمارے نزدیک خلافت کی شرطیں کئی قسم ہیں۔ بعض شرط تو لازم ہیں کہ ان کے بغیر خلافت صحیح ہی نہیں ہو سکتی وہ یہ ہیں اسلام اور مرد ہونا اور آزادی و عقل و بلوغ و اصل شجاعت اور قرشی ہونا۔

پھر فرمایا اما نسب قریش فلقوله صلى الله تعالى عليه وسلم الائمة من قریش رواه البزار وهذا ان كان خبر واحد فقد اتفقت الصحابة على قبوله قاله الامام ابو العباس الصابوني وغيره .

قرشی ہونا اس لیے شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خلفاء قریش سے ہوں، اسے بزار نے روایت کیا اور یہ اگرچہ خبر احاد ہو مگر صحابہ کرام نے اس کے قبول پر اجماع فرمایا یہ امام ابو العباس صابونی وغیرہ نے افادہ فرمایا۔

طوالع الانوار علامہ بیضاوی میں ہے التاسع كونه قرشياً خلافا للخوارج و جمع من المعتزلة لنا قوله صلى الله تعالى عليه وسلم الائمة من قریش و اللام فى الجمع للاستغراق حيث لا عهد للعموم .

یعنی خلافت کی نویں شرط قریشی ہونا ہے اس میں خارجیوں اور ایک گروہ معتزلہ کو خلاف ہے کہ وہ خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں جانتے ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہوں۔ جہاں عہد نہ ہو جمع پر لام استغراق کے لیے ہوتا ہے یعنی تمام خلفاء قریش ہی سے ہوں۔

مواقف میں ہے يكون قرشياً و منه الخوارج و بعض المعتزلة لنا قوله صلى الله تعالى عليه وسلم الائمة من قریش ثم ان الصحابة عملوا بمضمون هذا الحديث و

اجمعوا علیہ فصار قاطعا.

یعنی خلیفہ قریشی ہو، خارجی اور بعض معتزلی اس شرط کے منکر ہیں ہماری دلیل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلیفہ قریشی ہوں۔ پھر صحابہ کرام اس حدیث کے مضمون پر عامل ہوئے اور ان کا اس پر اجماع ہوا تو وہ دلیل قطعی ہو گئی۔

شرح علامہ سید شریف میں ہے صار دلیلا قاطعا یفید الیقین باشتراط القرشیة.

یعنی دلیل قطعی ہو گئی جس سے قریشیت کا شرط ہونا یقینی ہو گیا۔

اسی میں ہے اشتراطہ الاشاعرۃ.

یعنی اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا قرشی ہونا شرط ہے۔

مقاصد میں ہے یشرط فی الامام کونہ قرشیا لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الائمة من قریش.

امام میں شرط ہے کہ قرشی ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خلفاء قریش سے ہوں۔

شرح مقاصد میں ہے اتفقت الامة علی اشتراط کونہ قرشیا خلافا للخوارج لنا

السنة و الاجماع اما السنة فقوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الائمة من قریش و اما

الاجماع فهو انه لما قال الانصار یوم سقیفة منا امیر و منکم امیر منهم ابو بکر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ بعدم کونہم من قریش و لم ینکرہ علیہ احد من الصحابة فكان اجماعا.

یعنی تمام امت کا اجماع ہے کہ خلیفہ کا قریشی ہونا شرط ہے۔ اس میں مخالف خارجی ہیں اور اکثر

معتزلی۔ ہماری دلیل حدیث و اجماع امت ہے۔ حدیث میں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے کہ خلفاء قریش سے ہیں اور اجماع یوں کہ جب انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روز سقیفہ بنی ساعدہ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہا ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے انھیں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعویٰ خلافت سے یوں باز رکھا کہ تم قریشی نہیں (اور خلیفہ کا قریشی ہونا لازم ہے) اس پر کسی صحابہ نے انکار نہ کیا تو اجماع ہو گیا۔

شرح فقہ اکبر میں ہے یشرط ان یکون الامام قرشیا لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم الائمة من قریش و هو حدیث مشہور و لیس المراد به الامامة فی الصلاة اتفاقا فتعینت الامامة الكبرى خلافا للخوارج و بعض المعتزلة .

یعنی شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ائمہ قریش سے ہیں اور یہ حدیث مشہور ہے اور اس میں امامت نماز باجماع مراد نہیں تو ضرور خلافت مراد ہے اس میں مخالف خارجی ہیں یا بعض معتزلی۔

طریقہ محمدیہ میں ہے المسلمون لا بد لهم من امام قرشی و لا یشرط ان یکون

ہاشمیا .

یعنی مسلمانوں کے لیے ضرور ہے کہ کوئی قریشی خلیفہ ہو اور ہاشمی ہونا شرط نہیں۔

حدیقہ ندیہ میں ہے یکون من قریش و لا یجوز من غیر ہم

خلیفہ قریشی ہو غیر قریشی کی خلافت درست نہیں۔

تمہید امام ابوالشکور سالمی جسے سلطان الاولیاء محبوب الہی نظام الحق والدین نے درس میں پڑھا اس

میں ہے اجمعنا علی ان الامام من قریش و لا یکون من غیرہ

ہم اہل سنت کا اجماع ہے کہ خلیفہ قریش سے ہو ان کے غیر سے نہیں۔

خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا یزال هذا الامر فی قریش ما بقى من الناس اثنان .

خلافت ہمیشہ قریش کے لیے ہے جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں۔

شرح صحیح مسلم للامام النووی و شرح صحیح بخاری للامام القسطلانی و مرقاة علی قاری میں ہے۔

بین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان هذا الحکم مستمر الی آخر الدنیا ما بقى من الناس اثنان .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظاہر فرمادیا کہ یہ حکم ختم دنیا تک جب تک دو آدمی بھی رہیں۔

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ابن المنیر سے اور عمدة القاری امام بدر محمود عینی حنفی میں ہے۔

قریش ہم اصحاب الخلافة و هی مستمرة لهم الی آخر الدنیا ما بقى من الناس اثنان .

قریش ہی خلافت والے ہیں وہ ختم دنیا تک ان ہی کے لیے ہے جب تک دو آدمی بھی باقی

رہیں۔

امام قرطبی کی مفہم شرح صحیح مسلم میں پھر عمدة القاری فتح الباری شروح صحیح بخاری میں ہے۔

هذا الحديث خبر عن المشروعية ای لا تنعقد الامامة الكبرى الا لقرشی

مهما وجد منهم احد .

اس حدیث میں حکم شرعی کا بیان ہے یہ فرمایا ہے کہ جب تک دنیا میں ایک قرشی بھی باقی رہے

اوروں کی خلافت صحیح نہیں۔

امام نووی شرح صحیح مسلم پھر امام قسطلانی شرح صحیح بخاری اور علامہ طیبی و علامہ سید شریف و علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

هذه الاحاديث و اشباهها دليل ظاهر ان الخلافة مختصة بقريش لا يجوز عقدها لاحد من غيرهم و على هذا انعقد الاجماع في زمن الصحابة و كذلك بعدهم و من خالف فيه من اهل البدع او عرض بخلاف من غيرهم فهو محجوج باجماع الصحابة و التابعين فمن بعدهم بالا حاديث الصحيحة

یہ حدیثیں اور ان کے مثل اور احادیث روشن دلیلیں ہیں کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے ان کے سوا کسی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں، اسی پر زمانہ صحابہ میں یوں ہی ان کے بعد اجماع منعقد ہوا تو جن بد مذہبوں نے اس میں اختلاف کیا یا جس نے اور کسی کی خلافت کا اشارہ کیا اس کا قول صحابہ و تابعین و علمائے مابعد کے اجماع اور صحیح حدیثوں سے مردود ہے۔

علامہ ابن المنیر پھر حافظ عسقلانی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔

الصحابة اتفقوا على افادة المفهوم للحصر خلافا لمن انكر ذلك و الى هذا ذهب جمهور اهل العلم ان شرط الامام ان يكون قرشياً و قالت الخوارج و طائفة من المعتزلة يجوز ان يكون الامام غير قرشي و بالغ ضرار بن عمرو فقال تولية غير القرشي اولى و قال ابو بكر الطيب لم يعرج المسلمون على هذا القول بعد ثبوت حديث الاثمة من قريش و عمل المسلمون به قرناً بعد قرن و انعقد الاجماع على اعتبار ذلك قبل ان يقع الاختلاف.

یعنی صحابہ نے اتفاق سے فرمایا کہ حدیث الاثمة من قریش خلافت کا قریشی میں حصر فرماتی

ہے۔ برخلاف اس کے جو اس کا منکر ہو اور یہی مذہب جمہور اہل علم کا ہے کہ خلیفہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے اور خارجیوں اور ایک گروہ معتزلہ نے کہا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہو سکتا ہے اور ضرار بن عمرو تو یہاں تک بڑھ گیا اور کہا کہ غیر قریشی کا خلیفہ کرنا بہتر ہے۔ امام ابو بکر ابن الطیب نے فرمایا مسلمانوں نے اس قول کی طرف التفات نہ کیا بعد اس کے کہ حدیث الانعمة من قریش ثابت ہو چکی اور ہر قرن میں مسلمان اس پر عامل رہے اور اس اختلاف کے اٹھنے سے پہلے اس کے ماننے پر اجماع منعقد ہو لیا۔

امام احمد ناصر الدین اسکندرانی نے پھر امام شہاب الدین کنانی وجہ دلالت حدیث لا یزال ہذا الامر فی قریش میں فرماتے ہیں :

المبتداء بالحقیقة ہنا هو الامر الواقع صفة لهذا و هذا لا یوصف الا بالجنس
فمقتضاه حصر جنس الامر فی قریش کانه قال لا امر الا فی قریش ، و الحدیث و ان
کان بلفظ الخبر فهو بمعنی الامر و بقية طرق الحدیث توید ذلك .

یعنی حاصل حدیث یہ ہے کہ ہذا الامر فی قریش دائما یہ امر خلافت ہمیشہ قریش کے لیے ہے۔ ہذا مبتدا ہے اور امر اس کی صفت اور ہذا کی صفت میں ہمیشہ جنس ہی آتی ہے تو مطلب یہ کہ جنس خلافت ہمیشہ قریش ہی کے لیے ہے۔ (ان کے غیر کے لیے اس کا کوئی فرد نہیں) گویا الفاظ یوں ارشاد ہوئے کہ خلافت نہیں مگر قریش میں اور حدیث اگرچہ صورت خبر ہے معنی امر ہے۔ حدیث کی باقی روایتیں اس معنی کی موید ہیں۔

امام ابن حجر اور ان سے پہلے امام ابن بطال شرح بخاری للمہلب سے ناقل :

یجوز ان یکون ملک یغلب علی الناس بغیر ان یکون خلیفة و انما انکر معویة
رضی اللہ تعالیٰ عنہ خشية ان یظن احد ان الخلافة تجوز فی غیر قریش فلما خطب

بذلک دل علی ان ذلک عندهم کذلک اذ لم ینقل عن احد منهم انکار علیہ .

یعنی جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ عنقریب ایک بادشاہ قبیلہ قحطان سے ہوگا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر سخت انکار کیا اور خطبہ پڑھا اس میں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلافت قریش میں ہے۔ یہ انکار اس بناء پر نہ تھا کہ کوئی غیر قریشی بادشاہ بھی نہیں ہو سکتا یہ تو جائز ہے کہ کوئی بادشاہ لوگوں پر تغلب کرے اور خلیفہ نہ ہو۔ بلکہ انکار کی وجہ یہ تھی کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ غیر قریشی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ لہذا حضرت امیر معاویہ نے خطبہ پڑھا کہ کوئی غیر قریشی خلیفہ نہیں ہو سکتا تو اس پر کسی صحابی یا تابعی نے انکار نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ ان سب کا یہی مذہب ہے۔

مہلب پھر ابن بطلال پھر عینی و عسقلانی و قسطلانی سب شروع صحیح بخاری میں فرماتے ہیں القحطانی اذا قام و لیس من بیت النبوة و لا من قریش الذین جعل اللہ فیہم الخلافة فہو من اکبر تغیر الزمان و تبدیل الاحکام .

جب قحطانی قائم ہوگا اور وہ نہ خاندان نبوت سے نہ قریش سے جن میں اللہ عزوجل نے خلافت رکھی ہے تو یہ ایک بڑا تغیر زمانہ اور احکام شریعت کی تبدیل ہوگا۔

امام اجل قاضی عیاض پھر امام ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں :

اشترط کونہ قرشیا ہو مذهب العلماء کافة و قد احتج بہ ابو بکر و عمر علی الانصار یوم السقیفة فلم ینکرہ احد و قد عدها العلماء فی مسائل الاجماع و لم ینقل عن احد من السلف فیہا قول و لا فعل ینخالف ما ذکرنا و کذلک من بعدہم فی جمیع الاعصار و لا اعتداء بقول النظام و من وافقہ من الخوارج و اهل البدع انہ یجوز کونہ من غیر قریش لما ہو علیہ من مخالفة اجماع المسلمین .

خلیفہ میں قرشی ہونے کی شرط جمیع علماء کا مذہب ہے اور بیشک اسی سے صدیق اکبر و فاروق اعظم نے روز سقیفہ انصار پر حجت قائم فرمائی اور صحابہ میں کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ اور بیشک علماء نے اسے مسائل اجماع میں گنا اور سلف صالح میں کوئی قول یا فعل اس کے خلاف منقول نہ ہوا۔ یوں ہی تمام زمانوں میں علمائے مابعد سے اور وہ جو نظام معتزلی اور خارجیوں اور بد مذہبوں نے کہا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہو سکتا ہے کچھ گنتی شمار میں نہیں کہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعة اللمعات میں فرماتے ہیں :

گفت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ می باشد امر خلافت در قریش یعنی می باید کہ در ایشان باشد و جائز نیست شرعاً عقد خلافت مر غیر ایشان را و بریں منعقد شد اجماع در زمن صحابہ و بایں حجت کردند مہاجر اں بر انصار۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی یعنی ان ہی میں رہنا چاہیے۔ ان کے علاوہ دوسرے کے لیے شرعاً خلافت جائز نہیں ہے اسی پر صحابہ کے زمانہ میں اجماع منعقد ہوا اور اسی سے مہاجرین نے انصار پر حجت و دلیل قائم کی۔ (مولف)

امام جلال الدین کی تاریخ الخلفاء میں ہے :

لم اورد احد من الخلفاء العبيدین لان امامتهم غير صحيحة لانهم غير

قریش۔

میں نے اس کتاب میں خلفاء عبیدہ سے کسی کا ذکر نہ کیا اس لیے کہ ان کی خلافت باطل ہے کہ وہ قرشی نہیں۔ (دوام العیش فی الائمة من قریش)



استقرار نطفہ زکیہ

و

مدت حمل

اللؤلؤ والنور السخزور السكونو النزی بكون منه النبي الزهاوی فی هذه اللبنة بمنقر فی بطن امه -
 خبردار! بے شک وہ مخفی نور جس سے نبی ہادی جلوہ گر ہوں گے وہ نور اس رات میں نبی مکرم کی والدہ ماجدہ
 کے بطن اطہر میں قرار پائے گا۔
 (المواہب اللدنیة ج ۱، ص ۱۱۸)

استقرار نطفہ زکیہ

یہ ایک دائمی اور ابدی حقیقت ہے کہ اول مخلوقات اور ساری کائنات کا ذریعہ اور تخلیق عالم و آدم علیہ السلام کا واسطہ نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اول ما خلق اللہ نوری (اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) اور تمام مکونات علوی و سفلی آپ ہی کے نور سے ہیں۔ آپ ہی کے جوہر پاک سے ارواح، شبیہات، عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت و دوزخ، ملک و فلک، انسان و جنات، آسمان و زمین، بحار و جبال اور تمام مخلوقات عالم ظہور میں آئی۔ اور باعتبار کیفیت تمام کثرتوں کا صدور اسی وحدت سے ہے اور اسی جوہر پاک سے ساری مخلوقات کا ظہور و بروز ہے۔

استقرار نطفہ زکیہ قول اصح کے بموجب ایام حج کے درمیانی تشریق کے دنوں میں شب جمعہ میں ہوا تھا۔ اسی بناء پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شب جمعہ، لیلة القدر سے افضل ہے اس لیے کہ اس رات سارے جہان اور تمام مسلمانوں پر ہر قسم کی خیر و برکت اور سعادت و کرامت جس قدر نازل ہوئی اتنی قیامت تک کسی رات میں نہ ہوگی بلکہ تا ابد کبھی نازل نہ ہوں گی۔ اور اگر اس لحاظ سے میلاد شریف کی رات کو شب قدر سے افضل جانیں تو یقیناً یہ رات اس کی مستحق ہے جیسا کہ علماء اعلام نے اس کی تصریح کی ہے۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ شب میلاد مبارک کو عالم ملکوت میں ندا کی گئی کہ سارے جہان کو انوار قدس سے منور کرو اور زمین و آسمان کے تمام فرشتے خوشی و مسرت میں جھوم اٹھے، اور داروغہ جنت کو حکم ہوا کہ فردوس اعلیٰ کو کھول دے اور سارے جہان کو خوشبوؤں سے معطر کر دے۔ اور زمین و آسمان کے ہر طبقہ اور ہر مقام میں مژدہ سنا دے کہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آج کی رات رحم آمنہ میں قرار پکڑا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ تمام خیرات و برکات، کرامات و سعادات، اور انوار و اسرار کا مصدر اور مبداء خلق عالم، اصل

اصول بنی آدم کی اس عالم میں تشریف آوری اور اس کے ظہور کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ یقیناً تمام جہان والوں کو منور و مشرف اور مسرور ہونا چاہیے۔

مروی ہے کہ اس رات کی صبح کو روئے زمین کے تمام بت اوندھے پائے گئے، شیاطین کا آسمان پر چڑھنا ممنوع قرار دیا گیا اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت الٹ دیے گئے۔ اور اس رات ہر گھر روشن و منور ہوا اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو انوار قدس سے جگمگانہ رہی ہو اور کوئی جانور ایسا نہ تھا جس کو قوت گویائی نہ دی گئی ہو اور اس نے بشارت نہ دی ہو۔ مشرق کے پرندوں نے مغرب کے پرندوں کو خوشخبریاں دیں۔

قریش کا حال یہ تھا کہ وہ شدید قحط اور عظیم تنگی میں مبتلا تھے چنانچہ تمام درخت خشک ہو گئے تھے اور تمام جانور نحیف و لاغر ہو گئے تھے، پھر حق تعالیٰ نے بارش بھیجی، جہاں بھر کو سرسبز و شاداب کیا، درختوں میں تروتازگی آئی، خوشی و مسرت کی ایسی لہر دوڑی کہ قریش نے اس سال کا نام ”سنۃ الفتح والابتناج“ رکھا۔

محدث ابو نعیم نے اپنی کتاب دلائل النبوة میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جس رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور نبوت حضرت عبد اللہ کی پشت اقدس سے حضرت آمنہ کے لطن مقدس میں منتقل ہوا روئے زمین کے تمام چوپایوں، خصوصاً قریش کے جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی اور انہوں نے بزبان فصیح اعلان کیا کہ آج اللہ کا وہ مقدس رسول شکم مادر میں جلوہ گر ہو گیا جس کے سر پر تمام دنیا کی امامت کا تاج ہے اور جو سارے عالم کو روشن کرنے والا چراغ ہے۔ مشرق کے جانوروں نے مغرب کے جانوروں کو بشارت دی، اسی طرح سمندروں اور دریاؤں کے جانوروں نے ایک دوسرے کو یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ (مولف)

(سیرت مصطفیٰ - مدارج النبوة جلد دوم)

استقرار نطفہ کی تاریخ و دن

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ استقرار نطفہ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس ماہ و کس تاریخ میں ہوا تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

بعض غرہ رجب کہتے ہیں، اسے خطیب نے سیدنا سہل التستری قدس سرہ سے روایت کیا۔

اور بعض دہم محرم، ابو نعیم و ابن عساکر عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت کرتے ہیں :

قال حمل برسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في عاشوراء المحرم وولد يوم الاثنين ثنتي عشرة من رمضان.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس محرم کو شکم مادر میں تشریف فرما ہوئے اور بارہویں رمضان روز دوشنبہ کو ولادت ہوئی۔ (مولف)

اقول: اس میں مسیب بن شریک ضعیف ہیں اور صحیح یہ ہے کہ ماہ حج کے بارہویں تاریخ۔ مدارج النبوة میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

اقول: اس کی موید ہے حدیث ابن سعد و ابن عساکر،

قال ابن سعد ان عبد الله دعته خثعمية فقالت هل لك في قال نعم حتى ارمى الجمره. الحديث.

ایک زن خثعمیہ نے حضرت عبد اللہ کو اپنی طرف بلا یاری جمار کا عذر فرمایا بعد رمی حضرت آمنہ سے مقاربت کی اور حمل اقدس مستقر ہوا پھر خثعمیہ نے دیکھ کر کہا کیا ہم بستری کی فرمایا ہاں کہا وہ نور کہ میں نے آپ کی پیشانی سے آسمان تک بلند دیکھا تھا نہ رہا آمنہ کو مژدہ دیجیے کہ ان کے حمل میں افضل

اہل زمین ہے۔

ظاہر ہے کہ رمی جمار نہیں ہوتی مگر حج میں۔

استقرار نطفہ زکیہ کا دن کیا تھا؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا فرماتے ہیں :

کہا گیا روز دوشنبہ، اسے زبیر بن بکار نے بیان کیا اور مجمع البحار کے تکملہ میں اسی پر جزم کیا ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ شب جمعہ تھی اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر و برکت و کرامت و سعادت جو اس میں ہے اس کے ہم سر نہ کبھی اتری نہ قیامت تک اترے وہاں تنزل الملائکة و الروح فیہا ہے یہاں مولائے ملائکہ و آقائے روح کا نزول اجلال عظیم الفتوح ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مدارج النبوة میں ہے :

استقرار نطفہ زکیہ در ایام حج بر قول اصح در اوسط ایام تشریق شب جمعہ بود و ازیں جہت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لیلۃ الجمعة را افضل تر از لیلۃ القدر دانستہ، الخ۔

اصح قول پر نطفہ زکیہ کا استقرار ایام حج اور ایام تشریق کے وسط میں شب جمعہ کو ہو اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل جانتے ہیں۔ (مولف)

(نطق الہلال بارخ ولاد الحبيب والوصال)

انبیاء کرام کے نطفے

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

منی مطلق ناپاک ہی ہے سوا ان پاک نطفوں کے جن سے تخلیق حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ و

السلام ہوئی اور خود انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نطفے، کہ ان کا پیشاب بھی پاک ہے یوں ہی تمام فضلات۔
(فتاویٰ رضویہ ۲/۱۶۱)

مدت حمل

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شکم مادر میں نو مہینے کامل رہے مادر محترمہ نے عام عورتوں کی طرح کسی قسم کی گرانی بار، درد اور طبیعت کی بد مزگی محسوس نہ کی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ میں حمل سے ہوں صرف اتنا تھا کہ حیض بند ہو گیا تھا۔ لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔ ابو نعیم نے دونوں روایتوں کی جمع تطبیق اس طرح کی ہے کہ ابتداء علوق میں نفل معلوم ہوتا تھا مگر مدت گزر جانے کے بعد حمل میں خفت محسوس ہونے لگی اور یہ دونوں باتیں خلاف عادت و دستور ہیں۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔

نیز ابو نعیم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاملہ ہونے کے دلائل میں سے ایک بات یہ تھی کہ قریش کے ہر چوپایہ نے اس رات گویائی کی اور کہا کہ قسم ہے خانہ کعبہ کے رب کی آج رات اللہ کا رسول حمل میں تشریف لایا ہے جو ساری دنیا کا امام اور تمام جہان والوں کا آفتاب ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ روئے زمین کے تمام چوپائے اس رات گویا ہوئے اور سب نے اسی طرح کی بشارت دی۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھی کہ کسی نے ندا دی اے آمنہ تم حمل سے ہو گویا کہ میں نہیں جانتی تھی کہ میں حمل سے ہوں۔ اس کے بعد بتایا کہ تم اس امت کے افضل سے حاملہ ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ساری مخلوق کے افضل سے حاملہ ہو۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں حمل سے ہوں۔ اور فرماتی ہیں کہ حمل کے ہر مہینہ میں آسمان وزمین کے درمیان میں یہ آواز سنا کرتی کہ

تمہیں مبارک ہو وہ وقت قریب آپہنچا ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں۔ جو صاحب خیر و برکت ہیں۔ یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔ (مولف) (مدارج النبوة دوم)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ مدت حمل کس قدر تھی؟

آپ نے فرمایا :

دہ و نہ و ہفت و شش ماہ سب کچھ کہا گیا اور صحیح نو مہینے ہیں۔

فی شرح الزرقانی للمواہب اختلاف فی مدة الحمل به صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقیل تسعة اشهر كاملة .

زرقانی کی شرح مواہب میں ہے کہ مدت حمل کے بارے میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ مدت حمل شریف پورے نو مہینے ہے۔ (مولف)

مغلطائی نے اسے ذکر کیا ہے۔ غرر میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

(نطق الہلال بارخ ولاد الحبيب والوصال)



ولادت طیبہ

صبح طیبہ میں ہوئی بٹا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولا من أنفسهم بنورا عليهم آتته ويزكهم وبعلمهم الكتاب
والحكمة و(١) كانوا من قبل لفي ضلال مبين.

بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے
اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

(آل عمران - ۱۶۴)

ولادت طیبہ

جمہور اہل سیر اور ارباب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارک عام الفیل کے چالیس یا پچپن دن کے بعد ہوئی ہے۔ یہ قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ ماہ ربیع الاول میں ولادت ہوئی ہے۔ اور بعض علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض بارہ بھی کہتے ہیں اور بعض دور ربیع الاول اور بعض آٹھ ربیع الاول کی رات گزرنے کے بعد کہتے ہیں۔ بہت سے علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض دس بھی کہتے ہیں لیکن پہلا قول یعنی بارہ ربیع الاول کا زیادہ مشہور و اکثر ہے۔ اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے ولادت شریف کے مقام کی زیارت اسی رات کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔

یہ ولادت مبارکہ بارہویں ربیع الاول کی رات روز دوشنبہ واقع ہوئی اور وحی کی ابتداء، ہجرت، مدینہ منورہ پہنچنا، فتح مکہ اور وفات شریف بھی روز دوشنبہ ہوئی اور وقت ولادت مبارک صبح صادق میں طلوع آفتاب سے پہلے اور غفر کے طلوع کے وقت ہوئی ”غفر“ منازل فجر کے تین چھوٹے ستاروں کو کہتے ہیں۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا وقت یہی ہے اور اکثر اخبار میں ولادت شریف کا وقت طلوع فجر ہے۔ اور بعض روایت میں رات بھی آیا ہے اس سے یہی طلوع فجر مراد ہے چوں کہ اس کو رات کے متصل شمار کر سکتے ہیں۔

مواہب لدنیہ میں شیخ بدرالدین زرکشی سے منقول ہے انھوں نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ ولادت شریف خوب روشن وقت میں ہوئی جو دن کی ابتداء ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ستارے ٹوٹے اور شہاب ثاقب جھڑے اسے رات پر محمول نہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ نبوت و ولادت کا زمانہ خوارق عادات اور معجزات کے ظہور کا زمانہ ہے لہذا ممکن ہے ستاروں وغیرہ کا ٹوٹنا دن میں ہوا ہو۔ اور بعض منجمین اور اس فن کے ماہرین ولادت شریف کی ساعت کو سب سے زیادہ سعید ساعت شمار کرتے ہیں اور روضۃ الاحباب میں

اسے بیان کیا گیا ہے۔

مگر حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی زمانہ کے ساتھ شرافت و بزرگی حاصل نہیں کی ہے بلکہ زمانہ نے آپ سے شرافت و بزرگی پائی ہے۔ جس طرح کہ دیگر مقامات مقدسہ ہیں کہ مکان کو مکین سے شرافت و بزرگی حاصل ہوتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کسی ایسے مہینہ میں نہیں ہوئی جو بزرگی و برکت کے ساتھ مشہور ہو جیسے ماہ محرم، ماہ رجب، ماہ رمضان وغیرہ جیسا کہ بعض شاذ روایتوں میں آیا ہے اور یہی حکمت دن کی ہے کیوں کہ تمام دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے اور اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس ساعت میں جو دعائیں مانگی جائیں مستجاب ہوں گی۔ لیکن یہ ساعت اس ساعت کو کہاں پہنچ سکتی ہے کہ جس ساعت میں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تولد فرمایا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے روز دوشنبہ کو جو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا دن ہے عبادت کے لیے خاص نہیں فرمایا جیسا کہ روز جمعہ کو مخصوص فرمایا جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن ہے۔ اس کی وجہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کرامت اور آپ کی امت پر آپ کے وجود باوجود کی عنایت کے سبب سے تخفیف ہے۔

ایک یہودی کی پکار

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا جب وہ رات آئی جس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ولادت فرمائی تو اس یہودی نے کہا اے گروہ قریش کیا آج کی رات تم میں کوئی فرزند پیدا ہوا ہے؟ قریشیوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں، اس یہودی نے کہا اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت

ہے۔ جس میں گھوڑے کی رگ کی مانند بال مجتمع ہیں پھر اس یہودی کو سیدہ آمنہ کے پاس لائے اس نے کہا اپنے فرزند کی زیارت کر او پھر اس نے پشت مبارک سے قمیص اٹھا کر علامت دیکھی تو وہ بے ہوش کر زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا خدا کی قسم بنی اسرائیل سے نبوت جاتی رہی۔ (اسے حاکم نے روایت کیا ہے)

ابونعیم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا میں نے یہ قصہ سنا اور دیکھا ہے کہ ایک یہودی صبح کے وقت اپنی قوم کو پکار رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا یہودیوں نے اس سے کہا تجھے کیا ہوا کیوں فریاد کر رہا ہے اور ہمیں بلا رہا ہے اس نے کہا آج کی رات احمد کے ستارے نے طلوع کر لیا ہے۔

شام کے محلات روشن ہو گئے

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت موجود تھی میں نے دیکھا ایک نور ظاہر ہوا جس نے گھر اور تمام درو دیوار کو نورانی کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آگئے ہیں میں نے خیال کیا کہ شاید وہ مجھ پر گر پڑیں گے، تمام گھر پر انوار ہو گیا۔

احادیث صحیحہ و مشہورہ میں آیا ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے شب ولادت میں دیکھا کہ ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے ان کو دیکھا۔

حلیمہ سعدیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضعہ سے مروی ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے ایک ستارہ عالم ظہور میں آیا جس سے ساری زمین روشن ہو گئی اور میں نے شام کے محلات دیکھے اور یہ فرزند پاک و صاف پیدا ہوا، کسی قسم کی آلائش و پلیدی نہ تھی۔ یہ روایت اس امر میں صریح ہے کہ ولادت شریف

عادت کے مطابق ہوئی جس طرح کہ تمام عورتوں کو ہوتی ہے، نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ فاخذ فی المنحاض تو مجھے دروزہ نے پکڑ لیا۔ اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف اپنی والدہ جن کا نام ”شفا“ تھا روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا جس وقت حضرت آمنہ سے فرزند پیدا ہوا تو وہ میرے ہاتھ میں آیا جو ختنہ شدہ تھا، پھر چھینک آئی اس پر کسی کہنے والے کی آواز سنی یہو حکم اللہ .

شفا بیان کرتی ہیں کہ شرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے اس وقت شام کے قصور و محلات دیکھے، ایک روایت میں روم کے محلات، اور ایک روایت میں شام کے محلات آئے ہیں، شام ہی زیادہ صحیح ہے کیوں کہ شام حضور کا ملک ہے اور کتب سابقہ میں آیا ہے اور شام کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔

مقامات متبرکہ کی سیر

اور شفا بیان کرتی ہیں کہ میں ڈری اور مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا، اس کے بعد ایک نور داہنی جانب سے ظاہر ہوا کسی کہنے والے نے کہا اسے کہاں لے گیا؟ دوسرے نے جواب دیا مغرب کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا پھر بائیں جانب سے بھی ایک نور ظاہر ہوا اس پر بھی کسی کہنے والے نے کہا اسے کہاں لے گیا دوسرے نے جواب دیا اسے میں مشرق کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کیا انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگایا اور طہارت و برکت کی دعا مانگی۔

شفا بیان کرتی ہیں یہ بات میرے دل میں ہمیشہ جاگزیں رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں اسلام لائی اور اولین و سابقین میں سے ہوئی۔

محمد نام رکھنے کی بشارت

نیز وہ سیدہ آمنہ کی بابت بیان کرتی ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا جب کہ چھ ماہ کی حاملہ تھی اس نے مجھ سے کہا اے آمنہ تم سارے جہان کی افضل سے حاملہ ہو جب تم سے وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا اور اپنے حال کو پنہاں رکھنا۔

اس روایت سے ظاہر و معلوم ہوتا ہے کہ محمد نام رکھنا آمنہ کی جانب سے ہوگا حالاں کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ یہ نام حضرت عبدالمطلب نے رکھا ہے تو ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

آمنہ کا خوف زائل ہو گیا

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ پر جب وہ حالت طاری ہوئی جو عام طور پر عورتوں کو وضع حمل کے وقت درد وغیرہ ہوتا ہے تو میں گھر میں تنہا تھی اور حضرت عبدالمطلب طواف میں تھے اس وقت میں نے ایک عظیم آواز سنی جس سے میں خوفزدہ ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا ایک مرغ سفید کا بازو میرے سینے کو مل رہا ہے تو میرا خوف اور وہ درد جاتا رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک سفید شربت کا پیالہ لایا گیا میں نے اسے پیا اور سکون و قرار حاصل ہوا، پھر میں نے نور کا ایک بلند مینار دیکھا اس کے بعد اپنے پاس بلند قامت والی عورتیں دیکھیں جن کا قد عبدمناف کی لڑکیوں کی مانند کھجور کی درختوں کی طرح ہے میں نے تعجب کیا یہ کہاں سے آگئیں اس پر ان میں سے ایک نے کہا، میں آسیہ فرعون کی بیوی ہوں۔ دوسری نے کہا میں مریم بنت عمران ہوں اور یہ عورتیں حور ہیں، اور میرا حال بہت سخت ہو گیا اور ہر گھڑی عظیم سے عظیم تر آوازیں سنتی جس سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ اسی حالت کے دوران میں نے دیکھا کہ ایک فرش زمین و آسمان کے درمیان کھینچا گیا اور میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان بہت سے لوگ کھڑے ہیں جن

کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں۔

پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کی ایک ڈار میرے سامنے آئی یہاں تک کہ میرا کمرہ ان سے بھر گیا۔ ان کی چونچیں زمر کی اور ان کے بازو یاقوت کے تھے اور حق تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا اور میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا اور میں نے دیکھا کہ تین علم ہیں ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کے اوپر نصب ہے پھر مجھے دروزہ ہوا اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) متولد ہوئے۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں اور دونوں انگشتہائے مسیحہ آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہیں اور تضرع کی مانند گریاں کناں ہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک ابر سفید دیکھا جس نے انھیں میری نظروں سے چھپا دیا اور میں نے کسی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا انھیں زمین کے مشارق و مغارب کی سیر کراؤ اور ان کے شہروں میں گشت کراؤ تاکہ وہاں کے رہنے والے آپ کے اسم مبارک اور نعت و صورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ آپ کی صفت ماحی ہے جو کہ شرک کے آثار کو محو و فنا کریں گے۔

آنچه خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایک اور حدیث میں ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لٹایا گیا تو میں نے ایک بہت بڑے نورانی ابر کو دیکھا جس میں گھوڑوں کے ہنہانے اور بازوؤں کے پھڑ پھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں یہاں تک کہ اس ابر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور میری نظروں سے غائب ہو گئے اس وقت میں نے ایک منادی کو ندا کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زمین کے جملہ گوشوں میں پھراؤ اور جن وانس کی روحوں پر گشت کراؤ۔ فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔ اور ان کو حضرت آدم کے اخلاق، حضرت شیث کی معرفت، حضرت نوح کی شجاعت، حضرت ابراہیم کی خلت، حضرت اسماعیل کی زبان، حضرت اسحاق کی

رضا، حضرت صالح کی فصاحت، حضرت لوط کی حکمت، حضرت یعقوب کی بشارت، حضرت موسیٰ کی شدت، حضرت ایوب کا صبر، حضرت یونس کی طاعت، حضرت یوشع کا جہاد، حضرت داؤد کا لحن اور آواز، حضرت دانیال کی محبت، حضرت الیاس کا وقار، حضرت یحییٰ کی عصمت اور حضرت عیسیٰ کے زہد کا پیکر بناؤ اور تمام نبیوں کے دریائے اخلاق میں غوطہ دو۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔

سیدہ آمنیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ ابر مجھ سے کھل گیا تو میں نے دیکھا کہ سبز ریشمی کپڑے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب لپٹے ہوئے ہیں اور چشمہ کی مانند اس حریر سے پانی ٹپک رہا ہے اور کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا پر کس شان سے بھیجا گیا، دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو آپ کی تابع فرمان نہ ہو۔ سب ہی کو آپ کے قبضہ قدرت میں دیا گیا ہے۔ پھر جب میں نے آپ کی طرف نظر کی تو میں نے دیکھا کہ گویا آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہیں اور آپ کے جسم اطہر سے مشک و عنبر کی لپٹیں آرہی ہیں، اوتھیں شخص کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے، دوسرے کے ہاتھ میں سبز مرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے، اس کے بعد انھوں نے ایک انگشتری نکالی جس سے دیکھنے والوں کی نظریں جھپک گئیں، پھر اسے سات مرتبہ دھویا اور اس انگشتری سے آپ کے شانوں کے درمیان مہر کیا اور حریر میں لپیٹ کر اٹھالیا اور کچھ دیر اپنے آغوش میں لے کر میرے سپرد کر دیا۔

جس کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی

حضرت عبدالمطلب سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں شب ولادت کعبہ کے پاس تھا جب آدھی رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ مقام ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کیا اور اس سے تکبیر کی آواز آئی کہ اللہ اکبر اللہ اکبر رب محمد المصطفیٰ الآن قد طهرنی ربی من انجاس الاصنام

وارجاس المشو کین .

اللہ بلند و بالا ہے، اللہ بلند و بالا ہے۔ وہ رب ہے محمد مصطفیٰ کا اب مجھے میرا رب بتوں کی پلیدی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک فرمائے گا۔

اور غیب سے آواز آئی رب کعبہ کی قسم! کعبہ کو برگزیدگی ملی، خبردار ہو جاؤ کعبہ کو ان کا قبلہ، ان کا مسکن ٹھہرایا، اور وہ بت جو کعبہ کے گردا گرد نصب تھے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب سے بڑا بت جسے ببل کہتے تھے منہ کے بل گر پڑا۔ ندا آئی کہ سیدہ آمنہ سے محمد مصطفیٰ پیدا ہو گئے اور ابر رحمت ان پر اتر آیا ہے۔

حضور ختنہ شدہ پیدا ہوئے

جمہور اہل سیر کا مذہب ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان تمام عزت و کرامت میں سے جو رب العزت کے حضور مجھے حاصل ہے یہ ہے کہ میں ختنہ کردہ پیدا ہوا اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ ارشاد ختنہ شدہ پیدا ہونے کی حکمت کی جانب ایک اشارہ ہے۔

بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں تاکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمال خلقت اور تکمیل اعضاء میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہ ہو۔ نیز یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی عیب آپ کی طرف منسوب نہ ہو، بعض متأخرین نے اس کا انکار کیا ہے اور اس حدیث پر جرح کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ذہبی کہتے ہیں کہ جب اس کی صحت میں ہی کلام ہے تو متواتر کیسے ہوگی۔ اور بعض نے تواتر کو معنوی اور لغوی شہرت پر محمول کیا ہے۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بلکہ

بکثرت لوگ اس ہیئت پر پیدا ہوئے ہیں۔

بعض اہل سیر نقل کرتے ہیں کہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کی ختنہ اس وقت کی جب کہ انھوں نے شق صدر مبارک کر کے تطہیر قلب انور کی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے ساتویں دن ختنہ کر کے مہمان نوازی کی۔

حیرت انگیز نشانیاں

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے وقت جس قدر کرامتیں اور نشانیاں ظاہر ہوئیں وہ حیطہ بیان اور گنتی و شمار سے باہر ہیں اور جتنا کچھ بیان کیا گیا ہے ان کا یہ کچھ حصہ ہے۔

سب سے زیادہ مشہور و روشن اور حیرت و تعجب میں ڈالنے والی بات کسریٰ کے محل کا لرزنا، کانپنا اور اس کے چودہ کنگرے کا گر پڑنا ہے۔

انھیں نشانیوں میں سے دریائے ساوہ کا خشک ہونا اور اس کا پانی زمین میں چلا جانا اور اس نالے کا جاری ہونا جسے وادی ساوہ کہتے ہیں جو ہزار برس سے خشک تھا فارسیوں کے آتش کدہ کی آگ کا بجھ جانا ہے جو ہزار برس سے روشن تھی انھیں نشانیوں میں سے بتوں کا اوندھے منہ گرنا اور ان کا ذلیل و خوار ہونا ہے۔

حضرت آمنہ کی وفات

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چھ برس کی ہو گئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کے دادا کے نانہال بنو عدی بن نجار میں رشتہ داروں کی ملاقات یا اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کی باندی ام ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں وہاں سے واپسی پر ”ابواء“ نامی گاؤں میں حضرت بی بی آمنہ کی وفات ہو گئی

اور وہ وہیں مدفون ہوئیں والد ماجد کا سایہ تو ولادت سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا اب والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ بھی ہو گیا لیکن حضرت بی بی آمنہ کا یہ درمیتیم جس آغوش رحمت میں پرورش پا کر پروان چڑھنے والا ہے وہ ان سب ظاہری اسباب تربیت سے بے نیاز ہے۔

حضرت بی بی آمنہ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن آپ کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا اور دادا نے آپ کی اپنے آغوش تربیت میں انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کی اور حضرت ام ایمن آپ کی خدمت کرتی رہیں۔ جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی ہو گئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔

اللہ اللہ وہ بچنے کی پھین

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ آپ کا گہوارہ یعنی جھولا فرشتوں کے ہلانے سے ہلتا تھا اور آپ بچپن میں چاند کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرماتے تھے تو چاند آپ کی انگلی کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا۔ جب آپ کی زبان کھلی تو سب سے اول جو کلام آپ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔

اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد لله رب العالمین و سبحان الله بكرة و اصیلا.

بچوں کی عادت کے مطابق کبھی بھی آپ نے کپڑوں میں بول و براز نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ ایک معین وقت پر رفع حاجت فرماتے اگر کبھی آپ کی شرمگاہ کھل جاتی تو آپ رو رو کر فریاد کرتے اور جب تک شرمگاہ نہ چھپ جاتی آپ کو چین و قرار نہیں آتا تھا اور اگر شرمگاہ چھپانے میں مجھ سے کچھ تاخیر ہو جاتی تو غیب سے کوئی آپ کی شرمگاہ چھپا دیتا۔ جب آپ اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہوئے تو باہر نکل کر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے مگر خود کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے لڑکے آپ کو کھیلنے کے لیے بلاتے تو آپ فرماتے کہ میں کھیلنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔ (مولف)

(مدارج النبوة، جلد دوم، سیرت مصطفیٰ)

ولادت اقدس کی تاریخ و تفصیل

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ

ولادت شریف کا دن کیا تھا؟ آپ نے فرمایا:

بالاتفاق دوشنبہ، علامہ ابن حجر نے افضل القرئی میں اس کی صراحت کی ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم پیر کے دن کو فرماتے ہیں ذلک یوم ولدت فیہ .

میں اسی دن پیدا ہوا ہوں۔ اسے مسلم نے ابوقادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

کیا مہینہ تھا؟ آپ نے فرمایا:

رجب، صفر، ربیع الآخر، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح و مشہور قول جمہور ربیع الاول ہے۔

مدارج میں ہے مشہور آنت کہ در ربیع الاول بود۔

مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول میں ولادت اقدس ہوئی۔ (مؤلف)

شرح الہمز یہ میں ہے الاصح فی شہر ربیع الاول

مواہب میں ہے و هو قول جمہور العلماء پھر کہا فی ربیع الاول علی الصحیح

شرح زرقانی میں ہے قال ابن کثیر هو المشہور عند الجمہور اسی میں ہے و علیہ

العمل .

حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی

یہی جمہور علماء کا قول اور اسی پر عمل ہے۔ (مؤلف)

علماء با آں کہ اقوال مذکورہ سے آگاہ تھے محرم و رمضان و رجب کی نفی فرمائی۔

مواہب میں ہے لم یکن فی المحرم و لا فی رجب و لا رمضان .

شرح ام القرئی میں ہے لم یکن فی الاشهر الحرم او رمضان

یعنی ولادت اقدس نہ محرم و رجب میں ہوئی نہ رمضان میں۔ (مولف)

یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی اور ابن جرار نے اسی پر اجماع نقل کیا۔

نسیم الریاض میں تلیح سے ہے۔ اتفقوا علی انه ولد یوم الاثنین فی شهر ربیع الاول

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز دو شنبہ ماہ ربیع الاول میں

پیدا ہوئے۔ (مولف)

اسی طرح ان کی صفوة میں ہے جیسا کہ زرقانی اور ابن جرار نے صراحت کی ہے۔

پس اس کا انکار اگر تر جیحات علماء و اختیار جمہور کی ناواقفی سے ہو تو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے

بدتر، فقیر (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی) کہتا ہے مگر اس تقدیر پر استقرار حمل بمآذی الحجج میں صریح

اشکال کہ دربارہ حمل چھ مہینے سے کمی عادتہ محال، اور خود او پر گزرا کہ مدت حمل شریف نہ ماہ ہونا صحیح الاقوال تو

یہ تینوں تسمیہیں کیوں کر مطابق ہوں۔

لکنی اقوال و باللہ التوفیق . مہینے زمانہ جاہلیت میں معین نہ تھے اہل عرب ہمیشہ شہر حرم کی

تقدیم تاخیر کر لیتے اس کے سبب ذی الحجہ ہر ماہ میں ذورہ کر جاتا۔ قال اللہ تعالیٰ انما النسی زیادۃ فی

الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما و یحرمونہ عاما لیواطئوا عدا ما حرم اللہ

فیحلوا ما حرم اللہ

ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ نے حرام فرمائی۔ (کنز الایمان)

یہاں تک کہ صدیق اکبر و مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہما نے جو ہجرت سے نویں سال حج کیا وہ مہینہ واقع میں ذی قعدہ تھا۔ (اس پر اعتراض ہے کہ بروز عرفہ صدیق و مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اعلان احکام الہیہ فرمایا جسے رب عزوجل نے و اذان من اللہ و رسوله الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بری من المشرکین و رسوله فرمایا اگر وہ ذی الحجہ نہ ہوتا تو ایسا نہ فرماتا) سال دہم میں ذی الحجہ اپنے ٹھکانے سے آیا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج فرمایا اور ارشاد کیا ان الزمان قد استدار کھیاتہ یوم خلق السموات و الارض الحدیث۔

یعنی زمانہ دورہ کر کے اسی حالت پر آ گیا جس پر روز تخلیق زمین و آسمان تھا بخاری و مسلم نے اسے روایت کیا۔

اسی دن سے نسبی نسیا منسیا ہو اور یہی دورہ دو ازودہ ماہ قیامت تک رہا تو کچھ بعید نہیں کہ اس ذی الحجہ سے ربیع الاول تک نو مہینے ہوں شاید شیخ محقق اسی نکتہ کی طرف مشیر ہیں کہ زمانہ استقرار مبارک کو ایام حج سے تعبیر کیا نہ ذی الحجہ سے اگرچہ اس وقت کے عرف میں اسے ذی الحجہ بھی کہنا ممکن تھا۔

اقول: اب مسئلہ ثالثہ و خامسہ کی تصحیحوں پر مسئلہ اولیٰ کا جواب ۱۲ جمادی الآخرہ ہوگا مگر جاہلیت کا دورہ نسبی اگر منتظم مانا جائے یعنی علی التوالی ایک ایک مہینہ ہٹاتے ہوں تو سال استقرار حمل اقدس ذی الحجہ شعبان میں پڑتا ہے نہ کہ جمادی الآخرہ میں کہ ذی الحجہ حجۃ الوداع شریف جب عمر اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تریسٹھواں سال تھا ذی الحجہ میں آیا تو ۱۲-۱۲ کے اسقاط سے جب عمر اقدس سے تیسرا سال

تھا ذی الحجہ میں ہوا اور دوسرا سال ذیقعدہ اور پہلا سال شوال ولادت شریفہ رمضان اور سہال استقرار حمل مبارک شعبان میں لیکن ان نامنتظموں کی کوئی بات منتظم نہ تھی جب جیسی چاہتے کر لیتے، شیرے لوگ جب لوٹ مار چاہتے، اور مہینہ ان کے حسابوں میں اشہر حرم سے ہوتا اپنے سردار کے پاس آتے اور کہتے اس سال یہ مہینہ حلال کر دے وہ حلال کر دیتا اور دوسرے سال گنتی پوری کرنے کو حرام ٹھہرا دیتا۔ جیسا کہ اسے ابن جریر و ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

تو اس سال جمادی الآخرہ میں ذی الحجہ ہونا کچھ بعید نہیں۔

فائدہ

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

سائل نے یہاں تاریخ سے سوال نہ کیا، اس میں اقوال بہت مختلف ہیں دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس، سات قول ہیں مگر اشہر و اکثر و ماخوذ و معتبر بارہ ہوں ہے مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ کو مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں۔ جیسا کہ مواہب اور مدارج النبوة میں ہے۔ اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔

علامہ قسطلانی و فاضل زرقانی فرماتے ہیں المشہور انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول و هو قول محمد بن اسحاق امام المغازی وغیرہ۔

مشہور یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز دو شنبہ کو دنیا میں تشریف لائے امام مغازی محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ (مولف)

شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے۔ هو المشہور عند الجمهور۔

اسی میں ہے۔ ہو الذی علیہ العمل .

شرح الہمزیۃ میں ہے :

هو المشهور و علیہ العمل .

(مؤلف) یعنی یہی جمہور کے نزدیک مشہور اور اسی پر عمل ہے۔

اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقبول کے لیے شان عظیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فرماتے ہیں الفطر یوم یفطر الناس و الاضحی یوم اضحی الناس

عید الفطر اس دن ہے جس دن لوگ عید کریں اور عید اضحیٰ اس روز ہے جس روز لوگ عید سمجھیں۔

اسے ترمذی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

ابوداؤد اور بیہقی نے بسند صحیح ابو ہریرہ سے اور شافعی مسند میں مرسل راوی، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم، فطرکم یوم تفترون و اضحاکم یوم تضحون .

ترمذی میں بسند حسن شروع میں یہ زائد ہے، الصوم یوم تصومون، الحدیث .

سنن بیہقی میں عطا کی روایت میں یہ زیادہ ہے۔ و عرفۃ یوم تعرفون .

یعنی مسلمانوں کا روزہ، عید الفطر، عید اضحیٰ، روز عرفہ سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال

کریں فی الواقع اگرچہ ایسا نہ ہو اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی قبلہ بھول جائے تو جہت تخری اس کا قبلہ ہے۔

(مؤلف)

لاجرم، عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے قول و عمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے۔

شمسی تاریخ کیا تھی؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

ولادت اقدس ہجرت مقدسہ سے ۵۳ برس پہلے ہے۔ مرفوع ۶۰ سال ۵ ہند اک مرفوع سال
مرکا ۵ کہ ۱۸۷۸ یوم ہوئے یعنی اس سال کا محرم وسطے سال ہجرت کے محرم وسطے سے اتنے دن پہلے تھا
سات پر تقسیم کیے سے کچھ نہ بچا اور ابتدائے سال ہجری۔ بحساب اوسط پنجشنبہ ہے تو ان ایام مذکورہ کا پچھلا
دن چہار شنبہ تھا اور جب کہ یہ پورے ہفتے ہیں تو ان کا پہلا دن پنجشنبہ تھا اور جب اس سال کا مدخل پنج شنبہ
ہو تو اس ربیع الاول کا مدخل یک شنبہ تو دو شنبہ کونویں تھی یعنی یکم وسطے وہ ہلالی سے ایک دن پہلے ہوئی اب
مابین التاریخین ہماری تحقیق میں ا ح ح ل ط ہے ۵ ل ح از ۷ ل ح - محرم و صفر نط - ط ربیع الاول - زنا مو -
۵۰۰۵ سال ۷ ح مط ر ر ضر ۷۰ سال رورا ۷ مارچ ال ک تاریخ مطلوب بستم اپریل ۱۷۱۵ء معرفت یوم
ہماری جداول سے ۵۷۱-۳۳۶-۲۳۵-۲۸ باقی ۱۱ پس جدول ر میں مقابل ۱۱ دیکھا مدخل ۱۷۱۵ء پنجشنبہ ہوا
اور مدخل اپریل چہار شنبہ پس بستم اپریل دو شنبہ و هو المطلوب۔ (نطق الہلال بارخ ولاد الحبيب والوصال)

۱۲ ربیع الاول میں اظہار مسرت کا حکم

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول شریف یوم دو شنبہ کو ہے اور اسی میں وفات
شریف ہے تو ائمہ نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ غم پروری کا حکم شریعت نہیں دیتی۔ (المملفوظ حصہ دوم)

ولادت کی خوشی سے ابولہب کو فائدہ ہوا

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر جب ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے اس کو سنائی
اس وقت ابولہب نے خوش ہو کر ثویبہ کو آزاد کر دیا، پھر کئی دن تک ثویبہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو دودھ پلایا پھر ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا اور
پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے؟ بولا آگ میں ہوں لیکن ہر دو شنبہ کی رات کو تخفیف ہوتی ہے اور ان دو انگلیوں سے
پانی چوستا ہوں جن کے اشارے سے میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ یہ روایت صحیح بخاری شریف میں ہے ائمہ

نے اسے مقبول رکھا اور اس میں قرآن عظیم کی اصلاً مخالفت نہیں۔ اس کا سبب حضور پر نور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاقہ اور حضور کی ولادت کریمہ پر خوشی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲، ص ۲۶۱)

ذکر میلاد مبارک

ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

مسلمانوں کو جمع کر کے ذکر ولادت اقدس و فضائل علیہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنانا، ولادت اقدس کی خوشی کرنی، اس میں حاضرین کو کھانا یا شرینی تقسیم کرنی بلاشبہ جائز و مستحب ہے اور جائز زینت فی نفسہ جائز اور بہ نیت فرحت ولادت شریفہ و تعظیم ذکر انور قطعاً مستحب۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: و اما بنعمة ربك فحدث

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

اور فرماتا ہے: و ذکرهم بايام الله

اور انھیں اللہ کے دن یاد دلا۔

اور فرماتا ہے: قل بفضل الله و برحمته فبذلك فليفرحوا.

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲، ص ۲۶۲)

ایک مقام پر یہی مضمون اس طرح ہے۔

مولود شریف کرنا اور محفل میلاد میں خاص وقت ذکر ولادت شریف حضور پر نور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کھڑے ہونا اور لوگوں کو کھڑے ہونے کے لیے حکم دینا اور نعتیہ اشعار خوش الحانی سے پڑھنا، یہ سب باتیں جائز و مستحسن و باعث برکات ہیں اور ان کی اصل قرآن عظیم کے ان احکام کا ماننا ہے۔

کہ اما بنعمة ربك فحدث

اپنے رب کی نعمت لوگوں کے سامنے خوب بیان کرو۔

و ذکرہم بايام اللہ .

انھیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔

قل بفضل اللہ و برحمته فبذلك فليفرحوا .

تم حکم دو کہ اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت کی خوشی منائیں۔

لتؤمنوا باللہ و رسوله و تعزروه و توقروه .

تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۱، ص ۳۸)

حضور اللہ کی نعمت ہیں

ان آیتوں میں حکم فرماتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر شادیاں مناؤ، لوگوں کو اللہ کے دن یاد دلاؤ، اللہ کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ اللہ کا کون سا فضل و رحمت کون سی نعمت اس حبیب کریم علیہ و علی آلہ افضل الصلوة والتسلیم کی ولادت سے زائد ہے کہ تمام نعمتیں، تمام رحمتیں، تمام برکتیں اسی کے صدقے میں عطا ہوئیں۔ اللہ کا کون کون سا دن اس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور پر نور کے دن سے بڑا ہے تو بلا شبہ قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے کہ ولادت اقدس پر خوشی کرو، مسلمانوں کے سامنے اسی کا چرچا خوب زور شور

سے کرو، اسی کا نام مجلس میلاد ہے۔

تعظیم حضور کا حکم مطلق ہے

آخری آیت میں اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا حکم مطلق فرماتا ہے اور قاعدہ شرعیہ المطلق یجری علی اطلاقہ جو بات اللہ عزوجل نے مطلق ارشاد فرمائی وہ مطلق حکم عطا کرے گی۔ جو جو کچھ اس مطلق کے تحت میں داخل ہے سب کو وہ حکم شامل ہے۔ بلا تخصیص شرع جو اپنی طرف سے کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرے گا وہ کتاب اللہ کو منسوخ کرتا ہے۔ جب ہمیں تعظیم حضور اقرس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم مطلق فرمایا تو جمیع طرق تعظیم کی اجازت ہوئی۔ جب تک کسی خاص طریقے کو شریعت منع نہ فرمائے۔ یوں ہی رحمت پر فرحت، ایام الہی کا تذکرہ، نعمت ربانی کا چرچا، یہ بھی مطلق ہیں جس جس طریقہ سے کیے جائیں سب امتثال امر الہی ہیں جب تک شرع مطہر کسی خاص طریقہ پر انکار نہ فرمائے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۶۸)

مجلس میلاد میں حضور تشریف فرما ہوتے ہیں

ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

امام خاتم الحفاظ جلال المملۃ والدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تنویر میں فرماتے ہیں:

قد اخبرنی الثقات من اهل الصلاح انہم شاہدوہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرارا عند قراءۃ المولود الشریف و عند ختم القرآن و بعض الاحادیث .

مجھے ثقہ صالحین نے خبر دی کہ انہوں نے بارہا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجلس میلاد شریف و جلسہ ختم قرآن عظیم و بعض احادیث میں مشاہدہ کیا۔

نیز امام ممدوح تنویر پھر امام محدث جلیل زرقانی شرح المواہب شریفہ میں فرماتے ہیں:

انه و سائر الانبياء اذن لهم في الخروج من قبورهم للتصرف في الملكوت
العلوى و السفلى .

بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلاہ والسلام کو اجازت ہے کہ
آسمان وزمین کی سلطنت الہی میں تصرف فرمانے کے لیے اپنے مزارات طیبہ سے باہر تشریف لے جائیں۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں و نحوه یاتی للمصنف فی غیر موضع من هذا الكتاب

یعنی اسی کے مثل امام احمد قسطلانی نے مواہب شریفہ میں جا بجا تصریح فرمائی ہے۔

امام ابن حجر مکی فتاویٰ کبریٰ باب الجنائز میں فرماتے ہیں روح نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم ربما تظہر فی سبعین الف صورة .

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس بارہا ستر ہزار صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

حضور عین نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس تو بلند و بالا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۱، ص ۸۲)

ربیع الاول مسرت کا مہینہ ہے

علامہ سیدی محدث محمد طاہر فتنی قدس سرہ الشریف آخر کتاب مستطاب مجمع بحار الانوار میں فرماتے

ہیں۔

شهر السرور و البهجة مظهر منبع الانوار و الرحمة شهر ربیع الاول فانه شهر

امرنا باظهار السرور فيه كل عام فلا نكدره باسم الوفاة فانه يشبه تجديد الماتم و قد

نصوا على كراهته كل عام في سيدنا الحسين مع انه ليس له اصل في امهات البلاد

الاسلامیة و قد تحاشوا عن اسمه فی اعراس الاولیاء فکیف به فی سید الاصفیاء صلی
الله تعالیٰ علیہ وسلم .

یعنی ماہ مبارک ربیع الاول خوشی و شادمانی و سرچشمہ انوار و رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ ظہور
ہے ہمیں حکم ہے کہ ہر سال اس میں خوشی ظاہر کریں تو ہم اسے وفات کے نام سے مکر نہ کریں کہ یہ تجدید ماتم
کے متشابہ ہے۔ اور بے شک علماء نے تصریح کی کہ ہر سال جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماتم کیا جاتا
ہے اور خاص اسلامی شہروں میں اس کی اصل نہیں اور اولیائے کرام کے عرسوں میں نام ماتم سے احتراز
کرتے ہیں تو حضور پر نور سید الاصفیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملہ میں اسے کیوں کر پسند کر سکتے ہیں۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مواہب لدنیہ شریف میں تصریح فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح شریف الحان خوش کے ساتھ سننا محبت حضور کو ترقی دیتا ہے اور ولادت اقدس پر اظہار
فرحت و سرور خود قرآن سے مامور، قال الله تعالیٰ قل بفضل الله و برحمته فبذلك
فلیفرحوا .

تم فرماؤ کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت چاہئے کہ اسی پر فرحت و سرور کریں۔

انسان العیون میں ہے بعض صالحین خواب میں زیارت جمال اقدس سے مشرف ہوئے عرض کی یا
رسول اللہ یہ جو لوگ ولادت حضور کی خوشی کرتے ہیں فرمایا من فرح بنا فرحنا بہ .
جو ہماری خوشی کرتا ہے ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ذکر نبی ذکر خدا ہے

ایک مقام پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

ذکر حضور سید لہجو بن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ایمان و سرور جان ہے، ان کا ذکر بعینہ ذکر رحمن ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ورفنا لک ذکرک .

حدیث میں ہے اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد سیدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر بارگاہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئے اور عرض کی حضور کا رب فرماتا ہے اتدری کیف رفعت لک ذکرک .

کیا تم جانتے ہو میں نے کیسے بلند کیا تمہارے لیے تمہارا ذکر۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کی اللہ اعلم ارشاد ہوا۔ جعلتک ذکر من ذکرى فمن ذکرک فقد ذکرنى .

اے محبوب میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا کہ جس نے تمہارا ذکر کیا بے شک اس نے میرا ذکر کیا۔

اور ماہ ربیع الاول شریف اس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ جیسے دور قرآن و ختم قرآن کے لیے ماہ رمضان کہ اسی مہینے میں اترا۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن .

یہاں اس عالم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رونق افروز ہونا ماہ ربیع الاول میں ہوا و لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز جاں افروز دو شنبہ کو روزہ شکر کے لیے خاص فرماتے اور اس کی وجہ یوں ارشاد فرماتے کہ فیہ ولدت و فیہ انزل علی .

اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر کتاب اتری۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۶۳، ۶۴، ۶۵)

ماہ ربیع الاول میں ولادت کی حکمت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی چیز سے شرف نہ پایا بلکہ جو چیز حضور کی طرف منسوب

ہوگئی اسے شرف مل گیا۔

اللہ عزوجل غیر افضل اشیاء کو بھی اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے تاکہ ان اشیاء کو فضل حاصل ہو، لہذا ولادت اقدس ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی نہ ماہ مبارک رمضان میں اور روز جاں افروز دوشنبہ ہوئی نہ روز مبارک جمعہ اور مکان مولد اقدس میں ہوئی نہ کعبہ معظمہ میں۔

(فتاویٰ رضویہ، ص ۵۵۲۔ النور والنورق)

مقامات انبیاء کی سیر

ابونعیم نے دلائل النبوة میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

حضرت آمنہ والدہ ماجدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتی ہیں جب حضور پیدا ہوئے ایک ابر آیا جس میں سے گھوڑوں اور پرندوں کے پروں کی آواز آتی تھی وہ میرے پاس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے گیا اور میں نے ایک منادی کو پکارتے سنا۔

طوفوا بمحمد علی موالد النبیین .

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کے مقامات ولادت میں لے جاؤ۔ (فتاویٰ افریقہ ۶۸)

ابولہب کے عذاب میں تخفیف

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقسام شفاعت سے وہ تخفیف عذاب ہے جو ابولہب کو بروز دوشنبہ ملتی ہے۔

لسروره بولادة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و اعتاقه ثوية حين بشره و

انما ہی کرامۃ لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

اس لیے کہ اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کی خوشی کی اور اس کا مژدہ سن کر
ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ یہ حضور ہی کا فضل ہے جس کے باعث اس نے تخفیف پائی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(شرح المطالب فی بحث ابی طالب)

وقت ولادت نور کی تابانی

احادیث کثیرہ مشہورہ میں وارد جب حضور پیدا ہوئے ان کی روشنی سے بصرہ، روم اور شام کے محل
روشن ہو گئے۔ چند روایتوں میں ہے۔

اضاء لہ ما بین المشرق و المغرب

شرق و غرب تک منور ہو گیا۔

اور بعض میں ہے۔

امتلاّت الدنیا کلھا نورا.

تمام دنیا نور سے بھر گئی۔

حضرت آمنہ حضور کی والدہ فرماتی ہیں :

رأیت نورا ساطعا من رأسه قد بلغ السماء .

میں نے ان کے سر سے ایک نور بلند ہوتا دیکھا کہ آسمان تک پہنچا۔

علامہ فاسی مطالع المسرات میں علامہ ابن سبع سے نقل کرتے ہیں۔

كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يضي البيت المظلم من نوره .

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے خانہ تار یک روشن ہو جاتا۔

(نفی الفی عمن استنار بنورہ کل شیء)

وقت ولادت رضوان کی بشارت

امام ابو زکریا یحییٰ بن عائد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قصہ ولادت اقدس میں فرماتی ہیں مجھے تین شخص نظر آئے گویا آفتاب ان کے چہروں سے طلوع کرتا ہے ان میں ایک نے حضور کو اٹھا کر ایک ساعت تک اپنے پروں میں چھپایا اور گوش اقدس میں کچھ کہا کہ میری سمجھ میں نہ آیا اتنی بات میں نے بھی سنی کہ عرض کرتا ہے۔

ابشر یا محمد فما بقی لنبی علم الا وقد اعطیته فانت اکثرهم علما و اشجعهم قلبا معک مفاتیح النصر قد البست الخوف و الرعب لا یسمع احد بذکرک الا وجل فوادہ و خاف قلبہ و ان لم یرک یا خلیفۃ اللہ .

اے محمد مژدہ ہو کہ کسی نبی کا کوئی علم باقی نہ رہا جو حضور کو نہ ملا ہو تو حضور ان سب سے علم میں زائد اور شجاعت میں فائق ہیں جو نصرت کی کنجیاں حضور کے ساتھ ہیں حضور کو رعب و دبدبہ کا جامہ پہنایا ہے جو حضور کا نام پاک سنے گا اس کا جی ڈر جائے گا اور دل سہم جائے گا اگرچہ حضور کو دیکھا نہ ہو اے اللہ کے نائب۔

ابن عباس فرماتے ہیں:

كان ذلك رضوان خازن الجنان .

(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)

یہ رضوان داروغہ جنت تھے۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔

محمد و احمد نام رکھنے کی بشارت

ابو نعیم حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث طویل میلاذ جمیل میں راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب حمل اقدس میں چھ مہینے گزرے ایک شخص نے سوتے میں مجھے ٹھوکر ماری اور کہا۔

یا آمنۃ انک قد حملت بخیر العالمین طر اذا ولدته فسمیه محمدا .

اے آمنہ تمہارے حمل میں وہ ہے جو تمام جہان سے بہتر ہے جب پیدا ہوں ان کا نام محمد رکھنا۔
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ابو نعیم حضرت بریدہ و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایام حمل مقدس میں خواب دیکھا کوئی کہنے والا کہتا ہے۔

انک قد حملت بخیر البریۃ و سید العلمین فاذا ولدته فسمیه احمد و محمدا .

تمہارے حمل میں بہتر عالم و سردار عالمیاں ہیں پیدا ہوں تو ان کا نام احمد و محمد رکھنا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ابن سعد حسن بن جراح زید بن اسلم سے راوی، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جناب حلیمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہا سے فرمایا مجھ سے خواب میں کہا گیا۔

انک ستلدین غلاما فسمیه احمد و هو سید العالمین .

عنقریب تمہارے لڑکا ہوگا ان کا نام احمد رکھنا وہ تمام عالم کے سردار ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(تجلی الیقین)

ایک راہب کا استفسار

بیہقی و طبرانی و ابو نعیم اور خرائطی کتاب الھوائف میں خلیفہ بن عبدہ سے راوی میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے پوچھا جاہلیت میں کہ ابھی اسلام نہ آیا تھا تمہارے باپ نے تمہارا نام محمد کیوں کر رکھا اور سفیان ابن مجاشع بن دارم اور عمر بن ربیعہ اور اسامہ بن مالک جب ملک شام پہنچے ایک تالاب پر اترے جس کے کنارے بیڑ تھے ایک راہب نے اپنے دیر سے ہمیں جھانکا اور کہا تم کون ہو ہم نے کہا اولاد مضر سے کچھ لوگ ہیں تو اس نے کہا۔

اما انہ سوف یبعث منکم و شیکانی فسار عوا الیہ و خذوا بحظکم منہ
ترشدوا فانہ خاتم النبیین .

سننے ہو عنقریب بہت جلد تم میں سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے تم اس کی طرف دوڑنا اور اس کی خدمت و اطاعت سے بہریاب ہونا کہ وہ سب میں پچھلا نبی ہے ہم نے کہا اس کا نام پاک کیا ہوگا کہا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب ہم اپنے گھروں کو واپس آئے سب کے ایک لڑکا ہوا اس کا نام محمد رکھا۔ واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ .

بشارت میلاد الرسول

ابو نعیم بطریق شہر بن حوشب اور ابن عساکر بطریق مسیب بن رافع وغیرہ حضرت کعب احبار سے راوی، انھوں نے فرمایا میرے باپ اعلم علمائے توراہ تھے اللہ عزوجل نے جو کچھ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا وہ اپنے علم سے کوئی شے مجھ سے نہ چھپاتے جب مرنے لگے مجھے بلا کر کہا اے میرے بیٹے تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تجھ سے نہ چھپائی مگر ہاں دو ورق روک

رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آ پہنچا میں نے اس اندیشے سے تجھے ان دو ورقوں کی خبر دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو تو اس کی پیروی کر لے۔ یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے اس میں وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگادی ہے ابھی ان سے تعرض نہ کرنا نہ انھیں دیکھنا جب وہ نبی جلوہ فرما ہوا اگر اللہ تعالیٰ تیرا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا یہ کہہ کر وہ مر گئے۔ ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے مجھے ان دونوں ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا میں نے طاق کھولا ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں لکھا ہے۔

محمد رسول اللہ خاتم النبیین لا نبی بعدہ مولدہ بمکة و مهاجرہ بطیبة .

محمد اللہ کے رسول ہیں سب انبیاء کے خاتم ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی پیدائش مکے میں اور ہجرت مدینے کو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ولادت اقدس سے قبل شہادت ایمان

زید بن عمرو بن نفیل کہ احد العشرة المبشرة سیدنا سعید بن زید کے والد ماجد ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہ موحدان و مومنان عہد جاہلیت سے تھے۔ طلوع آفتاب عالم تاب اسلام سے پہلے انتقال کیا مگر اسی زمانہ میں تو حید الہی و رسالت حضرت ختمی پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت دیتے۔

ابن سعد و ابو نعیم حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا مکہ معظمہ سے کوہ حرا کو جاتے تھے انھوں نے قریش کی مخالفت اور ان کے معبودان باطل سے جدائی کی تھی، اس پر آج ان سے اور قریش سے کچھ لڑائی رنجش ہو چکی تھی مجھے دیکھ کر بولے اے عامر میں اپنی قوم کا مخالف اور ملت ابراہیم کا پیرو ہوا اسی کو معبود مانتا ہوں جسے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوجتے تھے۔ میں ایک نبی کا منتظر ہوں جو بنی اسماعیل اور اولاد عبدالمطلب سے ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔ میرے خیال میں

میں ان کا زمانہ نہ پاؤں گا میں ابھی ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا، ان کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں تمہیں اگر اتنی عمر ملے کہ انہیں پاؤ تو میرا سلام انہیں پہنچانا۔ اے عامر میں تم سے ان کی نعت و صفت بیان کیے دیتا ہوں کہ تم انہیں خوب پہچان لو درمیانہ قد ہیں، سر کے بال کثرت و قلت میں معتدل ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخ ڈورے رہیں گے، ان کے شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہے ان کا نام احمد اور یہ شہر ان کا مولد ہے یہیں ان کی رسالت ظاہر ہوگی، ان کی قوم انہیں مکے میں نہ رہنے دے گی کہ ان کا دین اسے ناگوار ہوگا وہ ہجرت فرما کر مدینے جائیں گے وہاں سے ان کا دین ظاہر و غالب ہوگا۔ دیکھو تم کسی دھوکے فریب میں آکر ان کی اطاعت سے محروم نہ رہنا۔

فانی بلغت البلاد كلها لطلب دين ابراهيم و كل من اسأل من اليهود و النصارى و المجوس يقول هذا الدين و راءك و ينعتونه مثل ما نعتك لك و يقولون لم يبق نبى غيره .

کہ میں دین ابراہیم کی تلاش میں شہروں شہروں پھرا یہود و نصاریٰ مجوس جس سے پوچھا سب نے یہی جواب دیا کہ یہ دین تمہارے پیچھے آتا ہے اور اس نبی کی وہی صفت بیان کی جو میں تم سے کہہ چکا اور سب کہتے تھے کہ ان کے سوا کوئی نبی باقی نہ رہا۔

عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جب حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلاۃ و الثناء کی نبوت ظاہر ہوئی میں نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں حضور سے عرض کیں حضور نے ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشاد کیا۔

قد رأيتہ فی الجنة یسحب ذیلہ .

میں نے اسے جنت میں دامن کشاں دیکھا۔

مقوس شاہ مصر کی تصدیق ولادت

امام واقدی و ابو نعیم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث طویل ملاقات مقوس بادشاہ مصر میں راوی، جب ہم نے اس نصرانی بادشاہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و تصدیق سنی اس کے پاس سے وہ کلام سن کر اٹھے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ذلیل و خاضع کر دیا ہم نے کہا سلاطین عجم ان کی تصدیق کرتے اور ان سے ڈرتے ہیں حالاں کہ ان سے کچھ رشتہ علاقہ نہیں اور ہم تو ان کے رشتہ داران کے ہمسائے ہیں وہ ہمارے گھر ہمیں دین کی طرف بلانے آئے، اور ہم ابھی ان کے پیروں ہوئے پھر میں، اسکندریہ میں ٹھہرا کوئی گر جا کوئی پادری قبطنی خواہ رومی نہ چھوڑا جہاں جا کر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت جو وہ اپنی کتاب میں پاتے ہیں نہ پوچھی ہو۔ ان میں ایک پادری سب سے بڑا مجتہد تھا اس سے پوچھا۔

هل بقى احد من الانبياء .

آیا پیغمبروں میں سے کوئی رہا۔ وہ بولا۔

نعم و هو آخر الانبياء ليس بينه و بين عيسى نبى قد امر عيسى باتباعه و هو
السبي الامى العربى اسمه احمد .

ہاں ایک نبی باقی ہیں وہ سب انبیاء سے پچھلے ہیں ان کے اور عیسیٰ کے بیچ میں کوئی نبی نہیں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی پیروی کا حکم ہوا ہے وہ نبی امی عربی ہیں ان کا نام احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

پھر اس نے علیہ شریف و دیگر فضائل لطیفہ ذکر کیے مغیرہ نے فرمایا اور بیان کر اس نے اور بتائے

ازاں جملہ کہا۔

يخص بما لم يخص به الانبياء قبله كان النبي يبعث الى قومه وبعث الى الناس

كافة .

انھیں وہ خصائص عطا ہوں گے جو کسی نبی کو نہ ملے ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا وہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ مغیرہ فرماتے ہیں میں نے یہ سب باتیں خوب یاد رکھیں اور وہاں سے واپس آ کر اسلام لایا۔

میلاد النبی پر خاص تارے کا طلوع

ابو نعیم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، میں سات برس کا تھا ایک دن پچھلی رات کو وہ سخت آواز آئی کہ ایسی جلد پہنچتی آواز میں نے کبھی نہ سنی تھی کیا دیکھتا ہوں کہ مدینے کے ایک بلند ٹیلے پر ایک یہودی ہاتھ میں آگ کا شعلہ لیے چیخ رہا ہے لوگ اس کی آواز پر جمع ہوئے وہ بولا۔

هذا كوكب احمد قد طلع هذا كوكب لا يطلع الا بالنبوة و لم يبق من الانبياء

الا احمد .

یہ احمد کے ستارے نے طلوع کیا یہ ستارہ کسی نبی کی ہی پیدائش پر طلوع ہوتا ہے اور اب انبیاء میں سوائے احمد کے کوئی باقی نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہودی علماء کے ہاں ذکر ولادت

امام واقدی و ابو نعیم حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال كنا و يهود فينا كانوا يذكرون نبيا يبعث بمكة اسمه احمد و لم يبق من

الانبياء غيره و هو في كتبنا .

یعنی میرے بچپن میں یہود ہم میں سے ایک نبی کا ذکر کیا کرتے جو مکے میں مبعوث ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے اب ان کے سوا کوئی نبی باقی نہیں وہ ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

احبار کی زبان پر حضور کا تذکرہ

ابو نعیم سعد بن ثابت سے راوی۔

قال كان احبار يهود بنى قريظة و النضير يذكرون صفة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فلما طلع الكوكب الاحمر اخبروا انه نبى و انه لا نبى بعده اسمه احمد و مهاجره الى يثرب فلما قدم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم المدينة و نزلها انكروا و حسدوا و بغوا.

یہود بنی قریظہ و بنی نضیر کے علماء حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے جب سرخ ستارہ چمکا تو انہوں نے خبر دی کہ وہ نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کا نام پاک احمد ہے ان کی ہجرت گاہ مدینہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لا کر رونق افروز ہوئے یہود براہ حسد و بغاوت منکر ہو گئے۔ فلما جاء ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين۔

اہل یثرب کو میلاد النبی کی بشارت

زیاد بن لبید سے راوی، میں مدینہ طیبہ میں ایک ٹیلے پر تھا ناگاہ ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہتا

ہے:

يا اهل يثرب قد ذهب و الله نبوة بنى اسرائيل هذا نجم قد طلع بمولد احمد و

ہو نبی آخر الانبیاء و مهاجرہ الی یثرب.

انے اہل مدینہ خدا کی قسم بنی اسرائیل کی نبوت گئی، ولادت احمد کا تارا چمکا وہ سب سے پچھلے نبی ہیں مدینے کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یوشع کی زبان پر ذکر ولادت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی میں نے مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے سنا کہ میں ایک روز بنی عبدالاشہل میں بات چیت کرنے گیا یوشع یہودی بولا اب وقت آگیا ہے ایک نبی کے ظہور کا جس کا نام احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وہ حرم سے تشریف لائیں گے ان کا حلیہ و وصف یہ ہوگا میں اس کی باتوں سے تعجب کرتا اپنی قوم میں آیا وہاں بھی ایک شخص کو ایسا ہی بیان کرتے پایا میں بنی قریظہ میں گیا وہاں بھی ایک مجمع میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک ہو رہا تھا۔ ان میں سے زبیر بن باطانے کہا:

قد طلع الكوكب الاحمر الذي لم يطلع الا لخروج نبی و ظهوره و لم اجد الا احمد و هذه مهاجره.

پیشک سرخ ستارہ طلوع ہو کر آیا یہ تارا کسی نبی ہی کی ولادت و ظہور پر چمکتا ہے اور اب میں کوئی نبی نہیں پاتا سوا احمد کے اور یہ شہران کی ہجرت گاہ ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

شب ولادت ایک یہودی کا تجسس

ابن سعد و حاکم و بیہقی و ابو نعیم حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، مکہ معظمہ میں ایک یہودی بغرض تجارت رہتا تھا جس رات حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوئے، وہ قریش کی مجلس میں گیا اور پوچھا آج تم میں کوئی لڑکا پیدا ہوا انھوں نے کہا ہمیں نہیں معلوم کہا:

ما حفظوا ما اقول لكم ولد هذه الليلة نبى هذه الامة الاخيرة بين كتفيه علامة .
جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے حفظ کر رکھو، آج کی رات اس کچھلی امت کا نبی پیدا ہوا اس کے
شانوں کے درمیان علامت ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (جزاء اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوة)

میلاد مبارک کے موضوع پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ایک تقریر

حضور اسم اللہ ہیں

حضرت عزت جل جلالہ اپنی کتاب کریم و ذکر حکیم میں اپنے بندوں پر اپنی رحمت تامہ گسترده فرماتا
اور ان کو اپنے دربار تک وصول کا طریقہ بتاتا ہے۔ سورہ (فاتحہ) مبارکہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے اپنی
کتاب میں اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی اور خود ان کی طرف سے ارشاد ہوئی۔ ابتدا اس کی اور تمام سور قرآن
عظیم کی ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے فرمائی گئی۔ اول حقیقی اللہ عزوجل ہے۔

هو الاول و الآخر و الظاهر و الباطن و هو بكل شئ علیم .

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسم جلالت اللہ سے ہونی چاہئے تھی کہ ”اللہ الرحمن الرحیم“ مگر ابتداء
یوں فرمائی گئی ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ وہ جو اول حقیقی اللہ کا علم ذات ہے کہ ذات واجب الوجود مستجمع جمیع
صفات کمالیہ پر دال ہے اس سے پہلے اس کا لفظ لائے اور اس پر بے کا حرف داخل فرمایا، گویا اس طرف
اشارہ ہے کہ اللہ اپنی الوہیت، وحدانیت و ہویت میں بے غایت ظہور سے بے غایت بطون میں ہے۔

بندوں کو اس تک وصول محال کسی کی عقل، کسی کا وہم کسی کا خیال اس تک نہیں پہنچتا جس کا نام اللہ
ہے وہ پاک و منزہ ہے اس سے کہ اس تک فکر و وہم کا وصول ہو سکے، ایسی مخفی و باطنی شئی اس تک وصول کے
لیے علامت درکار اور اسم کہتے ہیں علامت کو جو دلالت کرے ذات پر تو اسم اللہ ذریعہ ہوا وصول کا اور اسم
جب کہ نام ٹھہرا اس شئی کا جو دلالت کرنے والی ہے ذات پر، ذات پاک ہے اس سے کہ اسے کسی شئی کی

حاجت ہو۔

ضرور ہے کہ ذات پر دلالت کرنے کے لیے تین چیزیں ہونی چاہئیں۔

ایک ذات ہو۔

دوسرا اس کا غیر ہو۔

تیسرا بیچ میں کوئی واسطہ ہو، جو دلالت کرے اس غیر کو اس ذات کی طرف۔

وہ ذات ذات الہی ہے۔

اور وہ غیر یہ تمام عالم مخلوقات

اور اسم اللہ کہ اللہ پر دلالت کرنے والا ہے وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

تو گویا ابتداء ہی نام اقدس سے فرمائی گئی، اپنے نام پاک سے پہلے نام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لایا جاتا ہے کہ ذریعہ وصول ہوئے اسم اللہ تمام مخلوقات کے لیے جواز سے ابد تک وجود میں لائی گئی ذات اقدس کی طرف دال ہے اس واسطے کہ تمام جہان کو اللہ کی طرف ہدایت حضور ہی نے فرمائی۔

حضور ہادی ہیں

حضور ہی ہادی ہیں مخلوق الہی کے یہاں تک کہ انبیائے کرام و مرسلین عظام کے بھی ہادی ہیں تو حضور کے سوا جتنے ہادی ہیں دلالت مطلقہ سے موصوف نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے تمام مخلوق کو دلالت کی ہو ان کو کسی نے دلالت نہ کی ہو ایسا نہیں اگر وہ امتوں کے دال ہیں تو حضور کے مدلول ہیں، دلالت مطلقہ خاص حضور ہی کے لیے ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تمام مخلوقات الہی میں کچھ تو وہ ہیں جو اللہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے کچھ وہ ہیں جو علاقہ رکھتے ہیں وسائط کے ساتھ مگر دوسرا ان سے علاقہ نہیں رکھتا مہدی ہیں ہادی نہیں یعنی ہادی بالذات نہیں اگرچہ بالواسطہ ہادی ہوں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الاطلاق ہادی و مہدی ہیں۔

اقسام کلمہ سے حضور کی توصیف

کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔

اسم، فعل، حرف

حرف تو نہ مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ

فعل مسند ہوتا ہے مگر مسند الیہ نہیں ہوتا

اسم مسند بھی ہوتا ہے اور مسند الیہ بھی۔

تو وہ جو بے علاقہ ہیں ذات الہی سے وہ حرف ہیں کہ

و من الناس من یعبد اللہ علی حرف فان اصابہ خیر اطمأن و ان صابہ فتنۃ

انقلب علی وجہہ خسر الدنیا و الآخرة ذلک ہو الخسر ان المبین .

(سورۃ الحج، آیت: ۱۱)

کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کو پوجتے ہیں کنارے پر تو اگر بھلائی پہنچ گئی تو مطمئن رہے اور اگر کوئی

آزمائش ہوئی تو کنارے پر کھڑے ہی ہیں فوراً ایک قدم میں بدل گئے پلٹ گئے ان کو دنیا و آخرت دونوں

میں خسارہ ہوا اور یہی کھلا خسارہ ہے۔

تو یہ نہ مسند ہیں نہ مسند الیہ کہ حرف ہیں اور وہ جو خود ذات الہی سے علاقہ رکھتے ہیں مگر بالذات ان

سے دوسرا علاقہ نہیں رکھتا وہ تمام مومنین و ہادین کہ مسند ہیں مگر بالذات مسند الیہ نہیں وہ فعل ہیں، حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کریم بے شک مسند و مسند الیہ بالذات و بے وساطت ہے تو حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسم ہیں کہ ان کو اپنے رب سے نسبت ہے اور سب کو ان سے نسبت ہے اور یہی شان ہے

اسم کی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ و بارک و سلم۔

اسم کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر حرف تعریف داخل ہوتا ہے اور تعریف کی حد ہے حمد اور

حمد کی تکثیر ہے تمہید اور اسی سے مشتق ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ یعنی بار بار اور بکثرت بے شمار تعریف کیے گئے تو مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق نہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضور اصل کمال ہیں

کہ وہی اصل جملہ کمالات ہیں جس کو جو کمال ملا ہے وہ حضور ہی کے کمال کا صدقہ اور ظل و پر تو ہے

، امام سیدی محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے قصیدہ ہمزئیہ میں عرض کرتے ہیں:

کیف ترقی رقیق الانبیاء

یا سماء ما طاوتھا سماء

لم یساووک فی علاک و قدحا

ل سنامنک دونہم و سناء

انما مثلوا صفاتک لنا

س کما مثل النجوم الماء

انبیاء حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی کیسے پاسکیں اے وہ آسمان جس سے کوئی آسمان

بلندی میں مقابلہ نہیں کر سکتا وہ حضور کے مراتب بلند کے قریب بھی نہ پہنچے حضور کی رفعت و روشنی حضور تک

پہنچنے سے انہیں حائل ہوگئی وہ تو حضور کی صفات کریمہ کا پر تو لوگوں کو دکھا رہے ہیں جیسے ستاروں کی شبیہ پانی

دکھاتا ہے۔

حضور کی صفات کو نجوم سے تشبیہ دی کہ وہ لا تعد و لا تحصی ہیں، انبیاء کرام غایت انجلا میں

مثل پانی کے ہیں اپنی صفا کے سبب ان نجوم کا عکس لے کر ظاہر کرتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حمد ہوا کرتی ہے مقابل کسی صفت کمال کے اور تمام صفات کمال مخلوقات میں خاص ہیں حضور کے لیے باقی کو جو ملا حضور کا عطیہ و صدقہ ہے۔

حضور قاسم نعمت ہیں

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انما انا قاسم و اللہ المعطی

عطا فرمانے والا اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں۔

کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ کس چیز کا عطا فرمانے والا اللہ ہے اور کس چیز کے حضور قاسم ہیں ایسی جگہ اطلاق دلیل تقسیم ہے کوئی چیز ہے جس کا دینے والا اللہ نہیں تو جو چیز جس کو اللہ نے دی تقسیم فرمانے والے اس کے حضور ہی ہیں جو اطلاق و تقسیم وہاں ہے یہاں بھی ہے جو جس کو ملا اور جو کچھ بٹا اور بٹے گا ابتداء خلق سے ابد الابد تک، ظاہر و باطن میں، روح و جسم میں، ارض و سماء میں، عرش و فرش میں اور دنیا و آخرت میں جو کچھ ہے اس سب کے بانٹنے والے حضور ہی ہیں اللہ عطا فرماتا ہے اور ان کے ہاتھ سے ملتا ہے اور ملے گا ابد الابد تک، لہذا مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق حضور اقدس ہی ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حروف جر سے حضور کی توصیف

اسم کا خاصہ ہے جر اور جر کے معنی ہیں کشش یعنی جذب فرمانا یہ خاصہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔ کھینچنا دو طرح ہوتا ہے۔

ایک کھینچنا بلا مزاحمت کہ جس کو کھینچا جائے وہ کھنچ جائے۔

دوسرا کھینچنا مزاحمت کے ساتھ کہ کھینچنے والا کھینچ رہا ہے اور یہ کھینچنا نہیں چاہتا۔
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انتم تتفحمون فی النار کالفراش و انا آخذ بحجزکم ہلبم الی .

تم پروانوں کی مانند آگ پر گرے پڑتے ہو اور میں تمہارا بند کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں کہ میری طرف آؤ۔

یہ شان ہے جریعی کشش کی۔ اسم نحو کا خاصہ جر من حیث الوقوع ہے اور اسم اللہ کا من حیث الصدور، وہاں جران اقوال و کیفیات سے ناشی ہوتا ہے جن پر حروف جارہ دلالت کرتے ہیں وہ یہاں بروجہ اسم ہیں مثلاً بے کے معنی ہیں الصاق یعنی ملانا یہ خاص کام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کہ خلق کو خالق سے ملاتے ہیں۔ یا من کہ ابتدائے غایت کے لیے ہے یہ بھی خاص ہے حضور ہی کے لیے۔

یا جابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نیک من نورہ .

اے جابر تمام جہان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر فضل و ہر کمال حتیٰ کہ وجود میں بھی ابتداء انھیں سے ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اول و آخر ظاہر و باطن

الی ، آتا ہے انتہائے غایت کے لیے انتہائے کمال، انھیں پر بلکہ ہر فرد کمال انھیں پر منتہی ہوتا ہے اول الانبیاء بھی وہی ہیں اور خاتم الانبیاء بھی وہی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلمسانی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ایک بار جبریل امین حاضر بارگاہ اقدس ہوئے اور عرض کی السلام علیک یا اول ، السلام علیک یا آخر ، السلام علیک یا ظاہر ، السلام علیک یا باطن .

رب العزت نے قرآن عظیم میں اپنی صفت کریمہ بیان فرمائی ہے۔

هو الاول و الآخر و الظاهر و الباطن و هو بكل شیء علیم

اس آیت کے لحاظ سے حضور نے جبریل سے فرمایا کہ یہ صفات میرے رب عزوجل کی ہیں عرض کی یہ صفات اللہ عزوجل کی ہیں اس نے حضور کو بھی ان سے متصف فرمایا، حضور کو اول کیا تمام مخلوق سے پہلے حضور کے نور کو پیدا کیا اور اللہ نے حضور کو آخر کیا کہ تمام انبیاء کے بعد مبعوث فرمایا۔ اور حضور کو ظاہر کیا اپنے معجزات بینہ سے کہ عالم میں کسی کو شک و شبہ کی مجال نہیں۔ اور حضور کو باطن کیا ایسے غایت ظہور سے کہ آفتاب اس کے کروڑوں حصہ کو نہیں پہنچتا، آفتاب اور جملہ انوار انھیں کے تو پر تو ہیں آفتاب میں شک ہو سکتا ہے اور ان میں شک ممکن نہیں۔

فرض کیجئے اگر ہم نصف النہار پر ایک روشن شرارہ آفتاب کے برابر دیکھیں جسے اپنے گمان سے یقیناً آفتاب سمجھیں اور اس کی دھوپ بھی دوپہر کی طرح پھیلی ہو اور حضور فرمائیں یہ آفتاب نہیں کوئی کرۃ نار کا شرارہ ہے، یقیناً ہر مسلمان صدق دل سے فوراً ایمان لائے گا کہ حضور کا ارشاد قطعاً حق و صحیح ہے اور آفتاب سمجھنا میرے نگاہ و گمان کی غلطی صریح ہے آخر اس کی وجہ کیا؟ یہ ہی کہ آفتاب ہنوز معرض خفا میں ہے اور حضور پر اصلاً خفا نہیں آفتاب سے کروڑوں درجہ زیادہ روشن ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کا یہ غایت ظہور ہی غایت بطون کا سبب ہے اور حضور کے بطون کی یہ شان ہے۔

حضور کی حقیقت صرف خدا جانتا ہے

کہ خدا کے سوا حضور کی حقیقت سے کوئی واقف ہی نہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اعرف الناس یعنی سب سے زیادہ حضور کو پہچاننے والے اس امت مرحومہ میں ہیں اس واسطے ان کا مرتبہ افضل و اعلیٰ ہے۔ معرفت الہی وہ معرفت محمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کو ان کی معرفت زائد ہے اس کو معرفت الہی بھی زائد ہے۔ صدیق اکبر جیسے اعرف الناس کہ تمام جہان سے زیادہ حضور کی معرفت رکھتے ہیں ان سے ارشاد فرمایا:

ایا ابا بکر لم يعرفنی حقیقۃ غیر ربی

اے ابو بکر جیسا میں ہوں سو امیرے رب کے اور کسی نے نہ پہچانا۔

باطن ایسے کہ خدا کے سوا کسی نے ان کو پہچانا ہی نہیں اور ظاہر بھی ایسے کہ ہر پتہ ہر ذرہ شجر و حجر و حوش و طیور حضور کو جانتے ہیں یہ کمال ظہور ہے۔ صدیق اپنے مرتبہ کے لائق حضور کو جانتے ہیں، جبریل امین اپنے مرتبہ کے لائق پہچانتے ہیں، انبیاء و مرسلین اپنے مرتبہ کے لائق، باقی رہا حقیقۃً ان کو پہچانا تو ان کا جاننے والا ان کا رب ہے، تبارک و تعالیٰ ان کا بنانے والا ان کا نوازنے والا ان کی حقیقت کے پہچاننے میں دوسرے کے واسطے حصہ ہی نہیں رکھا، بلا تشبیہ محبت نہیں چاہتا کہ جو ادا محبوب کی اس کے ساتھ ہے وہ دوسرے کے ساتھ ہو، اللہ تمام جہان سے زیادہ غیرت والا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں۔

انہ لغیور و انا غیر منہ و اللہ اغیر منی .

وہ غیرت والا ہے اور میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ وہ کیوں کر روار کھے گا کہ دوسرا میرے حبیب کی اس خاص ادا پر مطلع ہو جو میرے ساتھ ہے اسی واسطے فرمایا جاتا ہے جیسا میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ پہچانا، ہم تو قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم ہیں ہی سوتے ہیں خواب ہی میں زیارت پر راضی ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حقیقت اقدس کے لحاظ سے اسی کے مصداق ہیں۔

دنیا خواب ہے اور اس کی بیداری نیند، امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔

الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا

لوگ سوتے ہیں جب مریں گے جاگیں گے۔

خواب اور دنیا کی بیداری میں اتنا فرق ہے کہ خواب کے بعد آنکھ کھلی اور کچھ نہ تھا اور یہاں آنکھ

بند ہوئی اور کچھ نہ تھا۔ نتیجہ دونوں جگہ ایک ہے و ما الحیوة الدنیا الامتاع الغرور

خواب و بیداری میں حضور کی زیارت

خواب میں جمال اقدس کی زیارت ضرور حق ہوتی ہے۔ خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

من رأی فقد رأی الحق فان الشیطان لا یتمثل بی .

جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا کہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔

پھر لوگ مختلف اشکال و احوال میں دیکھتے ہیں وہ اختلاف ان کے اپنے ایمان ہی کا ہے ہر شخص اپنے ایمان کے لائق ان کو دیکھتا ہے، یوں ہی بیداری میں جتنے دیکھنے والے تھے سب اس آئینہ حق نما میں اپنے ایمان کی صورت دیکھتے ورنہ ان کی صورت حقیقیہ پر غیرت الہیہ کے ستر ہزار پردے ڈالے گئے ہیں کہ ان میں سے اگر ایک پردہ اٹھا دیا جائے تو آفتاب جل کر خاک ہو جائے جیسے آفتاب کے آگے ستارے غائب ہو جاتے ہیں اور جو ستارہ اس سے قران میں ہو احتراق میں کہلاتا ہے۔ تو صحابہ کرام نے بھی خواب ہی میں زیارت کی نہ رب العزت کو کوئی بیداری میں دنیا میں دیکھ سکتا ہے نہ جمال انور حضور اقدس کو، جل و علا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج کہ رب العزت جل و علا کو بیداری میں چشم سر سے دیکھا وہ دیکھنا دنیا سے وراثا تھا کہ دنیا ساتویں زمین سے ساتویں آسمان تک ہے اور یہ روایت لامکاں میں ہوئی، بالجملہ اس وقت بھی ہر شخص نے اپنے ایمان کی صورت دیکھی۔

حضور آئینہ خدا ساز ہیں

کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئینہ خدا ساز ہیں، ابو جہل لعین حاضر ہو کر عرض کرتا ہے،

زشت نقش کز بنی ہاشم شگفت۔

حضور فرماتے ہیں صدقت تو سچ کہتا ہے۔ ابو بکر صدیق اکبر عرض کرتے ہیں حضور سے زیادہ کوئی خوبصورت نہ پیدا ہوا حضور بے مثل ہیں، حضور آفتاب ہیں نہ شرقی اور نہ غربی، ارشاد فرمایا صدقت تم سچ کہتے ہو، صحابہ نے عرض کی حضور نے دو متضاد قولوں کی تصدیق فرمائی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

گفت من آئینہ ام مصقول دوست

میں تو اپنے چاہنے والے رب تبارک و تعالیٰ کا چمکتا آئینہ ہوں۔ ابو جہل جو کہ ظلمت کفر میں آلودہ ہے اس کو اپنے کفر کی تاریکی نظر آئی اور ابو بکر سب سے بہتر ہیں انھوں نے اپنا نور ایمان دیکھا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم

حضور آفتاب حقیقت ہیں

لہذا ذات کریم جامع کمال ظہور و کمال بطون ہے۔ ظہور کسی شئی کا جب ایک ترقی محدود تک ہوتا ہے وہ شئی نظر آتی ہے اور جب حد سے زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ نظر نہیں آتی۔ آفتاب جب افق سے نکلتا ہے سرخی مائل کچھ بخارات و غبارات میں ہوتا ہے۔ ہر شخص کی نگاہ اس پر جمتی ہے جب ٹھیک نصف النہار پر پہنچتا ہے تو غایت ظہور سے باطن ہو جاتا ہے اب نگاہیں اس پر نہیں ٹھہر سکتیں خیرہ ہو کر واپس آتی ہیں کیوں کہ غایت ظہور پر پہنچا جس کی وجہ سے غایت بطون میں ہو گیا آفتاب کہ نام ہے ان کی گلی کے ایک ذرہ کا وہ آفتاب حقیقت کہ رب العزّة نے اپنی ذات کے لیے اس کو آئینہ کاملہ بنایا ہے اور اس میں مع ذات و صفات کے تجلی فرمائی ہے۔ حقیقت اس ذات کی کون پہچان سکتا ہے وہ غایت ظہور سے غایت بطون میں ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اسم اقدس سے تعریف

اسی سبب سے نام اقدس میں دونوں رعایتیں رکھی ہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکثرت اور بار بار

غیر متناہی تعریف کیے گئے اطلاق نے تمام تعریفوں کو جمع فرمالیا ہے تو شان ہے غایت ظہور کی اور نام اقدس پر الف لام تعریف کا داخل نہیں ہوتا یعنی ایسے ظاہر ہیں کہ مستغنی عن التعریف ہیں تعریف کی ضرورت نہیں یا ایسے بطون میں ہیں کہ تعریف ہو نہیں سکتی تعریف عہد یا استغراق یا جنس کے لیے ہے وہ اپنے رب کی وحدت حقیقیہ کے مظہر کامل اپنے جملہ فضائل و کمالات میں شریک سے منزہ ہیں۔

امام محمد بوسیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

منزہ عن شریک فی محاسنہ

فجوہرا الحسن فیہ غیر منقسم

حضور اقدس اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں ان کے حسن کا جو ہر فرد قابل انقسام نہیں۔ کہ یہاں جنسیت و استغراق نامتصور اور عہد فرع معرفت ہے اور ان کو ذاتا و حقیقتہً کوئی پہچان ہی نہیں سکتا تو نام اقدس پر کہ علم ذات ہے لام تعریف کیوں کر داخل ہو۔

حضور رب کی تجلی ہیں

جس طرح من، الی جر کرتے ہیں اسی طرح کاف تشبیہ بھی جر کے لیے آتا ہے۔ ذات الہی کمال تنزیہہ کے مرتبے میں ہے اور تشابہات میں تشبیہات بھی وارد، صحیح مذہب محققین کا یہ ہے کہ تنزیہہ ہے اس کی ذات و صفات کے لیے اور تشبیہ ہے تجلیات کے لیے دونوں کو اس آیت کریمہ میں جمع فرما دیا۔

لیس کمثلہ شیء و هو السميع البصیر .

”لیس کمثلہ شیء“ کوئی شیء اس کے مثل نہیں یہ تنزیہہ ہوئی اور ”و هو السميع

البصیر“ وہی ہے سننے دیکھنے والا یہ تشبیہ، جب تک اللہ نے عالم نہ بنایا تھا تشبیہ نہ تھی جب عالم بنایا تو نہ عالم خیال نہ عالم مثال میں بلکہ عالم تمثیل میں تجلی تدلی کے لیے ایک تشبیہ پیدا ہوئی جو عبارت ہے ذات اقدس

سے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ متعالیٰ ہے شبیہ سے ہاں پہلی تجلی جو فرمائی ہے اسی کا نام ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس تجلی کی اور تجلیات کی گئی ہیں ان کا نام ہے انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام جس طرح امام بوصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے اوپر بیان ہوا۔

حضور دونوں جہان کی رحمت ہیں

آگے (بسم اللہ کے) فرمایا جاتا ہے۔ الرحمن الرحیم، مدح کا قاعدہ ہے کہ اختصاص پر دلالت کرتی ہے۔ الرحمن، الرحیم سے پہلے لایا گیا۔ الرحمن کہ رحمت کا بلکہ بالغرب تبارک و تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ پھر فرمایا گیا الرحیم یعنی مطلق رحمت ہی اس کے ساتھ خاص ہے۔ رب العزت کی بے انتہا صفات ہیں یہ کیا ہے جن سے تمام صفات الہیہ کو رحمت کے پردے میں دکھایا۔ القہار، المنتقم نہیں فرمایا جاتا، الرحمن الرحیم خالص رحمت دکھائی جاتی ہے، یہ وہی آئینہ ذات الہی ہے جس میں صفات قہریہ بھی آکر خالص رحمت سے متلبس ہو جاتی ہیں و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اولین کے لیے رحمت، آخرین کے لیے رحمت، ملائکہ کے لیے رحمت، تمام مومنین کے لیے رحمت یہاں تک کہ دنیا میں وہ کافرین مشرکین منافقین و مرتدین کے لیے بھی رحمت ہیں یہ لوگ بھی آج ان کی رحمت سے دنیا میں عذاب سے محفوظ ہیں۔

ما کان اللہ لیعذبہم و انت فیہم۔

اللہ اس لیے نہیں کہ انہیں عذات کرے جب تک اے رحمت عالم تم ان میں ہو۔

اسی لیے ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح و دفعنہ مکانا علیا اختیار نہ فرمایا گیا حالانکہ

ان کے، غلام و اہل محبت کی نعش تک آسمان پر اٹھالی گئی ہے۔

سیدی عمر بن الفارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگل میں ایک جنازہ دیکھا اکابر اولیاء جمع ہیں مگر نماز نہیں ہوتی انہوں نے تاخیر کا سبب پوچھا کہا امام کا انتظار ہے ایک صاحب کو نہایت جلدی کرتے ہوئے پہاڑ سے اترتے دیکھا جب قریب آئے تو معلوم ہوا کہ یہ وہ صاحب ہیں جن سے شہر میں لڑکے ہنستے اور چپتیں لگاتے ہیں وہ امام ہوئے اور سب نے ان کی اقتدا کی نماز ہی میں بکثرت سبز پرندوں کا نعش کے گرد جمع ہو گیا جب نماز ختم ہوئی تو نعش کو اپنی منقاروں میں لے کر آسمان پر اڑے ہوئے چلے گئے انہوں نے پوچھا تو جواب ملا یہ اہل محبت ہیں ان کی میت بھی زمین پر نہیں رہنے پاتی۔

مگر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہیں تشریف رکھنا پسند فرمایا کہ خلق کے لیے عذاب عالم سے اماں ہو۔ جنت تو حضور کی رحمت کا پر تو ہے ہی دوزخ بھی حضور کی رحمت سے بنی ہے کہ یہاں صفات قہریہ بھی رحمت ہی کی تجلی میں ہیں۔ جنت کا رحمت ہونا ظاہر حضور کے نام لیوؤں کی جاگیر ہے۔ دوزخ کا بنانا بھی رحمت ہے دو وجہ سے، دنیا میں بادشاہ کی اطاعت تین ذرائع سے ہوتی ہے۔

اول، بادشاہ کی اطاعت خاص اس لیے کہ وہ بادشاہ ہے۔

دوسرے، کچھ انعام کا لالچ دیا جاتا ہے کہ ہمارے احکام مانو گے تو یہ انعام ملیں گے یہ رحمت ہے۔ تیسرے، قاسی سرکش جو انعام کی پرواہ نہیں کرتے اور اطاعت نہیں کرتے ان کو سزائیں سنا کر ڈرایا جاتا ہے کہ اگر اطاعت نہ کرو گے تو زنداں میں بھیجے جاؤ گے۔

وہ انعام تو عین رحمت ہے ظاہر ہے اور یہ کوڑا عذاب کا یہ بھی رحمت ہے اس لیے کہ رحمت ہی سے ناشی ہے کہ جیل خانہ سے ڈر کر سزا کے مستحق نہ ہوں اطاعت کریں اور انعام کے مستحق ہوں، تو دوزخ بھی رحمت ہے کہ دنیا کو ڈر کے باعث گناہوں سے بچانے والی ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ کفار نے اللہ کے محبوبوں کو ایذا دی اور ان کی توہین کی تو رب العزت نے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے دوزخ کو پیدا فرمایا قد ر ضد کی ضد سے معلوم ہوا کرتی ہے گرمی کی قدر سردی

سے، سردی کی گرمی سے اور چراغ کی اندھیرے سے معلوم ہوتی ہے کہ الاشیاء تعرف باضدادھا (چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) تو اہل جنت کو یہ دکھانا ہے کہ دیکھو اگر تم بھی محبوبان خدا کا دامن نہ تھامتے تو ان کی طرح تمھاری جگہ بھی یہی ہوتی اس وقت محبوبان خدا کے دامن تھامنے کی قدر کھلے گی۔ و لله الحمد و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم .

حضور تمام جہان کے لیے رحمت ہیں، رحمت الہی کے معنی ہیں بندوں کو ایصال خیر فرمانے کا ارادہ تو رحمت کے لیے دو چیزیں درکار ہیں۔ ایک مخلوق جس کو خیر پہنچائی جائے اور دوسری خیر اور دونوں متفرع ہیں وجود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اگر حضور نہ ہوتے تو نہ کوئی خیر ہوتی اور نہ کوئی خیر کا پانے والا تو رحمت الہی کا ظہور نہ ہوا مگر صورت وجود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں۔ تمام نعمتیں، تمام کمالات، تمام فضائل متفرع ہیں وجود پر اور تمام عالم وجود متفرع ہے حضور کے وجود پر تو سب پر حضور ہی کے طفیل رحمت ہوئی ملک ہو خواہ نبی یا رسول جس کو جو نعمت ملی حضور ہی کے دست عطا سے ملی۔

حضور نعمت اللہ ہیں

حضور نعمت اللہ ہیں، قرآن عظیم نے ان کا نام نعمت اللہ رکھا ان الذین بدلوا نعمة اللہ کفرا کی تفسیر میں حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

نعمة اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .

نعمت اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

ولہذا ان کی تشریف آوری کا تذکرہ امتثال امر الہی ہے۔

و اما بنعمة ربک فحدث .

اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے یہی تشریف آوری ہے جس کے طفیل دنیا، قبر، حشر، برزخ و آخرت غرض ہر وقت ہر جگہ اور ہر آن نعمت ظاہر و باطن سے ہمارا ایک ایک رونگٹا متمتع اور بہرہ مند ہے اور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اپنے رب کے حکم سے اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے۔

مجلس میلاد پاک

مجلس میلاد آخر وہی شے ہے جس کا حکم رب العزت دے رہا ہے۔ و اما بنعمة ربك فحدث مجلس مبارک کی حقیقت مجمع المسلمین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری و فضائل جلیلہ و کمالات جمیلہ کا ذکر سنانا ہے بند یار قہہ باثنا یا طعام و شیرینی کی تقسیم اس کا جزو حقیقت نہیں نہ ان میں کچھ جرم، اول دعوت الی الخیر ہے اور دعوت الی الخیر بے شک خیر ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

من احسن قولا ممن دعا الى الله .

اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الى هدى كان له اجر مثل اجور من تبعه و لا ينقص ذلك من

اجورهم شيئا .

جو لوگوں کو کسی ہدایت کی طرف بلائے جتنے اس کا بلانا قبول کریں ان سب کے برابر ثواب اسے

ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

اور اطعام طعام یا تقسیم شیرینی بر وصلہ و احسان و صدقہ ہے اور یہ سب شرعاً محمود۔ ان مجالس کے لیے ایک تم ہی نہیں ملائکہ بھی تداعی کرتے ہیں جہاں مجلس ذکر شریف ہوتے دیکھی ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ یہاں تمہارا مطلوب ہے پھر وہاں سے آسمان تک چھا جاتے ہیں، تم دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہو ادھر سے رحمت کی شیرینی تقسیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی عام کہ نامستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں۔ ہم القوم لا یشقی بہم جلوسہم ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں رہتا۔

یہ مجلس آج سے نہیں آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے خود کی اور کرتے رہے اور ان کی اولاد میں برابر ہوتی رہی کوئی دن ایسا نہ تھا کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام ذکر حضور نہ کرتے ہوں۔ اول روز سے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو تعلیم ہی یہ فرمایا گیا کہ میرے ذکر کے ساتھ میرے حبیب و محبوب کا ذکر کیا کرو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ساق عرش پر حضور کا اسم گرامی

جس کے لیے عملی کارروائی یہ کی گئی کہ جب روح الہی آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے پتلے میں داخل ہوتی ہے اور آنکھ کھلتی ہے تو نگاہ ساق عرش پر ٹھہرتی ہے تو وہاں لکھا دیکھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عرض کی الہی یہ کون ہے؟ جس کا نام پاک تو نے اپنے نام اقدس کے ساتھ لکھا ہے، ارشاد ہوا اے آدم وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا پیغمبر ہے وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔

لو لا محمد ما خلقتک ولا ارضا ولا سماء۔

اسی کے طفیل میں تجھے پیدا کیا اگر وہ نہ ہوتا نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان بناتا۔

تو کنیت اپنی ابو محمد کر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ آنکھ کھلتے ہی نام پاک بتایا گیا پھر ہر وقت ملائکہ کی زبان سے ذکر اقدس سنایا گیا وہ مبارک سبق عمر بھر یاد رکھا ہمیشہ ذکر اور چرچا کرتے رہے۔

حضرت شیث کو آدم کی وصیت

جب زمانہ وصال شریف کا قریب آیا تو شیث علیہ الصلاۃ والسلام سے ارشاد فرمایا اے فرزند میرے بعد تو خلیفہ ہوگا عباد تقویٰ و عروہ وثقی کونہ چھوڑنا۔

العروہ الوثقی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .

عروہ وثقی محمد ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جب اللہ کو یاد کرے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ضرور کرنا۔

فانی رأیت الملائکۃ تذکرہ فی کل ساعاتها .

کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہر گھڑی ان کی یاد میں مشغول ہیں۔

اسی طور پر چرچہ ان کا ہوتا رہا۔

میلا دمبارک کی پہلی انجمن

پہلی انجمن روز میثاق جمائی گئی اس میں حضور کا ذکر تشریف آوری ہوا۔

و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمة ثم جاءکم رسول
مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتصرنہ قال اقررتم و اخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا
قال فاشهدوا و انا معکم من الشاہدین فمن تولی بعد ذلک فاولئک ہم الفاسقون .

(سورۃ آل عمران، آیت: ۸۱، ۸۲)

جب عہد لیا اللہ نے نبیوں سے کہ بے شک میں تمہیں کتاب و حکمت عطا فرماؤں پھر تشریف

لائیں تمہارے پاس وہ رسول تصدیق فرمائیں ان باتوں کی جو تمہارے ساتھ ہیں تو تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا قبل اس کے کہ انبیاء کچھ عرض کرنے پائیں فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو آپس میں ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں پھر جو کوئی اس اقرار کے بعد پھر جائے وہی لوگ بے حکم ہیں۔

مجلس میثاق میں رب العزت نے تشریف آوری حضور کا بیان فرمایا اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سنا اور انقیاد و اطاعت حضور کا قول دیا ان کی نبوت ہی مشروط تھی حضور کے مطیع و امتی بننے پر تو سب سے پہلے حضور کا ذکر تشریف آوری کرنے والا اللہ ہے کہ فرمایا تم جہاں کم رسول پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں، اور ذکر پاک میں سب میں پہلی مجلس انبیاء ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام، جس میں پڑھنے والا اللہ اور سننے والے انبیاء اللہ۔

انبیاء نے مجلس میلاد منعقد کی

غرض اسی طرح ہر زمانے میں حضور کا ذکر ولادت و تشریف آوری ہوتا رہا ہر قرن میں انبیاء و مرسلین آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ابراہیم و موسیٰ و داؤد و سلیمان و زکریا علیہم الصلوٰۃ والسلام تک نبی و رسول اپنے اپنے زمانے میں مجلس حضور ترتیب دیتے رہے یہاں تک کہ وہ سب میں پچھلا ذکر تشریف سنانے والا کنواری ستھری پاک بتول کا بیٹا جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا نشانی سارے جہان کے لیے یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لایا فرماتا ہوا۔

مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

میں بشارت دیتا ہوں اس رسول کی جو عنقریب میرے بعد تشریف لانے والے ہیں جن کا نام پاک احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلم، یہ ہے مجلس میلاد۔

عرش و فرش پر محفل میلاد

جب زمانہ ولادت شریف کا قریب آیا تمام ملک و ملکوت میں محفل میلاد تھی عرش پر محفل میلاد، فرش پر محفل میلاد، ملائکہ میں مجلس میلاد ہو رہی تھی، خوشیاں مناتے حاضر آئے ہیں سر جھکائے کھڑے ہیں جبریل و میکائیل حاضر ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام، اس دولہا کا انتظار ہو رہا ہے جس کے صدقے میں یہ ساری برات بنائی گئی ہے۔ سبع سماوات میں عرش و فرش پر دھوم ہے ذرا انصاف کرو تھوڑی سی مجازی قدرت والا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدت سے انتظار ہو اب وقت آیا ہے کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا وہ عظیم مقتدر جو چھ ہزار برس پیشتر بلکہ لاکھوں برس سے ولادت محبوب کے پیش خیمے تیار فرما رہا ہے اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المرادین ظہور فرمانے والے ہیں یہ قادر علیٰ کل شیء کیا کچھ خوشی کے سامان مہیا نہ فرمائے گا۔ شیاطین کو اس وقت جلن ہوئی تھی اور اب بھی جو شیطان ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلتے رہیں گے غلام تو خوش ہو رہے ہیں ان کے ہاتھ تو ایسا دامن آیا کہ یہ گر رہے تھے اس نے بچا لیا ایسا سنبھالنے والا ملا کہ اس کی نظیر نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک آدمی ایک کو بچا سکتا ہے، دو کو بچا سکتا ہے کوئی قوی ہو گا زیادہ سے زیادہ بیس کو بچا لے گا یہاں کروڑوں اربوں پھسلنے والے اور بچانے والے وہی ایک۔

انا اخذکم بحجزکم عن النار ہلم الی

میں تمہارا بند کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں ارے میری طرف آؤ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ فرمان صرف صحابہ سے خاص نہیں قسم اس کی جس نے انھیں رحمۃ للعالمین بنایا آج وہ ایک ایک مسلمانوں کا بند کمر پکڑے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں کہ دوزخ سے بچائیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الحمد للہ! کیا حامی پایا اربوں سے بھی اربوں زائد مراتب کرنے والوں کو ان کا ایک اشارہ کفایت کر رہا ہے تو ایسے کے پیدا ہونے کا ابلیس اور اس کی ذریت کو جتنا غم ہو تھوڑا ہے پہاڑوں میں ابلیس اور تمام

مردہ سرکش قید کر دیے گئے تھے اسی کے پیر و اب بھی غم کرتے ہیں خوشی کے نام سے مرتے ہیں۔

فرشتوں میں میلاد کی خوشی

ملائکہ سبع سماوات دھوم مچا رہے تھے عرش عظیم ذوق و شوق میں ہلتا تھا ایک علم مشرق اور دوسرا مغرب اور تیسرا بام کعبہ پر نصب کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان کا دار السلطنت کعبہ ہے اور ان کی سلطنت مشرق سے مغرب تک تمام جہان ان ہی کی سلطنت ان ہی کی قلمرو میں داخل ہے۔ اس مراد کے ظاہر ہونے کی گھڑی آپہنچی کہ اول روز سے اس کی محفل میلاد اس کے خیر مقدم کی مبارک باد ہو رہی ہے۔ قادر علی کل شی نے اس کی خوشی میں کیسے کچھ انتظام فرمائے ہوں گے۔

جبریل امین ایک پیالہ شربت جنت کا سیدنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے لے کر حاضر ہوئے اس کے نوش فرمانے سے وہ دہشت زائل ہو گئی جو ایک آواز سننے سے پیدا ہوئی تھی پھر ایک مرغ سپید کی شکل بن کر اپنا پر سیدنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لطن مبارک سے مل کر عرض کرنے لگے۔

اظہر یا سید المرسلین اظہر یا خاتم النبیین اظہر یا اکرم الاولین و الآخرین .

جلوہ فرمائیے اے تمام رسولوں کے سردار جلوہ فرمائیے اے تمام انبیاء کے خاتم جلوہ فرمائیے اے سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ کریم، یا اور الفاظ ان کے ہم معنی و مطلب یہ کہ دونوں جہان کے دولہا برات سچ چکی اب جلوہ افروزی سرکار کا وقت ہے۔

فظہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کائبدر المنیر .

پس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے جیسے چودھویں رات کا چاند۔

(المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ)

اشعار

ولادت طیبہ سے متعلق امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یہ حسین و جمیل اشعار نظم فرمائے ہیں :

بندھ گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اڑنے لگی

بڑھ چلی تیری ضیاء آتش پہ پانی پھر گیا

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا

تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا

شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضور

سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبیں سائی دوست

دوشنبہ مصطفیٰ کا جمعہ آدم سے بہتر ہے

سکھانا کیا لحاظ حیثیت خوئے تامل کو

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی

چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی ﷺ

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے

پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی ﷺ

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کیے
اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی ﷺ

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں
ذکر آیات ولادت کیجیے

کیجیے چرچا انھیں کا صبح و شام
جان کافر پر قیامت کیجیے

دلہ قربانت اے دود چراغ محفل مولد
زتاب جعد مشکینت چہ خون افتاد در دلہا

غریق بحر عشق احمدیم از فرحت مولد
کجا دانند حال ما بسکاران ساحلہا

صبح طیبہ میں ہوئی بٹا ہے باڑا نور کا
 صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
 باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
 مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
 بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
 بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا

وقت پیدائش نہ بھولے
 کیف نیسی کیوں قضا ہو

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
 اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
 پہلے سجدہ پہ روز ازل سے درود
 یادگاری امت پہ لاکھوں سلام
 زرع شاداب و ہر ضرع پر شیر سے
 برکات رضاعت پہ لاکھوں سلام
 بھائیوں کے لیے ترک پستاں کریں
 دودھ پتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام

مہد والا کی قسمت پہ صدہا درود
 برج ماہ رسالت پہ لاکھوں سلام
 اٹھتے بوٹوں کی نشو و نما پر درود
 کھاتے غنچوں کی نکتہ پہ لاکھوں سلام
 فضل پیدائشی پر ہمیشہ درود
 کھینے سے کراہت پہ لاکھوں سلام
 اعتلائے جبلت پہ عالی درود
 اعتدال طویت پہ لاکھوں سلام
 بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود
 بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام
 بھینی بھینی مہک پر مہکتے درود
 پیاری پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام
 میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود
 سادی سادی طبیعت پہ لاکھوں سلام

جب کہ پیدا شدہ انس و جاں ہو گیا
 دور کعبہ سے لوٹتا ہوا ہو گیا

دل مکان شہ عرشیاں ہو گیا
 لا مکان لا مکان لا مکان ہو گیا

●
 ہر ستارہ شب مولد مصطفیٰ
 شمعداں شمعداں شمعداں ہو گیا

●
 جتنے اللہ نے بھیجے ہیں نبی دنیا میں
 تیری آمد کی خبر سب ہیں سنانے والے

(حدائق بخشش)



شق صدر مبارک

شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

لحم نمرح ذن صدرک و وضعنا عین وزرک (الذی انفض ظہرک

کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔

(الاشراح)

شق صدر مبارک

ایک دن آپ چراگاہ میں تھے کہ ایک دم حضرت حلیمہ کے ایک فرزند ضمیرہ دوڑتے اور ہانپتے کانپتے ہوئے اپنے گھر پر آئے اور اپنی ماں حضرت بی بی حلیمہ سے کہا کہ اماں جان بڑا غضب ہو گیا، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو تین آدمیوں نے جو بہت ہی سفید لباس پہنے ہوئے تھے چت لٹا کر ان کا شکم پھاڑ ڈالا ہے اور میں اسی حال میں ان کو چھوڑ کر بھاگا ہوا آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بدحواس ہو کر گھبرائے ہوئے دوڑ کر جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں مگر خوف و ہراس سے چہرہ زرد اور اداس ہے۔ حضرت حلیمہ نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں پیار سے چمکار کر پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تین شخص جن کے کپڑے بہت ہی سفید اور صاف ستھرے تھے میرے پاس آئے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا شکم چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دی اور پھر کوئی چیز میرے شکم میں ڈال کر شگاف کو سی دیا لیکن مجھے ذرہ برابر بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

یہ واقعہ سن کر حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بے حد گھبرائے اور شوہر نے کہا کہ حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ ان کے اوپر شاید کچھ آسیب کا اثر ہے۔ لہذا بہت جلد تم ان کو ان کے گھر والوں کے پاس چھوڑ آؤ۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں کیوں کہ انھیں اس واقعہ سے یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ شاید اب ہم کما حقہ ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ حضرت حلیمہ نے جب مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا تو انھوں نے دریافت فرمایا کہ حلیمہ! تم بڑی خواہش اور چاہ کے ساتھ میرے بچے کو اپنے گھر لے گئی تھیں پھر اس قدر جلد واپس آنے کی وجہ کیا ہے؟ جب حضرت حلیمہ نے شکم چاک کرنے کا واقعہ بیان کیا اور آسیب کا شبہ ظاہر کیا تو حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں خدا کی قسم میرے نور نظر پر ہرگز ہرگز کبھی بھی کسی جن یا شیطان کا عمل دخل نہیں ہو سکتا میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔ پھر ایام حمل اور وقت ولادت کے

حیرت انگیز واقعات سنا کر حضرت حلیمہ کو مطمئن کر دیا اور حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر کے اپنے گاؤں میں واپس چلی آئیں اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش تربیت میں پرورش پانے لگے۔

شق صدر کتنی بار ہوا؟

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۃ الم نشرح کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ چار مرتبہ آپ کا مقدس سینہ چاک کیا گیا اور اس میں نور و حکمت کا خزانہ بھرا گیا۔

پہلی مرتبہ: جب آپ حضرت حلیمہ کے گھر تھے جس کا ذکر ہو چکا، اس کی حکمت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان وسوسوں اور خیالات سے محفوظ رہیں جن میں بچے مبتلا ہو کر کھیل کود اور شرارتوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

دوسری بار: دس برس کی عمر میں ہوا تا کہ جوانی کی پر آشوب شہوتوں کے خطرات سے آپ بے خوف ہو جائیں۔

تیسری بار: غار حرا میں شق صدر ہوا اور آپ کے قلب میں نور سیکھنے بھر دیا گیا تا کہ آپ وحی الہی کے عظیم اور گراں بار بوجھ کو برداشت کر سکیں۔

چوتھی مرتبہ: شب معراج میں آپ کا مبارک سینہ چاک کر کے نور و حکمت کے خزانوں سے معمور کیا گیا تا کہ آپ کے قلب مبارک میں اتنی وسعت اور صلاحیت پیدا ہو جائے کہ آپ دیدار الہی کی تجلیوں اور کلام ربانی کی ہیبتوں اور عظمتوں کے متحمل ہو سکیں۔ (مولف)

(مدارج النبوة، جلد دوم و سیرت مصطفیٰ)

النشراح صدر

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے شق صدر سے متعلق یہ روایت پیش فرمائی ہے۔

ابو نعیم دلائل میں اور دارمی وابن عساکر عبدالرحمن بن غنم اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

فرشتہ سونے کا طشت لے کر آیا اور میرا شکم مبارک چیر کر دل مقدس نکالا اور اسے دھو کر کچھ اس پر چھڑک دیا پھر کہا۔

انت محمد رسول الله المقفی الحاشر.

حضور محمد رسول اللہ ہیں سب انبیاء کے بعد تشریف لانے والے تمام عالم کو حشر دینے والے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ایک حدیث متصل میں یوں ہے۔ جبریل نے اتر کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شکم چاک کیا پھر کہا۔

قلب و کعب فیہ اذنان سمیعتان و عینان بصیرتان محمد رسول الله المقفی الحاشر.

مضبوط و محکم دل ہے اس میں دو کان ہیں شنوا اور دو آنکھیں ہیں بینا محمد اللہ کے رسول ہیں انبیاء کے خاتم اور خلائق کو حشر دینے والے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جزاء اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوة)



اللَّهُ

اہل فترت اور موحدین

با اهل الكتاب قد جاءكم رسولنا يبين لكم على قرة من الرسل

اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے، پھر تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں، بعد اس کے کہ رسولوں کا آئندہ توں بند رہا تھا۔
(سورۃ المائدہ، ۱۹۰/کنز الایمان)

اہل فترت اور موحدین

جزیرہ عرب کے تمام باشندے اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب کرتے اور اس نسب پر فخر کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تین ہزار سال تک جزیرہ عرب میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا اسے زمانہ فترت کہتے ہیں جب کہ وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔

اہل عرب کی عبادات

اس زمانہ میں بھی دین حنیف کی بہت سی عبادات ان میں باقی رہیں لیکن انہوں نے ان عبادات کو ایسا رنگ دے دیا تھا اور ان کے لیے ایسی شرائط اور قیود مقرر کر دی تھیں جن کے باعث ان عبادات کی روح فنا ہو گئی تھی دین ابراہیمی کے مطابق وہ اپنے مردوں کو غسل دیتے تھے، کفن پہناتے تھے، ان کی نماز جنازہ پڑھتے تھے اور سنت ابراہیمی کے مطابق ان کو قبروں میں دفن کرتے۔ لیکن ان کی نماز جنازہ میں نہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا تھی اور نہ ہی اس میت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں مغفرت کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ بلکہ میت کو غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد جب دفن کرنے کے لیے لے جاتے تو اس میت کا کوئی قریبی رشتہ دار آگے کھڑا ہو جاتا اور اس میت کے محاسن اور کمالات بیان کرتا اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتا۔ ان کے اس طرز عمل نے نماز جنازہ کی روح کو ختم کر دیا اور جس مقصد کے لیے یہ نماز ادا کی جاتی وہ مقصد ان کی خود ستائی کے شوق کی نذر ہو گیا۔

اس طرح وہ حج اور عمرہ بھی ادا کیا کرتے اور تلبیہ بھی کہا کرتے لیکن بعض قبائل نے اس تلبیہ میں ایسے الفاظ اپنی طرف سے بڑھادیے جس سے عقیدہ توحید مسخ ہو کر رہ گیا اور شرک کی عنفونت سے دماغ پھٹنے لگے وہ کہتے۔

لیک اللهم لیک لا شریک لک الا شریک ہو لک تملکہ و ما ملک .
حاضر ہیں ہم اے اللہ! حاضر ہیں ہم، تیرا کوئی شریک نہیں، بجز اس شریک کے جس کا تو مالک ہے
اور اس کی ہر چیز تیری ملکیت میں ہے۔

فریضہ حج ادا کرنے کے لیے بھی انہوں نے نئی نئی شرطیں عائد کر رکھی تھیں اور ان میں سے بیشتر کا مقصد یہ تھا کہ عرب کے تمام قبائل پر اپنی برتری اور تفوق قائم کر سکیں۔ حج کے دوران وہ ان تمام مواقع پر کھڑے ہوتے جہاں کھڑے ہونے اور حاضر ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ قربانی کے جانور بھی ساتھ لے آتے، وہ رمی جمار بھی کرتے، اہل جاہلیت جب دور دراز علاقوں سے حج کی نیت سے روانہ ہوتے تو اپنے قربانی کے جانوروں کے گلوں میں بالوں سے بنا ہوا قلابہ ڈال دیتے۔ اس قلابہ کے باعث کوئی راہزن، کوئی ڈاکو نہ تو ان پر حملہ کرتا اور نہ ہی ان کا مال و متاع اڑا کر لے جاتا۔ مسافر حرم کے لیے انہوں نے ہر طرح کی امان دے رکھی تھی، حرمت والے چار مہینوں میں وہ ملکی سطح پر جنگ و جدال، لوٹ مار چوری اور ڈاکہ ان تمام حرکتوں سے کلیتاً اجتناب کرتے ملک میں ہر طرح کا امن و امان قائم ہو جاتا۔ ان مہینوں میں تجارتی کارواں بڑی آزادی اور اطمینان سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں تجارتی مال لے کر جاتے۔ کاروبار کرتے، نفع حاصل کرتے، اور ان سے کوئی تعرض نہ کرتا۔ حج کے جملہ ارکان کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے با ایں ہمہ ان میں جہالت کی وجہ سے چند خرافات بھی رواج پا چکی تھیں۔

اہل مکہ اپنے آپ کو دوسرے عرب قبائل سے اعلیٰ اور افضل سمجھتے تھے وہ کہتے ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں حرم شریف کے باشندے ہیں، بیت اللہ شریف کے متولی ہیں، مکہ کے رہنے والے ہیں جو حقوق اور امتیازات ہمیں حاصل ہیں وہ اور کسی عرب کو حاصل نہیں۔ ہم صرف ان چیزوں کی تعظیم بجالائیں گے جو حرم کے اندر ہیں جو مشاعر اور مواقع حرم سے باہر ہیں، دوسرے اہل عرب کے لیے تو لازم ہے کہ وہاں حاضری دیں اور ان کی تعظیم بجالائیں لیکن ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اہل حرم ہوتے ہوئے ہم حرم سے باہر کی

چیزوں کی تعظیم و تکریم کریں ورنہ ہمارے اور دوسرے قبائل کے درمیان وجہ امتیاز کیا باقی رہے گی۔ اس لیے اہل مکہ نے عرفہ کے میدان میں قیام ترک کر دیا تھا اور افاضہ کا طواف بھی انہوں نے چھوڑ دیا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے لیے ایک خاص اصطلاح وضع کر لی تھی وہ اپنے آپ کو کہتے، نحن الخمس۔ الخمس کا معنی اہل حرم ہے یعنی حرم کے اندر رہنے والے۔ ان کے بعد عرب کے وہ لوگ جو حرم میں پیدا ہوئے تھے ان کو بھی حرم میں ولادت کی وجہ سے یہ حقوق حاصل ہو گئے تھے۔

اسی طرح انہوں نے اپنے اوپر یہ پابندی بھی عائد کر لی تھی کہ ہم اہل حرم ہیں ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ حالت احرام میں پنیر کھائیں یا گھی استعمال کریں یا اون کے بنے ہوئے خیموں میں داخل ہوں یا کسی سائے میں بیٹھیں۔ حالت احرام میں صرف وہ ان خیموں میں بسر اوقات کرتے اور سائے کے نیچے بیٹھتے جو خیمے چمڑے کے بنے ہوئے ہوتے۔ پھر انہوں نے یہ پابندی لگا دی کہ اہل حل (حد و حرم سے باہر رہنے والے لوگ) جب وہ حج یا عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ میں آئیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کھانا کھائیں جو اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ اس طرح ان کے لیے یہ چیز بھی ناجائز قرار دی گئی کہ وہ ان کپڑوں میں کعبہ شریف کا پہلا طواف کریں جو وہ اپنے گھر سے پہن کر آئے ہیں انھیں چاہیے کہ کعبہ کا طواف کرتے وقت اہل حرم سے کپڑے مستعار لے کر پہنیں اور اگر ان کے ہاں کپڑے دستیاب نہ ہوں تو وہ برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کریں۔ اگر کوئی مرد یا عورت انھیں کپڑوں میں طواف کرے جو وہ گھر سے پہن کر آیا تھا تو طواف سے فارغ ہونے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ ان کپڑوں کو اتار کر پھینک دے نہ خود ان کو پہنے اور نہ کوئی اور انھیں استعمال کرے۔ اہل مکہ نے اہل عرب کو ان احکام کی پابندی کا حکم دیا اور انہوں نے بلا چون و چرا ان احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

وہ لوگ عرفات میں قیام کرتے وہاں سے طواف افاضہ کرنے کے لیے مکہ آتے، خانہ کعبہ شریف کا طواف برہنہ ہو کر کرتے عورتیں بھی تمام کپڑے اتار دیتیں، ایک چھوٹی سی کھلی قمیص ان کے بدن پر ہوتی۔

اس طرح کی قیود و شرائط سے انہوں نے حج و عمرہ جیسی عبادت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا بجائے اس کے کہ ان ارکان کی ادائیگی سے ان میں تقویٰ اور پارسائی کا شعور پیدا ہوتا، الثابرتنگی اور عریانی کو پذیرائی نصیب ہونے لگی۔

جب اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کے ارد گرد طواف کرتے ہوئے مرد و زن نے بے حیائی کا ایسا شرمناک مظاہرہ کرنا اپنے اوپر ضروری قرار دے دیا تو پھر اور کون سا مقام ہے جہاں ان سے عفت قلب و نگاہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔

بعض اہل حق

عہد جاہلیت میں اہل عرب نے جس قسم کے عقائد باطلہ کو اپنا رکھا تھا اس کا سرسری جائزہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا لیکن اس دور میں جب کہ ہر طرف کفر و شرک اور فسق و فجور کی کالی رات چھائی ہوئی تھی بعض ایسے نفوس قدسیہ بھی تھے جو اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی توحید پر ان کا یقین محکم اور اس کی صفات کمال پر ان کا ایمان پختہ تھا۔ معبودان باطل سے وہ قطعاً بیزار تھے۔ شب دیبجور میں آسمان پر جس طرح ستارے چمک رہے ہوتے ہیں اسی طرح ان بھیانک اندھیروں میں ان کا وجود منبع انوار تھا ان میں چند برگزیدہ ہستیوں کے عقائد اور اطوار کے بارے میں مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

قس بن ساعدہ الایادی

ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے طویل عمر پائی۔ ابو حاتم البستانی نے اپنی تصنیف کتاب المعمرین میں لکھا ہے کہ ان کی عمر ۳۸۰ سال تھی انہوں نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، حضور کے ارشادات سنے، عہد جاہلیت میں یہ پہلے شخص تھے جو قیامت پر ایمان لے آئے۔

امام ذہبی و علامہ ابن حجر اور دیگر علماء نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن ابن سکن نے صراحت

سے لکھا ہے کہ قس نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت سے پہلے وفات پائی۔

ابن سید الناس نے اپنی تصنیف ”السیرة“ میں ایک واقعہ لکھا ہے جو انھوں نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

جارود بن عبد اللہ جو اپنی قوم کے سردار تھے، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے تورات میں حضور کی صفت پڑھی ہے حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کی آمد کی بشارت دی۔

فانا اشهد ان لا اله الا الله و انک محمد رسول الله .

پس میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور آپ محمد رسول اللہ ہیں۔

چنانچہ جارود بھی ایمان لایا اور اس کی قوم بھی مشرف باسلام ہوئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے انتہائی مسرت ہوئی۔ حضور نے پوچھا اے جارود! وفد عبد القیس میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو ہمیر قس کا تعارف کرائے اور اس کے حالات سے آگاہ کرے۔ جارود نے کہا یا رسول اللہ! ہم سب اس کو جانتے ہیں اور میں تو وہ شخص ہوں جو اس کے پیچھے پیچھے چلا کرتا تھا۔ وہ عرب کے ایک شریف قبیلہ کا ایک شریف فرد تھا اس کی فصاحت مسلمہ تھی۔ اس کی عمر سات سو سال تھی۔ اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے حواریوں میں سے سمعان کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، میں گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے۔

لیبلغن الكتاب اجله و لیوفین کل عامل عمله .

یقیناً کتاب اپنی مقررہ مدت کو پہنچے گی اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کی پوری جزا دی

جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جا رو! اب تم صبر کرو میں اس کو فراموش نہیں کر سکتا میں نے اس کو سوق عکاظ میں خاکستری رنگ کے اونٹ پر بیٹھے دیکھا وہ گفتگو کر رہا تھا جو شاید مجھے پوری طرح محفوظ نہیں، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اس سوق عکاظ میں موجود تھا اور جو خطبہ اس روز اس نے دیا وہ مجھے پوری طرح یاد ہے آپ نے وہ خطبہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ جس میں عقیدہ توحید اور روز قیامت کے بارے میں قس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

زید بن عمرو بن نفیل

اس خوش نصیب گروہ میں سے جنہوں نے گمراہی کی اندھیری رات میں بھی حق کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا زید بن عمرو بن نفیل ہیں۔ یہ اپنے اہل وطن کے مشرکانہ عقائد سے بچپن ہی سے متنفر تھے یہ نہ ان کی پوجا کرتے تھے اور نہ ان کے لیے جانوروں کی قربانیاں دیتے۔

علامہ الفاکہی نے اپنی سند سے عامر بن ربیعہ سے روایت کیا، عامر کہتے ہیں میری ملاقات زید بن عمرو سے ہوئی جب وہ مکہ سے نکل کر حرا کی طرف جا رہے تھے انہوں نے مجھے کہا اے عامر! میں نے اپنی قوم کے باطل عقیدہ کو ترک کر دیا اور ملت ابراہیمی کا اتباع اختیار کر لیا ہے میں اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جس کی حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت کیا کرتے تھے۔ میں ایک نبی کا انتظار کر رہا ہوں جو حضرت اسماعیل کی پھر حضرت عبدالمطلب کی پشت سے ہوگا لیکن میرا خیال ہے کہ اس نبی کا زمانہ نہ پاسکوں گا۔ سنو! میں اس نبی پر ایمان لے آیا ہوں، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہے۔

واقدی کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے عامر کو کہا کہ اگر تیری عمر دراز ہو اور تو اس نبی کا زمانہ پائے تو اس کی بارگاہ اقدس میں میرا سلام عرض کرنا، عامر کہتے ہیں جب میں مشرف بہ اسلام ہوا تو میں

نے اس کا اسلام بارگاہ رسالت میں عرض کیا حضور نے ان کے سلام کا جواب دیا اور اس پر رحمت بھیجی۔ فرمایا: میں اس کو جنت میں دیکھ رہا ہوں اس حال میں کہ وہ اپنی چادر کا پلو گھسیٹتے چلے جا رہے ہیں۔ زید نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف تو حاصل کیا، لیکن حضور کے مبعوث ہونے سے پہلے انتقال کر گئے۔ انہوں نے ایک بار حضور کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے نصرانیت اور یہودیت کو سونگھا ہے لیکن میں نے ان میں وہ چیز نہیں پائی جس کی مجھے طلب تھی۔ میں نے بات ایک راہب کو بتائی تو اس نے مجھے کہا: تم شاید ملت ابراہیمی کی متلاشی ہو جو آج تمہیں کہیں نہیں ملے گی تم اپنے شہر کو واپس چلے جاؤ۔ وہاں اللہ تعالیٰ تیری قوم میں سے ایک نبی مبعوث فرمائے گا جو ملت ابراہیمی کی دعوت لے کر آئے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے اس کی جناب میں زیادہ معزز ہوگا۔

اسعد ابو کرب الحمیری

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اسعد، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے سات سو سال قبل اس نے یہ شعر کہے۔

شہدت علی احمد الہ

رسول من اللہ باری النسیم

میں گواہی دیتا ہوں اس بات پر کہ حضرت احمد اللہ کے رسول ہیں وہ اللہ جو روحوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

ولو مد عمری الی عصرہ

لکنت وزیر الہ وابن عم

اگر میری عمر ان کے زمانہ تک رہی تو میں ان کا وزیر بنوں گا اور ان کے چچا کے بیٹے کی طرح

معاون ہوؤں گا۔

سیف بن ذی یزن

حبشیوں نے یمن پر قبضہ جمالیا تھا اہل یمن پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی سیف بن ذی یزن نے کسریٰ سے امداد طلب کر کے یمن پر چڑھائی کی۔ حبشیوں کو شکست دی اور اپنے اہل وطن کو ان کی غلامی کی ذلت اور اذیت رسائی سے نجات دلائی۔

یہ واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد یوں رونما ہوا۔ جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ سے وفود سیف بن ذی یزن کو مبارک باد دینے کے لیے آئے، شعراء نے اس کی مدح میں قصیدے لکھے جس میں اس کے احسان کا ذکر کیا گیا کہ اس نے اہل یمن کو حبشیوں کی ذلت آمیز غلامی سے نجات دلائی اور اس پر اس کی خدمت میں خراج تشکر پیش کیا گیا ان وفود میں ایک وفد مکہ کے قریش کا بھی تھا اس وفد میں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم، امیہ بن شمس، عبد اللہ بن جدعان اور اسد بن خویلد جیسے رؤسا تھے۔ جب عبدالمطلب اس کے دربار میں پیش ہوئے تو آپ نے گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی سیف نے کہا اگر تمہیں دربار شاہی میں لب کشائی اور آداب کا علم ہے تو ہم تمہیں گفتگو کی اجازت دیتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اس فصاحت و بلاغت سے اپنا مدعا پیش کیا کہ بادشاہ سراپا حیرت بن کر رہ گیا اور انہیں کہا کہ آپ اپنا تعارف کروائیے، آپ نے بتایا میں ہاشم کا بیٹا عبدالمطلب ہوں اس نے آپ کو اپنے قریب کیا اور ان کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور اپنے دربار کے ملازمین کو حکم دیا کہ انہیں شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا جائے ایک ماہ تک وہ وہاں ٹھہرے رہے اور شاہی ضیافتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اس اثناء میں نہ بادشاہ کو فرصت ملی کہ دوبارہ ان سے ملاقات کرے اور نہ انہیں جرأت ہوئی کہ اس سے مکہ جانے کے لیے رخصت طلب کرتے۔ ایک ماہ بعد بادشاہ نے حضرت عبدالمطلب کو اپنی خلوت میں بلایا اور کہا اے

عبدالمطلب! میں ایک راز سے تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ میں تمہیں اس کا اہل سمجھتا ہوں تمہیں اس راز کو افشا نہیں کرنا ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلہ کو خود ظاہر فرمادے میں نے اپنی کتاب میں پڑھا ہے جو ہمارے پاس ایک سرمکتوم (راز نہاں) ہے، ہم اپنے علاوہ کسی کو اس کے مطالعہ کی اجازت نہیں دیتے حضرت عبدالمطلب نے کہا:

اے بادشاہ خدا تمہیں سلامت رکھے مجھے بتائیے کہ وہ راز کیا ہے؟ اس نے کہا:

اذا ولد بتھامة غلام بين كتفيه شامة كانت له الامامة و لكم به الزعامة الى يوم

القيمة .

کہ جب تہامہ میں ایک ایسا بچہ پیدا ہو جس کے کندھوں کے درمیان نشان ہو وہی امام ہوگا اور اس کے صدقہ میں قیامت تک تمہیں سرداری نصیب ہوگی۔

عبدالمطلب نے کہا کہ اگر شاہی جلال اور اس کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں اس بشارت کی تفصیل کے بارے میں التماس کرتا تا کہ میری مسرتوں میں مزید اضافہ ہوتا۔ سیف نے کہا یہ اس کا وقت ہے ابھی پیدا ہوگا ممکن ہے پیدا ہو بھی چکا ہو اس کا نام احمد ہے ان کے والد اور والدہ فوت ہو جائیں گے۔ ان کے دادا اور چچا ان کی کفالت کریں گے اس کی وجہ سے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا، آتش کدے بجھا دیے جائیں گے، خداوند رحمن کی عبادت کی جائے گی اور شیطان کو دھتکار دیا جائے گا، ہم اس کے مددگار ہوں گے اس کے دوستوں کی فتح کا ہم باعث بنیں گے اس کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کریں گے۔ حضرت عبدالمطلب نے مزید وضاحت چاہی تو ابن ذی یزن نے صاف کہہ دیا کہ اے عبدالمطلب! تم ان کے دادا ہو۔ یہ سنتے ہی عبدالمطلب سجدہ میں گر گئے بادشاہ نے انہیں کہا سر اٹھائیے اور مجھے بتائیے کہ جو علامات میں نے آپ کو بتائی ہیں کیا ان میں سے آپ نے کچھ مشاہدہ کیا ہے؟ آپ نے حضور والا کی ولادت، حضور کا نام مبارک،

والدین کے وفات پانے اور کندھوں کے درمیان اس نشانے کے پائے جانے کے بارے میں بتایا۔ ابن ذی یزن نے انہیں ہدایت کی کہ اس امر سے کسی کو آگاہ نہ کریں۔ مبادا حسد کے جذبات آپ کے دوسرے ساتھیوں کے سینے میں بھڑک اٹھیں۔ نیز یہودیوں سے حضور کو محفوظ رکھنے کی خصوصی تاکید کی اور بتایا کہ یہود حضور کے بدترین دشمن ہوں گے۔

اس کے بعد قریش کے قافلہ کے تمام ارکان کو شرف بازیابی بخشا اور ان کو انعامات سے مالا مال کر دیا حضرت عبدالمطلب کو دوسروں سے دس گنا زیادہ عطیات سے نوازا۔

ورقہ بن القرشی

ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی بن قصی کا سلسلہ نسب قصی میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ میں نسب کے ساتھ مل جاتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ورقہ کے چچا خویلد بن اسد کی صاحبزادی تھیں۔

ابوالحسن البقاعی نے آپ کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں آپ کا صحابی ہونا ثابت کیا ہے۔ ورقہ بن نوفل ان سعادت مند افراد سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانت پر ایمان رکھتے تھے قریش اور دیگر بت پرست عرب قبائل سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ آپ نے اپنی عقل سلیم سے ہی یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ عرب کے بت پرست دین ابراہیمی بے ٹھیک گئے ہیں وہ ہمیشہ اس تلاش میں رہتے کہ انہیں وہ طریقہ معلوم ہو جائے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکیں اس مقصد کیلئے انہوں نے کئی ملکوں کا سفر بھی اختیار کیا۔ متعدد اہل علم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ان آسمانی صحافیوں کے امین تھے جو اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء پر نازل کئے تھے اس تلاش و جستجو کے باعث وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ

آخری دین، دین نصرانیت ہے انہوں نے عیسائیوں کے ان عقائد کا اتباع نہیں کیا جن میں انہوں نے اپنے نبی کی واضح تعلیمات سے انحراف کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت پر ان کا پختہ عقیدہ تھا اسی اثناء میں وہ اس نبی کے بارے میں بھی تجسس کرتے رہے جس کی آمد کی بشارت حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی تھی۔ جب آپ کی چچا زاد بہن حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ کی ذات ہی وہ نبی ہے جن کا انہیں شدت سے انتظار تھا حضرت ورقہ کی خوشی کی حد نہ رہی کہ ان کی زندگی ہی میں وہ نبی مکرم تشریف لائے انہوں نے برملا اعلان کر دیا۔

وشہد انه اتاه الناموس الاكبر والذى كان ياتي الانبياء قبله عليهم الصلوة والسلام وشهد اله الذى انزل عليه كلام الله وشهد انه نبى هذه الامة وتمنى ان يعيش الى ان يجاهد معه .

انہوں نے گواہی دی کہ ان یک پاس عظیم فرشتہ آیا ہے جو ان سے پہلے انبیاء کے پاس وحی لے کر آیا کرتا تھا اور گواہی دی کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل کیا گیا ہے اور گواہی دی کہ آپ اس امت کے نبی ہیں اور اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش وہ اس وقت تک زندہ رہیں کہ ان کی معیت میں جہاد میں شرکت کر سکیں۔

حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ورقہ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

وقال له ورقة هذا الناموس الذى نزل الله على موسى ياليتنى فيها جذع ليتنى اكون حيا اذ يخرجك قومك وقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم او مخرجى هم قال نعم لم يات رجل قط بمثل ما جئت به الا عودى وان يدركنى يومك الصرك نصرا موذرا ثم لم ينشب ورقه توفى دفتر الوحى .

جب ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ، حضور کو لے کر حضرت ورقہ کے پاس گئیں تو انھوں نے کہا یہ وہ فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا تھا اے کاش! میں اس وقت نہ جوان ہوتا، اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے جلا وطن کرے گی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں کوئی آدمی بھی آج تک وہ امانت لے کر نہیں آیا، جو لے کر آپ آئے ہیں مگر یہ کہ اس کے ساتھ عداوت کی گئی اگر آپ کا وہ دن مجھے پالے تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا پھر قلیل مدت کے بعد ورقہ وفات پا گئے۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی کئی ایسے سعادت مند نفوس قدسیہ تھے جنھوں نے کفر و شرک کے اس تاریک دور میں بھی توحید کی شمع کو فروزاں رکھا اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔
آمین۔ (مؤلف)
(ضیاء النبی المعروف سیرۃ الرسول)

اہل فترت کے اقسام

اہل فترت کا حال، ان کی قسمیں اور ان کے عقائد کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مقام پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اہل فترت جنھیں انبیاء اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی دعوت نہ پہنچی تین قسم ہیں۔

اول: موحد جنھیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں راہ توحید دکھائی، جیسے قس بن ساعدہ وزید بن عمرو بن نفیل و عامر بن الظرب عدوانی و قیس بن عاصم تمیمی و صفوان بن ابی امیہ کنانی و زہیر بن ابی سلمیٰ شاعر مشہور وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

قس بن ساعدہ وزید بن عمرو بن نفیل یہ دونوں مقبول بندے زمانہ جاہلیت میں نہ صرف موحد تھے بلکہ پیش از بعثت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعثت شریفہ پر بھی ایمان رکھتے۔ قس نے بازار عکاظ کے خطبے

میں اپنی قوم سے فرمایا، عنقریب ادھر سے ایک حق ظاہر ہونے والا ہے اور مکہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے کہا وہ حق کیا ہے؟ کہا لوی بن غالب کی اولاد سے ایک مرد کہ تمہیں کلمہ اخلاص اور ہمیشہ کے چین اور دائمی نعمت کی طرف دعوت فرمائے گا تم اس کی بات ماننا، اگر میں جانتا کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو سب سے پہلے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا۔

ابونعیم نے دلائل النبوة میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کو روایت کیا۔

عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، مجھ سے زید بن عمرو نے کہا میں اپنی قوم کا مخالف اور دین ابراہیم و اسماعیل کا تابع ہوا وہ دونوں بتوں کو نہ پوجتے اور اس قبلہ کی طرف نماز پڑھتے، میں اولاد اسماعیل سے ایک نبی کے انتظار میں ہوں مگر میرے خیال میں اس کا زمانہ نہ پاؤں گا میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔ اے عامر اگر تمہاری عمر وفا کرے تو انہیں میرا سلام پہنچانا۔ عامر فرماتے ہیں جب میں نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زید کا یہ قصہ بیان کیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے حق میں دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا میں نے اسے دیکھا کہ جنت میں دامن کشاں سیر کر رہا ہے۔ ابن سعد اور فاکہی نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو روایت کیا۔

اور ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

غفر اللہ عزوجل لزید بن عمرو و رحمہ فانہ مات علی دین ابراہیم.

اللہ عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا کہ وہ دین ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر

تھے۔

دوم: مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے جیسے کہ اکثر عرب۔

سوم: غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی بہائم کے مثل زندگی کی اعتقادات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر و فکر کی مہلت نہ پائی بہت زنان و اہل بوادی کی نسبت یہی مطنون ہے۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

زمن جاهلیة عم الجهل فیہا شرقا وغربا وفقد فیہا من يعرف الشرالع ویبلغ الدعوة علی وجهہا الانفرا یسیرا من احار اهل الکتاب مفرین فی اقطار الارض احکام الشریعة لعدم مخالطتهم الفقہاء فما ظک بزمان الجاہلیة والفقرة الذی رجالہ لا يعرفون ذالک فضلا عن نسانہ ولذا لما بعث صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعجب اهل مکة قالوا 'بعث اللہ بشرا رسولا وقالوا لو شاء ربنا لا نزل ملائکة وربما کانو یظنون ان ابراهیم علیہ السلام بعث بما هم علیہ فانہم لم یجدوا من یبلغہم شریعة علی وجهہا لدثورہا وفقد من يعرفہا اذ کان بینہم وبنہ ازید من ثلاثہ الاف سنة فالہ فی مسالک الحنفاء والدرج المنیفة .

ایسا عہد جاہلیت جس میں مشرق و مغرب ہر طرف جہالت عام ہے احکام شریعت جاننے والے اور صحیح سے دعوت کی تبلیغ کرنے والے ناپید ہیں۔ صرف چند علماء اہل کتاب ہیں جو اطراف زمین شام وغیرہ میں منتشر ہیں اور آج جب کہ اسلام شرق و غرب میں پھیل چکا ہے عورتوں کا یہ حال ہے کہ اکثر احکام شرع سے بے خبر رہتی ہے کیوں کہ علماء سے ان کا ربط اور وابستگی نہیں پھر عہد جاہلیت اور زمانہ فترت کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جب کہ عورتیں درکنار مرد بھی ان سب سے نا آشنا ہوتے تھے اسی لئے تو جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اہل مکہ کو تعجب ہوا بولے کیا اللہ نے کسی انسان کو

رسول بنا کر مبعوث کیا ہے؟ اور بولے اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا وہ تو یہاں تک سمجھا کرتے تھے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں ان ہی باتوں کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام مبعوث ہوئے تھے اس غلط خیالی کی یہی وجہ تھی کہ شریعت ابراہیمی کو صحیح طور سے کوئی پہنچانے والا ہی ان کو نہ ملا کیوں کہ اس کے نشانات مٹ گئے تھے اور اس کے جاننے والے بھی ناپید ہو چکے تھے اس لیے کہ ان اہل مکہ اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔ یہ مسالک الحنفیاء اور الدرر الجدید میں فرمایا گیا ہے۔

اہل فترت کا حکم اور مذہب اشاعرہ

جمہیرائے اشاعرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک بعثت اقدس حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو کر دعوت الہیہ انھیں نہ پہنچے یہ سب فرقے ناجی و غیر معذب تھے۔

لقولہ تعالیٰ و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً.

ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک کہ بھیج لیں رسول۔

و الجواب بتعمیم الرسول العقل او تخصیص العذاب بعذاب دنیا خلاف الظاهر فلا یصار الیہ الا بموجب و لا بموجب ، اقول ، بل احادیث صحیحہ صریحہ کثیرہ کبیرہ ناطقہ بعذاب بعض اہل الفترہ کعمر و بن لحو و صاحب المحجن و غیرہما۔

اشاعرہ کے جواب میں یہ کہنا کہ رسول سے مراد عام ہے خواہ انسان ہو یا عقل یا یہ کہ صرف عذاب سے مراد عذاب دنیا ہے (یعنی جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں دنیا میں عذاب نہیں دیتے اور عذاب آخرت دعوت رسول بھیجے بغیر بھی ہو سکتا ہے) یہ (تاویل) خلاف ظاہر ہے جس کی طرف رجوع کا کوئی

موجب نہیں، اقول، کیوں نہیں بہت ساری صحیح حدیثیں بعض اہل فترت کے عذاب (دنیاوی) پر ناطق ہیں جیسے عمرو بن لُحی اور ٹیڑے ڈنڈے والا آدمی (جو اپنے ڈنڈے سے لوگوں کی چیزیں اچک کر چرا لیتا تھا) اور ان دونوں کے علاوہ سے متعلق بھی۔

خصوصاً جہاں عرب جنھیں قرآن عظیم جاہل وامی و بے خبر و غافل بتا رہا ہے صاف ارشاد ہوتا ہے۔

تنزیل العزیز الرحیم لتندر قوما ما اندر آباء ہم فہم غفلون .

اتارا ہوا زبردست مہر والے کا کہ تو ڈرائے ان لوگوں کو نہ ڈرائے گئے ان کے ماں باپ دادا تو وہ

غفلت میں ہیں۔

اور خود ہی ارشاد ہوتا ہے۔

ذلک ان لم تکن ربھا مہلک القرى بظلم و اہلھا غفلون .

یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ظلم سے جب کہ ان کے رہنے والے غفلت

میں ہوں۔

اشاعرہ کے استدلال پر ماترید یہ کا نقد

قلت ای و ہذا و ان کان ظاہراً فی عذاب الدنیا و عذاب الآخرة منتف

بالفحوی فان اسلک الکریم الذی لم یرض للغافل بعذاب منقطع لا یرضی بعذاب

دائم من باب اولی .

اقول لکن الغفلة انما هی علی امر الرسالة و النبوة و السمعیات کبعث و

غیره و قد قلنا بموجبھا فی ذلک ، اما التوحید فلا غفلة عنه مع وضوح الدلائل و

کفاية العقل .

قلت، یہ آیت اگرچہ غفلت والے سے عذاب دنیا کی نفی میں ظاہر ہے اور عذاب آخرت کی نفی مفہوم سے ہو جاتی ہے کیوں کہ جس بادشاہ کریم نے غافل کے لیے دنیا کا فانی عذاب پسند نہ کیا وہ آخرت کا دائمی عذاب بدرجہ اولیٰ پسند نہ فرمائے گا۔

اقول، لیکن یہ وہ غفلت ہے جو رسالت نبوت اور سمعی عقائد بعث وغیرہ کے باب میں ہو اور اس باب میں موجب غفلت پائے جانے کے ہم قائل ہیں لیکن توحید سے غفلت کا کوئی موجب نہیں جب کہ اس کے دلائل واضح ہیں اور عقل اس کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

ائمہ ماترید یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ائمہ بخارا وغیرہم بھی اس کے قائل ہوئے۔ امام محقق کمال الدین ابن الہمام قدس سرہ نے اسی کو مختار رکھا۔

شرح فقہ اکبر میں ہے۔

قال ائمة بخارا منا لا يجب ايمان و لا يحرم كفر قبل البعثة كقول الاشاعرة.
ہم میں سے ائمہ بخارانے اشاعرہ کی طرح فرمایا قبل بعثت وجوب ايمان اور حرمت کفر دونوں نہیں۔
فوائح الرحمت میں ہے۔

عند الاشعرية و الشيخ ابن الهمام و لا يؤخذون و لو أتوا بالشرك و العياذ بالله تعالى .

اشعریہ اور شیخ ابن الہمام کے نزدیک ان سے مواخذہ نہیں اگرچہ مرتکب شرک ہوں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

حاشیہ طحاویہ علی الدر المختار میں ہے۔

اهل الفترة ناجون و لو غيروا و بدلوا علی ما علیہ الاشاعرة و بعض المحققين
من الماتريديہ و نقل الكمال فی التحرير عن ابن ابی الدولة انه المختار لقوله تعالى و
ما كنا معذبين حتى نبعث رسولا .

اہل فترت ناجی ہیں اگرچہ تغیر و تبدل کے مرتکب ہوں اس پر اشاعرہ اور بعض محققین ماتریدیہ ہیں
، کمال ابن ہمام تحریر میں ابن عبدالدولہ سے ناقل ہیں کہ یہی مختار ہے کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ہم عذاب
فرمانے والے نہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں۔

قول اشاعرہ پر اہل فترت کافر نہیں

اس قول پر تو ظاہر کہ اہل فترت کو تا زمان فترت کافر نہ کہا جائے گا کہ وہ ناجی ہیں اور کافر ناجی
نہیں۔

و علی هذا استدل به السيد العلامة علی نزهة الابوين الشریفین عن الکفر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما و عن کل من احب اجلالہما اجلالا لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم .

اسی بنیاد پر اس سے سید علامہ طحاوی نے والدین کریمین کے کفر سے منزہ ہونے پر استدلال کیا
ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو اور ہر اس شخص سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکرام کی
خاطر ان کا اکرام پسند کرے۔

اہل فترت سے متعلق بعض اشاعرہ کا موقف

بعض علماء قائل تفصیل ہوئے کہ اہل فترت کے مشرک معاقب، اور موحد و غافل مطلقا ناجی۔ یہ

قول اشاعرہ سے امام جلیلین نووی و رازی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے۔

و تعقبہ الامام الجلال السيوطي في رسائله في الابوين الكريمين رضی اللہ تعالیٰ عنہما بما يرجع القول بالامتحان.

و العلامة ابو عبد الله محمد بن خلف الابي في اكمال الاكمال شرح صحيح مسلم كما نقله كلامه في المواهب.

اقول لكنه عاد اخرا الى تسليمه حيث قال اولاً ، لما دلت القواطع على انه لا تعذيب حتى تقوم الحجة علمنا انهم غير معذبين .

ثم استشعر ورود الاحاديث و قسمهم آخر الكلام الى موحد و مبدل و غافل ثم قال فيحمل من صح تعذيبه على اهل القسم الثاني لكفرهم بما تعدوا به من الخبائث و الله تعالى قد سمى جميع هذا القسم كفاراً و مشركين فاننا نجد القران كلما حكى حال احدهم سجل عليهم بالكفر و الشرك كقوله تعالى ما جعل الله من بحيرة ، ثم قال تعالى و لكن الذين كفروا يفترون على الله الكذب و اكثرهم لا يعقلون .

لهذا كما ترى رجوع الي ما قاله هذان الامامان من تعذيب من اشرك منهم .

القول و في استدلاله بالاية خفاء ظاهر اذ ليست نصاً في ان المراد بهم من اخترع ذلك من اصل الفترة بل الكفار لما تدينوا بتلك الاباطيل سجل عليهم بانهم يفترون على الله الكذب و بالجملة فمفاد الاية ان الكافرين يفترون لا ان المفترين كلهم كافرون حتى يكون تسجيلاً على كفر اهل الفترة .

اس قول کا امام جلال الدین سیوطی نے اسلام والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق اپنے

رسائل میں تعاقب کیا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ اہل فترت کا امتحان (پھر فیصلہ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف ابی مالکی نے بھی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم میں قول مذکور کا تعاقب کیا ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ان کا کلام مذکور ہے۔

اقول، مگر آخر میں چل کر انہوں نے اس قول کو تسلیم کر لیا ہے اس طرح کہ پہلے فرمایا کہ جب قطعی نصوص نے بتایا کہ حجت قائم ہوئے بغیر عذاب نہ دیا جائے گا تو ہم نے جانا کہ ان پر عذاب نہ ہوگا۔

پھر انہیں خیال ہوا کہ تعذیب کے بارے میں تو حدیثیں بھی وارد ہیں تو آخر کلام میں اہل فترت کو انہوں نے تین قسموں (۱) موحد (۲) مبدل (۳) اور غافل میں تقسیم کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ جن کی تعذیب کی صحت ثابت ہے انہیں قسم ثانی والوں پر محمول کیا جائے گا اس لیے کہ وہ اپنے برے افکار و اعمال کے ذریعہ حد سے تجاوز کرنے کے باعث کافر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے سارے لوگوں کو کفار و مشرکین کے نام سے موسوم کیا ہے کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ان میں سے جب کسی کا حال بیان فرماتا ہے تو صاف ان کے کافر و مشرک ہونے کا حکم مثبت فرمادیتا ہے جیسے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، اللہ نے مقرر نہ کیا بحیرہ (کان چیرا ہوا) پھر یہ ارشاد ہے، لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

تو یہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اسی کی طرف رجوع ہے جو امام نووی و امام رازی نے فرمایا کہ اہل فترت کے مشرکوں پر عذاب ہوگا۔

اقول، ہاں علامہ ابی نے آیت مذکورہ سے جو استدلال کیا ہے اس میں کھلا ہوا خفا ہے کیوں کہ آیت اس بارے میں نص نہیں کہ ان سے اہل فترت ہی کے (بحیرہ وغیرہ) اختراع کرنے والے مراد ہیں بلکہ کفار نے جب ان باطل چیزوں کو اپنے دین و اعتقاد میں داخل کر لیا تو ان کے بارے میں یہ حکم مثبت فرمایا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ کافرین افترا کرتے ہیں نہ یہ کہ سارے

افترا کرنے والے کافر ہیں کہ اہل فترت کے کفر کی تصریح ہو۔

ردالمحتار میں یہی قول ائمہ بخارا کی طرف نسبت کیا۔

علی خلاف ما قدمنا علی القاری و الطحطاوی و بحر العلوم رحمہم اللہ تعالیٰ حیث قال ، نعم البخاریون من الماتریدیة و افقوا الاشاعرة و حملوا قول الامام لا عذر لاحد فی الجہل بخالفہ علی ما بعد البعثہ و اختارہ المحقق ابن الہمام فی التحریر ، لکن ہذا فی غیر من مات معتقدا للکفر فقد صرح النووی و الفخر الرازی بان من مات قبل البعثہ مشرکا فهو فی النار و علیہ حمل بعض المالکیہ ما صح من الاحادیث فی تعذیب اہل الفترۃ .

اس کے برخلاف جو پہلے ہم نے مولانا علی قاری، طحطاوی، اور بحر العلوم رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا علامہ شامی نے اس طرح فرمایا کہ ہاں ماتریدیہ میں سے ائمہ بخارا اشاعرہ کے موافق ہوئے۔ انہوں نے امام اعظم کے قول، اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کسی کے لیے کوئی عذر نہیں، کو ما بعد بعثت پر محمول کیا۔ اسی کو محقق ابن الہمام نے تحریر میں اختیار کیا لیکن یہ قول جو لوگ کفر کا عقیدہ رکھتے ہوئے مر گئے ان کے علاوہ کے بارے میں ہے۔ امام نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح فرمائی ہے کہ جو قبل بعثت حالت شرک میں مر گئے جہنم میں ہوں گے اسی پر بعض مالکیہ نے تعذیب اہل فترت سے متعلق احادیث صحیحہ کو محمول کیا ہے۔

اہل فترت سے متعلق ماتریدیہ کا موقف

جمہور ائمہ ماتریدیہ قدست اسرارہم کے نزدیک اہل فترت کے مشرک، معاقب، موحد، ناجی، غافلوں میں جس نے مہلت فکر و تامل نہ پائی ناجی، پائی معاقب۔

(تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاہلیۃ)

روز قیامت اہل فترت کا امتحان

حافظ الحدیث ابوالفضل شہاب الدین ابن حجر عسقلانی "اصابہ فی تمییز الصحابہ" میں فرماتے ہیں۔

ورد من عدة طرق في حق من مات في الفترة و من ولد مجنوننا و نحو ذلك ان كلامهم بدلى بحجة و يقول لو عقلت او ذكرت لامنت فترفع لهم نار و يقال لهم ادخلوها فمن دخلها كانت عليهم بردا و سلاما و من امتنع ادخلها كرها و نحن نرجو ان يدخل عبد المطلب و آل بيته في جملة من يدخلها طائعا فينجو لكن ورد في ابي طالب ما يدفع ذلك و هو ما تقدم من آية براءة و ما في الصحيح انه في ضحضاح من النار فهذا شان من مات على الكفر فلو كان مات على التوحيد نجا من النار اصلا و الاحاديث الصحيحة و الاخبار المتكاثرة طافحة بذلك .

یعنی بہت آسانید سے حدیث آئی کہ جو زمانہ فترت میں اسلام آنے سے پہلے مر گیا یا مجنون پیدا ہوا اور جنون ہی میں گزر گیا اور اسی قسم کے لوگ جنہیں دعوت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ پہنچی ان میں ہر ایک روز قیامت ایک عذر پیش کرے گا کہ الہی میں عقل رکھتا یا مجھے دعوت پہنچتی تو میں ایمان لاتا، ان کے امتحان کو ایک آگ بلند کی جائے گی اور ارشاد ہوگا اس میں جاؤ جو حکم مانے گا اور اس میں داخل ہوگا وہ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جائے گی اور جو نہ مانے گا جبراً آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور ہمیں امید ہے کہ عبدالمطلب اور ان کے گھر والے کہ قبل ظہور نور اسلام انتقال کر گئے وہ سب انہیں لوگوں میں ہوں گے جو اپنی خوشی سے اس امتحانی آگ میں جا کر ناجی ہو جائیں گے مگر ابوطالب کے حق میں وہ وارد ہو لیا جو اسے دفع کرتا ہے۔ سورہ توبہ کی آیت اور حدیث صحیح کا ارشاد کہ وہ پاؤں تک آگ میں ہے۔ یہ حال اس کا ہے جو کافر مرے اگر اخیر وقت اسلام لا کر مرنا ہوتا تو دوزخ سے نجات کلی چاہیے تھی۔ صحیح و کثیر حدیثیں

(شرح المطالب فی بحث ابی طالب)

کفر ابی طالب ثابت کر رہی ہیں۔

زید بن عمرو کی شہادت ایمان

زید بن عمرو بن نفیل کہ احد العشرۃ المبشرۃ سیدنا سعید بن زید کے والد ماجد ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہ، موحدان و مومنان عہد جاہلیت سے تھے طلوع آفتاب عالم تاب اسلام سے پہلے انتقال کیا مگر اسی زمانے میں توحید الہی و رسالت حضرت ختمی پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت دیتے۔

ابن سعد و ابو نعیم حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا وہ مکہ معظمہ سے کوہ حرا کو جاتے تھے انہوں نے قریش کی مخالفت اور ان کے معبودان باطل سے جدائی کی تھی، اس پر ان سے اور قریش سے کچھ لڑائی رنجش ہو چکی تھی مجھے دیکھ کر بولے اے عامر میں اپنی قوم کا مخالف، اور ملت ابراہیم کا پیرو ہوا اسی کو معبود مانتا ہوں جسے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پوجتے تھے۔ میں ایک نبی کا منتظر ہوں جو بنی اسماعیل اور اولاد عبدالمطلب سے ہوں گے لمن کا نام پاک احمد ہے۔ میرے خیال میں میں ان کا زمانہ نہ پاؤں گا میں ابھی ان پر ایمان لاتا اور ان کی تصدیق کرتا اور ان کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں۔ تمہیں اگر اتنی عمر ملے کہ انہیں پاؤ تو میرا سلام انہیں پہنچانا اے عامر میں تم سے ان کی نعت و صفت بیان کیے دیتا ہوں کہ تم خوب پہچان لو وہ درمیانہ قد ہیں سر کے بال کثرت و قلت میں معتدل ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخ ڈورے رہیں گے ان کے شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہے ان کا نام احمد اور یہ شہر ان کا مولد ہے یہیں ان کی رسالت ظاہر ہوگی ان کی قوم انہیں مکے میں نہ رہنے دے گی کہ ان کا دین اسے ناگوار ہوگا۔ وہ ہجرت فرما کر مدینے جائیں گے وہاں سے ان کا دین ظاہر و غالب ہوگا دیکھو تم کسی دھوکے فریب میں آ کر ان کی اطاعت سے محروم نہ رہنا۔

فانی بلفت البلاد کلھا لطلب دین ابراہیم و کل من اسال من الیہود و

النصارى و المجوس يقول هذا الدين وراءك و ينعونك مثل ما نعتك لك و يقولون لم
يق نبى غيرہ .

کہ میں دین ابراہیمی کی تلاش میں شہروں شہروں پھرا یہود و نصاریٰ و مجوس جس سے پوچھا سب
نے یہی جواب دیا کہ یہ دین تمہارے پیچھے آتا ہے اور اس نبی کی وہی صفت بیان کی جو میں تم سے کہہ چکا اور
سب کہتے تھے کہ ان کے سوا کوئی نبی باقی نہ رہا۔

عام مرضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلاۃ و الثناء کی نبوت ظاہر
ہوئی تو میں نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں حضور سے عرض کی حضور نے ان کے حق میں دعائے رحمت
فرمائی اور ارشاد کیا۔

قد رأیتہ فی الجنة یسحب ذیلہ

میں نے اسے جنت میں دامن کشاں دیکھا۔
(جزی اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوة)

اہل فترت اور حضور کا واسطہ

امام احمد رضا بریلوی ایک جگہ فرماتے ہیں:

قس بن ساعدہ و اصلین اور اہل فترت سے ہیں لیکن یہ بھی بلا ذریعہ نہیں نصرانیت کو ہو چکی تھی اور
اسلام ابھی آیا نہ تھا وہ جو مشرکین تھے ان کے سامنے وعظ کہتے اس میں توحید بیان کرتے اور حشر و غیرہ کا بیان
کرتے آخر میں کہتے اگر تم میری نہیں مانتے تو عنقریب حضور تشریف لاتے ہیں جو لا الہ الا اللہ روشن
فرمائیں گے۔
(السلفوظ حصہ دوم)



حضور کے والدین کریمین

(الذی برزکھ میں نقوی و نقلین فی الاما جمدین)

جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو

(الشعراء ۲۱۸، ۲۱۹)

حضور کے والدین کریمین

حضرت عبد اللہ

یہ ہمارے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں، یہ عبد المطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ باپ کے لاڈلے اور پیارے تھے، چوں کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر تھا اس لیے حسن و خوبی کے پیکر اور جمال صورت و کمال سیرت کے آئینہ دار اور عفت و پارسائی میں یکتائے روزگار تھے، قبیلہ قریش کی تمام حسین عورتیں ان کے حسن و جمال پر فریفتہ اور ان سے شادی کی خواست گارتھیں۔ مگر عبد المطلب ان کے لیے ایک ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو حسن و جمال کے ساتھ ساتھ حسب و نسب کی شرافت اور عفت و پارسائی میں بھی ممتاز و منفرد ہو، عجیب اتفاق کہ ایک دن عبد اللہ شکار کے لیے جنگل میں تشریف لے گئے، ملک شام کے یہودی چند علامتوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخر الزماں کے والد ماجد یہی ہیں چنانچہ ان یہودیوں نے حضرت عبد اللہ کو بارہا قتل کر ڈالنے کی کوشش کی، اس مرتبہ بھی یہودیوں کی ایک بہت بڑی جماعت مسلح ہو کر اس نیت سے جنگل میں گئی کہ عبد اللہ کو تنہائی میں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نے اس مرتبہ بھی اپنے فضل و کرم سے بچا لیا۔ عالم غیب سے چند ایسے سوار ناگہاں نمودار ہوئے جو اس دنیا کے لوگوں سے کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتے تھے، ان سواروں نے آکر یہودیوں کو مار بھگایا اور عبد اللہ کو بحفاظت ان کے مکان تک پہنچا دیا۔

وہب بن مناف بھی اس دن جنگل میں تھے اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا اس لیے ان کو عبد اللہ سے بے انتہا محبت و عقیدت پیدا ہو گئی اور گھر آکر یہ عزم کر لیا کہ میں اپنی نور نظر ”آمنہ“ کی شادی عبد اللہ ہی سے کروں گا، چنانچہ اپنی اس دلی تمنا کو اپنے چند دوستوں کے ذریعہ انھوں نے عبد المطلب تک پہنچا دیا۔ خدا کی شان کہ عبد المطلب اپنے نور نظر عبد اللہ کے لیے جیسی دلہن کی تلاش میں تھے وہ ساری

خوبیاں حضرت آمنہ بنت وہب میں موجود تھیں، عبدالمطلب نے اس رشتہ کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ چوبیس سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کا حضرت بی بی آمنہ سے نکاح ہو گیا، اور نور محمدی حضرت عبداللہ سے منتقل ہو کر حضرت آمنہ کے شکم اطہر میں جلوہ گر ہو گیا۔ اور جب حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے تو عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو کھجوریں لینے کے لیے مدینہ بھیجا، یا تجارت کے لیے ملک شام روانہ کیا، وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے نہال، بنو عدی بن نجار، دو میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں ”دارنا بغہ“ میں مدفون ہوئے۔

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں نے خبر گیری کے لیے اپنے سب سے بڑے لڑکے حارث کو مدینہ بھیجا، ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبداللہ راہی ملک بقاء ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ واپس آ کر جب وفات کی خبر سنائی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا اور بنو ہاشم کے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ خود حضرت آمنہ نے اپنے مرحوم شوہر کا ایسا پرورد مرثیہ کہا ہے کہ جس کو سن کر آج بھی دل درد سے بھر جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ الہی تیرا نبی یتیم ہو گیا، حضرت حق نے فرمایا کیا ہوا؟ میں اس کا حامی و محافظ ہوں۔

حضرت آمنہ کی وفات

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چھ برس ہو گئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آپ کے دادا کے نانیہال بنو عدی بن نجار میں رشتہ داروں سے ملاقات یا اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کی باندی ام ایمن بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں وہاں سے واپسی پر ”ابواء“ نامی گاؤں میں حضرت بی بی آمنہ کی وفات ہو گئی اور وہ وہیں مدفون ہوئیں۔

والد ماجد کا سایہ تو ولادت سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا اب والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ بھی ہو گیا، لیکن حضرت بی بی آمنہ کا یہ در یتیم جس آغوش شفقت میں پرورش پا کر پروان چڑھنے والا ہے وہ ان سب ظاہری اسباب تربیت سے بے نیاز ہے۔

حضور کے ابوین کا ایمان

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ دونوں مومن ہیں یا نہیں؟ بعض علماء ان دونوں کو مومن نہیں مانتے اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا اور فرمایا کہ ان دونوں کو مومن یا کافر کہنے سے زبان کو روکنا چاہئے اور اس کا علم خدا کے سپرد کر دینا چاہئے۔ مگر اہل سنت کے علماء محققین کا یہی عقیدہ اور قول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ دونوں یقیناً بلاشبہ مومن ہیں، چنانچہ اس بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ۔

حضور کے والدین کو مومن نہ ماننا یہ علماء متقدمین کا مسلک ہے لیکن علماء متاخرین نے تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ حضور کے والدین بلکہ حضور کے تمام آباء و اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب مومن ہیں۔

اور ان حضرات کے ایمان کو ثابت کرنے میں علماء متاخرین کے تین طریقے ہیں :

اول: یہ کہ حضور کے والدین اور آباء و اجداد سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے لہذا مومن ہوئے۔

دوم: یہ تمام حضرات حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اعلان نبوت سے پہلے ہی ایسے زمانے میں وفات پا گئے جو زمانہ فترت کہلاتا ہے، اور ان لوگوں میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی دعوت ایمان پہنچی ہی

نہیں۔ لہذا ہرگز ہرگز ان حضرات کو کافر نہیں کہا جاسکتا بلکہ ان لوگوں کو مومن ہی کہا جائے گا۔
سوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو زندہ فرما کر ان کی قبروں سے اٹھایا اور ان لوگوں نے کلمہ پڑھ کر
حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی تصدیق کی۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ بذات خود ضعیف ہے
مگر اس کی سند اس قدر کثیر ہیں کہ یہ حدیث صحیح اور حسن کے درجہ کو پہنچ گئی ہے۔

اور یہ وہ علم ہے جو علماء متقدمین پر پوشیدہ رہ گیا جس کو حق تعالیٰ نے علماء متاخرین پر منکشف فرمایا
اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرما لیتا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ میں چند رسائل تصنیف کیے ہیں اور اس مسئلہ کو دلیلوں سے ثابت کیا ہے اور
مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے۔

اسی طرح خاتم المفسرین حضرت شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ:

امام قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ میں تحریر فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ
حضور علیہ الصلاۃ والسلام جب حجۃ الوداع میں ہم لوگوں کو ساتھ لے کر چلے اور، حجوں کی گھاٹی سے گزرے تو
رنج و غم میں ڈوبے ہوئے رونے لگے اور حضور کو روٹا دیکھ کر میں بھی رونے لگی، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اپنی اونٹنی سے اتر پڑے اور کچھ دیر کے بعد میرے پاس واپس تشریف لائے تو خوش خوش مسکراتے ہوئے
تشریف لائے، میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا بات ہے؟ کہ
آپ رنج و غم میں ڈوبے ہوئے اونٹنی سے اترے اور واپس ہوئے تو شاداں و فرحاں مسکراتے ہوئے تشریف
فرما ہوئے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت
کے لیے گیا تھا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ فرمادے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو زندہ

فرمادیا اور وہ ایمان لائیں۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ ہر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مر گیا ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے، جز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے کیوں کہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ فرمادیا اور یہ دونوں ایمان لائے۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ماں باپ کی قبروں کے پاس روئے اور ایک خشک درخت زمین میں بودیا اور فرمایا کہ اگر یہ درخت ہرا ہو گیا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ان دونوں کا ایمان لانا ممکن ہے چنانچہ وہ درخت ہرا ہو گیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے وہ دونوں اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اسلام لائے اور پھر اپنی اپنی قبروں میں تشریف لے گئے۔

اور ان دونوں کا زندہ ہونا اور ایمان لانا عقلاً محال ہے نہ شرعاً، کیوں کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتایا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک سے بھی چند مردے زندہ ہوئے۔ جب یہ سب باتیں ثابت ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے میں بھلا کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے؟

اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ، میں نے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے سے بہت پہلے کی ہے کیوں کہ حضور کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا (جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے چند ہی ماہ پہلے کا واقعہ ہے) اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مراتب و درجات ہمیشہ بڑھتے ہی رہے تو ہو سکتا ہے کہ پہلے حضور کو خداوند تعالیٰ نے یہ شرف نہیں عطا فرمایا تھا کہ آپ کے والدین مسلمان ہوں، مگر بعد میں اس فضل و شرف سے بھی آپ کو سرفراز فرمادیا کہ آپ کے

والدین کو صاحب ایمان بنا دیا۔

صاحب الاکلیل حضرت علامہ شیخ عبدالحق مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا کہ

علامہ ابن حجر ہیثمی نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ دونوں ایمان لائے اور پھر وفات پا گئے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور جن محدثین نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے ان میں سے امام قرطبی اور شام کے حافظ الحدیث ابن ناصر الدین بھی ہیں اور اس میں طعن کرنا بے محل اور بے جا ہے۔ کیوں کہ کرامات اور خصوصیات کی شان ہی یہ ہے کہ وہ قواعد و عادات کے خلاف ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کا موت کے بعد اٹھ کر ایمان لانا، یہ ایمان ان کے لیے نافع ہے حالاں کہ دوسروں کے لیے یہ ایمان مفید نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کو نسبت رسول کی وجہ سے جو کمال حاصل ہے وہ دوسروں کے لیے نہیں ہے۔

اور حضور کی حدیث لیت شعری ما فعل ابوای (کاش مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا) کے بارے میں امام سیوطی نے درمنثور میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ضعیف الاِسناد ہے۔

بہر کیف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت اور ایمانی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ حضور کے والدین اور تمام آباء و اجداد بلکہ تمام رشتہ داروں کے ساتھ ادب و احترام کا التزام رکھا جائے۔ بجز ان رشتہ داروں کے جن کا کافر اور جہنمی ہونا قرآن و حدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے جیسے ابولہب اور اس کی بیوی حمالہ الحطیب باقی تمام قرابت والوں کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا لازم ہے کیوں کہ جن لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت قرابت حاصل ہے ان کی بے ادبی و گستاخی یقیناً حضور علیہ الصلاۃ والسلام

(سیرت مصطفیٰ)

کی ایذا رسانی کا باعث ہوگا۔ (مولف)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سوال ہوا کہ سرور کائنات فخر موجودات رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تک مومن تھے یا نہیں؟

آپ نے اس کا جو محققانہ اور فاضلانہ جواب تحریر فرمایا وہ یہ ہے

اولاً اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

و لبعث مومن خیر من مشرک

بیشک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے

حضور بہترین قرن و طبقہ میں پیدا ہوئے

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت فی القرہ الذی کنت

منہ.

ہر قرن و طبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔ اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

زمین پر سات مسلمان کا ہونا ضروری

حضرت امیر المومنین مولیٰ المسلمین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حدیث صحیح میں ہے۔

لم یزل علی وجہ الدھر (الارض) سبعة مسلمین فصاعدا فلولاً ذلک ہلکت

الارض و من علیها.

روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔ عبدالرزاق و ابن منذر نے اسے سند صحیح کے ساتھ امام بخاری و مسلم کی شرط پر روایت کیا۔

حضرت عالم القرآن حمزہ الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے۔

ما خلت الارض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن اهل الارض.

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگان خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں روئے زمین پر علی لاقل سات مسلمان بندگان مقبول ضرور رہے ہیں۔ اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے میں، ہر قرن میں خیار قرن سے ہیں۔ اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف المقوم بالانساب ہو، کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء و امہات ہر قرن اور طبقہ میں انھیں بندگان صالح و مقبول سے ہوں۔ ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قرآن عظیم میں ارشاد حق عزوجل کے مخالف ہوگا۔

اقول: و المعنى ان الكافر لا يستاهل شرعاً ان يطلق عليه انه من خيار القرن لا سيما و هناك مسلمون صالحون و ان لم يرد الخيرية الا بحسب النسب فافهم.

میں کہتا ہوں کہ مراد یہ ہے کہ کافر شرعاً اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کو خیر القرون کہا جاسکے بالخصوص جب کہ صالح موجود ہوں اگرچہ خیریت نسب ہی کے لحاظ سے کیوں نہ ہو۔ (مولف)

یہ دلیل امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملتہ والدین سیوطی قدس سرہ نے افادہ فرمائی۔

حضور کے آباء و امہات موحّد تھے

ثانیاً: اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

انما المشركون نجس.

کافر تو ناپاک ہی ہیں۔

اور حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لم يزل الله عزوجل ينقلني من اصلاّب طيبة الى ارحام طاهرة صافيا مهذبا لا
تتشعب شعبتان الا كنت في خيرهما.

ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہا صاف ستھرا آراستہ، جب دو شاخیں پیدا
ہوئیں، میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔

اور ایک حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

لم ازل انقل من اصلاّب الطاهرين الى ارحام الطاهرات

رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوة عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما .

میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بی بیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اسے ابو نعیم نے
دلائل النبوة میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

لم یزل اللہ یقلنی من الاصلاب الکریمۃ و الارحام الطاہرۃ حتی اخرجنی من

بین ابوی .

رواہ ابن ابی عمرو العدنی فی مسندہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ

مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔ اسے ابن ابی عمرو عدنی نے اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سے روایت کی۔

تو ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء کرام طاہرین و امہات کرام طاہرات سب اہل

ایمان و توحید ہوں کہ نص قرآن عظیم میں کسی کافر و کافرہ کے لیے کرم و طہارت سے حصہ نہیں۔

یہ دلیل امام اجل فخر المکملین علامۃ الوریٰ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے افادہ فرمائی۔

اور امام جلال الدین سیوطی اور علامہ محقق سنوسی اور علامہ تلمسانی شارح شفاء و امام ابن حجر مکی و علامہ محمد زرقانی

شارح مواہب وغیرہم اکابر نے اس کی تائید و تصویب کی۔

مثلاً: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

و توکل علی العزیز الرحیم الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی

الساجدین .

بھروسہ کر زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو اور تیرا کروٹ بدلنا سجدہ کرنے

والوں میں۔

امام رازی فرماتے ہیں: معنی آیت یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں

سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آباء کرام مسلمین تھے۔

امام سیوطی و امام ابن حجر و علامہ زرقانی وغیرہم اکابر نے اس کی تقریر و تائید و تاکید و تشہید فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی مؤید روایت ابو نعیم کے یہاں آئی۔

والدین کے مؤحد ہونے پر عذاب ابوطالب سے استدلال

رابعاً: اللہ عزوجل فرماتا ہے :

و لسوف يعطيك ربك فترضى

البتة عن قريب تجب تيراربتادے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اللہ اکبر، بارگاہ عزت میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و وجاہت و محبوبیت کہ امت کے حق میں تو رب العزت جل و علانے فرمایا ہی تھا :

سنرضيك في امتك و لا نسوءك . رواه مسلم في صحيحه .

قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے باب میں راضی کر دیں گے اور تیرا دل برانہ کریں گے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں اسے روایت کی۔ مگر اس عطا و رضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا کہ صحیح حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کی نسبت فرمایا۔

وجده في غمرات من النار و اخرجه الى ضحضاح .

رواه البخاری و مسلم عن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ .

میں نے اسے آگ میں سراپا ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کر دیا۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

دوسری روایت صحیح میں فرمایا۔

و لولا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار رواہ ایضا عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ .
اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔ اسے بخاری نے حضرت عباس
سے روایت کی۔

دوسری حدیث صحیح میں فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اهون اهل النار عذابا ابو طالب . روایہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

اور یہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو قرب والدین کریمین کو ہے ابوطالب کو
اس سے کیا نسبت؟ پھر ان کا عذر بھی واضح کہ نہ انھیں دعوت پہنچی نہ انھوں نے زمانہ اسلام پایا تو اگر معاذ اللہ
وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان پر ابوطالب سے بھی کم عذاب ہوتا اور وہی سب سے ہلکے ہوتے۔ یہ
حدیث صحیح کے خلاف ہے تو واجب ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت ہیں۔ واللہ الحمد۔

اس دلیل کی طرف بھی امام خاتم الحفاظ نے اشارہ فرمایا۔

اقول و بالله التوفیق : تقریر دلیل یہ ہے کہ صادق و صدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی
کہ اہل نار میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ابوطالب پر یہ تخفیف کس وجہ
سے ہے؟

آیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاری و عنخواری و پاسداری و خدمت گزاری کے باعث، یا

اس لیے کہ سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان سے محبت طبعی تھی، حضور کو ان کی رعایت منظور تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عم الرجل صنو ابیه رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

آدمی کا چچا اس کے باپ کے بجائے ہوتا ہے۔ اسے ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کی۔

شق اول باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

و قدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنہ ہباء منثورا.

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں۔ لاجرم شق ثانی ہی صحیح ہے اور یہی ان

احادیث صحیحہ مذکورہ سے مستفاد۔

ابوطالب کے عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراپا آگ

میں غرق پایا۔ عمل نے نفع دیا ہوتا تو پہلے ہی کام آتا، پھر حضور کا ارشاد کہ میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں

کھینچ لیا میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے طبقہ زیریں میں ہوتا۔

لاجرم یہ تخفیف صرف محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاس خاطر اور حضور کا اکرام ظاہر و باہر ہے

اور بالبداہتہ واضح کہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر اقدس پر ابوطالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں

ہو سکتا جس قدر معاذ اللہ والدین کریمین کا معاملہ، نہ ان سے تخفیف میں حضور کی آنکھوں کی وہ ٹھنڈک، جو

حضرات والدین کے بارے میں، نہ ان کی رعایت میں حضور کا وہ اعزاز و اکرام جو حضرات والدین کے

چھٹکارے میں، تو اگر عیاذ اب اللہ، وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت و عنایت کے زیادہ مستحق تھے۔

و بوجہ آخر فرض کیجیے کہ یہ ابوطالب کے حق پرورش و خدمت ہی کا معاوضہ ہے تو پھر کون سی پرورش جزیت کے برابر ہو سکتی ہے، کونسی خدمت حمل و وضع کا مقابلہ کر سکتی ہے، کیا کبھی کسی پرورش کنندہ یا خدمت گزار کا حق، حق والدین کے برابر ہو سکتا ہے؟ جسے رب العزت نے اپنے حق عظیم کے ساتھ شمار فرمایا۔

ان اشکر لی ولو الدیک .

حق مان میرا اور اپنے والدین کا۔

پھر ابوطالب نے جہاں برسوں خدمت کی، چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، ہر چند حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے کو فرمایا نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا۔ جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں، عمر بھر معجزات دیکھنا، احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا موجب ہوا۔ بخلاف ابویں کریمین کہ نہ انھیں دعوت دی گئی نہ انکار کیا تو ہر وجہ، ہر لحاظ ہر حیثیت سے یقیناً انھیں کا پلہ بڑھا ہوا ہے۔ تو ابوطالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یوں ہی متصور کہ ابویں کریمین اہل نار ہی سے نہ ہوں۔ و ہو المقصود۔

عبدالمطلب کے دخول جنت سے استدلال

خامساً۔ اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنة اصحاب الجنة هم الفائزون۔

برابر نہیں دوزخ والے اور جنت والے اور جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔

حدیث میں ہے، حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد امجاد حضرت عبدالمطلب سے ایک پاک خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آتے دیکھا، جب پاس آئیں فرمایا:

ما اخرجک من بیتک .

اپنے گھر سے باہر کہاں گئی تھیں؟

عرض کی:

اتیت اهل هذا الميت فترحمتم اليهم و عزيتهم بميتهم .

یہ جو ایک ایک موت ہو گئی تھی میں ان کے یہاں تعزیت اور دعائے رحمت کرنے گئی تھی۔

فرمایا:

لعلک بلغت معهم الکدی .

شاید تو ان کے ساتھ قبرستان گئی تھی

عرض کی:

معاذ اللہ ان اکون بلغتها و قد سمعتک تذکر فی ذلک ما تذکر .

خدا کی پناہ کہ میں وہاں جاتی حالانکہ حضور سے سن چکی تھی جو کچھ اس باب میں ارشاد کیا۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو بلغتها معهم ما رايت الجنة حتى يراها جد ابیک . رواه ابو داؤد

والنسانی و غیر ہما۔

اگر تو ان کے ساتھ وہاں تک جاتی تو جنت نہ دیکھتی جب تک عبدالمطلب نہ دیکھیں۔ اسے ابو داؤد نسائی و غیر ہما نے روایت کی۔ یہ تو حدیث کا ارشاد ہے اب ذرا عقائد اہل سنت پیش نظر رکھتے ہوئے نگاہ انصاف درکار، عورتوں کا قبرستان جانا غایت درجہ اگر ہے تو معصیت ہے۔

(۱) اور ہرگز کوئی معصیت مسلمان کو جنت سے محروم اور کافر کے برابر نہیں کر سکتی، اہل سنت کے نزدیک مسلمان کا جنت میں جانا واجب شرعی ہے اگرچہ معاذ اللہ مواخذہ کے بعد۔

(۲) اور کافر کا جنت میں جانا محال شرعی کہ ابدالاباد تک تبھی ممکن ہی نہیں۔

(۳) اور نصوص کو حتی الامکان ظاہر پر محمول کرنا واجب اور بے ضرورت تاویل ناجائز۔

(۴) اور عصمت، نوع بشر میں خاصہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے۔ ان کے غیر سے اگرچہ کیسا ہی عظیم الدرجات ہو، وقوع گناہ ممکن و متصور۔

یہ چاروں باتیں عقائد اہل سنت میں ثابت و مقرر۔ اب اگر بحکم مقدمہ رابعہ مقابر تک بلوغ فرض کیجیے تو بحکم مقدمہ ثالثہ جزاء کا ترتب واجب اور اس تقدیر کہ حضرت عبدالمطلب کو معاذ اللہ غیر مسلم کہیے بحکم مقدمتین اولین و نیز بحکم آیت کریمہ محال و باطل، تو واجب ہوا کہ حضرت عبدالمطلب مسلمان و اہل جنت ہوں اگرچہ مثل صدیق و فاروق و عثمان و علی و زہراء و صدیقہ و غیر ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سابقین اولین میں نہ ہوں۔ اب معنی حدیث بلا تکلف اور بے حاجت تاویل و تصرف عقائد اہل سنت سے مطابق ہیں یعنی اگر یہ امر تم سے واقع ہوتا تو سابقین اولین کے ساتھ جنت میں جانا نہ ملتا بلکہ اس وقت جب کہ عبدالمطلب داخل بہشت ہوں گے۔

کافر آباء پر فخر جائز نہیں

سادساً، اقول: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

و لله العزة و لرسوله و للمؤمنين و لكن المنافقين لا يعلمون
عزت تو اللہ و رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے مگر منافقوں کو علم نہیں۔

اور فرماتا ہے :

يا ايها الناس انا خلقناكم من ذكروا نثى و جعلناكم شعوبا و قبائل لتعارفوا
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔

اے لوگو! ہم نے بنایا تمہیں ایک نر و مادہ سے اور کیا تمہیں قومیں اور قبیلے کہ آپس میں ایک
دوسرے کو پہچانو بیشک اللہ کے نزدیک تمہارا عزت والا زیادہ وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

ان آیات کریمہ میں رب العزت جل و علانے عزت و کرم کو مسلمانوں میں منحصر فرمادیا اور کافر کو
چاہے کتنا ہی قوم دار ہو، لئیم و ذلیل ٹھہرایا اور کسی لئیم و ذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز و کریم کے لیے باعث
مدح نہیں و لہذا کافر باپ داداؤں کے انتساب سے فخر کرنا حرام ہوا۔

صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من انتسب الی تسعة آباء کفار یرید بہم عزا و کرما کان عاشرہم فی النار

رواہ احمد

جو شخص عزت و کرامت چاہنے کو اپنی نو پشت کافر کا ذکر کرے کہ میں فلاں ابن فلاں ابن فلاں کا
بیٹا ہوں ان کا دسواں جہنم میں یہ شخص ہو۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

اور احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز و مدح میں بارہا اپنے آباء کرام و امہات کرام کا ذکر فرمایا۔

روز حنین جب ارادۃ الہیہ سے تھوڑی دیر کے لیے کفار نے غلبہ پایا تو معدودہ بندے رکاب رسالت میں باقی رہے، اللہ غالب کے رسول غالب پر شان جلال طاری تھی۔

انا النبى لا كذب

انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں میں ہوں بیٹا عبد المطلب کا۔

اسے امام احمد و بخاری و مسلم اور نسائی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

کیا۔

حضور قصد فرما رہے ہیں کہ تنہا ان ہزاروں کے مجمع پر حملہ فرمائیں حضرت عباس بن عبد المطلب و حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما بغلہ شریف کی لگام مضبوط کھینچے ہوئے ہیں کہ بڑھ نہ جائے اور حضور فرما رہے ہیں۔

انا النبى لا كذب

انا ابن عبد المطلب

میں سچا نبی ہوں اللہ کا پیارا، عبد المطلب کی آنکھ کا تارا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اسے ابو بکر بن ابی شیبہ و ابو نعیم نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

امیر المؤمنین عمر لگام رو کے ہیں اور حضرت عباس و چچی تھامے اور حضور فرما رہے ہیں۔

قدما، انا النبى لا كذب ، انا ابن عبد المطلب .

اسے بڑھنے دو میں ہوں نبی، صریح حق پر، میں ہوں عبدالمطلب کا پسر۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اسے ابن عسا کرنے مصعب بن شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

جب کافر نہایت قریب آگئے تو بغلہ طیبہ سے نزول اجلال فرمایا اس وقت بھی یہی فرماتے تھے۔
انا النبی لا کذب . انا ابن عبدالمطلب . اللهم نزل نصرک .

میں ہوں نبی برحق سچا، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، الہی اپنی مدد نازل فرما۔

اسے ابن ابی شیبہ و ابن جریر نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔
پھر ایک مشت خاک دست پاک میں لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا۔

شاهت الوجوه .

بگڑ گئے چہرے۔

وہ خاک ان ہزاروں کافروں پر ایک ایک کی آنکھ میں پہنچی اور سب کے منہ پھر گئے، ان میں جو
مشرف باسلام ہوئے وہ بیان فرماتے ہیں جس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں
ہماری طرف پھینکیں ہمیں یہ نظر آیا کہ زمین سے آسمان تک تانبے کی دیوار قائم کر دی گئی اور اس پر سے پہاڑ
ہم پر لڑھکائے گئے سوائے بھاگنے کے کچھ نہ بن آئی۔

اسی غزوہ کے رجز میں ارشاد فرمایا۔

انا ابن العواتک من بنی سلیم .

میں بنی سلیم سے ان چند خاتونوں کا بیٹا، ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔

اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور طبری نے کبیر میں سبابہ بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کیا۔

ایک حدیث میں ہے بعض غزوات میں فرمایا:

انا النبی لا کذب . انا ابن عبد المطلب . انا ابن العواتک .

میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں عبد المطلب کا بیٹا، میں ان بی بیوں کا بیٹا جن کا نام

عاتکہ تھا۔

ابن عسا کرنے سے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

علامہ مناوی صاحب تیسیر و امام محمد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس و جوہری صاحب صحاح و صنعانی وغیرہم نے کہا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدات میں نوبی بیوں کا نام عاتکہ تھا۔ ابن بری نے کہا وہ بارہ بی بیوں کا نام کی تھیں۔ تین سلمیات یعنی قبیلہ بنی سلیم سے اور دو قرشیات، دو عدوانیات اور ایک کنانیہ، اسدیہ، ہزلیہ، قضاعیہ اور ازدیہ سے۔ اسے تاج العروس میں ذکر کیا گیا ہے۔

ابو عبد اللہ عدوسی نے کہا وہ بی بیوں چودہ تھیں۔ تین قرشیات، چار سلمیات، دو عدوانیات اور ایک ایک ہزلیہ، قحطانیہ، قضاعیہ ثقفیہ، اسدیہ بنی اسد خزیمہ سے۔ اسے امام جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قلیل نافع کثیر نہیں۔

حدیث آئندہ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مقام مدح و بیان فضائل کریمہ میں اکیس پشت تک اپنا نسب نامہ ارشاد کر کے فرمایا میں سب سے نسب میں افضل اور باپ میں افضل۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تو بحکم نصوص مذکورہ ضرور ہے کہ حضور کے آباء و امہات مسلمین و مسلمات ہوں و لله الحمد

مسلم و کافر کے درمیان نسب منقطع ہے

سابعاً: اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح.

اے نوح! یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں یہ تو ناراستی کے کام والا ہے۔

آیت کریمہ نے مسلم و کافر کا نسب قطع فرمادیا ولہذا ایک کا ترکہ دوسرے کو نہیں پہنچتا۔

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نحن بنو النضر بن کنانة لا ننتفی من ابینا.

رواہ ابو داؤد الطیالسی و ابن سعد و احمد و ابن ماجہ و غیر ہم.

ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے۔ اسے ابو داؤد طیالسی

ابن سعد اور احمد و ابن ماجہ و غیر ہم نے روایت کیا۔

کفار سے نسب بحکم احکم الحاکمین منقطع ہے۔ پھر معاذ اللہ نہ کرنے کا کیا محل ہوتا۔

زید بن عمرو کی مغفرت سے استدلال

ثامناً و تاسعاً، اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

ان الذین کفروا من اهل الكتاب و المشرکین فی نار جہنم خالدین فیہا

اولئک ہم شر البریة ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریة.

بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے وہ سارے

جہان سے بدتر ہیں۔ بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ سارے جہاں سے بہتر ہیں۔

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

غفر الله عزوجل لزيد بن عمرو ورحمه فانه مات على دين ابراهيم

رواه البزار و الطبرانی عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضی اللہ تعالیٰ

عنہما .

اللہ عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا کہ وہ دین ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر

تھے۔ اسے بزار و طبرانی نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

اور ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نسبت فرمایا۔

رأيتہ فی الجنة یسحب زیولا .

میں نے اسے جنت میں ناز کے ساتھ دامن کشاں دیکھا۔

حضور کے آباء سب سے بہتر تھے

سبقی و ابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ یہ بیہقی کی

روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصي بن

کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن

خزیمہ بن مدرک بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ما افترق الناس فرقتین

الا جعلنی اللہ فی خیرہما فاخرجت من بین ابویں فلم یصنئ شی من عهد الجاہلیة و

خرجت من نکاح و لم اخرج من سفاح من لدن آدم حتى انتهت الی ابی و امی فانا خیر کم نفسا و خیر کم ابا، و فی لفظ فانا خیر کم نسبا خیر کم ابا.

میں ہوں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم، یوں ہی اکیس پشت تک نسب نامہ مبارک بیان کر کے فرمایا کبھی لوگ دو گزروہ نہ ہوئے مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا آدم سے لے کر اپنے والدین تک، تو میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔

اس حدیث میں اول تو نفی عام فرمائی کہ عہد جاہلیت کی کسی بات نے نسب اقدس میں کبھی کوئی راہ نہ پائی، یہ خود دلیل کافی ہے اور امر جاہلیت کو خصوص زنا پر حمل کرنا ایک تو تخصیص بلا تخصیص، دوسرے لغو کہ نفی زنا صراحتہ اس کے متصل مذکور۔

ثانیاً، ارشاد ہوتا ہے کہ میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔ ان سب میں حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی قطعاً داخل تو لازم کہ حضرت والد ماجد حضرت زید سے افضل ہوں اور یہ بحکم آیت بے اسلام ناممکن۔

مقام نبوت

عاشراً، اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ .

خدا خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری۔

آیہ کریمہ شاہد کہ رب العزت عزوجل سے زیادہ معزز و محترم موضع، وضع رسالت کے لیے انتخاب فرمایا ہے ولہذا کبھی کم قوموں اور رزیلوں میں رسالت نہ رکھی، پھر کفر و شرک سے زیادہ رزیل کیاشی ہوگی؟ وہ کیوں کر اس قابل کہ اللہ عزوجل نور رسالت اس میں ودیعت رکھے، کفار محل غضب و لعنت ہیں اور نور رسالت کے وضع کو محل رضا و رحمت درکار۔

حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک بار خوف و خشیت کا غلبہ تھا گریہ و زاری فرما رہی تھیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا یا ام المومنین! کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ رب العزت جل و علا نے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جوڑا بنایا، ام المومنین نے فرمایا:

فرجت عنی فرج اللہ عنک .

تم نے میرا غم دور کیا اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کرے۔

خود حدیث میں حضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان اللہ ابی لی ان اتزوج او ازوج الا اهل الجنة . رواہ ابن عساکر

بیشک اللہ عزوجل نے میرے لیے نہ مانا کہ میں نکاح میں لانے یا نکاح میں دینے کا معاملہ کروں

مگر اہل جنت سے۔ اے ابن عساکر نے روایت کیا۔

جب اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پسند نہ فرمایا کہ غیر مسلم

عورت آپ کے نکاح میں آئے تو خود حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک معاذ اللہ محل کفر میں رکھنے یا

حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم پاک عیاذ باللہ خون کفار سے بنانے کو پسند فرمانا کیوں کر متوقع ہو؟

تنبیہات باہرہ

حدیث، ان ابی و اباک۔ میں باپ سے ابوطالب مراد لینا طریق واضح ہے۔

قال تعالیٰ: قالوا نعبد الہک و الہ آبائک ابراہیم و اسمعیل و اسحاق۔

بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کا۔

(کنز الایمان)

علماء نے اسی پر لابیہ آزر کو حمل فرمایا۔ اہل کتابین و اہل تورات کا اجماع ہے کہ آزر باپ نہ تھا سیدنا خلیل علیہ السلام الجلیل کا چچا تھا۔ استغفار سے نبی معاذ اللہ عدم توحید پر دال نہیں۔ صدر اسلام میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدیون کے جنازے پر نماز نہ پڑھتے جس کا حاصل اس کے لیے استغفار ہی ہے۔

اقول، حدیث میں ہے۔

جب حضور سید الشافعیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار شفاعت فرمائیں گے اور اہل ایمان کو اپنے کرم سے داخل جنان فرماتے جائیں گے اخیر میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی حسنہ نہیں شفیع مشفع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر سجدے میں گریں گے حکم ہوگا۔

یا محمد ارفع راسک و قل یسمع لک و سل تعطہ و اشفع تشفع۔

اے حبیب! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور

شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔

سید الشافعیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرض کریں گے۔

یا رب انذن لی فیمن قال لا الہ الا اللہ

اے میرے رب مجھے ان کی پمھی پروانگی دے دے جنہوں نے صرف لا الہ الا اللہ کہا ہے۔

رب العزت عز جلالہ ارشاد فرمائے گا۔

لیس ذاک الیک لکن و عزتی و کبریائی و عظمتی و کبریائی لاخر جن منها

من قال لا الہ الا اللہ .

یہ بات تمہارے لیے نہیں مگر مجھے اپنی عزت و جلال و کبریائی کی قسم میں ضرور ان سب کو نارے نکال لوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حضرت ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال عہد اسلام سے پہلے ہوا تھا تو اس وقت تک وہ صرف اہل توحید و اہل لا الہ الا اللہ تھے تو نبی از قبیل ”لیس ذک الیک“ ہے۔

زندہ ہونے کے بعد ایمان لائے

بعدہ رب العزت جل جلالہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں ان پر اتمام نعمت کے لیے اصحاب کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح انہیں زندہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لا کر شرف صحابیت پا کر آرام فرمایا۔ لہذا حکمت الہیہ کہ یہ زندہ کرنا حجۃ الوداع میں واقع ہوا جب کہ قرآن کریم پورا اتر لیا اور الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی نے نزول فرما کر دین الہی کو تام و کامل کر دیا تاکہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو۔

حدیث احیاء کی غایت ضعف ہے اور حدیث ضعف در بارہ فضائل مقبول، بلکہ امام ابن حجر مکی نے فرمایا۔ متعدد حفاظ نے اس کی تصحیح کی۔

آباء و امہات میں کوئی کافر نہ تھا

افضل القرئی شرح ام القرئی میں فرماتے ہیں:

ان آباء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر الانبیاء و امہاتہ الی آدم و حواء
لیس فیہم کافر لان الکافر لا یقال فی حقہ انہ مختار و لا کریم و لا طاہر بل نجس و
قد صرحت الاحادیث بانہم مختارون و ان الالباء کرام و الامہات طاہرات و ایضا قال
تعالیٰ و تقلبک فی الساجدین ، علی احد التفاسیر فیہ ان المراد تنقل نورہ من ساجد
الی ساجد و حینئذ فہذا صریح فی ان ابوی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آمنہ و
عبد اللہ من اهل الجنة لانہا اقرب المختارین لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ہذا ہو
الحق بل فی حدیث صحیحہ غیر واحد من الحفاظ و لم یلتفتوا لمن طعن فیہ ان اللہ
تعالیٰ احیاهما فامنا بہ .

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب کریم میں جتنے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں
وہ تو انبیاء ہی ہیں ان کے سوا حضور کے جس قدر آباء و امہات آدم و حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام تک ہیں ان میں
کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جاسکتا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء و
امہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی کہ وہ سب پسندیدہ بارگاہ الہی ہیں آباء سب کرام ہیں مائیں
سب پاکیزہ ہیں اور آیہ کریمہ و تقلبک فی الساجدین کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور
کے والدین حضرت آمنہ و حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل جنت ہیں کہ وہ تو ان بندوں میں جنہیں اللہ
عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے چنا تھا سب سے قریب تر ہیں، یہی قول حق ہے بلکہ

ایک حدیث میں جسے متعدد حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا۔ تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے۔

اپنا مسلک اس باب میں یہ ہے۔

و من مذہبی حب الدیار لاهلہا

و للناس فیما یعشقون مذاہب

میرا مذہب تو شہر والوں کی وجہ سے شہر سے محبت کرنا ہے اور لوگوں کے لیے ان کی پسندیدہ چیزوں میں مختلف طریقے ہیں۔

جسے یہ پسند نبہا و نعمت، ورنہ آخر اس سے تو کم نہ ہو کہ زبان رو کے دل کو صاف رکھے ان ذلکم کان یوذی النبی سے ڈرے۔

ایمان ابوین کے مسئلے میں احتیاط کا تقاضا

امام ابن حجر شرح (افضل القرئی) میں فرماتے ہیں:

ما احسن قول المتوفیقین فی هذه المسئلة الحذر الحذر من ذکرہما بنقص فان ذلک قد یوذیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخبر الطبرانی لا توذوا الاحیاء بسبب الاموات

یعنی کیا خوب فرمایا ان بعض علماء نے جنہیں اس مسئلے میں توقف تھا کہ دیکھ بیچ! والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کو برا کہہ کر زندوں

کوایز اندہ دو۔

یعنی حضور تو زندہ ابدی ہیں ہمارے تمام افعال و اقوال پر مطلع ہیں۔ اور اللہ عزوجل نے فرمایا۔

و الذین یوذون رسول اللہ لہم عذاب الیم

جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

عاقل کو چاہیے کہ ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے۔ ع

ہشدار کہ رہ بر مردم تیغ است قدم را

یہ مانا کہ مسئلہ قطعی نہیں، اجماعی نہیں، پھر ادھر کون سا قاطع کون سا اجماع ہے؟ آدمی اگر جانب ادب میں خطا کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے کہ معاذ اللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے۔ جس طرح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

تندرؤا الحدود فان الامام لان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة .

رواہ ابن ابی شیبہ و الترمذی .

جہاں تک بن پڑے حدود کو ٹالو کہ بیشک امام کا معافی میں خطا کرنا عقوبت میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ و ترمذی نے روایت کیا۔

حجة الاسلام غزالی قدس سرہ العالی احياء العلوم شریف میں فرماتے ہیں۔

کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو، مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف معاذ اللہ! اولاد چنیں و چناں سے ہونا کیوں کر بے تواتر قطع نسبت کر دیا جائے یقین برہانی کا انتفاء حکم وجدانی کا نافی نہیں ہوتا۔ کیا تمہارا وجدان ایمان گوارا کرتا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے سرکار نور بار کے ادنیٰ ادنیٰ غلاموں کے سگان بارگاہ جنات النعیم میں سرر مرفوعہ پر تکیے لگائے چین کریں اور جن کی نعلین پاک کے تصدق میں جنت بنی، ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب و عذاب کی مصیبتیں بھریں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ہم غنی حمید عز جلالہ پر حکم نہیں کر سکتے پھر دوسرے حکم کی کس نے گنجائش دی؟ ادھر کون سی دلیل قاطع پائی؟ حاشا للہ! ایک حدیث بھی صحیح و صریح نہیں جو صریح ہے ہرگز صحیح نہیں اور جو صحیح ہے ہرگز صریح نہیں۔ جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارات کر دیے تو اقل درجہ وہی سکوت و حفظ ادب رہا۔ آئندہ اختیارات بدست مختار۔

ناموں سے ایمان والدین پر استدلال

اقول، ظاہر عنوان باطن ہے اور اسم ایئہ مسمی الاسماء تنزل من السماء۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إذا بعثتم الی رجلا فابعثوا حسن الوجه حسن الاسم

رواہ البزار فی مسنده و الطبرانی فی الاوسط عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جب میری بارگاہ میں کوئی قاصد بھیجے تو اچھی صورت اچھے نام کا بھیجو۔ اسے بزار نے اپنی مسند میں

اور طبرانی نے اوسط میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

اعتبروا الارض باسمائها۔

رواہ ابن عدی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

زمین کو اس کے نام پر قیاس کرو۔ اسے ابن عدی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کیا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يتفاءل ولا يتطير و كان يعجبه
الاسم الحسن .

رواه الامام احمد و الطبراني و البغوي في شرح السنة .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیک فال لیتے بدشگونی نہ مانتے اور اچھے نام کو درست رکھتے۔
اسے امام احمد و طبرانی و بغوی نے شرح السنہ میں روایت کیا۔
ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يغير الاسم القبيح .
رواه الترمذی .

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیتے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا سمع بالاسم القبيح حوله الى ما
هو احسن منه . رواه الطبراني .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کا برا نام سنتے تو اس سے بہتر بدل دیتے۔ اسے طبرانی
نے روایت کیا۔

بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لا یتطیر من شیء و کان اذا بعث عاملا سأل عن اسمہ فاذا اعجبه اسمہ فرح به و رؤی بشر ذلک فی وجہہ و ان کره اسمہ رؤی کراهیة ذلک فی وجہہ و دخل قریة سأل عن اسمها فاذا اعجبه اسمها فرح بها و رؤی بشر ذلک فی وجہہ و ان کره اسمها رؤی کراهیة ذلک فی وجہہ . رواہ ابو داؤد .

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہ لیتے جب کسی عہدے پر کسی کو مقرر فرماتے تو اس کا نام پوچھتے اگر پسند آتا خوش ہوتے اور اس کی خوشی چہرہ انور میں نظر آتی اور اگر ناپسند آتا ناگواری کا اثر چہرہ اقدس پر ظاہر ہوتا۔ اور جب کسی شہر میں تشریف لے جاتے اس کا نام دریافت فرماتے اگر خوش آتا سرور ہو جاتے اور اس کا سرور روئے پر نور میں دکھائی دیتا اور اگر ناخوش آتا، ناخوشی کا اثر روئے اطہر میں نظر آتا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

اب ذرا چشم حق میں سے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مراعات الہیہ کے الطاف خفیہ دیکھئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پاک عبد اللہ کہ افضل اسمائے امت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

احب اسمائکم الی اللہ عبد اللہ و عبد الرحمن

رواہ مسلم و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما .

تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ پیارے نام اللہ تعالیٰ کو عبد اللہ و عبد الرحمن ہیں۔ اسے مسلم

والبوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسم مبارک آمنہ کہ امن و اماں سے مشتق اور ایمان سے ہم اشتقاق ہے۔ جد امجد حضرت عبدالمطلب شیبۃ الحمد کو اس پاک ستودہ مصدر سے اطیب و اطہر مشتق، محمد و احمد و حامد و محمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کا اشارہ تھا۔ جدۃ ماجدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائد اس پاک نام کی خوبی اطہر من الشمس ہے۔

حدیث میں حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ تسمیہ یوں آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما سمیت فاطمة لان الله تعالى فطمها و محبها من النار.

رواہ الخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما.

اللہ تعالیٰ نے اس کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کہ اسے اور اس سے عقیدت رکھنے والوں کو نار دوزخ سے آزاد فرمایا۔ اسے خطیب نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

حضور کے جد مادری یعنی نانا وہب، جس کے معنی عطا و بخشش، ان کا قبیلہ بنی زہرا جس کا حاصل چمک و تابش، جدۃ مادری یعنی نانی صاحبہ برہ یعنی نیکو کار۔ جیسا کہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ذکر کیا۔

بھلا یہ تو خاص اصول ہیں، دودھ پلانے والیوں کو دیکھئے۔ پہلی مرضعہ ثویبہ کہ ثواب سے ہم اشتقاق اور اس فضل الہی سے پوری طرح بہرہ ور، حضرت حلیمہ بنت عبد اللہ بن حارث۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انج عبد القیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

ان فیک خصلتین یحبہما اللہ الحلم و الاناة .

تجھ میں دو خصلتیں ہیں خدا اور رسول کو پیاری، درنگ اور بردباری۔

ان کا قبیلہ بنی سعد کہ سعادت و نیک طالعی ہے شرف اسلام و صحابیت سے مشرف ہوئیں۔

جب روز حنین حاضر بارگاہ ہوئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے قیام فرمایا اور اپنی چادر انور بچھا کر بٹھایا ان کے شوہر جن کا شیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوش فرمایا، حارث سعدی، یہ بھی شرف اسلام و محبت سے مشرف ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے تھے راہ میں قریش نے کہا اے حارث تم اپنے بیٹے کی سنو وہ کہتے ہیں۔ مردے جنیں گے اور اللہ نے دو گھر جنت و نار بنا رکھے ہیں۔ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ اے میرے بیٹے! حضور کی قوم حضور کی شاکی ہے۔ فرمایا ہاں میں ایسا فرماتا ہوں اور اے میرے باپ! جب وہ دن آئے گا تو میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ دیکھو یہ وہ دن ہے یا نہیں جس کی میں خبر دیتا تھا یعنی روز قیامت، حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد اسلام اس ارشاد کو یاد کر کے کہا کرتے اگر میرے بیٹے میرا ہاتھ پکڑیں گے تو انشاء اللہ نہ چھوڑیں گے جب تک مجھے جنت میں داخل نہ فرمائیں۔

اسے یونس بن بکر نے روایت کیا۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

اصدقہا حارث و ہمام .

رواہ البخاری فی الادب المفرد و ابو داؤد و النسائی عن ابی الہیثمی . رضی

اللہ تعالیٰ عنہ .

سب ناموں میں سب سے زیادہ سچے نام حارث و ہمام۔ بخاری نے ادب المفرد میں اور ابو داؤد و

نسائی نے اسے ابو الہیثمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حضور کے رضاعی بھائی جو پستان شریک تھے جن کے لیے حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پستان چھوڑ دیتے تھے، عبد اللہ سعدی، یہ بھی مشرف بہ اسلام و صحبت ہوئے۔

حضور کی رضاعی بڑی بہن کہ حضور کو گود میں کھلاتیں، سینے پر لٹا کر دعائے اشعار عرض کرتیں اور سلاتیں اس لیے وہ بھی حضور کی ماں کہلاتیں، سیما سعدیہ، یعنی نشان والی، علامت والی جو دور سے چمکے یہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت حلیمہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں لیے راہ میں جاتی تھیں تین نو جوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھاتی صورت دیکھی، جوش محبت سے اپنی پستانیں دہن اقدس میں رکھیں، تینوں کے دودھ اتر آیا۔ تینوں پاکیزہ بیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کے معنی زن شریفہ، رئیسہ، کریمہ سراپا عطر آلود تینوں قبیلہ بنو سلیم سے تھیں کہ سلامت سے مشتق اور اسلام سے بھی ہم اشتقاق ہے۔ اسے ابن عبد البر نے استیعاب میں ذکر کیا ہے۔

بعض علماء نے حدیث، انا ابن العواتک من سلیم کو اسی معنی پر محمول کیا اسے سہیلی نے نقل کیا ہے۔

اقول الحق (امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں) کسی نبی نے کوئی آیت و کرامت ایسی نہ پائی کہ ہمارے نبی اکرم نبی الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی مثل اور اس سے مثل عطا نہ ہوئی۔ یہ اس مرتبے کی تکمیل تھی کہ مسیح کلمۃ اللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا۔ حبیب اشرف بریۃ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تین عقیقہ لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرما دیا۔ ع

آنچه خواہاں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں:

لم تر ضعه مرضعة الا اسلمت .

ذکرہ فی کتاب سراج المریدین .

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جتنی بی بیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔ اسے کتاب سراج المریدین میں بیان کیا گیا ہے۔

بھلا یہ تو دودھ پلانا تھا کہ اس میں جزئیات ہے۔ مرضعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک، برکت، اور ایم ایمن، کنیت کہ یہ بھی یمن و برکت و راستی و قوت۔ یہ اجلہ صحابیات سے ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں فرماتے:

انت امی بعد امی .

تم میری ماں کے بعد میری ماں ہو۔

راہ ہجرت میں انھیں پیاس لگی آسمان سے نورانی رسی میں ایک ڈول اتر اپنی کر سیراب ہوئیں پھر کبھی پیاس نہ معلوم ہوئی سخت گرمی میں روزے رکھتیں اور پیاس نہ ہوتی۔ اسے ابن سعد نے روایت کیا۔

پیدا ہوتے وقت جنھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں پر لیا ان کا نام پاک تو دیکھئے شفاء۔ یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ و صحابیہ جلیلہ ہیں۔ اور ایک بی بی کہ وقت ولادت اقدس حاضر تھیں، فاطمہ بنت عبد اللہ ثقفیہ، یہ بھی صحابیہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اے چشم انصاف! کیا ہر تعلق ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی بطور جزاف تھا؟ کلا واللہ بلکہ عنایت ازلی نے جان جان کر یہ نام رکھے، دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چنے۔ پھر محل غور ہے جو اس نور پاک کو برے نام والوں سے بچائے وہ اسے برے کام والوں میں رکھے گا اور برا کام بھی کون سا معاذ اللہ شرک و کفر۔ حاشا اللہ، اللہ اللہ۔ دایاں مسلمان، کھلایاں مسلمان، مگر خاص جن مبارک پیٹوں میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاؤں پھیلائے۔ جن طیب مطیب خونوں سے اس نورانی جسم میں نکلے آئے وہ معاذ اللہ! چنیں و چنناں حاشا اللہ! کیوں کر گوارا ہو۔ ع

خدا دیکھا نہیں قدرت سے جانا

ع

ما بندۂ عشقیم و دگر ہیچ ندانیم

نجات ابوین کے قائلین علماء و ائمہ

دربارہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہی طریقہ ایقہ اعنی نجات نجات نجات کہ ہم نے بتوفیقہ تعالیٰ اختیار کیا۔ تنوع مسالک پر مختار اجلہ ائمہ کبار و اعظم علمائے نامدار ہے۔ ازاں جملہ۔

(۱) امام ابو حفص عمر بن احمد بن شاہین۔

جن کی علوم دیدیہ من تین سو تیس تصانیف ہیں ازاں جملہ تفسیر ایک ہزار جزء میں اور مسند حدیث ایک ہزار تین جزء میں۔

(۲) شیخ الحدیث احمد خطیب علی البغدادی۔

(۳) حافظ الشان محدث ماہر امام ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر۔

- (۴) امام اجل ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ شہیلی صاحب الروض۔
- (۵) حافظ الحدیث امام محبت الدین طبری۔
- علماء فرماتے ہیں کہ بعد امام نووی کے ان کا مثل علم حدیث میں کوئی نہ ہوا۔
- (۶) امام علامہ ناصر الدین ابن المنیر صاحب شرف المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
- (۷) امام حافظ الحدیث ابوالفتح محمد بن محمد بن سید الناس صاحب عیون الاثر۔
- (۸) علامہ صلاح الدین صفدی۔
- (۹) حافظ الشان شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی۔
- (۱۰) شیخ الاسلام حافظ الشان امام شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی۔
- (۱۱) امام حافظ الحدیث ابوبکر محمد بن عبداللہ شہیلی ابن العربی مالکی۔
- (۱۲) امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی بصری صاحب الحادی الکبیر۔
- (۱۳) امام ابو عبداللہ محمد بن خلف شارح صحیح مسلم۔
- (۱۴) امام عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی صاحب تذکرہ۔
- (۱۵) امام المعکمین فخر المدققین فخر الدین محمد بن عمر الرازی۔
- (۱۶) امام علامہ شرف الدین مناوی۔
- (۱۷) خاتم الحفاظ مجدد القرآن امام العاشر امام جلال المملۃ والدین عبدالرحمن بن ابی بکر۔
- (۱۸) امام حافظ شہاب الدین احمد بن حجر بیہقی صاحب افضل القرئی وغیرہ۔

- (۱۹) شیخ نور الدین علی بن الجزار مصری صاحب رسالہ تحقیق آمال الراجحین فی ان والدی المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بفضل اللہ تعالیٰ فی فی الدارین من الناجین۔
- (۲۰) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی شریف حسنی تلمسانی شارح شفاء شریف۔
- (۲۱) علامہ محقق سنوسی۔
- (۲۲) امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی صاحب الیواقیت والجواہر۔
- (۲۳) علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف قاسی صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات۔
- (۲۴) خاتم المحققین علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شارح المواہب۔
- (۲۵) زین الفقہ علامہ محقق زین الدین ابن نجیم مصری صاحب الاشباہ والنظائر۔
- (۲۶) امام اجل فقیہ اکمل محمد بن محمد کردری بزازی صاحب المناقب۔
- (۲۷) سید شریف علامہ حموی صاحب غمز العیون والبصار۔
- (۲۸) علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری صاحب الخمس فی النفس نفیس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
- (۲۹) علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری صاحب نسیم الریاض۔
- (۳۰) علامہ طاہر فتنی صاحب مجمع بحار الانوار۔
- (۳۱) شیخ شیوخ علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی۔
- (۳۲) مولانا بحر العلوم ملک العلماء عبدالعلی صاحب فواتح الرحموت۔
- (۳۳) علامہ سید احمد مصری طحطاوی محشی در مختار۔

(۳۴) علامہ سید ابن عابدین امین الدین محمد آفندی شامی صاحب ردالمحتار۔ وغیرہم۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

ان سب حضرات کے اقوال طیبہ اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں مگر فقیر نے یہ سطور نہ مجرد نقل اقوال کے لیے لکھیں نہ مباحث طے کردہ علماء عظام خصوصاً امام جلیل جلال الدین سیوطی کے ایراد بلکہ مقصود اس مسئلہ جلیلہ پر چند دلائل جمیلہ کا سنانا اور بہ تصدق کفش برداری علماء جو فیوض تازہ قلب فقیر پر فائز ہوئے انتفاع برادران دینی کے لیے ان کا ضبط تحریر میں لانا کہ شاید مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ تمام جہاں سے اکرم وارحم و ابرو اونی ہیں، محض اپنے کرم سے نظر قبول فرمائیں اور نہ کسی صلے میں بلکہ اپنے خالص فضل کے صدقے میں اس عاجز بیچارہ، بے کس، بے یار کا ایمان حفظ فرما کر دارین میں عذاب و عقاب سے بچائیں۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

پھر یہ بھی ان اکابر کا ذکر ہے جن کی تصریحات خاص اس مسئلہ جزئیہ میں موجود ورنہ بنظر کلیت نگاہ

کیجئے تو :

امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی۔

وامام اجل امام الحرمین۔

وامام ابن السمعانی

وامام کیاہراسی۔

وامام اجل قاضی ابوبکر باقلانی۔

حتیٰ کہ خود امام مجتہد سیدنا امام شافعی۔

کی نصوص قاہرہ موجود ہیں جن سے تمام آباء و امہات اقدس کا ناجی ہونا کا شمس والامس روشن و ثابت ہے بلکہ بالاجماع تمام ائمہ شاعرہ و ائمہ ماترید یہ سے مشائخ بخارا تک سب کا یہی مقتضائے مذہب ہے۔

امام سیوطی سبل النجاة میں فرماتے ہیں:

مال الی ان اللہ تعالیٰ احیاهما حتیٰ آمنابہ طائفة من الائمة و حفاظ الحدیث اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ دونوں حضور پر ایمان لائے۔ بعض ائمہ کرام اور حفاظ حدیث یہی کہتے ہیں۔ (مولف)

کتاب النخیس میں کتاب مستطاب الدرر المنیفة فی الالباء الشریفہ سے نقل کرتے ہیں۔

ذهب جمع کثیر من الائمة الاعلام الی ان ابوی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناجیان محکوم لهما بالنجاة فی الآخرة و ہم اعلم الناس باقوال من خالفهم و قال بغير ذلك و لا یقصرون عنہم فی الدرجة و من احفظ الناس للحدیث و الآثار من انقد الناس بالادلة التي استدل بها اولئک فانہم جامعون لانواع العلوم متضلعون من الفنون خصوصا الاربعة التي یستمد منه فی هذه المسئلة . فلا یظن بہم انہم لم یقفوا علی الاحادیث التي استدل بها اولئک معاذ اللہ بل وقفوا علیہا و خاضوا غمرتها و اجابوا عنہا بالاجوبة المرضیة التي لا یردها منصف و اقاموا لما ذهبوا الیہ ادلة قاطعة کالجبال الرواسی .

خلاصہ یہ کہ یہ جمع کثیر اکابر ائمہ و اجلہ حفاظ حدیث، جامعان انواع علوم و ناقدان ویرہ آیات

و مفہوم کا مذہب یہی ہے کہ ابوین کریمین ناجی ہیں۔ ان اعظم ائمہ کی نسبت گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ ان احادیث سے غافل تھے جن سے مسئلے میں خلاف پر استدلال کیا جاتا ہے معاذ اللہ! ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور اس پر واقف ہوئے اور تہہ تک پہنچے اور ان سے وہ پسندیدہ جواب دیے جنہیں کوئی انصاف والا رد نہ کرے گا اور نجات والدین شریفین پر دلائل قاطعہ قائم کیں جیسے مضبوط جمے ہوئے پہاڑ کہ کسی کے ہلائے نہیں ہل سکتے۔

بلکہ علامہ زرقانی شرح مواہب میں ائمہ قائلین نجات کے اقوال و کلمات ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

هذا ما وقفنا عليه من نصوص علمائنا و لم نر لغيرهم ما يخالفه الا ما يشم من نفس ابن دحية و قد تكفل برده القرطبي .

یہ ہمارے علماء کے وہ نصوص ہیں جن پر میں واقف ہوا اور ان کے غیر سے کہیں ان کا خلاف نظر نہ آیا سوائے ایک بوائے خلاف کے جو ابن دحیہ کے کلام سے پائی گئی اور امام قرطبی نے بوجہ کافی اس کا رد کر دیا۔

تاہم بات وہی ہے جو امام سیوطی نے فرمائی :

ثم انى لم ادع ان المسئلة اجماعية بل هي مسئلة ذات خلاف (فحكمها كحكم سائر المسائل المختلف فيها) غير انى اخترت له اقوال القائلين بالنجاة لانه انسب بهذا المقام .

مجھے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مسئلہ اجماعی ہے بلکہ یہ تو مختلف فیہ مسئلہ ہے اس کا حکم بھی تمام اختلافی مسائل کی طرح ہے مگر میں نے ان کے اقوال کو اختیار کیا ہے جو نجات کے قائل ہیں کیوں کہ اس جگہ یہی زیادہ مناسب ہے۔

(مولف)

اقول، تحقیق یہ ہے طالب تحقیق مرہون دست دلیل ہے، ابتداء ظواہر بعض آثار سے جو ظاہر بعض انظار ہوا ظاہر تھا کہ ان سے جوابات شافیہ اور اس پر دلائل وافیہ قائم و مستقیم چارہ کار قبول و تسلیم بالاقبل سکوت و تعظیم۔ واللہ البہادی الی صراط مستقیم۔

حضرت آمنہ کے اشعار

امام ابو نعیم دلائل النبوة میں بطریق محمد بن شہاب الزہری ام سماعہ بنت ابی رحم، وہ اپنی والدہ سے راوی ہیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے وقت حاضر تھی۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کم سن بچے کوئی پانچ برس کی عمر شریف ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت خاتون نے اپنے ابن کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نظر کی پھر کہا :

بارک فیک اللہ من غلام

یا ابن الذی من حرمة الحمام



نجابعون الملک المنعم

فودی غداۃ الضرب بالسہام



بمائة من ابل السوام

ان صح ما ابصرت فی المنام



فانت مبعوث الی الانام

تبعث فی الحل و فی الحرام

تبعث فی التحقیق و الاسلام
دین ابیک البر ابراهام

فالله انهاک عن الاصنام
ان لا تو الیہام مع الاقوام

اے سقرے لڑکے اللہ تجھ میں برکت رکھے، اے بیٹے ان کے جنھوں نے مرگ کے گھیرے سے نجات پائی بڑے انعام والے بادشاہ اللہ عزوجل کی مدد سے، جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان کیے گئے، اگر وہ ٹھیک اتراجو میں نے خواب دیکھا ہے تو تو سارے جہان کی طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نکو کار باپ ابراہیم کا دین ہے، میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا۔

حضرت خاتون آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس پاک وصیت میں جو فراق دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کو کی بھم اللہ تعالیٰ توحید و ربوہ شرک تو آفتاب کی طرح روشن ہے اور اس کے ساتھ دین اسلام ملت پاک ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا بھی پورا اقرار۔ اور ایمان کامل کے کہتے ہیں پھر اس سے بالاتر حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی اعتراف و جو دا اور وہ بھی بیان بعثت عامہ کے ساتھ۔ ولله الحمد۔

اس کے بعد فرمایا :

کل حی میت و کل جدید بال و کل کبیر یفنی و انا میتة و ذکرى باق و قد
ترکت خیرا و ولدت طہرا۔

ہر زندہ کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا، میں کیسی خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پا کیزہ مجھ سے پیدا ہوا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ کہا اور انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابنہا الکریم و ذویہ و بارک وسلم۔

یہ ان کی فراست ایمانی اور پیشین گوئی نورانی قابل غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ عرب و عجم کی ہزاروں شاہزادیاں اور بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا مگر اس پاک طیبہ خاتون کے ذکر خیر سے مشارق و مغارب ارض میں مجالس و محافل انس و قدس میں زمین و آسمان گونج رہے ہیں اور ابدال اباد تک گونجیں گے۔ واللہ الحمد۔

ایک عالم کا تفکر اور عبرت قاہرہ

سید شریف مصری حواشی در میں ناقل کہ ایک عالم رات بھر مسئلہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں متفکر رہے کہ کیوں کر تطبیق اقوال ہو؟ اسی فکر میں چراغ پر جھک گئے کہ بدن جل گیا صبح ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے راہ میں ایک تمر فروش ملے کہ اپنی دکان کے آگے باٹ ترازو لیے بیٹھے ہیں انھوں نے اٹھ کر ان عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور یہ اشعار پڑھے۔

امنن ان ابا النبی و امه

احیاهما الحی القدیر الباری



حتی لقد شهد الہ برسالة

صدق فذاک کرامہ المختار

وبہ الحدیث و من یقول بضعفه

فہو الضعیف عن الحقیقة عار

یعنی میں ایمان لایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باپ کو اس زندہ ابدی قادر مطلق خالق عالم جل جلالہ نے زندہ کیا یہاں تک کہ ان دونوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیغمبری کی گواہی دی، اے شخص اس کی تصدیق کر کہ یہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے ہے اور اس باب میں حدیث وارد ہوئی جو اسے ضعیف بتائے وہ آپ ہی ضعیف اور علم حقیقت سے خالی ہے۔

یہ اشعار سنا کر ان عالم سے فرمایا، اے شیخ انھیں لے اور نہ رات کو جاگ نہ اپنی جان کو فکر میں ڈال کہ تجھے چراغ جلا دے۔ ہاں جہاں جا رہا ہے وہاں نہ جا کہ لقمہ حرام کھانے میں نہ آئے۔

ان کے اس فرمانے سے وہ عالم بے خود ہو کر رہ گئے پھر انھیں تلاش کیا پتہ نہ پایا اور دوکانداروں سے پوچھا کسی نے نہ پہچانا، سب بازار والے بولے یہاں تو کوئی شخص بیٹھتا ہی نہیں، وہ عالم اس ربانی ہادی غیب کی ہدایت سن کر مکان کو واپس آئے لشکری کے یہاں تشریف نہ لے گئے۔

اے شخص یہ عالم بہ برکت علم، نظر عنایت سے ملحوظ تھے کہ غیب سے کسی ولی کو بھیج کر انھیں ہدایت فرمادی، خوف کر کہ تو اس درطہ میں پڑھ کر معاذ اللہ کہیں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باعث ایذا نہ ہو جس کا نتیجہ معاذ اللہ بڑی آگ دیکھنا ہو۔ اللہ عزوجل ظاہر و باطن میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت اور سچا ادب روزی فرمائے اور اسباب مقت و حجاب و بیزاری و عتاب سے بچائے۔ آمین۔

(شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام)

حضور کے آباء و امہات اہل توحید ہیں

ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

مذہب صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبد اللہ اور حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل توحید و اسلام و نجات تھے بلکہ حضور کے آباء و امہات حضرت عبد اللہ و آمنہ سے حضرت آدم و حوا تک مذہب ارجح میں سب اہل اسلام و توحید ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ہو الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین .

اس آئیہ کریمہ کی تفسیر میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ایک نمازی سے دوسرے نمازی کی طرف منتقل ہوتا آیا۔ اور حدیث میں ہے کہ رب عزوجل نے نور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ اے اصلاب طیبہ و ارحام طاہرہ میں رکھوں گا اور رب عزوجل کبھی کسی کافر کو طیب و طاہر نہ فرمائے گا۔ انما المشرکون نجس .

(فتاویٰ رضویہ، ج ۶ - ص ۲۸)

والدین کریمین کی شفاعت

امام جلال الدین سیوطی مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں کہ امام رازی نے فوائد میں بسند ضعیف ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا کان یوم القیمة شفعت لابی و امی و ابی طالب و اخ لی کان فی الجاہلیة .

اورد المحب الطبری و هو من الحفاظ و الفقهاء فی کتابہ ذخائر العقبی فی

مناقب ذو القربی، و قال ان ثبت فهو موول فی ابی طالب علی ما ورد فی الصحيح من تخفیف العذاب عنه بشفاعته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم . و انما احتاج الی تاویلہ فی ابی طالب دون الثلثة ابیہ و امہ و اخیه یعنی من الرضاة لان ابا طالب ادرك البعثة و لم یسلم و الثلثة ماتوا فی الفترة .

یعنی ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ میں روز قیامت اپنے والدین اور ابو طالب اور اپنے ایک رضاعی بھائی کہ زمانہ جاہلیت میں گزرا شفاعت فرماؤں گا۔

امام محبت طبری نے کہ حافظان حدیث و علمائے فقہ سے ہیں ذخائر العقبیٰ میں فرمایا یہ حدیث اگر ثابت بھی ہو تو ابو طالب کے بارے میں اس کی تاویل وہ ہے جو صحیح حدیث میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ امام سیوطی فرماتے ہیں، خاص ابو طالب کے باب میں تاویل کی حاجت یہ ہوئی کہ ابو طالب نے زمانہ اسلام پایا اور کفر پر اصرار رکھا، بخلاف والدین کریمین و برادر رضاعی کہ زمانہ فترت میں گزرے۔ (شرح المطالب فی مبحث ابی طالب)

والدین کریمین زندہ ہو کر ایمان لائے

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہوا، حجۃ الوداع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب عقبہ جحون پر گزر رہا حضور اشک بار ورنجیدہ و مغموم ہوئے پھر تشریف لے گئے جب لوٹ کر آئے چہرہ بشاش تھا اور لب تبسم ریز، میں نے سبب پوچھا فرمایا میں اپنی ماں کی قبر پر گیا اور خدا سے عرض کیا کہ انھیں زندہ کر دے وہ قبول ہوئی اور وہ زندہ ہو کر ایمان لائیں اور پھر قبر میں آرام کیا۔

خطیب روایت کرتے ہیں۔ عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت حج بنا رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فمر بی عقبۃ الجحون و هو باک حزين مغتم ثم ذهب
و عاد و هو فرح متبسم فسألتہ فقال ذهبت الی قبر امی فسألت اللہ ان یحییہا فامنت
بی و ردھا اللہ .

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
ہمارے ہمراہ حج کیا، جب عقبہ جحون پر پہنچے تو رو رہے تھے اور غمگین تھے، پھر آپ کہیں تشریف لے گئے،
جب واپس آئے تو مسرور تھے اور تبسم فرما رہے تھے، فرماتی ہیں میں نے سب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا،
میں اپنی ماں کی قبر پر گیا تھا، میں نے اپنے اللہ سے سوال کیا، اس نے ان کو زندہ کیا وہ ایمان لائیں اور پھر
انتقال فرما گئیں۔

امام جلال الدین خصالہ میں فرماتے ہیں، اس کی سند میں مجاہیل ہیں اور سہیلی نے ام المؤمنین
سے احیائے والدین ذکر کر کے کہا اس کے اسناد میں مجہولین ہیں اور حدیث سخت منکر اور صحیح کے معارض۔

ففی مجمع بحار الانوار ، ح ، احیی ابوی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
حتی آمنابہ قال فی اسنادہ مجاہیل و انه ح منکر جدا یعارضہ ما ثبت فی الصحیح .

والدین کریمین زندہ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے، فرمایا کہ اس کی سند
میں مجہولین ہیں اور حدیث منکر و صحیح کے معارض ہے۔ (مولف)

بایں ہمہ اسی مجمع البحار میں لکھتے ہیں:

و فی المقاصد الحسنۃ و ما احسن ما قال :

جاء اللہ النبی مزید فضل

علی فضل و کان بہ رؤفا

فاحی امہ و کذا اباه
لا یمان بہ فضلا لطیفا

نسلم فالقدیم بذاقدیر
وان کان الحدیث بہ ضعیفا

حاصل یہ کہ مقاصد میں ہے اور کیا خوب کہا، خدا نے نبی کو فضل پر فضل زیادہ عطا فرمائے اور ان پر نہایت مہربان تھا، پس ان کے والدین کو ان پر ایمان لانے کے لیے زندہ کیا اپنے فضل لطیف سے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم تو اس پر قدرت رکھتا ہے اگرچہ جو حدیث اس معنی میں وارد ہوئی ضعیف ہے۔

(قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام)



ابوطالب کی کفالت

و نملہ عنی نعرع حورہ
و نزل عن اناتنا و الحلال

اور کیا ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمہارے سپرد کر دیں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہو جائیں۔
(از قصیدہ ابوطالب)

ابوطالب کی کفالت

حضرت بی بی آمنہ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن آپ کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا اور دادا نے آپ کو اپنے آغوش تربیت میں انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کیا اور حضرت ام ایمن آپ کی خدمت کرتی رہیں، جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی ہو گئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیک خصلتوں اور دل بھانے والی بچپن کی پیاری اداؤں نے ابوطالب کو آپ کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ مکان کے اندر اور باہر ہر وقت آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھتے، اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے، اپنے پاس ہی آپ کا بستر بچھاتے اور ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔

ابوطالب کا بیان ہے کہ میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی وقت بھی کوئی جھوٹ بولے ہوں۔ یا کبھی کسی کو دھوکہ دیا ہو یا کبھی کسی کو کوئی ایذا پہنچائی ہو یا بیہودہ لڑکوں کے پاس کھیلنے کے لیے گئے ہوں یا کبھی کوئی خلاف تہذیب بات کی ہو، ہمیشہ انتہائی خوش اخلاق، نیک اطوار نرم گفتار، بلند کردار اور اعلیٰ درجہ کے پارسا اور پرہیزگار رہے۔

آپ کی دعا سے بارش

ایک مرتبہ ملک عرب میں انتہائی خوفناک قحط پڑ گیا اہل مکہ نے بتوں سے فریاد کرنے کا ارادہ کیا مگر ایک حسین و جمیل بوڑھے نے مکہ والوں سے کہا کہ اے اہل مکہ ہمارے اندر ابوطالب موجود ہیں جو بانی کعبہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین بھی ہیں۔ ہمیں ان کے پاس چل کر دعا کی درخواست کرنی چاہیے۔ چنانچہ سرداران عرب ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کرنے لگے کہ اے ابوطالب! قحط کی آگ نے سارے عرب کو جھلس کر رکھ دیا ہے، جانور گھاس پانی کے لیے ترس رہے ہیں اور انسان دانہ پانی نہ ملنے سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے ہیں، قافلوں کی آمد و رفت بند ہو چکی ہے اور ہر طرف بربادی و ویرانی کا دور دورہ ہے آپ بارش کے لیے دعا کیجیے، اہل عرب کی فریاد سن کر ابوطالب کا دل بھر آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر حرم کعبہ میں گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوار کعبہ سے ٹیک لگا کر بیٹھا دیا اور دعا مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ درمیان دعا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک کو آسمان کی طرف اٹھا دیا، ایک دم چاروں طرف سے بدلیاں نمودار ہوئیں اور فوراً ہی اس زور کا باران رحمت برسا کہ عرب کی سرزمین سیراب ہو گئی۔ جنگلوں اور میدانوں میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ چنیل میدانوں کی زمینیں سرسبز و شاداب ہو گئیں قحط دفع ہو گیا اور کال کٹ گیا اور سارا عرب خوش حال اور نہال ہو گیا۔

ایمان ابوطالب کی بحث

جب ابوطالب مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے چچا آپ کلمہ پڑھ لیجیے یہ وہ کلمہ ہے کہ اس کے سبب سے میں خدا کے دربار میں آپ کی مغفرت کے لیے اصرار کروں گا۔ اس وقت ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ، ابوطالب کے پاس موجود تھے ان دونوں نے ابوطالب سے کہا کہ اے ابوطالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگردانی کریں گے؟ اور یہ دونوں برابر ابوطالب سے گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے کلمہ نہیں پڑھا، بلکہ ان کی زندگی کا آخری قول یہ رہا کہ ”میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں“ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا اور آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے اس وقت تک

دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ فرمائے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہو گئی کہ،

ما كان للنبي و الذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولى قربى من

بعد ما تبين لهم انهم اصحاب الجحيم.

یعنی نبی اور مومنین کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ

رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو جب انھیں معلوم ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں۔ مولف (سیرت مصطفیٰ)

امام احمد رضا بریلوی سے اس سلسلے میں سوال ہوا کہ زید ابوطالب کو کافر کہتا ہے اور عمر و ان دلائل

سے اس سے انکار کرتا ہے کہ انھوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کفالت و نصرت و حمایت و

محبت بدرجہ غایت کی اور نعت میں قصائد لکھے، وغیرہ تو ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

امام احمد رضا بریلوی نے اس کا جواب کچھ تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، آپ

فرماتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ابوطالب تمام عمر حضور سید المرسلین سید الاولین و الآخین سید الابرار صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم الی یوم القرار کی حفظ و کفالت و نصرت میں مصروف رہے اپنی اولاد سے زیادہ حضور کو عزیز رکھا

اور اس وقت میں ساتھ دیا کہ ایک عالم حضور کا دشمن جاں ہو گیا تھا اور حضور کی محبت میں اپنے تمام عزیزوں

قربوں سے مخالفت گوارا کی، سب کو چھوڑ دینا قبول کیا کوئی دقیقہ غم گساری و جاں نثاری کا نامرعی نہ رکھا اور

یقیناً جانتے تھے کہ حضور افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں ان پر ایمان لانے

میں جنت ابدی اور تکذیب میں جہنم دائمی ہے۔ بنی ہاشم کو مرتے وقت وصیت کی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی تصدیق کرو و فلاح پاؤ گے۔ نعت شریف میں قصائد ان سے منقول براہ راست وہ امور ذکر کیے کہ اس

وقت تک واقع نہ ہوئے تھے بعد بعثت شریف ان کا ظہور ہوا یہ سب احوال مطالعہ احادیث و مراجعت کتب

سیر سے ظاہر۔

ایک شعر ان کے قصیدے کا صحیح بخاری شریف میں بھی مروی۔

و ابيض يستسقى الغمام بوجهه

ثم اليتامى عصمة للارامل

وہ گورے رنگ والے جن کے روئے روشن کے تو سل سے مینہ برستا ہے، یتیموں کے جائے پناہ

بیواؤں کے نگہبان۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد بن اسحاق تابعی صاحب سیر و مغازی نے یہ قصیدہ بتما مہا نقل کیا جس میں ایک سو دس بیتیں

مدح جلیل و نعت منیع پر مشتمل ہیں۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ شرح صراط مستقیم میں اس قصیدہ کی نسبت فرماتے

ہیں۔

دلالت دار و برکمال محبت و نہایت معرفت نبوت او

یہ قصیدہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمال محبت پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ ابوطالب کو حضور

کی نبوت کی معرفت و پہچان انتہا درجہ کی تھی۔ (مولف)

مگر مجرد ان امور سے ایمان ثابت نہیں ہوتا، کاش! یہ افعال و احوال ان سے حالت اسلام میں

صادر ہوتے تو سیدنا عباس بلکہ ظاہر اُسیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی افضل قرار پاتے اور افضل الاعمام

حضور افضل الانام علیہ و علی آلہ افضل الصلاة والسلام کہلائے جاتے۔ تقدیر الہی نے بر بنا اس حکمت کے جسے

وہ جانے یا اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انھیں گروہ مسلمین و غلامان سید شفیح المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ

و سلم میں شمار کیا جانا منظور نہ فرمایا۔

صرف معرفت گوئی ہی کمال کے ساتھ ہو ایمان نہیں۔ دانستن و شناختن اور چیز ہے اور اذعان و گرویدن اور۔ کم کافر تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے کا یقین نہ تھا۔ اور علمائے اہل کتاب تو عموماً جزم کلی رکھتے تھے حتیٰ کہ یہ امر ان کے نزدیک کا لعیان سے بھی زائد تھا۔ معائنہ میں بصر غلطی بھی کرتی ہے اور یہاں کسی طرح کا شبہ و احتمال نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يعرفونہ کما يعرفون ابناءہم .

وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔

اور فرماتا ہے۔

فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ فلعنة اللہ علی الکافرین .

تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا، اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔

اور فرماتا ہے۔

یجدونہ مکتوبا عندهم فی التوراة و الانجیل .

جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔

بعض نور چشم بد باطن عصر کہ اس میں کلام کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر اہل کتاب کے یہاں حضور کا ذکر رسالت ہوتا تو ایمان کیوں نہ لاتے، نصوص قاطعہ سے انکار اور خدا اور رسول کی تکذیب اور یہود و نصاریٰ کی تصدیق و حمایت کرنے والے ہیں۔

آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ متواترہ مظاہرہ سے ابوطالب کا کفر پر مرنا اور دم واپس ایمان لانے

سے انکار کرنا اور عاقبت کار اصحابِ نار سے ہونا ایسے روشن ثبوت سے ثابت جس میں کسی سنی کو مجالِ دمِ زدن نہیں۔

کفر ابوطالب پر آیات اور مفسرین کا اجماع

اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

انک لا تھدی من احببت و لكن الله یھدی من یشاء و هو اعلم بالمھتدین۔

اے نبی تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو ہاں خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہے وہ خوب جانتا ہے جو راہ پانے والے ہیں۔

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔

معالم التنزیل میں ہے۔

نزلت فی ابی طالب۔

(مؤلف)

یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔

جلالین میں ہے۔

نزل فی حرصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ایمان عمہ ابی طالب۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے ایمان کے خواہاں تھے اس پر یہ آیت

(مؤلف)

مبارک نازل ہوئی۔

مدارک التنزیل میں ہے۔

قال الزجاج اجمع المفسرون انها نزلت في ابي طالب .

زجاج کہتے ہیں کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں اتری ہے۔ (مولف)
کشاف زمخشری و تفسیر کبیر میں ہے۔

قال الزجاج اجمع المسلمون انها نزلت في ابي طالب .

زجاج نے فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔ (مولف)

صحیح حدیث میں اس آیت کریمہ کا سبب نزول یوں مذکور ہے کہ جب حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب سے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کو ارشاد فرمایا صاف انکار کیا اور کہا مجھے قریش عیب لگائیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر مسلمان ہو گیا۔ ورنہ حضور کی خوشی کر دیتا۔ اس پر رب العزت تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اتاری یعنی اے حبیب! تم اس کا غم نہ کرو تم اپنا منصب تبلیغ ادا کر چکے ہدایت دینا اور دل میں نور پیدا کرنا یہ تمہارا فعل نہیں اللہ عزوجل کے اختیار ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ کسے یہ دولت دے گا اور کسے محروم رکھے گا۔

صحیح مسلم شریف کتاب الایمان و جامع ترمذی کتاب التفسیر میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی۔

قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لعنه (زاد مسلم في اخرى عند الموت) قل لا اله الا الله اشهد لك بها يوم القيمة قال لولا ان تعيرني قریش يقولون انما حملة على ذلك الجزع لا قررت عينك فانزل الله عزوجل انك لا تهدي من احببت و لكن الله يهدي من يشاء .

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے اس کی موت کے وقت فرمایا کہ تم لا الہ الا اللہ کہہ لو میں آپ کے لیے قیامت کے دن گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا کہ قریش مجھے عار دلانیں گے اور کہیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر کلمہ پڑھ لیا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا تو میں ضرور حضور کی خوشی کر دیتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ انک لا تہدی من الایۃ .

مشرکین کے لیے استغفار جائز نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ما کان للنبی و الذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین و لو کانوا اولیٰ قربی من بعد ما تبین لهم انہم اصحاب الجحیم .

روا نہیں نبی اور ایمان والوں کو کہ استغفار کریں مشرکوں کے لیے اگرچہ وہ اپنے قرابت والے ہوں بعد اس کے کہ ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ بھڑکتی آگ میں جانے والے ہیں۔

یہ آیت کریمہ بھی ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔

تفسیر امام نسفی میں ہے۔

ہم علیہ الصلاة و السلام ان یستغفر لابی طالب فنزل ما کان للنبی .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کے بارے میں استغفار کا ارادہ فرمایا تو یہ آیت

(مولف)

نازل ہوئی۔ ما کان للنبی الایۃ .

جلالین میں ہے۔

نزل فی استغفاره صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعمہ ابی طالب .

یہ آیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے استغفار کے بارے میں نازل ہوئی یعنی اس آیت میں استغفار سے منع کیا گیا ہے۔ (موافق)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قال الواحدی سمعت ابا عثمان الخیری سمعت ابا الحسن بن مقسم سمعت ابا اسحق الزجاج يقول فی هذه الآية اجمع المفسرون انها نزلت فی ابی طالب .
یعنی واحدی نے اپنی تفسیر میں بسند خود ابواسحاق زجاج سے روایت کی کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں اتری۔

بیضاوی میں پہلا قول اس آیت کا نزول دربارہ ابی طالب لکھا۔

علامہ شہاب خفاجی اس کی شرح عنایت القاضی وکفایت الراضی میں فرماتے ہیں۔

هو الصحيح فی سبب النزول .

یعنی یہی صحیح ہے سبب نزول میں۔

اسی طرح اس کی تصحیح فتوح الغیب وارشاد الساری میں کی ہے اور فرمایا یہی حق ہے۔

ابوطالب کے لیے استغفار کی ممانعت

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن نسائی میں ہے۔

عن سعید بن المسیب عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ابا طالب لما حضره الوفاة دخل علیه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و عنده ابو جهل فقال ای عم قل لا اله الا الله كلمة احاج لك بها عند الله فقال ابو جهل و عبد الله بن امية يا ابا طالب

ترغب عن ملة عبد المطلب فلم يزا الا يكلمانه حتى قال آخر شي كلمهم به على ملة عبد المطلب (زاد البخاري في الجنائز و تفسير سورة القصص كمثل مسلم في الايمان و ابي ان يقول لا اله الا الله) فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا ستغفرن لك ما لم انه عنه فنزلت ما كان للنبي و الذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين و لو كانوا اولى قربي من بعد ماتبين لهم انهم اصحب الجحيم . و نزلت انك لا تهدي من احببت .

یعنی سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ۔

ابوطالب کی موت کے وقت ابو جہل اس کے پاس تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اے چچا لا اله الا الله کہہ لیجیے میں اللہ کی بارگاہ میں اس کلمہ کے سبب سے آپ کی شفاعت کروں گا ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ دونوں نے ابوطالب سے کہا اے ابوطالب کیا عبد المطلب کی ملت سے تم اس وقت اعراض کرو گے یہ دونوں کافر یہی بات ابوطالب سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ ابوطالب نے آخری بات یہی کہی کہ میں عبد المطلب کی ملت پر ہوں اور کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک منع نہ ہو میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔ تو یہ دونوں آیت مبارکہ نازل ہوئیں ما کان للنبي و الدين آمنوا الاية، اور انک لا تهدي من احببت . (مولف)

اس حدیث جلیل سے واضح ہے کہ ابوطالب نے وقت مرگ کلمہ طیبہ سے صاف انکار کر دیا اور ابو جہل لعین کے اغوا سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد قبول نہ کیا، حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر بھی وعدہ فرمایا کہ جب تک اللہ عزوجل مجھے منع نہ فرمائے گا میں تیرے لیے استغفار کروں گا مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ دونوں آیتیں اتاریں اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابو

طالب کے استغفار سے منع کیا اور صاف ارشاد فرمایا کہ مشرکوں اور دوزخیوں کے لیے استغفار جائز نہیں۔

ابوطالب ایمان سے دور رہے

اللہ عزوجل فرماتا ہے :

ينهون عنه و يناؤن و ان يهلكون الا انفسهم و ما يشعرون .

وہ اس نبی سے اوروں کو روکتے اور باز رکھتے ہیں اور خود اس پر ایمان لانے سے بچتے اور دور رہتے ہیں اور اس کے باعث خود اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور انھیں شعور نہیں۔

یعنی جان بوجھ کر بے شعور کے سے کام کرے اس سے بڑھ کر بے شعور کون۔

سلطان المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے تلمیذ رشید سیدنا امام اعظم کے استاد مجید امام عطاء بن ابی رباح و مقاتل وغیرہم مفسرین فرماتے ہیں۔

یہ آیت ابوطالب کے باب میں اتری۔

تفسیر امام بغوی محی السنۃ میں ہے۔

قال ابن عباس و مقاتل نزلت فی ابی طالب کان ینہی الناس عن اذی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و یمنعہم و ینای عن الایمان بہ ای بعد .

حضرت عبداللہ بن عباس و مقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ وہ لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذا سے روکتے اور خود حضور پر ایمان لانے سے دور رہے۔

(مولف)

انوار التنزیل میں ہے۔

ينهنون عن التعرض لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ويناؤن عنه فلا
يومنون به كابي طالب .

یعنی کچھ لوگ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھیڑ چھاڑ کرنے سے روکتے لیکن خود حضور سے
دور رہتے اور ایمان نہیں لائے جیسے ابوطالب نے لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذا سے باز رکھا
لیکن مسلمان نہ ہوا۔ (مولف)

فریابی اور عبدالرزاق اپنے مصنف اور سعید بن منصور سنن میں اور عبد بن حمید و ابن جریر و ابن منذر
ابن ابی حاتم و طبرانی و ابوشیخ و ابن مردویہ اور حاکم مستدرک میں بافادہ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوة میں حضرت
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں راوی۔

قال نزلت فی ابی طالب کان ینہی عن اذی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
وینای عما جاہہ .

یعنی یہ آیت ابوطالب کے بارے میں اتری، وہ کافروں کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
ایذا سے منع کرتے باز رکھتے اور خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے دور رہتے۔

ابوطالب کے عذاب میں تخفیف

امام احمد رضا بریلوی نے احادیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ ابوطالب نے ایمان قبول نہیں
کیا مگر چوں کہ اس نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت میں زندگی گزاری اور لوگوں کو
حضور کی ایذا سے باز رکھا اس لیے اسے حضور کی یہ برکت پہنچے گی کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب
ابوطالب پر ہوگا ورنہ مشرکین شفاعت کے قطعاً مستحق نہیں۔

صحیحین و مسند امام احمد میں حضرت سیدنا عباس عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ

عنه سے ہے۔

انه قال للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم ما اغنيت عن عمك فوالله كان يحوطك ويغضب بك قال هو في ضحضاح من نار و لو لا انا لكان في الدرک الاسفل من النار ، و في رواية وجدته في غمرات من النار فاخرجته الى ضحضاح .

یعنی انہوں نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کی حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو کیا نفع دیا، خدا کی قسم وہ حضور کی حمایت کرتا اور حضور کے لیے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا تھا۔ آپ نے فرمایا میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو اسے کھینچ کر پاؤں تک آگ میں کر دیا اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔

امام ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

يُزِيدُ الْخَصْرُ صِيَةَ لَهُ بَعْدَ أَنْ امْتَنَعَ شَفَعَهُ لَهُ حَتَّى خَفَفَ لَهُ الْعَذَابُ بِالنِّسْبَةِ لِغَيْرِهِ .

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہوا کہ ابوطالب نے باں کہ ایمان لانے سے انکار کیا پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نے اتنا کام دیا کہ بہ نسبت باقی کافروں کے عذاب ہلکا ہو گیا۔

صحیحین و مسند میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذكر عنده عمه ابو طالب فقال لعله

تنفع شفاعتي يوم القيمة فيجعل في ضحضاح في النار يبلغ كعبه يغلى منه دماغه .

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ابوطالب کا ذکر آیا، فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ روز قیامت میری شفاعت اسے یہ نفع دے گی کہ جہنم میں پاؤں تک کی آگ میں کر دیا جائے گا جو اس کے

نخنوں تک ہوگی جس سے اس کا دماغ جوش مارے گا۔

یونس بن بکیر نے حدیث محمد بن اسحاق سے یوں روایت کیا۔

یغلی منه دماغه حتی یسبل علی قدمیه .

اس کا بھیجا ابل کر پاؤں پر گرے گا۔

عمدة القاری وارشاد الساری شرح صحیح بخاری و مواہب لدنیہ وغیرہا میں امام سہلی سے منقول۔

الحکمة فیہ ان ابا طالب کان تابعا لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
لجملته الا انه استمر ثابت القدم علی دین قومہ فسلط العذاب علی قدمیه خاصة لتثبته
ایاہما علی دین قومہ .

یعنی ابوطالب کے پاؤں تک آگ میں رہنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ عزوجل جزا ہم شکل عمل دیتا
ہے۔ ابوطالب کا سارا بدن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت میں صرف رہا ملت کفر پر ثابت قدمی
نے پاؤں پر عذاب مسلط کیا۔ اسی طرح تیسیر شرح جامع صغیر وغیرہ میں ہے۔

بزار و ابو یعلیٰ و ابن عدی و تمام حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

قیل للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم هل نفعت ابا طالب قال اخرجته من
غمرۃ جہنم الی ضحضاح منها .

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی حضور نے ابوطالب کو کچھ نفع دیا؟ فرمایا میں
نے اسے دوزخ کے غرق سے پاؤں تک کی آگ میں کھینچ لیا۔

امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں :

فان قلت اعمال الكفرة هبا منشورا لا فائدة فيها قلت هذا النفع من بركة رسول
الله صلى الله تعالى عليه وسلم و خصائصه.

اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ ابوطالب کو یہ نفع ملنا صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
برکت سے ہے ورنہ کافروں کے اعمال تو غبار ہیں ہو پراڑائے ہوئے۔

طبرانی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی :

ان الحارث بن هشام اتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يوم حجة الوداع
فقال يا رسول الله انك تحت على صلة الرحم و الاحسان الى الجار و ايواء اليتيم و
اطعام الضيف و اطعام المسكين و كل ذلك كان يفعله هشام بن المغيرة فما ظنك به
يا رسول اله فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كل قبر لا يشهد صاحبه ان لا
اله الا الله فهو جذوة من النار و قد وجدت عمى ابا طالب فى طمطام من النار فاخرجه
الله لمكانه منى و احسانه الى فجعله فى ضحضاح من النار.

یعنی حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روز حجۃ الوداع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے عرض کی یا رسول اللہ! حضور ان باتوں کی ترغیب فرماتے ہیں۔ رشتہ داروں سے نیک سلوک، ہمسایہ سے
اچھا برتاؤ، یتیم کو جگہ دینا، مہمان کو مہمانی دینا محتاج کو کھانا کھلانا اور میرا باپ ہشام یہ سب کام کرتا تھا تو حضور
کا اس کی نسبت کیا گمان ہے فرمایا جو قبر بنے جس کا مردہ لا الہ الا اللہ نہ مانتا ہو وہ دوزخ کا انگارہ ہے میں نے
خود اپنے چچا ابوطالب کو سر سے اونچی آگ میں پایا، میری قرابت و خدمت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اسے
وہاں سے نکال کر پاؤں تک آگ میں کر دیا۔

مجمع بحار الانوار میں بعلا مت کاف امام کرمانی شارح بخاری سے منقول۔

نفع ابا طالب اعمالہ ببرکتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ان کان اعمال

الکفرة هباء منثورا.

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے ابوطالب کے اعمال نفع دے گئے ورنہ کافروں کے

کام تو زرے برباد ہوتے ہیں۔

امام احمد مسند اور بخاری و مسلم اپنی صحاح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اهون اهل النار عذابا ابو طالب و هو متعل بنعلین من نار یغلی منہما دماغہ .

بیشک دوزخیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب پر ہے وہ آگ کے دو جوتے پہنے ہوئے ہے

جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے۔

نیز صحیحین میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا۔

ان اہون اهل النار عذابا من له نعلان و شراکان من نار یغلی منہما دماغہ کما

یغلی المرجل ما یری ان احدا اشد منه عذابا و انه لا هو نہم عذابا .

دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب والا وہ ہے جسے آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں

گے جن سے اس کا دماغ دیگ کی طرح جوش مارے گا وہ یہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی پر ہے

حالاں کہ اس پر سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔

اسی حدیث میں امام احمد کی روایت یوں ہے۔

یوضع فی اخص قدمیه جمرتان یغلی منہما دماغہ .

اس کے تلوؤں میں انگارے رکھے جائیں گے جس سے بھیجا بلے گا۔

اور صحیحین میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے

ہیں۔

یقول اللہ لا ہون اهل النار عذابا یوم القیمة لو ان لك ما فی الارض من شیء
اکنت تفتدی بہ فیقول نعم فیقول اردت منك اھون من هذا و انت فی صلب آدم ان
لا تشرک بی شیفا بیت الا ان تشرک بی .

دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والے سے اللہ عزوجل فرمائے گا تمام زمین میں جو کچھ ہے
اگر تیری ملک ہوتا تو کیا اسے اپنے فدیہ میں دے کر عذاب سے نجات مانگنے پر راضی ہوتا وہ عرض کرے گا
ہاں فرمائے گا میں نے تجھ سے روز میثاق اس سے بھی ہلکی اور آسان بات چاہی تھی کہ کسی کو میرا شریک نہ کرنا
مگر تو نے نہ مانا بغیر میرا شریک ٹھہرائے ہوئے۔

اس حدیث سے بھی ابوطالب کا شرک پر مرنا ثابت ہے۔

کتاب النخیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہے۔

قیل ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسح ابا طالب بعد موتہ و انسی
تحت قدمیه و لذا ینتعل بنعلین من النار .

یعنی کہا گیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد مرگ ابوطالب کے بدن پر دست اقدس پھیر دیا
تھا مگر تلوؤں پر ہاتھ پھیرنا یاد نہ رہا اس لیے ابوطالب کو روز قیامت آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے
باقی جسم بہ برکت دست اقدس محفوظ رہے گا۔

مرنے کے بعد ابوطالب کو دبا دیا گیا

امام شافعی و امام احمد و امام اسحاق بن راہویہ و ابوداؤد طیالسی اپنی مسانید اور ابن سعد طبقات اور ابو بکر بن ابی شیبہ مصنف اور ابوداؤد نسائی اور ابن خزیمہ اپنی صحیح اور ابن الجارود منتهی اور مروزی کتاب الجنائز اور بزار و ابویعلیٰ مسانید اور بیہقی سنن میں بطریق عدیدہ حضرت سیدنا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی۔

قال قلت للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم ان عمك الشيخ الضال قد مات قال اذهب فوار اباك .

یعنی میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! حضور کا چچا وہ بڑھا گمراہ مر گیا فرمایا جا سے دبا آ۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے مولیٰ علی نے عرض کی۔

ان عمك الشيخ الكافر قد مات فما تری فیہ .

حضور کا چچا وہ بڑھا کافر مر گیا اس کے بارے میں حضور کی کیا رائے ہے یعنی غسل وغیرہ دیا جائے یا

نہیں؟

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اری ان تغسله تجنہ .

نہلا کر دبا دو۔

امام شافعی کی روایت میں ہے۔

فقلت يا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم انه مات مشركا قال اذهب

فواره .

میں نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ تو مشرک مرا فرمایا جا دبا آؤ۔

امام الائمہ ابن خزیمہ نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث جلیلہ کو دیکھئے ابوطالب کے مرنے پر خود امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ حضور کا وہ گمراہ کافر چچا مر گیا حضور اس پر انکار نہیں فرماتے نہ خود جنازے میں تشریف لے جاتے ہیں۔

ابوطالب کی بیوی امیر المؤمنین کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب انتقال کیا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر و قمیص مبارک میں انھیں کفن دیا اپنے دست مبارک سے لحد کھودی، اپنے دست مبارک سے مٹی نکالی پھر ان کے دفن سے پہلے خود ان کی قبر میں لیٹے اور دعا کی۔

اللہ الذی یحیی و یمیت و هو حی لا یموت اغفر لامی فاطمة بنت اسد و

وسع علیها مدخلها بحق نبيك و الانبياء الذين من قبلي فانك ارحم الراحمين

اللہ جلالتا ہے اور مارتا ہے اور خود زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے

اور ان کی قبر وسیع کر صدقہ اپنے نبی کا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔ اسے طبرانی و ابونعیم اور ابن عساکر وغیرہم نے روایت کیا۔

کاش ابوطالب مسلمان ہوتے تو کیا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے جنازہ میں تشریف نہ

لے جاتے اور صرف اتنے ہی ارشاد پر قناعت فرماتے کہ جاؤ اسے دبا آؤ۔

امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی قوت ایمان دیکھتے کہ خاص اپنے باپ نے انتقال کیا اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل کا فتویٰ دے رہے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ وہ تو مشرک مرا۔

ایمان ان بندگان خدا کے تھے کہ اللہ ورسول کے مقابلہ میں باپ بیٹے کسی سے کچھ علاقہ نہ تھا اللہ ورسول کے مخالفوں کے دشمن تھے اگرچہ وہ اپنا جگر ہو، دوستان خدا ورسول کے دوست تھے اگرچہ ان سے دنیوی ضرر ہو۔

ابوطالب کا ترک عقیل و طالب کو ملا

بخاری و مسلم اپنی صحاح اور ابن ماجہ اپنی سنن اور طحاوی شرح معانی الآثار اور اسماعیلی مستخرج علی صحیح البخاری میں بطریق امام علی بن حسین زین العابدین عن عمرو بن عثمان الغنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

انہ قال یا رسول اللہ این تنزل فی دارک بمکة فقال هل ترک عقیل من رباع او دور و کان عقیل ورت ابا طالب هو و طالب و لم یرثہ جعفر و لا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما شیئا لانہما کانا مسلمین و کان عقیل و طالب کافرین فکان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول لا یرث المؤمن الکافر۔

و لفظ ابن ماجہ و الطحاوی فکان عمر من اجل ذلك یقول الخ .

و لفظ الاسماعیلی فمن اجل ذلك کان عمر یقول

یعنی انھوں نے خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کی کہ یا رسول اللہ حضور کل مکہ معظمہ میں اپنے محلے کے کون سے مکان میں نزول اجلاں فرمائیں گے فرمایا آیا ہمارے لیے عقیل نے کوئی

محلہ یا مکان چھوڑ دیا ہے۔ امام زین العابدین نے فرمایا، ہوا یہ تھا کہ ابوطالب کا ترکہ عقیل اور طالب نے پایا اور جعفر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کچھ نہ ملا یہ دونوں حضرات وقت موت ابی طالب مسلمان تھے اور طالب کافر تھا اور عقیل بھی اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے۔ اسی بناء پر امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ کافر کا ترکہ مسلمان کو نہیں پہنچتا۔

ابوقحافہ کا اسلام اور ابوبکر کا گریہ

عمر بن شبہ کتاب مکہ میں اور ابو یعلیٰ اور ابوبشر اور سمویہ اپنے فوائد اور حاکم مستدرک میں بطریق محمد بن سلمان عن هشام بن حسان عن محمد بن سیرین قصۃ اسلام ابی قحافہ والد امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال فلما مد يده يبایعه بكي ابو بكر فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ما يبكيك قال لان تكون يد عمك مكان يده و يسلم و يقر الله عينك احب الي من ان يكون .

یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست انور ابوقحافہ سے بیعت لینے کے لیے بڑھایا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے، حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ عرض کی ان کے ہاتھ کی جگہ حضور کے چچا کا ہاتھ ہوتا اور ان کے اسلام لانے سے اللہ تعالیٰ حضور کی آنکھ ٹھنڈی کرتا تو مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ یہ بات عزیز تھی۔

حاکم نے کہا یہ حدیث بشرط شیخین صحیح ہے۔ حافظ الثان نے اصابہ میں اسے مسلم رکھا۔

ابوقرہ موسیٰ بن طارق موسیٰ بن عبیدہ سے وہ عبداللہ بن دینار سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما سے راوی۔

قال جاء ابو بكر بابي فحافة يقوده يوم فتح مكة فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الا تركت الشيخ حتى ناتي به قال ابو بكر اردت ان يا جره الله الذي بعثك بالحق لانا كنت اشد فرحا باسلام ابى طالب لو كان اسلم منى بابى.

یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے دن ابوقحافہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے خدمت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر لائے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس بوڑھے کو وہیں کیوں نہ رہنے دیا کہ ہم خود اس کے پاس تشریف فرما ہوتے، صدیق نے عرض کی کہ میں نے چاہا کہ اللہ ان کو اجر دے قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ ابو طالب کے مسلمان ہونے کی خوشی ہوتی اگر وہ اسلام لے آتے۔

اللہ اللہ یہ محبوب میں فنائے مطلق کا مرتبہ ہے۔

اسی طرح امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا۔

انا باسلامک اذا اسلمت افرح منى باسلام الخطاب.

مجھے آپ کے اسلام کی جتنی خوشی ہوئی اپنے باپ خطاب کے اسلام کی اتنی نہ ہوتی۔

اسے ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں بیان کیا ہے۔

جنتی کھانا کافروں پر حرام ہے

یونس بن بکر زیادات مغازی ابن اسحاق میں ابوالسطر سے راوی۔

قال بعث ابو طالب الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال اطعمنى من

عنب جنتک فقال ابو بکر ان الله حرمها على الکافرین .

یعنی ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کر بھیجی کہ مجھے اپنی جنت کا انگور کھلائیے، اس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بے شک اللہ نے انھیں کافروں پر حرام کیا ہے۔

امام واحد موسیٰ بن عبیدہ کی حدیث میں محمد بن کعب قرظی سے روایت کرتے ہیں۔

قال بلغنی انه لما اشتكى ابو طالب شکواه التي قبض فيها قلت له قریش ارسل الی ابن اخیک يرسل الیک من هذه الجنة التي ذکرها یكون لک شفاء فارسل الیه فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم ان الله حرمها على الکافرین طعامها و شرابها ثم اتاه فعرض علیه الاسلام فقال لو لا ان تعیر بها فيقال جزع عمک من الموت لا قررت بها عينک و استغفر له بعدما مات فقال المسلمون ما یمنعنا ان نستغفر لآبائنا و لذوی قرابتنا قد استغفر ابراهیم علیه السلام لابیہ و محمد صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم لعمه فاستغفروا للمشرکین حتی نزلت ما کان للنبی و الذین آمنوا الآیة .

یعنی ابوطالب کے مرض الموت میں کافران قریش نے صلاح دی کہ اپنے بھتیجے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے عرض کرو کہ یہ جنت جو وہ بیان کرتے ہیں اس میں سے تمہارے لیے کچھ بھیج دین کہ تم شفاء پاؤ، ابوطالب نے عرض کر بھیجی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کا کھانا پانی کافروں پر حرام کیا ہے۔ پھر تشریف لاکر ابوطالب پر اسلام پیش کیا، ابوطالب نے کہا لوگ حضور پر طعنہ دیں گے کہ حضور کا چچا موت سے گھبرا گیا اس کا خیال نہ ہوتا تو میں حضور کی خوشی کر دیتا جب وہ مر گئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی مسلمانوں نے کہا ہمیں اپنے والدوں

قریبوں کے لیے دعائے بخشش سے کون مانع ہے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے باپ (چچا) کے لیے استغفار کی اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چچا کے لیے استغفار کر رہے ہیں یہ سمجھ کر مسلمانوں نے اپنے اقارب مشرکین کے واسطے دعائے مغفرت کی اللہ عزوجل نے آیت اتاری کہ مشرکوں کے لیے یہ دعائے نبی کو روانہ مسلمانوں کو جب کہ روشن ہو لیا کہ وہ جہنمی ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اللہ ورسول کی مشیت

ابونعیم حلیہ میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كانت مشية الله تعالى في الاسلام عمى العباس و مشيتي في اسلام عمى ابي طالب فغلبت مشية الله مشيتي .

اللہ تعالیٰ نے میرے چچا عباس کا مسلمان ہونا چاہا اور میری خواہش یہ کہ میرا چچا ابوطالب مسلمان ہو اللہ تعالیٰ کا ارادہ میری خواہش پر غالب آیا کہ ابوطالب کافر رہا اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

کفر ابوطالب پر فقہاء کی عبارات

آیات و احادیث سے ابوطالب کا کفر ثابت کرنے کے بعد امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فقہائے کرام کی کچھ عبارتیں پیش فرما رہے ہیں جن سے یہ واضح دعیاں ہے کہ ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی ہے۔

امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں :

ابو طالب عمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مات کافرا۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی۔

امام برہان الدین علی بن ابی بکر فرغانی ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

اذا مات الکافر و له و لی مسلم فانه يغسله و يكفنه و يدفنه بذلك امر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حق ابیہ ابی طالب لکن يغسل غسل الثوب النجس و یلف فی خرقہ و یحفر حفیرة من غیر مراعاة سنة التکفین و اللحد و لا یوضع فیہ بل یلقى .

جب کافر مرے اور اس کا کوئی ولی مسلمان ہو تو وہ اسے غسل و کفن دے کر دفن دے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے باپ ابوطالب کے لیے یہی حکم ہوا تھا۔ لیکن کافر کو ایسا غسل دیا جائے گا جیسا ناپاک کپڑا دھویا جاتا ہے اور ایک چتھڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا جائے گا اس میں سنت کفن و لحد کی رعایت نہیں کی جائے گی اور گڑھے میں اسے رکھا نہیں جائے گا بلکہ ڈال دیا جائے گا۔ (مولف)

امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

مات کافر یغسلہ و لیہ المسلم و یکفنه و یدفنه و الاصل فیہ انه لما مات ابوطالب اتی علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قال ان عمک الشیخ الضال قد مات فقال اغسلہ و اکفنه و ادفنه و لا تحدث حدثا حتی تلقانی ای لاتصل علیہ الخ.

کافر مر جائے تو اس کا مسلم ولی غسل و کفن دے اور دفن دے اس کی اصل یہ ہے کہ جب ابوطالب کی موت ہوئی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں آئے اور عرض کیا کہ آپ کا وہ بڑھا گمراہ چچا مر گیا ہے حضور نے فرمایا کہ اسے غسل و کفن دے کر دفن کر دو اور مجھ

(مولف)

سے ملے بغیر کوئی نیا کام نہ کرنا یعنی نماز نہ پڑھنا۔

علامہ ابراہیم غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں۔

مات للمسلم قریب کافر لیس له ولی من الکفار یغسله غسل الثوب النجس و یلفه فی خرقه و یحفر له حفرة و یلقیه فیها من غیر مراعاة السنة فی ذلک لما روی ان ابا طالب لما هلك جاء علی فقال یا رسول الله ان عمک الضال قد مات الخ....

مسلمانوں کا کوئی قریبی کافر مر جائے کافروں میں سے جس کا کوئی ولی نہیں تو اسے اس طرح غسل دیا جائے جس طرح نجس کپڑا دھویا جاتا ہے اور ایک چتھڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا جائے کسی بات میں سنت کی رعایت نہ کی جائے یہ حکم اس بات سے ثابت ہے کہ جب ابوطالب ہلاک ہوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا گمراہ چچا مر گیا ہے الخ....

(مولف)

علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں۔

یغسل ولی مسلم الکافر و یکفنه و یدفنه بذلک امر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان یفعل بابیہ حین مات .

کافر کا مسلم ولی اسے غسل و کفن دے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی حکم ہوا تھا جب کہ ان کے باپ ابوطالب کی موت ہوئی تھی۔

(مولف)

ان سب عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان اپنے قرابت دار کافر مردہ کو نہلا سکتا ہے کہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اپنے باپ ابوطالب کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے نہلایا۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ یہ سب علمائے کرام ابوطالب کو کافر جانتے ہیں۔

کفر ابوطالب پر چند روایات

اصابہ فی تمییز الصحابہ میں ہے۔

ورد من عدة طرق في حق من مات في الفترة و من ولد مجنوننا و نحو ذلك ان كلا يدلي بحجة و يقول لو عقلت او ذكرت لآمنت فترفع لهم نار و يقال لهم ادخلوها فمن دخلها كانت في جملة من يدخلها طائعا فينجو لكن ورد في ابى طالب ما يدفع ذلك و هو ما تقدم من آية براءة و ما في الصحيح انه في ضحضاح من النار فهذا شان من مات على الكفر فلو كان مات على التوحيد نجا من النار اصلا و الاحاديث الصحيحة و الاخبار المتكاثرة طافحة بذلك .

یعنی بہت اسانید سے حدیث آئی کہ جو زمانہ فترت میں اسلام آنے سے پہلے مر گیا یا مجنون پیدا ہوا اور جنون ہی میں گزر گیا اور اسی قسم کے لوگ جنہیں دعوت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ پہنچی ان میں ہر ایک روز قیامت ایک عذر پیش کرے گا کہ الہی میں عقل رکھتایا مجھے دعوت پہنچتی تو میں ایمان لاتا ان کے امتحان کو ایک آگ بلند کی جائے گی اور ارشاد ہوگا اس میں جاؤ جو عظم مانے گا اور اس میں داخل ہوگا وہ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جائے گی اور جو نہ مانے گا جبراً آگ میں ڈالا جائے گا اور ہمیں امید ہے کہ عبدالمطلب اور ان کے گھروالے کہ قبل ظہور نور اسلام انتقال کر گئے وہ سب انھیں لوگوں میں ہوں گے جو اپنی خوشی سے اس امتحانی آگ میں جا کر ناجی ہو جائیں گے مگر ابوطالب کے حق میں وہ وارد ہو لیا جو اسے دفع کرتا ہے سورہ توبہ شریف کی آیت اور حدیث صحیح کا ارشاد کہ وہ پاؤں تک کی آگ میں ہے یہ حال اس کا ہے جو کافر مرے اگر اخیر وقت اسلام لا کر مرنا ہوتا تو دوزخ سے نجات کلی چاہیے تھی، صحیح و کثیر حدیثیں کفر ابی طالب ثابت کر رہی ہیں۔

پھر فرمایا :

قد فخر المنصور علی محمد بن عبد اللہ بن الحسن لما خرج بالمدينة و
کاتبه المکاتبات المشهورة و منها فی کتاب المنصور و قد بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیه وسلم و له اربعة اعمام فآمن به اثنان احدهما ابی و کفر به اثنان احدهما ابوک .

یعنی جب امام نفس زکیہ محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خلیفہ عباسی عبد
اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مشہور بہ منصور دو انتہی پر خروج فرمایا اور مدینہ طیبہ پر
تسلط کر کے خلیفہ و امیر المؤمنین لقب پایا ان میں اور خلیفہ مذکور منصور میں مکاتبات مشہورہ ہوئے ازاں جملہ
منصور نے ایک نامہ میں لکھا جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر ہوئی حضور کے چار چچا
زندہ تھے حمزہ و عباس و ابوطالب و ابولہب، دو حضور پر ایمان لائے ایک ان میں میرے باپ ہیں یعنی عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دو کافر رہے ایک ان میں آپ کے باپ ہیں یعنی ابوطالب۔

یہ منصور علاوہ خلیفہ و اہل بیت ہونے کے خود بھی علمائے تابعین و فقہاء و محدثین سے ہیں۔

اور امام اجل نفس زکیہ کو یوں بے تامل لکھ کر بھیجنا اور امام کا اس پر رد نہ فرمانا بھی بتا رہا ہے کہ کفر ابی
طالب واضح و مشہور بات تھی۔

اصابہ میں اس کے بعد فرمایا۔

و من شعر عبد اللہ بن المعتز یخاطب الفاطمیین .

و انتم بنو بنتہ دوننا

و نحن بنو عمہ المسلم

یعنی عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن محمد بن ہارون بن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما یا یوں کہنے کے چھ خلفاء کے بیٹے عبداللہ بن المعتمر باللہ بن المتوکل بن المعتصم بن الرشید ابن المہدی بن المنصور کا ایک شعر بعض سادات کرام کے خطاب میں ہے کہ تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے ہو ہم نہیں اور ہم حضور کے مسلمان چچا کے بیٹے ہیں۔

اس میں بھی کفر ابی طالب پر صاف تعریض موجود ہے۔

عبداللہ اہل علم و فضل سے ہیں حدیث میں علی بن حرب معاصر امام بخاری و مسلم کے شاگرد۔

نیز امام ابن حجر عسقلانی کتاب الاحکام پھر امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں

نحن نرجو ان يدخل عبد المطلب و آل بيته الجنة الا ابا طالب فانه ادرك

البعثة و لم يومن

ہم امید کرتے ہیں کہ عبد المطلب اور ان کے اہل بیت سب جنت میں جائیں گے سوا ابوطالب

کے کہ وہ زمانہ اسلام پایا اور ایمان نہ لائے۔

نیز فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

من عجائب الاتقان ان الذين ادركهم الاسلام من اعمام النبي صلى الله تعالى

عليه وسلم اربعة لم يسلم منهم اثنان و اسلم اثنان و كان اسم من لم يسلم ينافى اسامى

المسلمين و هما ابو طالب اسمه عبد مناف و ابو لهب و اسمه عبد العزى بخلاف من

اسلم و هما حمزة و العباس .

عجائب اتفاق سے ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چار چچا زمانہ اسلام میں زندہ تھے دو اسلام

نہ لائے اور دو مشرف بہ اسلام ہوئے وہ دو کہ اسلام نہ لائے ان کے نام بھی پہلے ہی سے مسلمانوں کے نام

کے خلاف تھے ابوطالب کا نام عبد مناف تھا اور ابو لہب کا عبد العزى اور دو کہ مسلمان ہوئے ان کے نام پاک

وصاف تھے حمزہ وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

امام احمد بن محمد بن خطیب قسطلانی مواہب لدنیہ وفتح محمدیہ میں فرماتے ہیں۔

كان العباس اصغر اعمامه صلى الله تعالى عليه وسلم و لم يسلم منهم الا هو و

حمزة .

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب میں چھوٹے چچا تھے حضور کے

اعمام میں صرف یہ اور حضرت حمزہ مسلمان ہوئے و بس۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی سفر السعادة میں فرماتے ہیں

چوں عم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار شد بآں کہ مشرک بود اور عیادت فرمود و دعوت اسلام کرد ابو

طالب قبول نہ کرد۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب جب بیمار ہوئے وہ مشرک تھے اس کے

باوجود حضور نے اس کی عیادت فرمائی اور اسلام کی دعوت دی مگر ابوطالب نے قبول نہ کی۔ (مولف)

شیخ محقق مدارج النبوة میں فرماتے ہیں۔

حدیث صحیح اثبات کردہ است برائے ابوطالب کفر را

(مولف)

حدیث صحیح سے ابوطالب کا کفر ثابت ہو چکا ہے

اقسام کفر اور کفر ابوطالب

امام محی السنۃ بغوی معالم شریف اول رکوع سورۃ بقرہ میں زیر قولہ تعالیٰ ان الذین کفروا سواء

علیہم پھر قاضی حسین بن محمد دیاربکری مالکی کتاب النخیس میں فرماتے ہیں:

کفر چار قسم ہے۔

- (۱) کفر انکار
- (۲) کفر جحود
- (۳) کفر عناد
- (۴) کفر نفاق

کفر انکار یہ کہ اللہ عزوجل کو نہ دل سے جانے اور نہ زبان سے مانے جیسے ابلیس و یہود۔

اور کفر نفاق یہ کہ زبان سے مانے مگر دل میں نہ جانے۔

و کفر العناد هو ان يعرف الله بقلبه و يعترف بلسانه و لا يدین به ککفر ابی

طالب حیث یقول :

لقد علمت بان دین محمد

من خیر ادیان البریة دینا

لو لا الملامة او حذار مسبة

لو جدتني سمحا بذاک مینا

یعنی کفر عناد یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے بھی جانے اور زبان سے بھی کہے مگر تسلیم و گرویدگی سے باز

رہے جیسے ابوطالب کا کفر کہ یہ شعر کہے۔

واللہ! میں جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین تمام جہان کے دینوں سے بہتر ہے،

اگر ملامت یا طعن سے بچنا نہ ہوتا تو مجھے دیکھتا کہ میں کسی اہل دل کے ساتھ صاف صاف اس دین کو

قبول کر لیتا۔

امام ممدوح یہ چاروں قسمیں بیان کر کے فرماتے ہیں :

جميع هذه الاصناف سواء في ان من لقي الله تعالى بواحد منها لا يغفر له .

یہ سب قسمیں اس حکم میں یکساں ہیں کہ جو ان میں سے کسی قسم کا کفر کرے اللہ عزوجل سے ملے گا وہ کبھی اسے نہ بخشے گا۔

امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس قرانی نے شرح التتقیح پھر امام قسطلانی نے مواہب میں کفار کی چار قسمیں کر کے ایک قسم یوں بیان فرمائی۔

من آمن بظاهرة و باطنه و كفر بعدم الاذعان للفروع كما حكى عن ابى طالب
انه كان يقول انى لا علم ان ما يقوله ابن اخى لحق و لو اخاف ان تعيرنى نساء قریش لا
تبعته و فى شعره يقول

لقد علموا ان ابننا لا مكذب
يقينا و لا يعزى لقول الا باطل
فهذا تصريح باللسان و اعتقاد بالجنان غير انه لم يدعن .

یعنی ایک کافر وہ ہے جو قلب سے عارف، زبان سے معترف ہو مگر اذعان نہ لائے جیسے ابوطالب سے مروی کہ بے شک میں یقیناً جانتا ہوں کہ جو کچھ میرے بھتیجے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فرماتے ہیں ضرور حق ہے اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھے عیب لگائیں گی تو ضرور ان کا تابع ہو جاتا اور اپنے ایک شعر میں کہا:

خدا کی قسم کافران قریش خوب جانتے ہیں کہ ہمارے بیٹے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یقیناً سچے ہیں

اور معاذ اللہ کوئی کلمہ خلاف حق کہنا ان کی طرف نسبت نہیں کیا جاتا۔

تو یہ زبان سے تصریح اور دل سے اعتقاد سب کچھ ہے مگر اذعان نہ ہوا۔

امام ابن اثیر جزری نہا یہ پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

كفر عناد و هو ان يعرفه بقلبه و يعترف بلسانه و لا يدین به كابي طالب .

كفر عناد یہ کہ دل سے پہچانے اور زبان سے اقرار کرے مگر تسلیم و انقیاد سے باز رہے جیسے ابو

طالب۔

چچا کو باپ کہنا عرب کی عادت ہے

نسیم الریاض شرح شقائے امام قاضی عیاض فصل الوجه الخامس من وجوه السب میں امام ابن حجر مکی سے نقل فرمایا:

حدیث مسلم ، ان ابی و اباک فی النار اراد بابیه عمه ابا طالب لان العرب

تسمی العم ابا

یعنی عرب کی عادت ہے کہ چچا کو باپ کہتے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اسی

عادت پر اس حدیث میں اپنے چچا ابوطالب کو باپ کہہ کر فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔

امام خاتم الحقاظ جلال الملتہ والدین سیوطی، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم میں اسی حدیث کی نسبت فرماتے ہیں۔

ما المانع ان یکون المراد به عمه ابو طالب و کانت تسمیة ابی طالب ابا النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شائعاً عندهم لکونه عمه و کونه رباہ و کفله من صغره .

کون مانع ہے کہ اس حدیث میں ابوطالب مراد ہو کہ وہ دوزخ میں ہے اس زمانہ میں شائع تھا کہ ابوطالب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باپ کہا جاتا چچا ہونے اور بچپن سے حضور کی خدمت و کفالت کرنے کے باعث۔

اقول، جس طرح ابھی ابوطالب کے شعر سے گزرا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا بیٹا کہا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کی بی بی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی ماں فرمایا۔

ایک روایت کی تاویل

امام جلال الدین سیوطی مسالک المحففاء میں فرماتے ہیں کہ تمام رازی فوائد میں بسند ضعیف ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا كان يوم القيمة شفعت لابي و امي و ابي طالب و اخ لي كان في الجاهلية.

أوردہ المحب الطبری و هو من الحفاظ و الفقهاء فی کتابہ ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی ، و قال ان ثبت فهو مؤول فی ابي طالب علی ما ورد فی الصحيح من تخفيف العذاب عنه بشفاعته صلى الله تعالى عليه وسلم . و انما احتاج الى تاويله فی ابي طالب دون الثلثة ابيه و امه و اخيه یعنی من الرضاة لان ابا طالب ادرك البعثة و لم يسلم و الثلثة . ماتوا فی الفترة .

یعنی ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ میں روز قیامت اپنے والدین اور ابوطالب اور اپنے ایک رضاعی بھائی کی کہ زمانہ جاہلیت میں گزرا شفاعت فرماؤں گا۔

امام محبت طبری نے کہ حافظان حدیث و علمائے فقہ میں ہیں، ذخائر العقبیٰ میں فرمایا یہ حدیث اگر ثابت بھی ہو تو ابوطالب کے بارے میں اس کی تاویل وہ ہے جو صحیح حدیث میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ امام سیوطی فرماتے ہیں خاص ابوطالب کے باب میں تاویل کی حاجت یہ ہوئی کہ ابوطالب نے زمانہ اسلام پایا اور کفر پر اصرار رکھا، بخلاف والدین کریمین و برادر رضاعی کہ زمانہ فترت میں گزرے۔

اقول، (امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں) یہاں تاویل بمعنی بیان مراد و معنی ہے جس طرح شرح معانی قرآن کو تاویل کہتے ہیں۔ کفار سے تخفیف عذاب بھی حضور سید الشافعیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقسام شفاعت سے ہے، شفاعت کبریٰ کہ فتح باب حساب کے لیے ہے تمام جہان کو شامل و عام ہے۔

امام نووی نے بآں کہ ابوطالب کو بالیقین کافر جانتے ہیں تبویب صحیح مسلم شریف میں ایک حدیث کا باب یوں لکھا۔

باب شفاعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لابی طالب و التخفیف عنہ

بسیبہ.

امام بدرالدین زرکشی نے خادم میں امام ابن ماجہ سے نقل کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقسام شفاعت سے وہ تخفیف عذاب ہے جو ابولہب کو بروز و شبہ ملتی ہے۔

لسروره بولادة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و اعتاقه ثویبة حین بشر به و

انما ہی کرامة له صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .

اس لیے کہ اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کی خوشی کی اور اس کا مژدہ

سن کر ثویبہ کو آزاد کیا تھا، یہ حضور ہی کا فضل ہے جس کے باعث اس نے تخفیف پائی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نیز مسالک الحنفیاء پھر شرح مواہب علامہ زرقانی میں ہے۔

قد ثبت فی الصحيح و اخبر الصادق المصدق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
ان ابا طالب اھون اھل النار عذابا.

بیشک صحاح میں ثابت ہے اور صادق مصدق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ابوطالب پر
سب دوزخیوں میں کم عذاب ہے۔

اسلام ابوطالب کی روایات صحیح نہیں ہیں

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں :

القول باسلام ابی طالب لا یصح قالہ ابن عساکر و غیرہ .

ابوطالب کا اسلام ماننا غلط ہے، ابن عساکر وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، اسی طرح اصحابہ میں

ہے۔

علامہ شہاب نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

من الغریب ما نقلہ بعضهم ان اللہ تعالیٰ احیاء لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فآمن بہ کابویہ و اظنہ من افتراء الشیعة .

غرائب سے ہے یہ جو بعض نے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے والدین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
طرح ابوطالب کو بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے زندہ کیا کہ بعد مرگ جی کر مشرف بہ اسلام ہوئے،
میرے گمان میں یہ رافضیوں کی گڑھت ہے۔

علامہ صبان محمد بن علی مصری کتاب اسعاف الراغبین میں فرماتے ہیں :

اما اعماله صلى الله تعالى عليه وسلم فاثنا عشرة حمزة و العباس و هما
مسلمان و ابو طالب و الصحيح انه مات كافرا.

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارہ چچا تھے حمزہ و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور یہی دو
مشرف بہ اسلام ہوئے اور ابو طالب اور صحیح یہی ہے کہ یہ کافر مرے۔

و ابيض يستسقى الغمام بوجهه

ثم اليتامى عصمة للارامل

وہ گورے رنگ والے جن کے روئے روشن کے تو سل سے مینہ برستا ہے یتیموں کے جائے پناہ
بیواؤں کے نگہبان۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

امام ابن حجر کی افضل القرئى لقراء ام القرئى میں اس بیت کو لکھ کر فرماتے ہیں:

هذا البيت من جملة قصيدة له فيها مدح عجيب له صلى الله تعالى عليه وسلم
حتى اخذ الشيعة منها القول باسلامه .

یہ بیت ابو طالب کے ایک قصیدہ کی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عجب نعت
ہے یہاں تک کہ رافضیوں نے اس سے ابو طالب کا مسلمان ہونا اخذ کر لیا۔

پھر فرماتے ہیں:

صرائح الاحاديث المتفق على صحتها ترد ذلك .

لیکن صاف اور روشن حدیثیں جن کی صحت پر اتفاق ہے اسلام ابو طالب کو رد کر رہی ہیں۔

علامہ محمد عبدالباقی شرح مواہب میں روایت ضعیفہ ابن اسحاق ذکر کر کے فرماتے ہیں:

بہذا احتج الرافضة و من تبعهم علی اسلامہ .

رافضی اور جوان کے پیرو ہوئے وہ اسی روایت سے ابوطالب کے اسلام پر سند لاتے ہیں۔

اصابہ میں ہے:

ذکر جمع من الرافضة انه مات مسلما قال ابن عساکر فی صدر ترجمته قیل

انه اسلم و لا یصح اسلامہ .

رافضیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ابوطالب مسلمان مرے، امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں

شروع تذکرہ ابوطالب میں فرمایا بعض اسلام ابوطالب کے قائل ہوئے اور یہ صحیح نہیں۔

زرقانی میں ہے:

الصحيح ان ابا طالب لم یسلم و ذکر جمع من الرافضة انه مات مسلما و

تمسکوا باشعار و اخبار و اہیة تکفل بردھا فی الاصابة .

صحیح یہ ہے کہ ابوطالب مسلمان نہ ہوئے رافضیوں کی ایک جماعت نے ان کا اسلام پر مرنا مانا اور

کچھ شعروں اور واہیات خبروں سے تمسک کیا جن کے رد کا امام حافظ الشان نے اصابہ میں ذمہ لیا۔

نسیم فصل کیفیۃ الصلاة علیہ والتسلیم میں ہے۔

ابو طالب توفی کافرا و ادعاء بعض الشيعة انه اسلم لا اصل له .

ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی اور بعض رافضیوں کا دعویٰ باطلہ کہ وہ اسلام لائے محض بے اصل

ہے۔

شیخ محقق شرح صراط مستقیم میں فرماتے ہیں۔

شیخ ابن حجر در فتح الباری می گوید معرفت ابوطالب بہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در بسیاری از اخبار آمدہ و تمسک کردہ بدان شیعہ بر اسلام وے و استدلال کردہ اند برد عموماً خود بچیزے کہ دلالت ندارد بر آں۔

شیخ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ ابوطالب کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی معرفت حاصل تھی کثیر احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے جن سے شیعہ نے ابوطالب کا اسلام لانا ثابت کیا ہے اور شیعہ حضرات نے ابوطالب کے اسلام پر ان چیزوں سے استدلال کیا ہے جو اسکے ایمان پر دلالت نہیں کرتی ہیں۔ (مولف)

اسی میں ہے :

مخفی نماند کہ صحت اسلام ابوین بلکہ سائر آباءے وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشہور است و شیعہ اسلام ابوطالب را نیز ازین دانند۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ والدین کریمین اور حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام کے اسلام کی صحت مشہور و معروف ہے اور شیعہ لوگ ابوطالب کے اسلام کو بھی اسی قبیل سے گردانتے ہیں۔ (مولف)

کفر ابوطالب پر علماء کا اجماع ہے

شرح مقاصد و شرح نحریر پھر رد المختار، حاشیہ در مختار باب المرتدین میں ہے۔

المصر علی عدم الاقرار مع مطالبة به کافر و فاذا لکون ذلک من امارات عدم التصدیق و لهذا اطبقوا علی کفر ابی طالب .

جس سے اقرار اسلام کا مطالبہ کیا جائے اور وہ اقرار نہ کرنے پر اصرار رکھے بالاتفاق کافر ہے۔ کہ یہ دل میں تصدیق نہ ہونے کی علامت ہے اسی واسطے تمام علماء نے کفر ابی طالب پر اجماع کیا ہے۔

مولانا علی قاری شرح شفاء شریف میں فرماتے ہیں:

إذا امر بها و امتنع و ابی عنها کابی طالب فهو کافر بالاجماع

جسے شہادت کلمہ اسلام کا حکم دیا جائے اور وہ باز رہے اور ادائے شہادت سے انکار کرے تو وہ

بالاجماع کافر ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں، اس شخص کے بارے میں جو قلب سے اعتقاد رکھتا تھا اور بغیر کسی عذر و مانع کے زبان سے اقرار کی نوبت نہ آئی علماء کا اختلاف کہ یہ اعتقاد بے اقرار سے آخرت میں نافع ہوگا یا نہیں؟ نقل کر کے فرماتے ہیں:

قلت لکن بشرط عدم طلب الاقرار منه فان ابی بعد ذلک فکافر اجماعا

لقضية ابی طالب .

یعنی یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس سے اقرار طلب نہ کیا گیا ہو اور اگر بعد طلب باز رہے جب تو بالا جماع کافر ہے ابوطالب کا واقعہ اس پر دلیل ہے۔

اسی کی فصل ثانی باب اشراط الساعة میں ہے۔

ابو طالب لم یومن عند اهل السنة .

اہل سنت کے نزدیک ابوطالب مسلمان نہیں۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادة میں فرماتے ہیں۔

مشائخ حدیث و علمائے سنت بریں اند کہ ایمان ابوطالب ثبوت نہ پذیرفتہ و در صحاح احادیث است کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در وقت وفات وی بر سر وے آمد و عرض اسلام کرد وی قبول نہ کرد۔

مشائخ حدیث و علمائے اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ ابوطالب کا ایمان پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا ہے اور صحیح حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ابوطالب کی موت کے وقت حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور دعوت اسلام دی مگر اس نے قبول نہ کی۔ (مولف)

رافضیوں کے شبہ کا جواب

اصابہ فی تمییز الصحابہ میں ہے۔

استدلال الرافضی بقول اللہ تعالیٰ فالذین آمنوا به و عزروه و نصروه و اتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ہم المفلحون . قال و عزره ابو طالب و نصره بما اشتہر و علم و نابذ قریشا و عادا ہم بسببہ مما لا یدفعہ احد من نقلة الاخبار فیکون من المفلحین و هذا مبلغہم من العلم و انا نسلم انه نصره و بالغ فی ذلک لکنہ لم یتبع النور الذی معہ و هو الکتاب العزیز الداعی الی التوحید و لا یحصل الفلاح الا بحصول ما رقب علیہ من الصفات کلہا .

یعنی اسلام ابی طالب پر رافضی اس آیت سے دلیل لایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور اس کی نصرت و مدد کی اور جو نور اس نبی کے ساتھ اتارا گیا اس کے پیرو ہوئے، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، رافضی نے کہا ابوطالب کی مدد و نصرت مشہور و معروف ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قریش سے مخالفت کی، عداوت باندھ لی جس کا کوئی راوی اخبار انکار نہ کرے گا تو وہ فلاح پانے والوں میں ٹھہرے، رافضیوں کے علم کی رسائی یہاں تک ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ابوطالب نے ضرور

نصرت کی اور بدرجہ غایت کی مگر اس نور کا تو اتباع نہ کیا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اترا یعنی قرآن مجید، داعی توحید، اور فلاح تو جب ملے کہ جتنی صفات پر اسے مرتب فرمایا ہے سب حاصل ہوں۔

ابوطالب کا خاتمہ کفر پر ہوا

مخالفین کے کچھ شبہات کا جواب دیتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

اعتبار خاتمہ کا ہے، لہذا الاعتبار بالخواتیم جب ابوطالب کا کفر پر مرنا قرآن و حدیث سے ثابت تو اب اگلے قصے سنانا اور گزشتہ کفالت و نصرت سے دلیل لانا محض ساقط۔

صحاح ستہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث طویل میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فوالله الذي لا اله غيره ان احدكم ليعمل بعمل اهل الجنة حتى ما يكون بينه و
بينها الا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل النار فيدخل النار .

قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں تم میں کوئی شخص جنتیوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک ہاتھ کا فرق رہ جاتا ہے اتنے میں تقدیر غالب آجاتی ہے کہ دوزخیوں کے کام کر کے دوزخ میں جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

دنیاوی محبت دلیل ایمان نہیں

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابوطالب کو بے پناہ محبت تھی جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس نے ضرور ایمان قبول کیا ہوگا کیوں کہ محبت ایمان کا دوسرا نام اور محبت ہی دلیل ایمان ہے اس شبہ کا جواب امام احمد رضا بریلوی نے نہایت عمدہ اور فاضلانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے کہ:

بے شک (ابوطالب کو حضور سے محبت تھی) مگر حد طبعی تک جیسے چچا کو بھتیجے سے چاہئے اور بھتیجے بھی کیسے کہ حقیقی بھائی نوجوان گزرے ہوئے کی اکلوتی نشانی، پھر اس پر جمال صورت و کمال سیرت وہ کہ اپنے تو اپنے غیر دیکھیں تو فدا ہو جائیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

خاندان ہاشمی ایک اسی چراغ محمود و شمع بے دود سے روشن تھا خاندانی حمیت ہر عاقل کو ہوتی ہے خصوصاً اہل عرب خصوصاً قریش خصوصاً بنی ہاشم میں اس کا عظیم مادہ۔ ولہذا جب یہ آیہ کریمہ فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلانیہ دعوت اسلام شروع کی تو اشراف قریش جمع ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ تمام عرب میں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے بڑھ کر اچھی اٹھان والا لڑکا ہم سے لے لو اسے بجائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرورش کرو اور انھیں ہم کو دے دو، اور اسی ارادہ فاسدہ پر عمارہ بن ولید کو لے کر گئے تھے کہ ابوطالب نے مانا تو اسے انھیں دے دیں گے۔ ابوطالب نے کہا:

والله لئنس ماتسو مونی اتعطونی ابنکم اغذوه لکم و اعطیکم ابنی تقتلونہ

ہذا و اللہ ما لا یكون ابدًا حین تروح الابل فان حنت ناقة غیر فصیلہا دفعته الیکم

خدا کی قسم کیا بری گا بہی میرے ساتھ کر رہے ہو کیا تم اپنا بیٹا مجھے دو کہ میں تمہارے لیے اسے کھلاؤں: پرورش کروں اور میں اپنا بیٹا تمہیں دے دوں کہ تم اسے قتل کرو۔ خدا کی قسم یہ کبھی ہونی نہیں جب اونٹ شام کو نکلتے ہیں تو اگر کوئی ناقہ اپنے بچے کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف میل کرتی ہو تو میں بھی تم سے اپنا بیٹا بدل لوں۔

ابوطالب نے صاف بتا دیا کہ ان کی محبت وہی ہے جو انسان تو انسان حیوان کو بھی اپنے بچے سے

ہوتی ہے۔ ایسی محبت ایمان نہیں، ایمان حب شرعی ہے ابوطالب میں اس کی شان نہیں، محبت شرعی و ایمانی

ہوتی تو نارکو عار پر اختیار اور دم مرگ کلمہ طیبہ سے انکار اور ملت جاہلیت پر اصرار کیوں ہوتا۔

امام قسطلانی ارشاد الساری میں فرماتے ہیں:

قد كان ابو طالب يحوطه صلى الله تعالى عليه وسلم و ينصره و يحبه حبا

طبعيا لا شرعيا فسبق القدر فيه و استمر على كفره و لله الحجة السامية

یعنی ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت سب کچھ کی طبعی محبت بہت

کچھ رکھی مگر شرعی محبت نہ تھی آخر تقدیر الہی غالب آئی اور معاذ اللہ کفر پر وفات پائی اور اللہ ہی کے لیے ہے

حجت بلند۔

نسیم الریاض میں ہے:

حنوه على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و صحبته له امر مشهور في السير

و كان يعظمه و يعرف نبوته و لكن لم يوفقه الله الاسلام .

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ابوطالب کی مہر و محبت مشہور ہے اور تعظیم و معرفت نبوت معلوم

مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمان ہونے کی توفیق نہ دی۔

ابوطالب کے عدم ایمان میں حکمتیں

نسیم الریاض میں ہے :

و في الامتناع ان فيه حكمة خفية من الله تعالى لانه عظيم قریش لا يمكن احدا

منهم ان يتعدى على ما في جواره فكان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في بدء امره

في كنف حمايته بذبهم عنه كما قال :

و الله لن يصلوا اليك بجمعهم

حتى اوسد في التراب دفينا

فلو اسلم لم يكن له صلى الله تعالى عليه وسلم بعد موته بعد من الهجرة .

کتاب الاقناع میں ہے کہ ابوطالب کے مسلمان نہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی ایک باریک حکمت ہے وہ سردار قریش تھے کوئی ان کی پناہ پر تعدی نہ کر سکتا تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں ان کی حمایت میں تھے وہ مخالفوں کو حضور سے دفع کرتے تھے خود ایک شعر میں کہا ہے۔

خدا کی قسم تمام قریش اکٹھے ہو جائیں تو حضور تک نہ پہنچ سکیں گے جب تک مین خاک میں لٹا کر دبا

نہ دیا جاؤں۔

تو اگر وہ اسلام لے آتے قریش کے نزدیک ان کی پناہ کوئی چیز نہ رہتی، آخر ان کے انتقال پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہجرت ہی فرمانی ہوئی۔

اس کے بعد چند باریک حکمتوں کی طرف امام احمد رضا بریلوی نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے :

اقول، قرب انتقال تک اسلام نہ لانے کی یہ حکمت ہو سکتی ہے مرتے وقت کفر پر اصرار کی حکمت

اللہ جانے یا اس کا رسول۔ شاید اس میں :

اولاً: یہ نکتہ ہو کہ اگر اسلام لا کر مرتے مخالف گمان کرتے کہ اللہ کے رسول نے ہمارے ساتھ معاذ اللہ

فریب برتا اپنے چچا کو مسلمان تو کر لیا مگر پناہ و ذمہ رکھنے کے لئے ظاہر نہ ہونے دیا جب اخیر وقت

آیا کہ اب وہ کام نہ رہا ظاہر کروادیا۔

ثانیاً: ان مسلمانوں کی تسکین بھی ہے جن کے بزرگ حالت کفر میں مرے جس کا پتہ حدیث، ان ابی و

اباک دیتی ہے اول ناگوار ہو جب اپنے چچا کو شامل فرمایا سکون پایا۔

ثالثاً: مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قائم فرمانا کہ اپنے اقارب جب خدا کے خلاف ہوں ان سے برأت کریں، مرنے پر جنازہ میں شریک نہ ہوں، نماز نہ پڑھیں، دعائے مغفرت نہ کریں کہ جب خود اپنے حبیب کو منع فرمایا تو اوروں کی کیا گنتی۔

رابعاً: عمل میں اخلاص للہ و خوف و انقیاد کی ترغیب اور محبوبان خدا سے نسبت پر پھول بیٹھنے سے ترہیب، جب ابوطالب کو ایسی نسبت قریبہ بآں کارہائے عجیبہ بوجہ نامنقادی کام نہ آئی تو اور کیا چیز ہے۔ الی غیر ذلک۔

صرف مدح و نعت سبب اسلام نہیں

ابوطالب نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعت و قصائد لکھے اور حضور سے توسل و استغاثہ کیا جس سے ان کے اسلام لانے کا شبہ ہو رہا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس شبہ کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ:

اقول، یہ تو اور حجت الہیہ قائم ہونا ہے جب ایسا جانتے ہو پھر کیوں نہیں مانتے ہو یہود عنود قبل طلوع شمس رسالت کیا کچھ نعت و مدحت نہ کرتے جب کوئی مشکل آتی، مصیبت منہ دکھاتی تو حضور سے توسل کرتے جب دشمن کا مقابلہ ہوتا دعا مانگتے:

اللهم انصر علیہم بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد صفته فی

التوراة.

الہی، ہمیں ان پر مدد دے صدقہ نبی آخر الزماں کا جس کی نعت ہم تورات میں پاتے ہیں۔

پھر جان کر نہ ماننے کا کیا نتیجہ ہوا۔ یہ جو قرآن عظیم نے فرمایا:

كانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به
فلعنة الله على الكافرين .

اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ
جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔

اصابہ میں فرماتے ہیں :

اما شهادة ابي طالب بتصديق النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فالجواب عنه و
عما ورد من شعر ابي طالب في ذلك انه نظير ما حكى الله تعالى عن كفار قريش و
جحدوا بها و استيقنتها انفسهم ظلما و علوا فكان كفرهم عنادا و منشؤه من الانفة و
الكبر و الي ذلك اشار ابو طالب بقوله لو لان ان تعير قريش .

یعنی ابوطالب کے ان اشعار وغیرہا کا جواب یہ ہے کہ وہ اسی قبیل سے ہے جو قرآن عظیم نے کفار
کا حال بیان فرمایا کہ براہ ظلم و تکبر منکر ہوتے اور دل میں خوب یقین رکھتے ہیں تو یہ کفر عناد ہوا اور اس کا منشاء
تکبر اور اپنے نزدیک بڑی ناک والا ہونا ہے خود ابوطالب نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ اگر قریش کی طعنہ
زنی کا خیال نہ ہوتا تو اسلام لے آتا۔

ابوطالب نے اپنے بیٹوں کو ایمان کی وصیت کی

ابوطالب کی اپنے بیٹوں کی وصیت سے بعض لوگوں کو اس کے اسلام کا دھوکہ ہوا اس کا ازالہ کرتے
ہوئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ :

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں ان سے بعض وصایا ضرور منقول مگر جب اوروں کو وصیت
ہو خود جاہلی حمیت ہو تو اس سے کیا حصول۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كبر مقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون .

اللہ کو سخت دشمن ہے یہ بات کہہو اور نہ کرو۔

تندرستی میں بھی یہی برتاؤ تھا کہ اوروں کو ترغیب دینا اور آپ بچنا وہی انداز وقت مرگ برتا۔

اصابہ میں فرمایا:

اما امر ابی طالب و لدیہ باتباعه فترك ذلك من جملة العناد و هو ایضا من

حسن نصرته له و ذبه و معاداته قومه بسببه .

رہا ابوطالب کا اپنے بیٹوں حیدر کرار و جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہنا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی پیروی کرو تو خود اس کا ترک کرنا یہ عناد میں سے ہے اور یہ ترغیب پیروی بھی ان کی اسی خوبی مدد و

حمایت اور حضور کے باعث اپنی قوم سے مخالفت ہی میں داخل ہے۔

یعنی جہاں وہ سب کچھ تھا ایں ہم بر علم ایمان بے اذعان ملنا کیا امکان، ولہذا علمائے کرام جہاں ابو

طالب سے یہ امور نقل فرماتے ہیں وہیں موت علی الکفر کی بھی تصریح کر جاتے ہیں۔

مجمع البحار میں ہے:

فی العاشرة دنا موت ابی طالب فوصی بنی المطلب باعانتہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم و مات فقال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عمک الضال قد مات قال

فاغسله و کفنه و وارہ غفر اللہ له فجعل یستغفر له ایاما حتی نزل ما کان للنبی الآیة .

یعنی نبوت سے دسویں سال ابوطالب کو موت آئی بنی مطلب کو مددگاری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی وصیت کر کے مر گئے، اس پر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کی حضور کا گمراہ چچا مر گیا فرمایا نہیلا

کفنا کردیادے اللہ سے بخشے کچھ دنوں دعائے مغفرت فرماتے رہے یہاں تک کہ آیت اتری، نبی کو روا نہیں کہ مشرکوں جہنیوں کی بخشش مانگے۔

علامہ مغنی حاشیہ شرح ہمز یہ میں لکھتے ہیں:

قال القرطبي في المفهم كان ابو طالب يعرف صدق رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في كل ما يقول له و يقول لقريش تعلمون و الله ان محمدا لم يكذب قط و يقول لابنه علي اتبعه فاند على الحق غير انه لم يدخل في الاسلام و لم يزل على ذلك حتى حضرته الوفاة فدخل عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم طامعافي اسلامه و حريصا عليه باذلا في ذلك جهده مستفرغا ما عنده و لكن عاقت عن ذلك عوائق الاقدار التي لا ينفع معها حرص و لا اعتذار.

یعنی امام قرطبی نے مفہم شرح صحیح مسلم میں فرمایا ابوطالب خوب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں سب حق ہے قریش سے کہتے خدا کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کوئی کلمہ خلاف واقع نہ فرمایا اپنے بیٹے علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے کہتے ان کے پیرو رہنا کہ یہ حق پر ہیں یہ سب کچھ تھا مگر یہ خود اسلام میں نہ آئے موت آنے تک اسی حال پر رہے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما ہوئے اس امید پر کہ شاید مسلمان ہو جائیں اس کی حضور کو سخت خواہش تھی جو کچھ کوشش ممکن تھی سب خرچ فرمادی مگر وہ تقدیریں آڑے آئیں جن کے آگے نہ خواہش چلتی ہے نہ عذر۔

ایک شبہ کا جواب

آیات و احادیث سے کفر ابوطالب کو واضح و آشکارا کرنے کے بعد ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

اب ایک شبہ باقی رہا جس سے زمانہ قدیم میں بعض روافض نے اپنے رسالہ اسلام ابی طالب میں استناد کیا اور اکابر ائمہ و علمائے اہل سنت مثل امام اجل بیہقی، و امام اجل سہیلی، و امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی، و امام بدرالدین محمود عینی، و امام احمد قسطلانی، و امام ابن حجر مکی، و علامہ حسین دیار بکری، و علامہ محمد زرقانی، و شیخ محقق دہلوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے متعدد وجوہ سے جواب دیا۔ سنی کے لیے تو اسی قدر سے جواب ظاہر ہو گیا کہ استدلال کرنے والا ایک رافضی اور جواب دینے والے ائمہ و علمائے اہل سنت، مگر تمہیں فائدہ کے لیے فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر وہ شبہ اور علماء کے اجوبہ ذکر کر کے جو کچھ فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائز ہوا تحریر کرے۔ وباللہ التوفیق۔

ابن اسحاق نے سیرت میں ایک روایت شاذہ ذکر کی جس کا خلاصہ یہ کہ ابوطالب کے مرض الموت میں اشراف قریش جمع ہو کر ان کے پاس گئے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سمجھا دو کہ ہمارے دین سے غرض نہ رکھیں ہم ان کے دین سے تعرض نہ کریں، ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا کر عرض کی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں یہ ایک بات کہہ لیں جس سے تم تمام عرب کے مالک ہو جاؤ اور عجم تمہارے مطیع، ابو جہل لعین نے عرض کی، حضور ہی کے باپ کی قسم ایک نہیں دس باتیں، فرمایا تو لا الہ الا اللہ کہہ لو، اس پر کافر تالیاں بجا کر بھاگ گئے، ابوطالب کے منہ سے نکلا خدا کی قسم حضور نے کوئی بے جا بات تو ان سے نہ چاہی تھی اس کہنے سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امید پڑی کہ شاید یہی مسلمان ہو جائے، حضور نے بار بار فرمانا شروع کیا اے چچا تو ہی کہہ لے جس کے سبب سے میں تیری شفاعت روز قیامت حلال کر لوں، جب ابوطالب نے حضور کی شدت خواہش دیکھی کہا اے بھتیجے! میرے خدا کی قسم اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ حضور کو اور حضور کے باپ (یعنی ابوطالب) کے بیٹوں کو طعنہ دیں گے کہ نزع کی سختی پر صبر نہ ہوا، کلمہ پڑھ لیا، تو میں پڑھ لیتا اور وہ بھی کس طرح پڑھتا۔

لا اقولها الا لا سرک بها

صرف اس لیے کہ حضور کی خوشی کر دوں۔

یہ باتیں نزع میں تو ہو رہی تھیں جب روح پرواز کرنے کا وقت نزدیک آیا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے لبوں کو جنبش دیکھی کان لگا کر سنا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی:

یا ابن اخی و اللہ لقد قال اخی الکلمة التی امرتہ ان یقولها.

اے میرے بھتیجے! خدا کی قسم میرے بھائی نے وہ بات کہہ لی جو حضور اقدس اس سے کہلواتے

تھے۔

قال فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم اسمع .

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہ سنی۔

یہ وہ روایت ہے علماء نے اس سے پانچ جواب دیے۔

اولاً: یہ روایت ضعیف و مردود ہے، اس کی سند میں ایک راوی مبہم موجود ہے۔ یہ جواب امام بیہقی پھر

امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی و امام بدرالدین محمود عینی و امام ابن حجر مکی و علامہ حسین دیار بکری و

علامہ زرقانی وغیرہم نے افادہ فرمایا۔

ثانیاً: اگر بالفرض صحیح بھی ہوتی تو ان احادیث جلیلہ جزیلہ صحاح اصح کے مخالف تھی لہذا مردود ہوتی نہ کہ

خود صحیح بھی نہیں اب ان کے مقابل کیا التفات کے قابل۔

ثالثاً: خود قرآن عظیم اسے رد فرما رہا ہے اگر اسلام پر موت ہوتی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو استغفار

سے کیوں ممانعت آتی۔ یہ جواب حافظ الشان کا ہے اور اسے خمیس میں بھی ذکر کیا۔

اقول: استغفار سے نبی کفر میں صریح نہیں، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں میت مدیون کے جنازہ پر نماز پڑھنے سے ممنوع تھے۔ علمائے متاخرین نے حدیث استاذنت ربی ان یستغفر لامی فلم یاذن لی (میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہ ملی) کا یہی جواب دیا ہے۔ تو استدلال اسی آئیہ کریمہ کے لفظ للمشرکین و لفظ اصحاب الجنحیم سے اولیٰ و انسب ہے اگر کلمہ اسلام پر موت ہوتی تو رب العزت ابوطالب کو مشرک کیوں بتاتا، اصحاب نار سے کیوں ٹھہراتا۔ لاجرم یہ روایت بے اصل ہے۔

رابعاً: اقول: اس میں ایک علت اور ہے کہ خود یہی عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن سے یہ حکایت ذکر کی جاتی ہے موت ابی طالب کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں یا رسول اللہ! حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو بھی کچھ نفع دیا وہ حضور کا غمخوار طرفدار تھا ارشاد ہوا ہم نے اسے سرو پا جہنم میں غرق پایا، اتنی تخفیف فرمادی کہ ٹخنوں تک آگ ہے میں نہ ہوتا تو اسفل السافلین اس کا ٹھکانہ تھا۔

سبحان اللہ! اگر عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کانوں سے مرتے وقت کلمہ توحید پڑھنا سنتے تو اس سوال کا کیا محل تھا وہ نہ جانتے تھے کہ الاسلام یهدی ما قبلہ مسلمان ہو جانا گزرے ہوئے سب اعمال بد کو ڈھا دیتا ہے۔ کیا وہ نہ جانتے تھے کہ آخر وقت جو کافر مسلمان ہو کر مرے بے حساب جنت میں جائے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة (جو لا الہ الا اللہ کہہ لے وہ جنت میں جائے گا) اور پھر سوال میں کیا عرض کرتے ہیں وہی پرانے قصے نصرت و یاری و حمایت و غمخواری۔ یہ نہیں کہتے یا رسول اللہ! وہ تو کلمہ اسلام پڑھ کر مرا ہے یہ پوچھتے ہیں کہ حضور نے اسے بھی کچھ نفع بخشا یہ نہیں عرض کرتے کہ کون سے اعلیٰ درجات جنت عطا فرمائے۔ وہ حالت صحیح ہوتی تو پرواز سوال یوں ہوتا کہ یا رسول اللہ! ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر ہوا

اور حضور کے ساتھ ان کی غایت محبت و کمال حمایت تو قدیم سے تھی اللہ عزوجل نے فردوسِ اعلیٰ کا کون سا محل انھیں کرامت فرمایا۔ تو نظر انصاف میں یہ سوال ہی اس روایت کی بے اصلی پر قرینہ واضح ہے اور جواب تو جو ارشاد ہوا ظاہر ہے۔

خامساً: یقیناً معلوم کہ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے کہیں گیارہ برس بعد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے ہیں اور اسی روایت میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کا کلمہ پڑھنا نہ سنا اور ان کی عرض پر بھی اطمینان نہ فرمایا، یہی ارشاد ہوا کہ ہم نے نہ سنا۔ مگر ایک شخص کی شہادت جو عدالت درکنار گواہی دیتے وقت مسلمان بھی نہیں وہ شرعاً کس قاعدہ و قانون سے قابل قبول و لائق التفات اصحاب عقول ہو سکتی ہے؟

اقول وباللہ التوفیق: خود اسی روایت کا بیان کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی عرض پر یہی ارشاد فرمایا کہ ہمارے مسامح قدسیہ تک نہ آیا دلیل واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بیان پر اطمینان نہ فرمایا، اس گواہی کو مقبول و معتبر نہ ٹھہرایا ورنہ کیا عقل سلیم قبول کرتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس کے اسلام میں اس درجہ کوشش بلغ ہونفس انفس اس حد شدت پر اس کی خواہش فرمائی جب وہ امر عظیم محبوب وقوع میں آئی ایسے سبب لفظوں میں جواب دے دیا جائے، لاجرم اس ارشاد کا یہی مفاد کہ تمہارے کہنے پر کیا اعتماد ہم سنتے تو ٹھیک تھا، یہ صریح رد شہادت ہے تو جو گواہی خدا اور رسول رد فرما چکے دوسرا اس کا قبول کرنے والا کون؟

سادساً: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ روایت انھیں احادیث صحیحین کی مثل سنداً و متناً ہر طرح اعلیٰ درجہ کی صحیح اور شہادت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بروجہ کمال مقبول و صحیح، پھر بھی نہ مستدل کو نافع نہ کفرابی طالب کی اصلاً دافع۔ آخر جب بحکم احادیث جلیلہ آیات قرآنیہ مشرک و ناری بتا رہی ہیں تو یہ تو کسی کے

مٹائے نہیں مٹا یہ دوسری حدیث کہ فرضاً اسی پلہ کی صحیح و جلیل ہے صرف اتنا بتاتی ہے کہ ابوطالب نے اخیر وقت لا الہ الا اللہ کہا، یہ نہیں بتاتی کہ وہ وقت کیا تھا۔
آخر وقت دو ہیں۔

ایک وہ کہ بنوز پردے باقی ہیں اور وقت، وقت قبول ایمان ہے۔

دوسرا وہ حقیقی آخر جب حالت غرغره ہو پردے اٹھ جائیں، جنت و نار پیش نظر ہو جائیں یؤمنون بالغیب کا محل نہ رہے۔ کافر کا اس وقت اسلام لانا بالاجماع مردود و نامقبول ہے۔
اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فلم یک ینفعهم ایمانهم لما رآدو باسنا سنة الله التي قد خلت فی عباده و
حسر هنالک الکافرون.

تو ان کے ایمان نے انھیں کام نہ دیا جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ کا دستور جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور وہاں کافر گھائے میں رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الله یقبل توبة العبد ما لم یفرغ.

جب تک حالت غرغره نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اسے احمد و ترمذی و ابن ماجہ

وغیر ہم نے روایت کیا۔ (مولف)

اب اگر اول کہنا مانتے ہیں تو آیت قرآنیہ مع ان احادیث صحیحہ کے اس حدیث صحیح مفروض سے

مناقض ہوگی اور کسی نہ کسی حدیث صحیح کو رد کیے بغیر چارہ نہ ملے گا۔ اور اگر وقت دوم پر مانتے ہیں تو آیت و

احادیث سب حق و صحیح ٹھہرتے ہیں اور تناقض و تعارض بے تکلف دور ہوا جاتا ہے۔ کلمہ پڑھا اور ضرور پڑھا مگر کب؟ اس وقت جب کہ وقت نہ رہا تھا لہذا حکم شرک و نار برقرار رہا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حتى اذا ادركه الغرق قال آمنت انه لا اله الا الذي آمنت به بنو اسرائيل و انا من المسلمين الن و قد عصيت قبل و كنت من المفسدين .

یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آیا بولا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ کیا اب اور پہلے سے نا فرمان رہا اور تو فسادی تھا۔

صورت اولیٰ ظاہر البطلان، لہذا شق اخیر ہی لازم الاذعان۔ اور فی الواقع اگر یہ روایت مطابق واقع تھی تو قطعاً یہی صورت واقع ہوئی اور وہ ضرور قرین قیاس بھی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے قریب مرگ ہی جلوہ فرما ہوئے ہیں۔ اسی حالت میں کفار قریش سے وہ محاورات ہوئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بار بار باصرار دعوت اسلام فرمائی، کفار نے ملت کفر پر قائم رہنے میں جان لڑائی آخر پچھلا جواب وہ دیا کہ ابوطالب ملت جاہلیت پر جاتا ہے۔

یہاں تک بات چیت کی طاقت تھی اب سینے پر دم آیا، پردے اٹھے، غیب سامنے آیا، اس نار نے جس پر عار کو اختیار کیا تھا اپنی مہیب صورت سے منہ دکھایا (لیس الخبر كالمعينة) اب کھلا کہ یہ بلا جھیلنے کی نہیں ڈوبتا سوار پکڑتا ہے اب لا اله الا الله کی قدر آئی، کہنا چاہا طاقت نہ پائی، آہستہ لبوں کو جنبش ہوئی مگر بے سود کہ وقت نکل چکا تھا، تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سچے کہ کلمہ پڑھا اور قرآن و حدیث تو قطعاً سچے ہیں کہ حکم کفر بدستور رہا۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

سابعاً: اس سے بھی درگزریے، یہ بھی مانا کہ حالت غرغره سے پہلے ہی پڑھا ہے پھر حضرت عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ تو ظاہر ہی کی گواہی دیں گے دل کے حال کا عالم خدا ہے۔ کیا اگر کوئی شخص روزانہ لاکھ بار کلمہ پڑھے اور اللہ عزوجل اسے کافر بتائے تو ہم اس کے کلمہ پڑھنے کو دیکھیں گے یا اپنے رب عزوجل کے ارشاد کو۔ ایمان زبان سے کلمہ خوانی کا نام نہیں جب دلوں کا مالک اس کے کفر پر حاکم تو قطعاً ثابت کہ اس کے قلب میں اذعان و اسلام نہیں۔

ابوطالب کا کفر عام کافروں جیسا نہیں

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ اس بحث کے آخر میں ابوطالب اور عام کافروں کے کفر کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ہاں ابولہب و ابیہما اللہ کے مثل کہنا محض افراط اور خون انصاف کرنا ہے۔ ابوطالب کی عمر خدمت و کفالت و نصرت و حمایت حضرت رسالت علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و التحیۃ میں کئی اور یہ ملا عنہ در پردہ و عادیہ در پے ایذا و اضرار رہے۔ کہاں وہ جس کا وظیفہ مدح و ستائش ہو اور کہاں وہ شقی جس کا ورود ذم و تکوینش ہو۔ ایک اگرچہ خود محروم اور اسلام سے منصرف، مگر جسیر تقدر نفع اسلام میں منصرف۔ اور دوسرا مردود و متمرد و عدو و معاند بہمتن کسر بیضہ اسلام میں مشغوف۔

بہیں تفاوت رو از کجا ست تا کجا

آخر نہ دیکھ جو حدیث میں ارشاد ہوا کہ ابوطالب پر تمام کفار سے کم عقاب ہے اور یہ اشقیاء ان

میں ہیں جن پر اللہ لعنہ اب ہے۔ ابوطالب کے صرف پاؤں آگ میں ہیں اور یہ ملا عنہ ان میں کہ :

لہم من فوقہم ظل من النار و من تحتہم ظل

ان کے اوپر آگ کی تہیں ہیں اور ان کے نیچے آگ کی تہیں۔

لہم من جنبہ مناد و من فوقہم غواش

نیچے آگ کا بچھونا اور اوپر آگ کے لحاف سراپا آگ ہر طرف سے آگ۔

بلکہ دونوں کا ثبوت کفر بھی ایک سا نہیں۔ ابوطالب کے باب میں اگرچہ قول حق و صواب وہی کفر و عذاب اور اس کا خلاف شاذ و مردود و باطل و مطرود۔ پھر بھی اس حد کا نہیں کہ معاذ اللہ خلاف پر تکفیر کا احتمال ہو۔ اور ان اعداء اللہ کا کافر و ابدی جہنمی ہونا تو ضروریات دین سے ہے جس کا منکر خود جہنمی کافر۔ تو ان کا نہ کفر یکساں، نہ ثبوت کفر یکساں، نہ عمل یکساں، نہ سزا یکساں، ہر جگہ فرق زمین و آسمان پھر مماثلت کہاں؟

(شرح المطالب فی مبحث ابی طالب)

حضور سے علاقہ کی اہمیت

امام احمد رضا بریلوی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاقہ، ابوطالب کو ایسا کام آیا کہ سراپا آگ میں غرق تھے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پایا آگ میں کھینچ لیا کہ اب صرف تلووں میں آگ ہے۔ حالاں کہ کفار کے حق میں اصل حکم یہ ہے کہ لا یخفف عنهم العذاب و لا ہم ینصرون۔

نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ کوئی ان کی مدد کرے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

فرمایا:

هو فی ضحضاح من نار و لولا انا لکان فی الدرک الأسفل من النار .

و فی روایة وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح .

ابوطالب قدموں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے سب سے نچلے طبقے

میں ہوتے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے انھیں آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو قدموں تک نکال دیا (مولف)
اسی طرح صحیحین میں ابوسعید خدری اور مسند بزار و ابویعلیٰ و ابن عدی و تمام میں حضرت جابر بن
عبداللہ اور معجم کبیر طبرانی میں ام المؤمنین ام سلمہ سے ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں: فان قلت اعمال الكفرة هباء منثورا لا فائدة
فيها قلت هذا النفع من بركة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم و خصائصه .
امام ابن حجر کی فتح الباری شرح بخاری میں ہے یوید الخصوصية انه بعد ان امتنع شفع له
حتى خفف له العذاب بالنسبة لغيره .

اسی طرح مجمع بحار الانوار وغیرہ میں ہے۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ نفع کافر کے عمل سے نہ ہوا بلکہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی برکت سے اور یہ خصائص علیہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲، ص ۲۶۲)

ابوطالب کا جذبہ حمایت

ایک مقام پر امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا جنہوں نے اپنی عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
حفاظت و حمایت میں فنا کر دی اور وہ حضور کی محبت و نصرت کی انتہائی حد کو پہنچے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی
محبت نے ان کے پورے دل کو ایسا پکڑ لیا تھا کہ اپنی صلیبی کم سن بچوں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت

دیتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو حضور نے مشرکین کو وحدانیت کی طرف بلایا اور دین کے دشمن ہر سمت دور دراز سے حملہ آور ہوئے ابوطالب ان کی حمایت کو کافروں سے لڑنے کو کھڑے ہو گئے تو حضور کے ساتھ بڑی نیکی کی اور ہمیشہ ان کی مدد کی اور اپنے قریبی رشتہ دار مشرکوں کی طرف سے کیسی بے شمار سختیاں جھیلیں۔

ابوطالب کا قصیدہ مدحیہ

یہ وہی ابوطالب تھے کہ جب سارے قریش مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالف ہوئے اور اسلام کے خواہشمندوں کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے دور کیا تو انہوں نے ایک قصیدہ کہا جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بڑی محبت اور ان کے کین دشمنان سے شدید عداوت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ ابن اسحاق نے معتمد راویوں سے روایت کیا ہے اسی قصیدہ کے اشعار یہ ہیں۔

اعبد مناف انکم خیر قومکم

فلا تشرکوا فی امرکم کل و اغل



فقد خفت ان لم یصلح اللہ امرکم

تکونوا کما کانت احادیث وائل



اعوذ برب الناس من کل طاعن

علینا بسوء او ملح بباطل



و من کاشح یسعی لنا بعبیة

و من ملحق فی الدین مالہ یحاول

و ثور و من ارسى ثبيرا مكانه
وراق ليرقى حراء و نازل

و بالبيت حق البيت فى بطن مكة
و بالله ان الله ليس بغافل

كذبتهم و بيت الله نخلى محمدا
و لمانطاعن دونه و نناضل

و نسلمه حتى نصرع حوله
و نذهل عن ابنائنا و الحلائل

لعمري لقد كلفت جدا باحمد
و احبة داب المحب المواصل

فمن مثله فى الناس اى مومل
اذا قاسه الحكام عند التفاضل

حليم رشيد عاقل غير طائش
يوالى الها ليس عنه غافل

فو الله لولا ان اجنى بسبة
عنى اشيا خنا فى المحافل

اتبعنا على كل حالة
من الدهر جد اغير قول التهازل

فاصبح فىنا احمد فى ارومة
تقصر عنها سورة المتطاول

حدیث بنفسی دونہ و حمیتہ
و دافعت عنہ بالذرى و الكلاکل

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنی قوم میں سب سے بہتر ہو تو تم اپنے معاملہ میں ہر خسیس کو شریک نہ کرو۔ بیشک مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمہارا حال ٹھیک نہ کیا تو تم وائل کے انسانوں کی طرح افسانہ ہو جاؤ گے۔ میں لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر برائی کا طعنہ دینے والے اور باطل پر اصرار کرنے والے سے اور کینہ پرور سے جو ہم پر گھمنڈ کی کوشش کرے اور اس سے جو دین میں ایسی بات شامل کرے جو دین میں کبھی نہ پائی گئی ہو۔ اور کوہ ثور سے اور اس سے جس نے کوہ شبیر کو اپنی جگہ جمایا اور کوہ حراء میں عبادت کے لیے چڑھنے اور اترنے والے سے اور اللہ تعالیٰ کے سچے گھر کی قسم اور اللہ کی قسم بے شک اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں اللہ کے گھر کی قسم اے کافر تم جھوٹے ہو اس گمان میں کہ ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں گے حالاں کہ ابھی ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد نیزوں اور تیروں سے جنگ نہ کی اور کیا ہم محمد مصطفیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمہارے سپرد کر دیں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہو جائیں۔ مجھے اپنی جان کی قسم مجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شدید محبت ہے اور میں انھیں ایسا چاہتا ہوں جس طرح پیہم چاہنے والے کی عادت ہوتی ہے۔ جب فیصلہ کرنے والے مقابلے کے وقت کسی کو اس پر قیاس کریں تو ان جیسا لوگوں میں کون ہے جس کے لیے یہ امید ہو کہ وہ ان کا ہم پلہ ہوگا۔ حلم والے رشد والے عقل والے، طیش والے نہیں وہ بیوقوف سے و بے قدر سے محبت رکھتے ہیں جو ان سے غافل نہیں تو خدا کی قسم اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں ایسا کام کروں جو ہمارے بزرگوں پر محافل میں ملامت کا سبب بنے تو ہم نے زمانہ کی ہر حالت میں ان کی پیروی کی ہوتی تو یہ بات سنجیدگی سے بے مذاق کے کہتا ہوں تو احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اندر ایسے عالی نسب ہیں جس کو فخر کرنے والے کی محبت پانے سے عاجز ہے میں نے اپنی جان کو ان کے سپرد کر دیا اور ان کی حمایت کی اور سرداروں اور گروہوں کے ذریعہ (یا سروں اور سینوں کے ذریعہ) دشمنوں سے حضور کا بچاؤ کیا۔

دعائے استقاء میں ابوطالب کا شعر پڑھا گیا

ابوطالب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے برکت طلب کرتے اور دعائیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سیلہ بناتے چنانچہ اس پر قریش کی قحط سالی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ دلالت کرتا ہے جسے ان کے علماء نے روایت کیا۔ اور بے شک ابوطالب نے لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع پر ابھارا اور ان باتوں کی خبر دی جو واقع نہ ہوئی تھیں تو ایسا ہی ہوا جیسا انھوں نے خبر دی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل میں ان کے لیے مقام عظیم تھا۔

یہاں تک جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی کہ ہم سرکار کے پاس آئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ضعف سے ہمارے بچوں کی آواز نہیں نکلتی اور ہمارے اونٹ لاغری سے

کراتے نہیں اور ان اعرابی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے تو حضور پناہ بیکساں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چادر کو گھسیٹتے ہوئے اٹھے اور منبر پر صعود فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو خدا کی قسم ابھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ آسمان بجلیوں سے بھر گیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ پکارتے ہوئے آئے کہ ہم ڈوبے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے تبسم فرمایا، یہاں تک کہ دندان اقدس چمکے اور آپ کو اپنی تعریف میں ابوطالب کا قول یاد آیا جب انھوں نے عرض کیا تھا۔

و ابيض يستسقى الغمام بوجهه

ثمال اليتامى عصمة للارامل

وہ گورے رنگ والے جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کے نگہبان اور

بیواؤں کا سہارا ہیں۔

پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اللہ کے لیے ابوطالب کی خوبی ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کون ہمیں ان کے شعر سنائے گا تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کی گویا سرکار کی مراد ان کا وہ قصیدہ ہے جس میں انھوں نے عرض کی ہے:

و ابيض يستسقى الغمام بوجهه

ثمال اليتامى عصمة للارامل

تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں یہی چاہتا تھا۔

اسی وجہ سے ابوطالب پر تمام دوزخیوں سے ہلکا عذاب ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہوا اور شفیع مرتجی امیدگاہ عاصیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نے انھیں نفع دیا تو ان پر تخفیف کے لیے انھیں جہنم کے بالائی سرے پر رکھ دیا گیا اور یہ معاملہ ان کے ساتھ سارے کافروں کے برخلاف ہے جنہیں جنہیں

شفیعوں کی شفاعت کام نہ دے گی۔ اور کاش وہ ایمان لاتے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افضل صحابہ سے ہوتے لیکن اللہ کا لکھا نہیں ملتا اور اس کا حکم نہیں بدلتا۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العزیز الحکیم۔

(الزلزال الاقوی من بحر سبقتہ الاقوی)



اعلان نبوت سے قبل

حضور اقدس ﷺ کی چند پاکیزہ سرگرمیاں

تو نے اسلام دیا، تو نے جماعت میں لیا
اے کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

و اذكروا نعمه اللہ علیكم اذ كنتم اعداء فالنفس بین قلوبكم فاصبحتم بنعمة اذخو اذنا۔
 اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، جب تم میں بے رحمت تھا، اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا، تو اس کے فضل
 سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔ (آل عمران، ۱۰۳/کنز الایمان)

اعلان نبوت سے قبل حضور اقدس ﷺ کی چند پاکیزہ سرگرمیاں

سفر شام اور بحیرئ راہب

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف بارہ برس کی ہوئی تو اس وقت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا ابو طالب کو چوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت ہی والہانہ محبت تھی اس لیے وہ آپ کو بھی اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان نبوت سے قبل تین بار تجارتی سفر فرمایا۔ دو مرتبہ ملک شام گئے اور ایک بار یمن تشریف لے گئے۔ یہ ملک شام کا پہلا سفر ہے اس سفر کے دوران ”بصری“ میں بحیرئ راہب (عیسائی پادری) کے پاس آپ کا قیام ہوا اس نے توراہ و انجیل میں بیان کی ہوئی نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نشانیوں سے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور بہت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ اس نے آپ کے قافلہ والوں کی دعوت کی اور ابو طالب سے کہا کہ یہ سارے جہان کے سردار اور رب العالمین کے رسول ہیں جن کو خدا نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے میں نے دیکھا ہے کہ شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں اور ابران پر سایہ کرتا ہے اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ اس لیے تمہارے اور ان کے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ اب تم ان کو لے کر آگے نہ جاؤ اور اپنا مال تجارت یہیں فروخت کر کے بہت جلد مکہ چلے جاؤ کیوں کہ ملک شام میں یہودی لوگ ان کے بہت بڑے دشمن ہیں وہاں پہنچتے ہی وہ لوگ ان کو شہید کر ڈالیں گے۔ بحیرئ راہب کے کہنے پر ابو طالب کو خطرہ محسوس ہونے لگا چنانچہ انھوں نے وہیں اپنی تجارت کا مال فروخت کر دیا اور بہت جلد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے، بحیرئ راہب نے چلتے وقت انتہائی عقیدت کے ساتھ آپ کو سفر کا کچھ توشہ بھی دیا۔

جنگ فجار

اسلام سے پہلے عربوں میں لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا انھیں لڑائیوں میں سے ایک مشہور لڑائی ”جنگ فجار“ کے نام سے مشہور ہے۔ عرب کے لوگ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے ان چار مہینوں کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان مہینوں میں لڑائی کرنے کو گناہ جانتے تھے یہاں تک کہ عام طور پر ان مہینوں میں تلواروں کو نیام میں رکھ دیتے۔ اور نیزوں کی برچھیاں اتار لیتے تھے مگر اس کے باوجود کبھی کبھی ایسے ہنگامی حالات درپیش ہو جاتے کہ مجبوراً ان مہینوں میں بھی لڑائیاں کرنی پڑتیں تو ان لڑائیوں کو اہل عرب ”حرب فجار“ (گناہ کی لڑائیاں) کہتے تھے۔ سب سے آخری جنگ فجار جو قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان ہوئی اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف بیس برس کی تھی۔ چوں کہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے اس لیے ابوطالب وغیرہ اپنے چچاؤں کے ساتھ آپ نے بھی اس جنگ میں شرکت فرمائی مگر کسی پر ہتھیار نہیں اٹھایا صرف اتنا ہی کیا کہ اپنے چچاؤں کو تیراٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔ اس لڑائی میں پہلے قیس پھر قریش غالب آئے اور آخر کار صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

حلف الفضول

روز روز کی لڑائیوں سے عرب کے سینکڑوں گھرانے برباد ہو گئے تھے، ہر طرف بد امنی اور آئے دن کی لوٹ مار سے ملک کا امن و امان غارت ہو چکا تھا، کوئی شخص اپنی جان و مال کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا نہ دن کو چھین، نہ رات کو آرام، اس وحشت ناک صورت حال سے تنگ آ کر کچھ صلح پسند لوگوں نے جنگ فجار کے خاتمہ کے بعد ایک اصلاحی تحریک چلائی چنانچہ بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو اسد وغیرہ قبائل قریش کے بڑے بڑے سرداران عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ موجودہ حالات کو سدھارنے کے لیے کوئی معاہدہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ خاندان

قریش کے سرداروں نے بقائے باہم کے اصول پر، ”جیواور جینے دو“ کے قسم کا ایک معاہدہ کیا اور حلف اٹھا کر عہد کیا کہ ہم لوگ :

- (۱) ملک سے بے امنی دور کریں گے۔
- (۲) مسافروں کی حفاظت کریں گے۔
- (۳) غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔
- (۴) مظلوم کی حمایت کریں گے۔
- (۵) کسی ظالم یا غاصب کو کھ میں نہیں رہنے دیں گے۔

اس معاہدہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے اور آپ کو یہ معاہدہ اس قدر عزیز تھا کہ اعلان نبوت کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے میں کوئی مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیتا تو مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی۔ اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم، یا آل حلف الفضول، کہہ کر مجھے مدد کے لیے پکارے تو میں اس کی مدد کے لیے تیار ہوں۔

اس تاریخی معاہدہ کو ”حلف الفضول“ اس لیے کہتے ہیں کہ قریش کے اس معاہدہ سے بہت پہلے مکہ میں قبیلہ جرہم کے سرداروں کے درمیان بھی بالکل ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا اور چوں کہ قبیلہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے ان سب لوگوں کا نام ”فضل“ تھا یعنی فضل بن حارث اور فضل بن وداع اور فضل بن فضالہ اس لیے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھ دیا گیا یعنی ان چند آدمیوں کا معاہدہ جن کے نام فضل تھے۔

ملک شام کا دوسرا سفر

جب آپ کی عمر شریف تقریباً پچیس سال کی ہوئی تو آپ کی امانت و صداقت کا چرچا دور دور تک

پہنچ چکا تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ کی ایک بہت ہی مال دار خاتون تھیں ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا ان کو ضرورت تھی کہ کوئی امانت دار آدمی مل جائے تو اس کے ساتھ اپنی تجارت کا مال و سامان ملک شام بھیجیں چنانچہ ان کی نظر انتخاب نے اس کام کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منتخب کیا اور کہلا بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں آپ کی امانت و دیانت داری کی بنا پر میں آپ کو اس کا دو گنا دوں گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور تجارت کا مال و سامان لے کر ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ایک معتمد غلام ”میسرہ“ کو بھی آپ کے ساتھ روانہ کر دیا تا کہ وہ آپ کی خدمت کرتا رہے جب آپ ملک شام کے مشہور شہر ”بصری“ کے بازار میں پہنچے تو وہاں نسطور اراہب کی خانقاہ کے قریب میں ٹھہرے نسطور امیسرہ کو بہت پہلے سے جانتا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت دیکھتے ہی نسطور امیسرہ کے پاس آیا اور دریافت کیا اے میسرہ یہ کون شخص ہیں جو اس درخت کے نیچے اتر پڑے ہیں میسرہ نے جواب دیا کہ یہ مکہ کے رہنے والے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ ہیں ان کا نام نامی محمد اور لقب امین ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نسطور نے کہا کہ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے آج تک کبھی کوئی نہیں اتر اس لیے مجھے یقین کامل ہے کہ نبی آخر الزماں یہی ہیں کیوں کہ آخر نبی کی تمام نشانیاں جو میں نے توریت و انجیل میں پڑھی ہیں وہ سب میں ان میں دیکھ رہا ہوں کاش میں اس وقت زندہ رہتا جب یہ اپنی نبوت کا اعلان کریں گے تو میں ان کی بھرپور مدد کرتا اور پوری جاں نثاری کے ساتھ ان کی خدمت گزاری میں اپنی تمام عمر گزار دیتا اے میسرہ میں تم کو نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ خبردار ایک لمحہ کے لیے بھی تم ان سے جدا نہ ہونا اور انتہائی خلوص و عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت کرتے رہنا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاتم النبیین ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصری کے بازار میں بہت جلد تجارت کا مال فروخت کر کے مکہ مکرمہ واپس آ گئے واپسی میں جب آپ کا قافلہ شہر مکہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا ایک بالا خانہ پر بیٹھی ہوئی قافلہ کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں جب ان کی نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑی تو انھیں ایسا نظر آیا کہ دو فرشتے آپ کے سر پر دھوپ سے سایہ کیے ہوئے ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قلب پر اس نورانی منظر کا ایک خاص اثر ہوا اور وہ فرط عقیدت سے انتہائی والہانہ محبت کے ساتھ یہ حسین جلوہ دیکھتی رہیں۔ پھر اپنے غلام میسرہ سے انھوں نے کئی دن کے بعد اس کا ذکر کیا تو میسرہ نے بتایا کہ میں تو پورے سفر میں یہی منظر دیکھتا رہا اور اس کے علاوہ میں نے بہت سی عجیب و غریب باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ پھر میسرہ نے سطورا راہب کی گفتگو اور اس کی عقیدت و محبت کا تذکرہ بھی کیا۔ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ سے بے پناہ قلبی تعلق اور بے حد عقیدت و محبت ہو گئی اور یہاں تک ان کا دل جھک گیا کہ انھیں آپ سے نکاح کی رغبت ہو گئی۔

حضرت خدیجہ سے نکاح

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مال و دولت کے ساتھ انتہائی شریف اور عفت مآب خاتون تھیں اہل مکہ ان کی پاک دامنی اور پارسائی کی وجہ سے ان کو طاہرہ کہا کرتے تھے ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی پہلے ان کا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا تھا اور ان سے دو لڑکے ہند بن ابو ہالہ اور ہالہ بن ابو ہالہ پیدا ہو چکے تھے۔ پھر ابو ہالہ کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوسرا نکاح عتیق بن عائد مخزومی سے کیا ان سے بھی دو اولاد ہوئیں ایک لڑکا عبد اللہ بن عتیق اور ایک لڑکی ہند بنت عتیق حضرت خدیجہ کے دوسرے شوہر عتیق کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے سردار ان قریش ان کے ساتھ عقد نکاح کے خواہش مند تھے لیکن انھوں نے سب پیغاموں کو ٹھکرا دیا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ اخلاق و عادات کو دیکھ کر اور آپ کے حیرت انگیز حالات کو سن کر یہاں تک ان کا دل آپ کی طرف مائل ہو گیا کہ خود بخود ان کے قلب میں آپ سے نکاح کی رغبت پیدا ہو گئی۔ کہاں تو بڑے بڑے مالداروں اور شہر مکہ کے سرداروں کے پیغاموں کو رد کر چکی تھیں اور یہ طے کر چکی تھیں کہ اب چالیس برس کی عمر میں تیسرا نکاح نہیں

کروں گی اور کہاں خود ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی بھی حضرت صفیہ کو بلایا جو ان کے بھائی عوام بن خویلد کی بیوی تھیں ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ ذاتی حالات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں پھر نفیسہ بنت امیہ کے ذریعہ خود ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔

مشہور امام سیرت محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس رشتہ کو پسند کرنے کی جو وجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کی ہے وہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

انی قد رغبت فیک لحسن خلقک و صدق حدیثک .

یعنی میں نے آپ کے اچھے اخلاق اور آپ کی سچائی کی وجہ سے آپ کو پسند کیا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس رشتہ کو اپنے چچا ابوطالب اور خاندان کے دوسرے بڑے بوڑھوں کے سامنے پیش فرمایا۔ بھلا حضرت خدیجہ جیسی پاک دامن شریف، عقلمند اور مال دار عورت سے شادی کرنے کو کون نہ کہتا؟ سارے خاندان والوں نے نہایت خوشی کے ساتھ اس رشتہ کو منظور کر لیا اور نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حمزہ اور ابوطالب وغیرہ اپنے چچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد اور شرفاء بنی ہاشم و سرداران مضر کو اپنی برات میں لے کر حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور نکاح ہوا۔ اس نکاح کے وقت ابوطالب نے نہایت ہی فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا اس خطبہ سے بہت اچھی طرح اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ کے خاندانی بڑے بوڑھوں کا آپ کے متعلق کیسا خیال تھا اور آپ کے اخلاق و عادات نے ان لوگوں پر کیسا اثر ڈالا تھا، ابوطالب کے اس خطبہ کا ترجمہ یہ ہے۔

تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں بنایا اور ہم کو معد اور مضر کے خاندان میں پیدا فرمایا اور

اپنے گھر (کعبہ معظمہ) کا نگہبان اور اپنے حرم کا منتظم بنایا اور ہم کو علم و حکمت والا گھر اور امن والا حرم عطا فرمایا اور ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا۔

یہ میرے بھائی کا فرزند محمد بن عبد اللہ ہے یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش کے جس شخص کا بھی اس کے ساتھ موازنہ کیا جائے یہ اس سے ہر شان میں بڑھا ہوا ہی رہے گا ہاں مال اس کے پاس کم ہے لیکن مال تو ایک ڈھلتی ہوئی چھاؤں اور اول بدل ہونے والی چیز ہے۔

اما بعد، میرا بھتیجا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہ شخص ہے جس کے ساتھ میری قرابت اور قربت و محبت کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو وہ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرتا ہے اور میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے اور اس کا مستقبل بہت ہی تابناک، عظیم الشان اور جلیل القدر ہے۔

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً ۲۵/۲۶ برس تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں رہیں اور ان کی زندگی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک فرزند حضرت ابراہیم کے سوا باقی آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لطن سے پیدا ہوئیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی ساری دولت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان کر دی اور اپنی تمام عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غم گساری اور خدمت میں گزار کر دی۔

مخصوص احباب

اعلان نبوت سے قبل جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخصوص احباب و رفقاء تھے وہ سب نہایت ہی بلند اخلاق، عالی مرتبہ، ہوش مند اور باوقار لوگ تھے ان میں سب سے زیادہ مقرب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو برسوں آپ کے ساتھ وطن اور سفر میں رہے، اور تجارت نیز دوسرے کاروباری

معاملات میں ہمیشہ آپ کے شریک کار و راز دار رہے۔ اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی حضرت حکیم بن خرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قریش کے نہایت ہی معزز رئیس تھے اور جن کا ایک خصوصی شرف یہ ہے کہ ان کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی تھی یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخصوص احباب میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔

حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو زمانہ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کیا کرتے تھے یہ بھی احباب خاص میں تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد یہ اپنے گاؤں سے مکہ آئے تو کفار قریش کی زبانی یہ پروپیگنڈہ سنا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجنون ہو گئے ہیں پھر یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستہ میں تشریف لے جا رہے ہیں اور آپ کے پیچھے لڑکوں کا ایک غول ہے جو شور مچا رہا ہے یہ دیکھ کر حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ شبہ پیدا ہوا اور پرانی دوستی کی بنا پر ان کو انتہائی رنج و قلق ہوا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں طبیب ہوں اور جنون کا علاج کر سکتا ہوں یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد چند جملے ارشاد فرمائے جن کا حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ فوراً ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت قیس بن سائب مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کے کاروبار میں آپ کے شریک کار رہا کرتے تھے اور آپ کے گہرے دوستوں میں سے تھے یہ کہنا کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ اپنے تجارتی شرکاء کے ساتھ ہمیشہ نہایت ہی صاف سہرا رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا پیش نہیں آتا تھا۔

غیر معمولی کردار

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ طفولیت ختم ہوا اور جوانی کا زمانہ آیا تو بچپن کی طرح

آپ کی جوانی بھی عام لوگوں سے نرالی تھی، آپ کا شباب مجسم حیا اور چال چلن عصمت و وقار کا کامل نمونہ تھا، اعلان نبوت سے قبل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام زندگی بہترین اخلاق و عادات کا خزانہ تھی سچائی، دیانت داری، وفاداری، عہد کی پابندی، بزرگوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت، رشتہ داروں سے محبت، رحم و سخاوت، قوم کی خدمت، دوستوں سے ہمدردی، عزیزوں کی غمخواری، غریبوں اور مفلسوں کی خبر گیری، دشمنوں کے ساتھ نیک برتاؤ، مخلوق خدا کی خیر خواہی، غرض تمام نیک خصلتوں اور اچھی اچھی باتوں میں آپ اتنی بلند منزل پر پہنچے ہوئے تھے کہ دنیا کے بڑے بڑے انسانوں کے لیے وہاں تک رسائی تو کیا اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

کم بولنا، فضول باتوں سے نفرت کرنا، خندہ پیشانی اور خوش روئی کے ساتھ دوستوں اور دشمنوں سے ملنا، ہر معاملہ میں سادگی اور صفائی کے ساتھ بات کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاص شیوہ تھا، حرص، طمع، دغا، فریب، جھوٹ، شراب خوری، بدکاری، ناچ گانا، لوٹ مار، چوری، فحش گوئی اور عشق بازی یہ تمام بری عادتیں اور مذموم خصلتیں جو زمانہ جاہلیت میں گویا ہرنے کے خمیر میں ہوتی تھیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ان تمام عیوب و نقائص سے پاک و صاف رہی۔ آپ کی راست بازی اور امانت و دیانت کا پورے عرب میں شہرہ تھا اور مکہ کے ہر چھوٹے بڑے کے دلوں میں آپ کے برگزیدہ اخلاق کا اعتبار اور سب کی نظروں میں آپ کا ایک خاص وقار تھا۔

بچپن سے تقریباً چالیس برس کی عمر شریف ہو گئی لیکن زمانہ جاہلیت کے ماحول میں رہنے کے باوجود تمام مشرکانہ رسوم اور جاہلانہ اطوار سے ہمیشہ آپ کا دامن عصمت پاک رہا۔ مکہ شکر و بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا، خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی، آپ کے خاندان والے ہی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی بھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا، غرض نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ کی مقدس زندگی اخلاق حسنہ اور محاسن افعال کا مجسمہ اور تمام عیوب

و نقائص سے پاک و صاف رہی۔ چنانچہ اعلان نبوت کے بعد آپ کے دشمنوں نے انتہائی کوشش کی کہ کوئی ادنیٰ ساعیب یا ذرا سی خلاف تہذیب کوئی بات آپ کی زندگی کے کسی دور میں بھی مل جائے تو اس کو اچھال کر آپ کے وقار پر حملہ کر کے لوگوں کی نگاہوں میں آپ کو ذلیل و خوار کر دیں مگر تاریخ گواہ ہے کہ ہزاروں دشمن سوچتے سوچتے تھک گئے لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکا جس سے وہ آپ پر انگشت نمائی کر سکیں لہذا ہر انسان اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہے کہ بلاشبہ حضور مصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کردار، انسانیت کا ایک ایسا محیر العقول اور غیر معمولی کردار ہے جو نبی کے سوا کسی دوسرے کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلان نبوت کے بعد سعید روہیں آپ کا کلمہ پڑھ کر تن من دھن کے ساتھ اس طرح آپ پر قربان ہونے لگیں کہ ان کی جاں ناریوں کو دیکھ کر شمع کے پروانوں نے جاں ناری کا سبق سیکھا اور حقیقت شناس لوگ فرط عقیدت سے آپ کے حسن صداقت پر اپنی عقلوں کو قربان کر کے آپ کے بتائے ہوئے اسلامی راستہ پر عاشقانہ اداؤں کے ساتھ زبان حال سے یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ :

چلو وادی عشق میں پا برہنہ
یہ جنگل وہ ہے جس میں کانٹا نہیں ہے

(مؤلف)

(مدارج النبوة دوم، سیرت مصطفیٰ)



خانہ کعبہ کی تعمیر

اولیٰ بین وضع للناس للذی یبکے مبارک و صری للعالمین۔

بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے
جہان کا راہ نما۔ (آل عمران، ۹۶/کنز الایمان)

خانہ کعبہ کی تعمیر

آپ کی راست بازی اور امانت و دیانت کی بدولت خداوند عالم نے آپ کو اس قدر مقبول خلائق بنا دیا اور عقل سلیم اور بے مثال دانائی کا ایسا عظیم جوہر عطا فرما دیا کہ کم عمری میں آپ نے عرب کے بڑے بڑے سرداروں کے جھگڑوں کا ایسا جواب فیصلہ فرما دیا کہ بڑے بڑے دانشوروں اور سرداروں نے اس فیصلہ کی عظمت کے آگے سر جھکا دیا۔ اور سب نے بالاتفاق آپ کو اپنا حکم اور سردار اعظم تسلیم کر لیا۔

چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ تعمیر کعبہ کے وقت پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ کی عمر ۳۵ برس کی ہوئی تو زوردار بارش سے حرم کعبہ میں ایسا عظیم سیلاب آ گیا کہ کعبہ کی عمارت بالکل ہی منہدم ہو گئی۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کا بنایا ہوا کعبہ بہت پرانا ہو چکا تھا۔ عمالقہ، قبیلہ جرہم اور قصی وغیرہ اپنے اپنے وقتوں میں اس کعبہ کی تعمیر و مرمت کرتے رہے تھے مگر چونکہ عمارت نشیب میں تھی اس لیے پہاڑیوں سے برسائی پانی کے بہاؤ کا زوردار دھارا وادی مکہ سے ہو کر گزرتا تھا اور اکثر حرم کعبہ میں سیلاب آجاتا تھا، کعبہ کی حفاظت کے لیے بالائی حصہ میں قریش نے کئی بند بھی بنائے تھے مگر وہ بند بار بار ٹوٹ جاتے تھے اس لیے قریش نے یہ طے کیا کہ عمارت کو ڈھا کر پھر سے کعبہ کی ایک مضبوط عمارت بنائی جائے جس کا دروازہ بلند ہو اور چھت بھی ہو، چنانچہ قریش نے مل جل کر تعمیر کا کام شروع کر دیا۔

اس تعمیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے اور سرداران قریش کے دوش بدوش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ مختلف قبیلوں نے تعمیر کے لیے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے جب عمارت، حجر اسود تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ ہم حجر اسود کو اٹھا کر دیوار میں نصب کریں تاکہ ہمارے قبیلہ کے لیے یہ فخر و اعزاز کا باعث بن جائے۔ اس کشمکش میں چار دن گزر گئے یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلواریں نکل آئیں۔ بنو عبدالدار اور بنو عدی کے قبیلوں نے تو اس پر جان کی بازی لگا دی

اور زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنی قسموں کو مضبوط کرنے کے لیے ایک پیالہ میں خون بھر کر پتی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔

پانچویں دن حرم کعبہ میں تمام قبائل عرب جمع ہوئے اور اس جھگڑے کو طے کرنے کے لیے ایک بڑے بوڑھے شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص صبح سویرے سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو اس کو بیچ مان لیا جائے وہ جو فیصلہ کر دے سب اس کو تسلیم کر لیں چنانچہ سب نے یہ بات مان لی۔ خدا کی شان کہ صبح کو جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہوا وہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تھے آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے کہ واللہ یہ امین ہیں۔ لہذا ہم سب ان کے فیصلے پر راضی ہیں آپ نے اس جھگڑے کا تصفیہ فرمایا کہ پہلے آپ نے یہ حکم دیا کہ جس جس قبیلہ کے لوگ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کے مدعی ہیں ان کا ایک سردار چن لیا جائے۔ چنانچہ ہر قبیلہ والوں نے اپنا اپنا سردار چن لیا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا اور سرداروں کو حکم دیا کہ سب لوگ اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر کو اٹھائیں۔ چنانچہ سب سرداروں نے چادر کو اٹھایا اور جب حجر اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے تبرک ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح ایک ایسی خوں ریز لڑائی ٹل گئی جس کے نتیجے میں نہ معلوم کتنا خون خرابہ ہوتا۔ (سیرت ابن ہشام)

خانہ کعبہ کی عمارت بن گئی لیکن تعمیر کے لیے جو سامان جمع کیا گیا تھا وہ کم پڑ گیا اس لیے ایک طرف کا کچھ حصہ باہر چھوڑ کر نئی بنیاد قائم کر کے چھوٹا سا کعبہ بنا لیا گیا، کعبہ معظمہ کا یہی حصہ جس کو قریش نے عمارت سے باہر چھوڑ دیا ”حطیم“ کہلاتا ہے جس میں کعبہ معظمہ کی چھت کا پرنا لگتا ہے۔

کعبہ کتنی بار تعمیر کیا گیا؟

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ”تاریخ مکہ“ میں تحریر فرمایا ہے کہ خانہ کعبہ

دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔

- (۱) سب سے پہلے فرشتوں نے ٹھیک ”بیت المعمور“ کے سامنے زمین پر خانہ کعبہ کو بنایا۔
- (۲) پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی۔
- (۳) اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے فرزندوں نے اس عمارت کو بنایا۔
- (۴) اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند ارحمہما حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اس مقدس گھر کو تعمیر کیا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔
- (۵) قوم عمالقہ کی عمارت۔
- (۶) اس کے بعد قبیلہ جرہم نے اس کی عمارت بنائی۔
- (۷) قریش کے مورث اعلیٰ، قصی بن کلاب، کی تعمیر۔
- (۸) قریش کی تعمیر جس میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی اور قریش کے ساتھ خود بھی اپنے دوش مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔
- (۹) حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق تعمیر کیا۔ یعنی حطیم کی زمین کو کعبہ میں داخل کر دیا اور دروازہ سطح زمین کے برابر نیچا رکھا اور ایک دروازہ مشرق کی جانب اور ایک دروازہ مغرب کی سمت بنا دیا۔
- (۱۰) عبد الملک بن مروان اموی کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شہید کر دیا اور ان کے بنائے ہوئے کعبہ کو ڈھا دیا اور پھر زمانہ جاہلیت کے نقشہ کے مطابق کعبہ بنا دیا جو آج تک موجود ہے۔

لیکن حضرت علامہ حلبي عليه الرحمہ نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر جدید صرف تین ہی مرتبہ ہوئی ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر

(۲) زمانہ جاہلیت میں قریش کی عمارت اور ان دونوں تعمیروں میں دو ہزار سات سو پینتیس ۲۷۳۵ برس کا فاصلہ ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تعمیر جو قریش کی تعمیر کے بیاسی سال بعد ہوئی۔

حضرات ملائکہ اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کی تعمیرات کے بارے میں علامہ حلبي نے فرمایا یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہی نہیں ہے، باقی تعمیروں کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ یہ عمارت میں معمولی ترمیم، یا ٹوٹ پھوٹ کی مرمت تھی، تعمیر جدید نہیں تھی۔

(مدارج النبوة، جلد دوم۔ سیرت مصطفیٰ)

مصلحت کے باعث حضور نے تعمیر کعبہ نہیں فرمائی

ایک جگہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں :

قریش نے جب زمانہ جاہلیت میں کعبہ از سر نو بنایا تو کچھ تنگی خرچ، کچھ اپنی اغراض فاسدہ سے بنائے جلیل حضرت خلیل صلی اللہ تعالیٰ علی ابنہ وعلیہ وبارک وسلم میں بہت تغیرات کر دیں، دو دروازہ غربی و شرقی سے صرف ایک در مشرقی رکھا اور اسے بھی زمین سے بہت بلندی پر نکالا کہ جسے چاہیں داخلی سے مشرف ہونے دیں جسے چاہیں محروم رکھیں، گزروں زمین جانب شمال چھوڑ دی کہ عمارت بڑھانے میں خرچ زیادہ درکار تھا باں کہ یہ صریح بدعت جاہلیت و تغیر سنت ابراہیمی علیہ الصلاہ و التسلیم تھی مگر حضور سید المرسلین صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محض بغرض حفظ دین نو مسلمین اسے قائم و برقرار رکھا کہ تغیر بے ہدم عمارت موجود نہ ہوتی خدا جانے ان کے دلوں میں کیا وسوسہ گزرے۔

صحیحین میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الجدر امن البيت هو قال نعم قلت فما لهم لم يدخلوه فی البيت قال ان قومک قصرت بهم النفقة قلت فما شان بابہ مرتفعا قال فعل ذلك قومک لیدخلوا من شاؤا و یمنعوا من شاؤا و لولا ان قومک حدیث عهدہم بالجاهلیة فاخاف ان تنکر قلوبہم ان ادخل الجدر فی البيت و ان الصق بابہ بالارض.

و فی اخری ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لها یا عائشة لولا ان قومک حدیث بجاهلیة لامرت بالبيت فهدم فادخلت فیہ ما اخرج منه و الزفته بالارض و جعلت له بابین بابا شرقیا و بابا غربیا فبنیت به اساس ابراهیم .

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا حطیم بھی بیت اللہ میں ہے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے عرض کی تو پھر کیوں اس کو بیت اللہ میں شامل نہیں کیا حضور نے فرمایا کہ تمہاری قوم میں نفقہ کی تنگی ہو گئی تھی، میں نے عرض کی کہ اس کے دروازہ کو اتنی بلندی پر کیوں نکالا حضور نے فرمایا ایسا اس لیے کہ جسے چاہیں داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔ اگر وہ لوگ زمانہ جاہلیت سے نزدیک نہ ہوتے جس کے باعث مجھے خوف ہے کہ ان کے دل ناپسند کریں گے تو میں حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور اسکے دروازہ کو زمین سے ملا دیتا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنبہ سے فرمایا کہ اگر تمہاری قوم زمانہ جاہلیت سے قریب نہ ہوتی تو میں موجودہ عمارت کو ڈھا کر حطیم کو اس میں داخل کر دیتا جس کو ان لوگوں نے بیت اللہ سے نکال دیا ہے اور اس کے دروازہ کو زمین سے ملا دیتا اور اس کے دو دروازے بناتا ایک شرقی اور ایک غربی، پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنیاد پر عمارت بناتا۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۵، ص ۵۹۵۔ اطائب التہانی)

کعبے کی قندیل

امام احمد رضا بریلوی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

علامہ قطب الدین مکی حنفی معاصر امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۳۰ میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں:

جب سلطان مراد خان بن سلطان سلیم خاں بن سلیمان خان رحمہم الرحمن نے ۹۸۴ھ کو باب عالی سے سونے کی تین قندیلیں بیش بہا جو اہرات سے مرصع محمد چاولیش خاں کے ہاتھ حاضر کی ہیں کہ وہ کعبہ معظمہ کے اندر آویزاں کی جائیں۔ اور ایک حجرہ مزار اطہر میں چہرہ انور کے مقابل۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ میں آئے حضرت شریف مکہ سیدی حسن بن ابی نبی حسنی اور ناظر حرم محترم قاضی مدینہ منورہ شیخ الاسلام سید العلماء سید حسین حسینی مکی اور قاضی مکہ معظمہ مولانا مصلح الدین لطفی بگ زادہ مع جملہ اعیان و اکابر حرم محترم میں حاضر ہوئے۔

فرماتے ہیں کہ:

و کافة العلماء و الفقهاء و الموالي

یعنی مکہ معظمہ کے تمام علماء و فقہاء و سردار، گرد کعبہ معظمہ جمع ہوئے۔ پھر آستانہ عالیہ کی طرف سے

حضرت شریف و دیگر عظماء کو خلعت پہنائے گئے، کعبہ معظمہ کا دروازہ کھولا گیا، سیدنا الشریف نے خلعت پہنا اور طواف کعبہ معظمہ کیا، ادھر وہ طواف میں ہیں ادھر رئیس مؤذناں قبہ زمزم پر سلطنت و شریف کے لیے باواز بلند دعا کر رہا ہے اور تمام حاضرین دعا و آمین میں مشغول ہیں۔

بعد فراغ طواف و رکعتیں طواف حضرت شریف کعبہ معظمہ کے اندر حاضر ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قندیلیں آویزاں کیں۔ سب حاضرین جملہ علماء و فقہاء و امراء و عظماء نے فاتحہ پڑھی اور دعائیں کیں اور جلسہ ختم ہوا۔

علامہ ممدوح فرماتے ہیں: وکان یوما شریفا مشہودا و وقتا مبارکا متیمنا مسعودا

وہ دن بزرگ اور تمام اعیان مکہ کی حاضری کا تھا اور وہ وقت مبارک اور فرخندہ باسعادت تھا۔

پھر محمد چاولیش باقی قندیل لے کر سرکار اعظم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۱۵۵۔ بریق المنار)

مسجد حرام کی توسیع کے لیے جنت کی ضمانت

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں کسی سے فرمایا کہ اپنا گھر میرے ہاتھ بیچ ڈال کہ مسجد حرام میں زیادت فرماؤں اور تیرے لیے جنت میں مکان کا ضامن ہوں اس نے عذر کیا پھر فرمایا انکار کیا۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی یہ شخص زمانہ جاہلیت میں ان کا دوست تھا اس سے باصرار تمام دس ہزار اشرفی دے کر خرید لیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور اب وہ گھر میرا ہے

فهل انت اخذها بیت تضمن لی فی الجنة

کیا حضور مجھ سے ایک مکان بہشت کے عوض لیتے ہیں جس کے حضور میرے لیے ضامن

ہو جائیں۔ قال نعم فرمایا ہاں۔

فاخذھا منه و ضمن له بیتا فی الجنة و اشهد له علی ذلک المؤمنین .

حضور نے ان سے وہ مکان لے کر جنت میں ان کے لیے ایک مکان کی ضمانت فرمائی اور مسلمانوں کو اس معاملہ پر گواہ کر لیا۔

احمد حاکمی نے اسے فضائل عثمان میں سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(الامن والعلی)



وحی کا بیان

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ

بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی۔

(النساء/۱۶۳)

وحی کا بیان

وحی کی ابتداء

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو وحی و بشارت کا ظہور ہوا جس سے آفاق عالم منور ہو گیا، اس نور وحی کا ظہور دو شنبہ کے روز آٹھ یا تین ربیع الاول کو ۴۱۰ء میلاد، عام الفیل میں (بقول صحیح) ہوا۔

ایک جماعت آیہ کریمہ شہر رمضان الذی أنزل فیہ القرآن (رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا) اور ارشاد باری تعالیٰ إنا أنزلناہ فی لیلة القدر (ہم نے قرآن کو لیلة القدر میں نازل فرمایا) سے خیال کرتی ہے کہ وحی کی ابتداء رمضان مبارک میں ہوئی اس لیے کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر از قسم نبوت سب سے پہلے جس چیز کا اکرام فرمایا وہ نزول قرآن ہے اور چوں کہ فرمایا ہے کہ نزول قرآن رمضان میں ہوا ہے اس سے ثابت ہوا کہ وحی کی ابتداء بھی رمضان میں ہوئی ہوگی۔

لیکن اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ پورا قرآن بیک بار رمضان مبارک کی لیلة القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا اور وہاں سے بلحاظ مصلحت اور باعتبار واقعات ۲۳ تیس سال کی مدت تک تھوڑا تھوڑا اترتا رہا۔ گو واقعات کے اعتبار سے قرآن کا نزول لوح محفوظ کی ترتیب کے خلاف ہوا لیکن اب جو مصاحف میں مرقوم ہے وہ اسی لوح محفوظ کی ترتیب پر ہے اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی فقہ کی کتاب میں خاص ترتیب سے ہر قسم کے مسائل درج ہوں اور لوگ اپنی ضرورت و احتیاج کے مطابق اس فقہ کی کتاب سے آگے پیچھے سے مسائل نکالتے ہوں۔

بعض کے نزدیک ابتداءِ وحی ماہِ رجب میں ہوئی یہ قول شاذ و نادر ہے۔

غارِ حراء میں خلوت گزینی

منقول ہے کہ جب ظہورِ نبوت کا وقت قریب ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خلوت اور لوگوں سے یکسوئی محبوب کر دی گئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوہِ حراء میں جسے جبلِ نور بھی کہتے ہیں (مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل کی دوری پر واقع ہے) خلوت نشینی اختیار فرمائی اس جگہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمالِ کعبہ سے چشمِ مبارک کو روشن بھی فرماتے اور عبادتِ الہی بھی کرتے اور رب العزت کی جانب متوجہ ہو کر استغراق میں بیٹھا بھی کرتے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایسی خلوت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت فکر سے تھی یا ذکر سے، لیکن مذہبِ مختار یہ ہے کہ قلبی و زبانی ذکر سے تھی اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں سے جو کچھ آپ کے نزدیک ثابت تھا یا ہر وہ چیز جو آپ کے نزدیک انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں سے ثابت تھی یا جو چیز آپ کی بصیرت میں مستحسن تھی اس پر عمل فرماتے تھے۔

آپ اپنے کا شانہ اقدس سے کچھ طعام لے جایا کرتے اور جب طعام ختم ہو جاتا یا گھر والوں کی جانب رجحان ہوتا تو پہاڑ سے اتر آتے، اس کے بعد آپ توشہ لے کر دوبارہ تشریف لے جاتے۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال ایک مرتبہ مکہ کی بستی سے تشریف لے جاتے اور ایک ماہِ غارِ حراء میں خلوت گزیر رہتے جب ایامِ وحی قریب آئے تو آپ نے خلوت و عبادت میں کثرت کر دی اور التزام شروع فرمادیا یکا یک آپ پر حق کا ظہور ہوا، وحی اتری اور قرآن مجید نازل ہوا۔

تمثیلیہ

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ نبوت کا ظہور اور وحی کا ورود، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت کے اثر سے تھا اس لیے کہ نبوت، حق تعالیٰ کی محض عنایت و موہبت ہے اس میں کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں۔ ہاں ولایت میں کسب و ریاضت سے البتہ کچھ نسبت و تعلق ہے اور اس میں اس کی تاثیر کا کچھ دخل ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ بعض جہانوں کا کشف، بعض روحانیت کا مشاہدہ اور بعض معانی کا الہام حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن نبوت قرب خاص اور ایک مخصوص نسبت ہے جس کا تعلق وحی آسمانی سے ہے اس کے حامل روح القدس ہیں جنہیں روح الامین اور جبریل کہتے ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام، یہ منصب رفیع محض اصطفاء اور اجتباء الہی سے حاصل ہوتا ہے۔

نزول جبریل اور پہلی وحی

چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتہ وحی لے کر حاضر ہوا تو اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کو مژدہ ہو کہ میں جبریل ہوں اور مجھے حق تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ امت کی جانب خدا کے رسول ہیں، آپ جن و انس کو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی دعوت دیجیے اور کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پڑھئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں یا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ میں امی ہوں کسی سے میں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا ہے۔ اس کے بعد جبریل نے اپنی آغوش میں لیا اور پوری طاقت صرف کی جتنی کہ میری اس کے ساتھ تھی۔

حدیث کے لفظ دو معنی کے متحمل ہیں ایک یہ کہ جبریل نے آغوش میں لے کر اپنی پوری طاقت جتنی اس میں تھی مجھ پر صرف کی اور وہ بے بس ہو گئے۔ دوسرے معنی یہ کہ جتنی میری طاقت تھی اتنی زور سے مجھے آغوش میں لے لیا اور میں بے طاقت ہو کر بے بس ہو گیا، لیکن درست پہلے ہی معنی ہیں شارحین نے اس کی تصریح کی ہے۔

پھر جبریل نے حضور کو چھوڑ کر دوبارہ کہا پڑھئے میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں، جبریل نے پھر آغوش میں لیا اور بھینچا پھر چھوڑ کر کہا پڑھئے، میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں، تیسری مرتبہ پھر جبریل نے آغوش میں لیا اور بھینچا اور کہا اقرء باسم ربك الذی خلق خلق الإنسان من علق اقرء و ربك الاكرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم يعلم .

یعنی پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا، پڑھئے اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو وہ سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

جبریل کے دبانے میں حکمت

جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا آغوش میں لے کر دبانایا یہ ایک قسم کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود گرامی میں ملکوتی انوار داخل کر کے تصرف کرنا تھا تا کہ آپ وحی کے قبول کرنے میں آمادہ اور اس کے ماسوا سے خالی و بے التفات ہو جائیں نیز اس میں اس قول کے وزنی ہونے کی جانب اشارہ ہے جو آپ کی جانب القا ہونے والا ہے جب کہ قرآن کریم میں ہے۔

إنا سنلقى عليك قولاً ثقیلاً .

بے شک ہم آپ پر وزنی قول القا فرمائیں گے۔

اس سے اس جانب بھی اشارہ ہے کہ یہ از قسم تخیل و وسواس نہیں ہے اس لیے کہ تخیل و وسواس کی تاثیر اور تصرف جسم میں نہیں ہوتی اور اس میں بار بار کی تکرار سے مقصود تاکید و لزوم اور مبالغہ ہے۔

ما انا بقاری امیت پر محمول ہے

اس جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد ما انا بقاری میں ایک بحث ہے وہ یہ کہ امی کا تعلیم

و تلقین کے ذریعہ کسی کلام کو پڑھنا کیسے بعید و خلاف ہے باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فصاحت و بلاغت کے درجہ کمال پر فائز تھے البتہ کسی کتاب کو یا کسی لکھی ہوئی تحریر کو پڑھنا امیت کے منافی ہے اس لیے یہ کلمہ اس مقام کی ہیبت اور دہشت سے ہی صادر ہوا ہوگا اور حدیث کے شارحین نے اس کلمہ کو امیت پر ہی محمول کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اقراء یا محمد تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا پڑھوں میں تو کچھ پڑھا نہیں؟ اس پر جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک جنتی حریر کا نامہ نکالا جو موتی اور یاقوت سے مرصع تھا اور کہا پڑھئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ پھر جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کو آغوش میں لیا اور خوب بھینچا (آخر حدیث تک) یہ معنی امیت کے مناسب ہیں۔

وضو اور نماز کی تلقین

اس کے بعد جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے زمین پر پاؤں مارا اور چشمہ نکالا اس سے وضو کیا جو کلی کرنے و ناک میں پانی ڈالنے، چہرہ اور دونوں ہاتھ پاؤں دھونے اور سر کا ایک بار مسح کرنے پر مشتمل تھا۔ اس فعل کے ذریعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرنا سکھانا مقصود تھا۔ غالباً اس قسم کے افعال میں عملی تعلیم، قولی تعلیم سے خاص کر زیادہ آسان اور سہل ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی وضو کیا پھر جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک چلو پانی لے کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر چھینٹا دیا اور آگے بڑھ کر دو رکعت نماز پڑھائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے مقتدی بنے۔ اس کے بعد جبریل نے عرض کیا کہ اسی طرح وضو کرنا اور نماز پڑھنا ہے یہ بات تعلیم قولی میں بھی آچکی ہے۔

پھر جبریل علیہ الصلاۃ والسلام آسمان پر چڑھ گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی

جانب مراجعت فرمائی، اس وقت یہ عالم تھا کہ ہر شجر و حجر کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ!

حضور کا اضطراب اور خدیجہ کا تسلی دینا

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف مراجعت فرمائی تو آپ کا قلب مبارک اور کنپٹیوں کا گوشت لرز رہا تھا جس طرح خوف و دہشت کے وقت ہوا کرتا ہے یا جیسے کہ گائے کے ذبح کے وقت ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ کر فرمایا زملونی زملونی مجھے کبل اوڑھاؤ، مجھے کبل اوڑھاؤ۔ انہوں نے آپ کے جسم انور پر کبل ڈالا اور چہرہ انور پر سرد پانی کے چھینٹے دیئے تاکہ خوف دور ہو۔ آپ نے سیدہ خدیجہ سے سارا حال بیان کیا اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں خطرے میں نہ پڑ جاؤں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا :

آپ غم نہ کھائیے اور خوش رہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی خطرے میں نہ ڈالے گا اور نہ کسی کے آگے آپ کو ذلیل و رسوا ہونے دے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ اچھائی ہی فرمائے گا کیوں کہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، عیال کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ریاضت و مجاہدہ کرتے، مہمان نوازی فرماتے، بیکسوں اور مجبوروں کی دست گیری کرتے، محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے، لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، لوگوں کی سچائی میں ان کی مدد اور ان کی برائی سے حذر فرماتے ہیں، یتیموں کو پناہ دیتے، سچ بولتے اور امانتیں ادا فرماتے ہیں۔

حضور ورقہ بن نوفل کے پاس

اس کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس حالت کی تائید و تقویت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔

ورقہ بن نوفل بہت بوڑھے تھے یہ قریش کے طور و طریق اور جاہلیت کی رسوم سے نکل کر حقیقی دین

عیسوی اختیار کر کے موحد بن گئے تھے، ان کو انجیل کا علم خوب آتا تھا اور وہ انجیل سے عربی زبان میں کچھ لکھا کرتے تھے، وہ عبرانی زبان کو بھی جانتے تھے۔

ان سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اے میرے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات تو سنئے وہ کیا فرماتے ہیں؟ سیدہ خدیجہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ورقہ کا برادرزادہ یعنی بھتیجا کہا تھا، یہ عرب کا عرف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برادر یا برادرزادہ کہا کرتے ہیں۔ اور اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ ورقہ حضرت عبد اللہ کے ہم عمر تھے، ورقہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا بات ہے؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا تمام حال جو گزرا تھا ان سے بیان فرما دیا یہ سن کر ورقہ نے کہا یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوتا تھا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کو مبارک و خوشی ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ نبی ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی کہ، میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوگا جس کا نام نامی احمد ہے، اور قریب ہے کہ آپ کافروں کے ساتھ جہاد و قتال پر مامور ہوں گے۔ کاش! میں اس دن تک زندہ رہتا اور جوان، قوی و توانا ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو اس جگہ سے نکالے گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟

ورقہ نے کہا ہاں! آپ جو کچھ لے کر تشریف لائے ہیں اس کو جو کوئی بھی کبھی لے کر آیا اس کے ساتھ دشمنی کی گئی اور انھیں ایذا میں پہنچائی گئیں۔ مطلب یہ کہ سنت الہیہ اسی طرح جاری ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ نبیوں کے دشمن رہے ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کی کافروں نے دشمنی نہ کی ہو، اگر میں نے آپ کا وہ دن پایا تو میں آپ کی پوری پوری نصرت و مدد کروں گا۔

وحی کے مراتب

علمائے کرام نے وحی کے کئی مراتب بیان کیے ہیں

اول : روایے صالحہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابتداء میں جو چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی وہ روایے صالحہ ہے۔

اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ و کان لا یری الا جاء ت مثل فلق الصبح۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روایا ایسی ہوتی جیسے صبح صادق کا طلوع ہونا۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ کیفیت چھ مہینہ رہی۔

دوسرا : مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب شریف میں القا کرتے تھے بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبریل کو دیکھیں، جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں روح قدس نے القا والہام کیا ہے کہ ہرگز اس وقت تک کوئی نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا ہے۔

تیسرا : مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کسی آدمی کی صورت اختیار کر کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آتے اور پیغام الہی پہنچاتے تھے تاکہ جو کچھ ارشاد باری ہے اسے یاد فرمائیں، اور اکثر حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں آتے یہ قبیلہ بنی کلب کے خوبرو صحابی تھے ان کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ جب یہ بغرض تجارت نکلتے محمل نشیں عورتیں نظارہ کرتیں۔

چوتھا : مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ صلصلة الجرس یعنی رہٹ کی مانند آواز سنائی دیتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا وحی کے کلمات و معانی کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اقسام وحی

میں یہ قسم سب سے بڑھ کر سخت تھی یہاں تک کہ شدید سردی کے دنوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا اور اگر آپ اونٹ پر سوار ہوتے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اسی طرح وحی آئی اس وقت آپ اپنا سر مبارک زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ران پر رکھے ہوئے تھے ان کی ران اتنی وزنی ہو گئی کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جائے۔

طبرانی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی آنے کی حالت دیکھتا ہوں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی ہے تو آپ پر اتنی شدت و سختی ہوتی کہ چہرے پر چاندی کے دانوں کی مانند پسینہ ٹپک آتا تھا۔ ایک دن آپ میری ران پر سر رکھے سو رہے تھے کہ میری ران اتنی وزنی ہو گئی کہ قریب تھا کہ میرا پاؤں ٹوٹ جائے اور میں نے گمان کیا کہ اب میں کبھی اپنے پاؤں پر نہ چل سکوں گا اسی طرح جس وقت سورہ مائدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو قریب تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناقہ کی ٹانگیں اس سے ٹوٹ جائیں۔

وحی میں مطلقاً ثقل و بوجھ بھی آیا ہے چنانچہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس کی وجہ سے سخت محسوس فرماتے اور آپ کے روئے تاباں کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خاکستری رنگ کی مانند ہو جاتا اور آپ کا سر مبارک جھک جاتا، آپ کے اصحاب بھی اپنے سرنگوں کر دیتے۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو سر مبارک کو اوپر اٹھاتے۔

محققین کہتے ہیں کہ افاضہ اور استفاضہ یعنی فیض پہنچانے اور فیض حاصل کرنے میں یکسانیت و مناسبت شرط ہے، مطلب یہ کہ کبھی جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر غالب آجاتی اور وہ آپ کو آپ کی حالت سے لے جا کر عالم ملکوتیت میں پہنچا دیتے اور کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی بشریت، جبریل علیہ الصلاۃ والسلام پر غالب آجاتی اور ان کو صورت بشری میں لے آتے، یہ وعدہ اور بشارت کی صورت میں ہوتا اور پہلی صورت انذار و وعید کے وقت ہوتی۔

پانچواں: مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ کبھی جبریل علیہ الصلاۃ والسلام اپنی اصلی صورت میں (مع تین سو پروں کے) آتے اور وحی پہنچاتے جیسا کہ سورۃ والنجم میں مذکور ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایسا دو بار ہوا تھا۔

چھٹا: مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ پر اس حالت میں وحی فرمائی جب کہ آپ آسمانوں کے اوپر تھے نماز وغیرہ کی وحی اسی طرح فرمائی تھی۔

ساتواں: مرتبہ وحی کا یہ کہ حق تعالیٰ کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے براہ راست کلام فرمانا ہے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے کلام فرمایا۔

آٹھواں: مرتبہ وحی کا یہ کہ حق تعالیٰ کا حضور سے بے حجاب کلام فرمانا ہے، آسمانوں کے اوپر کی وحی اسی قبیل سے ہے۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ اس مذہب کی رو سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا شب معراج دیدار کیا۔

کبھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کو خواب میں دیکھتے اور حق تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا اور رب نے اپنے دونوں دست قدرت کو میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ مجھ سے رب تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ ملا اعلیٰ میں کس چیز پر جھگڑا ہے (آخر حدیث تک) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ اجتہاد جس سے علم شریعت حاصل ہو صائب تھا نیز اسے وحی کے اقسام میں سے شمار کرتے ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس پر سب متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تو وہ قطعی درست و صواب ہوتا کیوں کہ آپ خطا سے معصوم تھے۔

جبریل کی آمد

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل علیہ الصلاۃ والسلام چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام پر بارہ مرتبہ۔ حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک سو چار مرتبہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس مرتبہ۔ مواہب لدنیہ میں ایسا ہی منقول ہے۔ (مولف)

(مدارج النبوة جلد دوم ملتقطاً)

وحی کی کیفیت

امام احمد رضا بریلوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

نزول وحی بھی ایک فیض جلیل ہے تو یہ بھی بارگاہ الوہیت سے ابتداء حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوتا ہے اور وہ حقیقت کریمہ کہ قبہ نور بالائے عرش میں ہے جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام پر القا فرماتی ہے جبریل امین ذات محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہ زمین پر جلوہ افروز ہے پہنچاتے ہیں۔

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں

شوق وحی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ کچھ دنوں رک گئی تھی تو پہاڑوں پر تشریف لے جاتے اور ان پر سے گرنا چاہتے جبریل امین فوراً حاضر ہوتے اور عرض کرتے واللہ حضور اللہ کے رسول ہیں یعنی بیشک وہ حضور کو ضائع نہ چھوڑے گا وحی آئے گی اور ضرور آئے گی۔

اسے بخاری نے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔

یہ شوق ذات محمدی علیہ افضل الصلاۃ والسلام ہے اور ذات ہی یہاں مشغول و عظم و ہدایت انا ہے

تو وحی کی طرف اس کا متوجہ نہ ہونا کیوں کر معقول، نہ ہرگز القائے حقیقت کے سبب استغنائے ذات لازم۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حفظ وحی میں کس درجہ کوشش بلوغ تھی جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے کہ کوئی حرف ضبط سے نہ رہ جائے جس پر اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرانه

جلدی کے لیے ختم وحی سے پہلے قرآن عظیم پڑھنے میں اپنی زبان کو جنبش نہ دو بیشک ہمارے ذمے ہے تمہارے سینہ پاک میں اسے جمع کرنا اور تمہارا اسے پڑھنا۔ (فتاویٰ افریقہ ص ۴۴)

پہلی وحی اور نماز

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اول بار جس وقت وحی اتری اور نبوت کریمہ ظاہر ہوئی اسی وقت حضور نے بہ تعلیم جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نماز پڑھی اور اسی دن بہ تعلیم اقدس حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پڑھی اور دوسرے دن امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی نے حضور کے ساتھ پڑھی کہ ابھی سورہ منزل نازل بھی نہ ہوئی تھی تو ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔

احمد و ابن ماجہ اور حارث مسند میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی

ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی اول ما اوحی الیہ فاراہ الوضوء و الصلاۃ فلما فرغ من الوضوء اخذ غرفة من ماء فنضح بہا فرجہ .

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام وحی کے روز اول تشریف لائے اور وضو نماز کا طریقہ دکھایا پھر وضو سے فارغ ہونے کے بعد ایک چلو پانی لے کر

(مولف)

اس صورت مثالیہ کی شرمگاہ پر چھڑک دیا۔

سیرت ابن اسحاق و سیرت ابن ہشام وغیرہا میں ہے :

(ان جبریل بدأ له صلى الله تعالى عليه وسلم) و هو باعلى مكة اى بجبل حراء
 (فى احسن صورة و اطيب رائحة فقال يا محمد ان الله يقرئك السلام و يقول لك
 انت رسولى الى الجن و الانس فادعهم الى قول لا اله الا الله ثم ضرب برجله الارض
 فنبتت عين ماء فتوضأ منها جبريل)۔ — زاد ابن اسحق و رسول الله صلى الله
 تعالى عليه وسلم ينظر اليه ليريه كيف الطهور الى الصلاة (ثم امره ان يتوضأ و قام
 جبريل يصلى و امره ان يصلى معه)

جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام اچھی صورت اور عمدہ خوشبو میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کی خدمت مبارکہ میں غار حراء میں آئے اور عرض کی اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کو سلام
 کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ جنات و انسان کی طرف میرے رسول ہیں تو آپ ان کو کلمہ طیبہ لا الہ الا
 اللہ کی دعوت دیجیے پھر جبریل امین نے پیر سے زمین پر مارا تو ایک پانی کا چشمہ بہہ نکلا جس سے جبریل
 نے وضو کیا، اور ابن اسحاق نے یہ زیادہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبریل امین کی طرف دیکھ
 رہے تھے کہ نماز کی طہارت کس طرح ہوتی ہے۔ پھر جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے حضور اقدس صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وضو کرنے کی گزارش کی اور جبریل امین نماز پڑھنے لگے اور حضور سے بھی نماز پڑھنے
 کی گزارش کی۔ (مولف)

زاد فى رواية ابى نعيم عن عائشة رضى الله تعالى عنها فصلى ركعتين نحو

الكعبة (فعلمه الوضوء و الصلوة ثم عرج الى السماء و رجع رسول الله صلى الله تعالى
 عليه وسلم لا يمر بحجر و لا مدر و لا شجر الا و هو يقول السلام عليك يا رسول

اللہ حتی اتی خدیجة فاخبرها فغشى عليها من الفرح ثم امرها فتوضأت و صلی بها
کما صلی به جبریل (زاد فی روایة و کانت اول من صلی .

ابونعیم کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام
نے کعبہ کی طرف رخ کر کے دو رکعت نماز پڑھی، اور یہ بھی ہے کہ جبریل نے حضور کو وضو اور نماز کی ترغیب
دی پھر آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی تو راستے میں جو
بھی پتھر و ڈیلے اور درخت تھے سب کہہ رہے تھے السلام علیک یا رسول اللہ یہاں تک کہ ام المؤمنین سیدہ
خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور انھیں پوری بات بتائی تو فرط مسرت سے حضرت خدیجہ پر غشی
طاری ہو گئی پھر حضور نے انھیں حکم فرمایا انھوں نے وضو کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں نماز
پڑھائی جس طرح سے جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے حضور کو پڑھائی اور ایک روایت میں ہے کہ حضور
کے بعد سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے نماز پڑھی۔ (مولف)

طبرانی ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال صلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول یوم الاثنین و صلت خدیجة

آخره و صلی علی یوم الثلاثاء

حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیر کے دن پہلی ساعت میں نماز پڑھی اور
حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی دن کی آخری گھڑی میں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے منگل کے دن نماز پڑھی (مولف) (فتاویٰ رضویہ ج ۲، ص ۲۱۳، ۲۱۵۔ جمان التاج)

مختلف انداز میں جبریل کی آمد

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

رای الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم فی مسیرہم الی بنی قریظۃ دحیۃ بن خلیفۃ متوجہا الیہم علی بغلۃ بیضاء فاخبروا بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال ذاک جبریل بعث الی بنی قریظۃ یزلزل بہم حصونہم و یقذف الرعب فی قلوبہم .

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بنی قریظہ کو جاتے ہوئے دحیہ بن خلیفہ کلبی کو دیکھا کہ وہ سپید خنجر پر بنی قریظہ کی طرف جا رہے ہیں صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا تو حضور نے فرمایا کہ وہ جبریل ہیں بنی قریظہ کی طرف بھیجے گئے ہیں وہ ان کے قلعوں کو ہلا دیں گے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالیں گے۔ (مولف)

و حدیث اعرابی اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسألہ عن الایمان و الاسلام و الاحسان و الساعة و اشراطہا لم یعرفہ احد و لا یری علیہ اثر سفر ، شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر .

حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام اعرابی کی شکل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں ایمان و اسلام اور احسان و قیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں پوچھنے آئے، انھیں کسی نے نہیں پہچانا اور نہ ان پر سفر کا کوئی اثر تھا، کپڑے نہایت سپید اور بال خوب کالے تھے۔ (مولف)

قوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انه جبریل اتاکم یعلمکم دینکم .

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبریل ہیں جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (مولف)

وقد ثبت غیر مرۃ اتیانہ الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی صورۃ دحیۃ

الکلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ .

جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آنا بارہا ثابت ہے۔
(مؤلف)

نسائی بسند صحیح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

كان جبریل یاتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی صورة دحیة الکلبی
جبریل امین حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے۔
(مؤلف)

طبرانی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً راوی :

انه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال كان جبریل یاتینی علی صورة دحیة
الکلبی.

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل میرے پاس وحیہ کلبی کی صورت
میں آتے تھے۔
(مؤلف)

وفی الحدیث عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ذاک جبریل لو دنا منی
لاخذه.

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جبریل ہیں اگر وہ مجھ سے قریب ہوتے تو میں ان
کو پکڑ لیتا۔
(مؤلف)

اس کے بعد امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :

ولا یسوغ لمسلم ان یشک فی کونہ جبریل ، مع القطع بان جبریل لیس

اعرابیا، و لا کلبیا، فما هو الا انها تجلیات جبریل بتلك الصور المختلفة، لم يتعد بتعددھا جبریل .

جو اعرابی یا وحیہ کلبی کی صورت میں بارگاہ رسالت میں آئے ان کے جبریل ہونے میں کسی مسلمان کو شک کرنا جائز نہیں، اور یہ بات یقین سے معلوم ہے کہ جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام اعرابی اور کلبی نہیں ہیں، وہ تو جبریل کے تجلیات و انوار ہیں جو ان مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئے، ان صورتوں کے بدلنے اور تعدد سے جبریل مختلف اور الگ الگ نہیں ہوں گے بلکہ جبریل ایک ہی ایک ہی رہیں گے۔

(مولف)

و ان کنا نعلم ایضا بالیقین ان صورة جبریل الجميلة ليست الصورة الجملیة بل له ست مائة جناح قد سد الافق .

اور ہم یہ بھی یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ جبریل کی حسین و جمیل صورت، جمالی نہیں ہے ان کے چھ سو پر ہیں جن سے آسمان چھپ جاتا ہے۔ (مولف) (انوار المنان فی توحید القرآن ص ۲۴۱، ۲۴۲)

وحی کی تاخیر پر کافروں کو رب کا جواب

وحی اترنے میں کچھ دنوں دیر لگی، کافر بولے :

ان محمدا و دعه ربه و قلاه .

بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور دشمن پکڑا۔

حق جلا و علا نے فرمایا:

و الضحی و الیل اذا سجی .

قسم ہے دن چڑھے کی اور قسم رات کی جب اندھیری ڈالے یا قسم اے محبوب تیرے روئے روشن
کی اور قسم تری زلف کی جب چمکتے رخساروں پر بکھر آئے۔

ما ودعک ربک و ما قلی .

نہ تجھے تیرے رب نے چھوڑا ہے اور نہ دشمن بنایا۔

اور یہ اشقیاء بھی دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ خدا کی تجھ پر کیسی مہر ہے اس مہر ہی کو دیکھ کر جلے جاتے
ہیں اور حسد و عناد سے یہ طوفان جوڑتے اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں مگر یہ خبر نہیں کہ

و للاحرہ خیر لک من الاولیٰ .

بیشک آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے وہاں جو نعمتیں تجھے ملیں گی نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ
کانوں نے سنیں نہ کسی بشر یا ملک کے خطرے میں آئیں جن کا اجمال یہ ہے۔

و لسوف بعطیک ربک فترضی .

قریب ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اس دن دوست و دشمن سب پر کھل جائے گا کہ تیرے برابر کوئی محبوب نہ تھا۔ خیر اگر آج یہ اندھے
آخرت کا یقین نہیں رکھتے تو تجھ پر خدا کی عظیم جلیل کثیر نعمتیں رحمتیں آج کی تو نہیں قدیم سے ہیں کیا تیرے
پہلے احوال انھوں نے نہ دیکھے اور ان سے یقین حاصل نہ کیا کہ جو نظر عنایت تجھ پر ہے ایسی نہیں کہ کبھی بدل
جائے۔ الم یجدک یتیمًا فاویٰ۔ الیٰ اخر السورۃ .

(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)



دعوت اسلام کے تین دور

اندھے شیشے جھلا جھل دکنے لگے
جلوہ ریزی دعوت پہ لاکھوں سلام

فاصرع بما تؤمر و اعرض عن المنكرين

تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے، اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

(سورہ الحج، ۹۴/ کنزالایمان)

دعوت اسلام کے تین دور

پہلا دور

تین برس تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتہائی پوشیدہ طور پر نہایت رازداری کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فرض ادا فرماتے رہے اور اس درمیان میں عورتوں میں سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت و تبلیغ سے حضرت عثمان، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جلد ہی دامن اسلام میں آگئے۔ پھر چند دنوں کے بعد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد، حضرت ارقم بن ارقم، حضرت عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت ابوذر غفاری، حضرت صہیب رومی، حضرت عبد اللہ بن الحارث بن عبد المطلب، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چچی حضرت ام الفضل حضرت عباس بن عبد المطلب کی بیوی اور حضرت اسماء بنت ابی بکر بھی مسلمان ہو گئیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے مردوں اور عورتوں نے بھی اسلام لانے کا شرف حاصل کیا۔

واضح رہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے جو سابقین اولین کے لقب سے سرفراز ہیں، ان خوش نصیبوں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے دامن اسلام میں آنے والے وہی لوگ ہیں جو فطرتاً نیک طبع اور پہلے ہی سے دین حق کی تلاش میں سرگرداں تھے اور کفار مکہ کے شرک و بت

پرستی اور مشرکانہ رسوم جاہلیت سے متنفر و بیزار تھے۔ چنانچہ نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن میں دین حق کی تجلی دیکھتے ہی یہ نیک بخت لوگ پر دانوں کی طرح شمع نبوت پر شمار ہونے لگے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

دوسرا دور

تین برس کی اس خفیہ دعوت اسلام میں مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جب اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سورہ شعراء کی آیت و انذر عشیرتک الاقربین نازل فرمائی اور خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اے محبوب آپ قریبی خاندان والوں کو خدا سے ڈرائیے، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر یا معشر قریش کہہ کر قبیلہ قریش کو پکارا جب سب قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم اگر میں تم لوگوں سے یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کا یقین کر لو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ہاں ہم یقیناً آپ کی بات کا یقین کر لیں گے کیوں کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا اور امین ہی پایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ تم لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرا رہا ہوں اور اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الہی اتر پڑے گا۔ یہ سن کر تمام قریش جن میں آپ کا چچا ابو لہب بھی تھا سخت ناراض ہو کر سب کے سب چلے گئے اور حضور نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں اول فول بکنے لگے۔

تیسرا دور

اب وہ وقت آ گیا کہ اعلان نبوت کے چوتھے سال سورہ حجر کی آیت فاصدع بما تؤمر نازل ہوئی اور حضرت حق جل شانہ نے یہ حکم فرمایا کہ اے محبوب آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان

فرما۔۔۔ چنانچہ آپ اس کے بعد علانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے اور شرک و بت پرستی کی کھلم کھلا برائی بیان فرمانے لگے اور تمام قریش بلکہ تمام اہل مکہ بلکہ پورا عرب آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایذا رسانیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔

رحمت عالم پر ظلم و ستم

کفار مکہ خاندان بنو ہاشم کے انتقام اور لڑائی بھڑک اٹھنے کے خوف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قتل تو نہیں کر سکے لیکن طرح طرح کی تکلیفوں اور ایذا رسانیوں سے آپ پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو حضور کے کاہن، ساحر، شاعر اور مجنون ہونے کا ہر کوچہ و بازار میں زور دار پروپیگنڈہ کرنے لگے۔ آپ کے پیچھے شریر لڑکوں کا غول لگا دیا جو راستوں میں آپ پر بھبتیاں کتے، گالیاں دیتے، اور یہ دیوانہ ہے یہ دیوانہ ہے کا شور مچا مچا کر آپ کے اوپر پتھر پھینکتے، کبھی کفار مکہ آپ کے راستوں میں کانٹے بچھاتے، کبھی آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے، کبھی آپ کو دھکا دیتے، کبھی آپ کی مقدس اور نازک گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔

روایت ہے کہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک دم سنگ دل کافر عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور عقبہ بن ابی معیط کو دھکا دے کر دوں کیا اور یہ کہا کہ کیا تم لوگ ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، اس دھکم دھکا میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار کو مارا بھی اور کفار کی مار بھی کھائی۔

کفار آپ کے معجزات اور روحانی تاثیرات و تصرفات کو دیکھ کر آپ کو سب سے بڑا جادوگر کہتے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو یہ کفار قرآن اور قرآن کو لانے والے

(جبریل امین) اور قرآن کو نازل فرمانے والے (اللہ تعالیٰ) کو اور آپ کو گالیاں دیتے اور گلی کو چوں میں پہرہ بٹھا دیتے کہ قرآن کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے اور تالیاں پیٹ پیٹ کر اور سیٹیاں بجا بجا کر اس قدر شور مچاتے کہ قرآن کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کہیں کسی عام مجمع میں یا کفار کے میلوں میں قرآن پڑھ کر سنا تے یا دعوت ایمان کا وعظ فرماتے تو آپ کا چچا ابولہب آپ کے پیچھے چلا چلا کر کہتا تھا کہ اے لوگو یہ میرا بھتیجا جھوٹا ہے، یہ دیوانہ ہو گیا تم لوگ اس کی کوئی بات نہ سنو۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ”ذوالحجاز“ کے بازار میں دعوت اسلام کا وعظ فرمانے کے لیے تشریف لے گئے اور لوگوں کو کلمہ حق کی دعوت دی تو ابو جہل آپ پر دھول اڑاتا جاتا اور کہتا تھا کہ اے لوگو! اس کے فریب میں مت آنا یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات وعزی کی عبادت چھوڑ دو۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے عین حالت نماز میں ابو جہل نے کہا کہ کوئی ہے؟ جو آل فلاں کے ذبح کیے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی کولا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر رکھ دے۔ یہ سن کر عقبہ بن ابی معیط کافر اٹھا اور اس اوجھڑی کولا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں تھے دیر تک اوجھڑی کندھے اور گردن پر پڑی رہی اور کفار ٹھٹھا مار مار کر ہنستے رہے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر گر گر پڑتے رہے۔ آخر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ان دنوں ابھی کمسن لڑکی تھیں آئیں اور ان کافروں کو برا بھلا کہتے ہوئے اس اوجھڑی کو آپ کے دوش مبارک سے ہٹا دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قہقہہ مبارک پر کفار قریش کی اس شرارت سے انتہائی صدمہ گزرا اور نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ یہ دعا مانگی کہ اللہم علیک بقریش یعنی اے اللہ تو قریش کو اپنی گرفت میں لے لے۔ پھر ابو جہل، عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف، عمارہ بن ولید کا نام لے کر دعا مانگی کہ الہی تو ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے ان سب کافروں کو جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ان کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی ہیں۔ پھر ان سب کفار کی لاشوں کو نہایت ذلت کے ساتھ گھسیٹ کر بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان گڑھے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔

چند شریر کفار

جو کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی اور ایذا رسانی میں بہت زیادہ سرگرم تھے ان میں سے چند شریروں کے نام یہ ہیں۔

- ابولہب
- ابو جہل
- اسود بن عبد یغوث
- حارث بن قیس بن عدی
- ولید بن مغیرہ
- امیہ بن خلف
- ابی بن خلف
- ابو قیس بن فاکھ
- عاص بن وائل
- نصر بن حارث
- مدبہ بن الحجاج
- زہیر بن ابی امیہ
- سائب بن صفی
- عدی بن حرا
- اسود بن عبدالاسد
- عاص بن سعید بن العاص
- عاص بن ہاشم
- عقبہ بن ابی معیط
- حکم بن ابی العاص۔

یہ سب کے سب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پڑوسی تھے اور ان میں سے اکثر بہت ہی مالدار اور صاحب اقتدار تھے اور دن رات سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں مصروف کار رہتے تھے۔

مسلمانوں پر مظالم

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ غریب مسلمانوں پر بھی کفار مکہ نے ایسے ایسے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے کہ مکہ کی زمین بلبلا اٹھی، یہ آسان تھا کہ کفار مکہ ان مسلمانوں کو دم زدنی میں قتل کر ڈالتے مگر اس سے ان کافروں کے جوش انتقام کا نشہ نہیں اتر سکتا تھا کیوں کہ کفار اس بات میں اپنی شان سمجھتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اتنا ستاؤ کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر پھر شرک و بت پرستی کرنے لگیں اس لیے قتل کر دینے کی بجائے کفار مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی سزاؤں اور ایذا رسانیوں کے ساتھ ستاتے تھے مگر خدا کی قسم شراب تو حید کے ان مستوں نے اپنے استقلال و استقامت کا وہ منظر پیش کر دیا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر حیرت کے ساتھ ان بلاکشان اہلام کے جذبہ استقامت کا نظارہ کرتی رہیں۔ سنگ دل بے رحم اور درندہ صفت کافروں نے ان غریب و بے کس مسلمانوں پر جبر و اکراہ اور ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مگر ایک مسلمان کے پائے استقامت میں بھی ذرہ برابر تزلزل نہیں پیدا ہوا اور ایک مسلمان کا بچہ بھی اسلام سے منہ پھیر کر کافر و مرتد نہیں ہوا۔

کفار مکہ نے ان غرباء مسلمین پر جو روجھا کاری کے بے پناہ اندوہناک مظالم ڈھائے اور ایسے ایسے روح فرسا اور جاں سوز عذابوں میں مبتلا کیا کہ اگر ان مسلمانوں کی جگہ پہاڑ بھی ہوتا تو شاید ڈگمگانے لگتا۔ صحرائے عرب کے تیز دھوپ میں جب کہ وہاں کی ریت کے ذرات تنور کی طرح گرم ہو جاتے ہیں۔ ان مسلمانوں کی پشت کو کوڑوں کے مار سے زخمی کر کے اس جلتی ہوئی ریت پر پیٹھ کے بل لٹاتے اور سینوں پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، لوہے کو آگ میں گرم کر کے اس سے ان مسلمانوں کے جسموں کو داغنتے، پانی میں اس قدر ڈبکیاں دیتے کہ ان کا دم گھٹنے لگتا، چٹائیوں میں ان مسلمانوں کو لپیٹ کر ان کی ناکوں میں دھواں دیتے جس سے سانس لینا مشکل ہو جاتا اور وہ کرب و بے چینی سے بدحواس ہو جاتے۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اس زمانے میں اسلام لائے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ارقم ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے تھے قریش نے ان کو بے حد ستایا یہاں تک کہ کوئلے کے انگاروں پر ان کو چت لٹایا اور ایک شخص ان کے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا رہا یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کی چربی اور رطوبت سے کوئلے بجھ گئے۔ برسوں کے بعد جب حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کیا تو اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی پوری پیٹھ پر سفید سفید داغ دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اس عبرت ناک منظر کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بھرا آیا اور وہ رو پڑے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو امیہ بن خلف کافر کے غلام تھے ان کی گردن میں رسی باندھ کر کوچہ و بازار میں ان کو گھسیٹا جاتا تھا، ان کی پیٹھ پر لٹھیاں برسائی جاتی تھیں اور ٹھیک دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں گرم گرم ریت پر ان کو لٹا کر اتنا بھاری پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا کہ ان کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ امیہ کافر کہتا تھا کہ اسلام سے باز آ جاؤ ورنہ اسی طرح گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گے مگر اس حال میں بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر بل نہیں آتا تھا بلکہ زور زور سے احد احد کا نعرہ لگاتے تھے اور بلند آواز سے کہتے تھے کہ خدا ایک ہے، خدا ایک ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرم گرم بالو پر چت لٹا کر کفار قریش اس قدر روتے تھے کہ یہ بے ہوش ہو جاتے تھے ان کی والدہ حضرت بی بی سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسلام لانے کی بنا پر ابو جہل نے ان کی ناف کے نیچے ایسا نیزو مارا کہ یہ شہید ہو گئیں۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کفار کی مار کھاتے کھاتے شہید ہو گئے۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار مکہ اس قدر طرح طرح کی اذیت دیتے اور ایسی ایسی مار دھاڑ کرتے کہ یہ گھنٹوں بے ہوش رہتے، جب یہ ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے کہا کہ تم اپنا سارا مال و

سامان یہاں چھوڑ کر مدینہ جا سکتے ہو آپ خوشی خوشی دنیا کی دولت کولات مار کر اپنی متاع ایمان کو ساتھ لے کر مدینہ چلے گئے۔

حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفوان بن امیہ کافر کے غلام تھے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ جب صفوان کو ان کے اسلام کا پتہ چلا تو اس نے ان کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر ان کو گھسیٹا اور گرم جلتی ہوئی زمین پر ان کو چت لٹا کر سینے پر وزنی پتھر رکھ دیا، جب ان کو کفار گھسیٹ کر لے جا رہے تھے راستہ میں اتفاق سے ایک گبریلانظر پڑا امیہ کافر نے طعنہ مارتے ہوئے کہا کہ دیکھ تیرا خدا ہی تو نہیں ہے، حضرت ابو فکیہہ نے فرمایا کہ اے کافر کے بچے! خاموش میرا اور تیرا خدا اللہ ہے۔ یہ سن کر امیہ کافر غضب ناک ہو گیا اور اس نے زور سے آپ کا گلا گھونٹا کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ ان کا دم نکل گیا۔

اسی طرح عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس قدر مارا جاتا تھا کہ ان کے جسم کی بوٹی بوٹی درد مند ہو جاتی تھی۔

حضرت بی بی بسینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو لونڈی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کفر کی حالت میں تھے اس غریب لونڈی کو اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تھے مگر حضرت بسینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ف نہیں کرتی تھیں بلکہ نہایت جرأت و استقلال کے ساتھ کہتی تھیں کہ اے عمر اگر تم خدا کے سچے رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے تو خدا تم سے ضرور اس کا انتقام لے گا۔

حضرت زبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر کے گھرانے کی باندی تھیں یہ مسلمان ہو گئیں تو ان کو اس قدر کافروں نے مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں مگر خداوند تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعا سے پھر ان کی آنکھوں میں روشنی عطا فرمادی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

کے جادو کا اثر ہے۔

اسی طرح حضرت بی بی نہدیہ اور حضرت بی بی ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی باندیاں تھیں اسلام لانے کے بعد کفار مکہ نے ان دونوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر بے پناہ اذیتیں دیں مگر یہ اللہ والیاں صبر و شکر کے ساتھ ان بڑی بڑی مصیبتوں کو جھیلیں رہیں مگر اسلام سے ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

حضرت یار غار مصطفیٰ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس کس طرح اسلام پر اپنی دولت نثار کی، اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ آپ نے ان غریب و بے کس مسلمانوں میں سے اکثر کی جان بچائی، آپ نے حضرت بلال و عامر بن فہیرہ و ابو فکیہ و لبینہ و زئیرہ، نہدیہ و ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان تمام غلاموں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدا اور سب کو آزاد کر دیا اور ان مظلوموں کو کافروں کی ایذاؤں سے بچالیا۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دامن اسلام میں آئے تو مکہ میں ایک مسافر کی حیثیت سے کئی دن تک حرم کعبہ میں رہے یہ روزانہ زور زور سے چلا چلا کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور روزانہ کفار قریش ان کو اس قدر مارتے تھے کہ یہ لہو لہان ہو جاتے تھے اور ان دنوں میں آپ زم زم کے سوا ان کو کچھ بھی کھانے پینے کو نہیں ملا۔

واضح رہے کہ کفار مکہ کا یہ سلوک صرف غریبوں اور غلاموں ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ اسلام لانے کے جرم میں بڑے بڑے مال داروں اور رئیسوں کو بھی ان ظالموں نے نہیں بخشا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شہر مکہ کے ایک متمول اور ممتاز معززین میں سے تھے مگر ان کو بھی حرم کعبہ میں کفار قریش نے اس قدر مارا کہ ان کا سر خون سے لت پت ہو گیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نہایت مال دار اور صاحب اقتدار تھے جب یہ مسلمان ہوئے تو غیروں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے ان کو رسیوں میں جکڑ کر خوب خوب مارا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے رعب اور دبدبہ کے آدمی تھے مگر

انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے جس سے ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتنے جاہ و اعزاز والے رئیس تھے مگر جب ان کے اسلام کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا تو ان کو رسی میں باندھ کر مارا اور ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہن حضرت بی بی فاطمہ بنت الخطاب کو بھی اس زور سے پتھر مارا کہ ان کے کان کے آویزے گر پڑے اور چہرے پر خون بہہ نکلا۔

کفار کا وفد بارگاہ رسالت میں

ایک مرتبہ سرداران قریش حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے یہ سوچنے لگے کہ آخر اتنی تکالیف اور سختیاں برداشت کرنے کے باوجود محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنی تبلیغ کیوں نہیں بند کرتے؟ آخر ان کا مقصد کیا ہے ممکن ہے یہ عزت و جاہ، یا سرداری و دولت کے خواہاں ہوں۔ چنانچہ سکھوں نے عتبہ بن ربیعہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ تم کسی طرح ان کا دلی مقصد معلوم کر لو، چنانچہ عتبہ تنہائی میں آپ سے ملا اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آخر اس دعوت اسلام سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ کیا آپ مکہ کی سرداری چاہتے ہیں؟ یا عزت و دولت کے خواہاں ہیں یا کسی بڑے گھرانے میں شادی کے خواہش مند ہیں آپ کے دل میں جو تمنا ہو کھلے دل کے ساتھ کہہ دیجیے میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر آپ دعوت اسلام سے باز آ جائیں تو پورا مکہ آپ کے زیر فرمان ہو جائے گا اور آپ کی ہر خواہش اور تمنا پوری کر دی جائے گی۔ عتبہ کی یہ ساحرانہ تقریر سن کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں جن کو سن کر عتبہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے جسم کا رونانا اور بدن کا بال بال خوف ذوالجلال سے لرزنے اور کانپنے لگا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں آپ کو رشتہ داری کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ بس کیجیے میرا دل اس کلام کی عظمت سے پھٹا جا رہا ہے۔ عتبہ بارگاہ رسالت سے واپس ہوا مگر اس کے دل کی دنیا میں ایک نیا انقلاب رونما ہو چکا تھا عتبہ ایک بڑا ہی

ساحر البیان خطیب اور انتہائی فصیح و بلیغ آدمی تھا اس نے واپس لوٹ کر سرداران قریش سے کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ جادو ہے نہ کہانت اور نہ شاعری بلکہ وہ کوئی اور ہی چیز ہے لہذا میری رائے ہے کہ تم لوگ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اگر وہ کامیاب ہو کر سارے عرب پر غالب ہو گئے تو اس میں ہم قریشیوں ہی کی عزت بڑھے گی ورنہ سارا عرب ان کو خود ہی فنا کر دے گا مگر قریش کے سرکش کافروں نے عتبہ کا یہ مخلصانہ اور مدبرانہ مشورہ نہیں مانا بلکہ اپنی مخالفت اور ایذا رسانیوں میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔

قریش کا وفد ابوطالب کے پاس

کفار قریش میں کچھ لوگ صلح پسند بھی تھے وہ چاہتے تھے کہ بات چیت کے ذریعہ صلح و صفائی کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے چنانچہ قریش کے چند معزز رؤسا ابوطالب کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت اسلام اور بت پرستی کے خلاف تقریروں کی شکایت کی ابوطالب نے نہایت نرمی کے ساتھ ان لوگوں کو سمجھا بھجا کر رخصت کر دیا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے فرمان فاصدع بما تؤمر کی تعمیل کرتے ہوئے علی الاعلان شرک و بت پرستی کی مذمت اور دعوت توحید کا وعظ فرماتے ہی رہے اس لیے قریش کا غصہ پھر بھڑک اٹھا۔ چنانچہ تمام سردار قریش یعنی عتبہ و شیبہ و ابوسفیان و عاص بن ہشام و ابو جہل و ولید بن مغیرہ و عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ سب ایک ساتھ ملک کر ابوطالب کے پاس آئے اور یہ کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اس لیے یا تو آپ درمیان میں سے ہٹ جائیں اور اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیں یا پھر آپ بھی کھل کر ان کے ساتھ میدان میں نکل پڑیں تاکہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے قریش کا تیور دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب بہت ہی خطرناک اور نازک گھڑی سر پر آن پڑی ہے ظاہر ہے کہ اب قریش برداشت نہیں کر سکتے اور میں اکیلا تمام قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انتہائی مخلصانہ اور مشفقانہ لہجے میں سمجھایا کہ میرے پیارے بھتیجے! اپنے

بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر رحم کرو اور بڑھاپے میں مجھ پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ میں اٹھانہ سکوں۔ اب تک تریش کا بچہ بچہ میرا احترام کرتا تھا مگر آج تریش کے سرداروں کا لب و لہجہ اور ان کا تیور اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اب وہ مجھ پر اور تم پر تلوار اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے لہذا میری رائے یہ ہے کہ تم کچھ دنوں کے لیے توت اسلام موقوف کر دو۔

اب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری معین و مددگار جو کچھ بھی تھے وہ صرف اکیلے ابو طالب ہی تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب ان کے قدم بھی اکھڑ رہے ہیں، چچا کی گفتگو سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھرائی ہوئی مگر جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ چچا جان خدا ان قسم اگر تریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے اس فریش سے باز نہ آؤں گا۔ یا تو خدا اس کام کو پورا فرمادے گا یا میں خود دین اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ جذباتی تقریر سن کر ابو طالب کا دل پیچ گیا اور وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے ہاشمی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ بہتے بہتے کی محبت میں گرم ہو کر کھولنے لگا اور انتہائی جوش میں آ کر کہہ دیا کہ جان تم! جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ (مولف)

(سیرت ابن ہشام و سیرت مصطفیٰ)



ہجرت حبشہ

نو خر جمع ہوا (رضی اللہ عنہ) فاہ بہا ملنا لا ینفع عندہ (محمد زوی رضی اللہ عنہ) صدق
 اگر تم حبشہ کی زمین کی طرف ہجرت کرو گے تو بہتر ہوگا کیوں کہ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کی حکومت میں
 کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ صدق و سچائی کی زمین ہے۔
 (الحديث: دلائل النبوة)

ہجرت حبشہ ۵ نبوی

کفار مکہ نے جب اپنے ظلم و ستم سے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ”حبشہ“ جا کر پناہ لینے کا حکم دیا۔

نجاشی

حبشہ کا بادشاہ جس کا نام اصمہ اور لقب نجاشی تھا عیسائی دین کا پابند تھا مگر بہت ہی انصاف پسند اور رحمدل تھا اور توراہ و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کا بہت ہی ماہر عالم تھا۔

اعلان نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی ان مہاجرین کرام کے مقدس نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی صاحبزادی ہیں۔

(۲) حضرت ابو حدیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔

(۳) حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔

(۴) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت ختمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ۔

(۵) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷) حضرت عبدالرحمن بن عوف۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۸) حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم یا حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۱۰) حضرت ہبیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کفار مکہ کو جب ان لوگوں کی ہجرت کا پتہ چلا تو ان ظالموں نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لیے ان کا تعاقب کیا لیکن یہ لوگ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے اس لیے کفارنا کام واپس لوٹے۔ یہ مہاجرین کا قافلہ حبشہ کی سرزمین میں اتر کر امن و امان کے ساتھ خدا کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔

چند دنوں کے بعد ناگہاں یہ خبر پھیل گئی کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے یہ خبر سن کر چند لوگ حبشہ سے مکہ لوٹ آئے مگر یہاں آ کر پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی چنانچہ بعض لوگ تو پھر حبشہ چلے گئے مگر کچھ لوگ مکہ میں روپوش ہو کر رہنے لگے لیکن کفار مکہ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا اور ان لوگوں پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم ڈھانے لگے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ حبشہ سے واپس آنے والے اور ان کے ساتھ دوسرے مظلوم مسلمان کل ترسی ۸۳ مرد اور اٹھارہ ۱۸ عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔

کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں

تمام مہاجرین نہایت امن و سکون کے ساتھ حبشہ میں رہنے لگے مگر کفار مکہ کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ فرزند ان توحید کہیں امن و چین کے ساتھ رہ سکیں۔ ان ظالموں نے کچھ تحائف کے ساتھ عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کو بادشاہ حبشہ کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان دونوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر تحفوں کا نذرانہ پیش کیا اور بادشاہ کو سجدہ کر کے یہ فریاد کرنے لگے کہ اے بادشاہ ہمارے کچھ مجرم مکہ سے

بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ گزین ہو گئے ہیں آپ ہمارے ان مجرموں کو ہمارے حوالے کر دیجیے۔

یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر گفتگو کے لیے آگے بڑھے اور دربار کے آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ صرف سلام کر کے کھڑے ہو گئے، درباریوں نے ٹوکا تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے میں بادشاہ کو سجدہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار شاہی میں اس طرح تقریر شروع فرمائی کہ :

اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، شرک و بت پرستی کرتے تھے، لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، ظلم و ستم اور طرح طرح کی بد کاریوں اور بد اعمالیوں میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں ایک شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا جس کے حسب و نسب اور صدق و دیانت کو ہم پہلے سے جانتے تھے اس رسول نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک دیا اور صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم و ستم اور تمام برائیوں اور بد کاریوں سے ہم کو منع کیا ہم اس رسول پر ایمان لائے اور شرک و بت پرستی چھوڑ کر تمام برے کاموں سے تائب ہو گئے۔ بس یہی ہمارا گناہ ہے جس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ان لوگوں نے ہمیں اتنا ستایا کہ ہم اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر آپ کی سلطنت کے زیر سایہ پر امن زندگی بسر کر رہے ہیں اب یہ لوگ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اسی پرانی گمراہی پر لوٹ جائیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سے نجاشی بادشاہ بے حد متاثر ہوا۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ کے سفیر عمر بن العاص نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی پھینک دیا اور کہا کہ اے بادشاہ! یہ مسلمان لوگ آپ کے نبی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ دوسرا ہی اعتقاد رکھتے ہیں جو آپ کے عقیدہ کے بالکل خلاف ہے۔

یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے سورہ مریم کی تلاوت فرمائی۔ کلام ربانی کی تاثیر سے نجاشی بادشاہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول نے ہم کو یہی بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں جو کنواری مریم کے شکم مبارک سے بغیر باپ کے خدا کی قدرت کا نشان بن کر پیدا ہوئے۔

نجاشی بادشاہ نے بڑے غور سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر کو سنا اور یہ کہا کہ بلاشبہ انجیل اور قرآن دونوں ایک ہی آفتاب ہدایت کے دونوں نور ہیں اور یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے وہی رسول ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں دی ہے اور اگر میں دستور سلطنت کے مطابق تخت شاہی پر رہنے کا پابند نہ ہوتا تو میں خود مکہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جوتیاں سیدھی کرتا اور ان کے قدم دھوتا بادشاہ کی تقریر سن کر اس کے درباری جو اکھڑ قسم کے عیسائی تھے ناراض و برہم ہو گئے۔ مگر نجاشی بادشاہ نے جوش ایمانی میں سب کو ڈانٹ پھٹکار کر خاموش کر دیا۔ اور کفار مکہ کے تحفوں کو واپس لوٹا کر عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کو دربار سے نکلوا دیا۔ اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ میری سلطنت میں جہاں چاہو امن و سکون کے ساتھ آرام و چین کی زندگی بسر کرو کوئی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

نجاشی کا اسلام اور نماز جنازہ

واضح رہے کہ نجاشی بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا چنانچہ اس کے انتقال پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی حالاں کہ نجاشی بادشاہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا اور وہ حبشہ ہی میں مدفون بھی ہوئے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ (مولف)

(مدارج النبوة جلد ۲ - سیرت مصطفیٰ)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نجاشی کی موت اور ان کے جنازہ پر نماز سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

جب احمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادشاہ حبشہ نے حبشہ میں انتقال کیا۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں صحابہ کو خبر دی اور مصلیٰ میں جا کر صفیں باندھ کر چار تکبیریں کہیں۔ ائمہ ستہ نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور بخاری و مسلم میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دوسری یا تیسری صف میں تھا۔

صحیح ابن حبان میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابہ جمیعاً سے ہے

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا صلوا علیہ فقام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صفوا خلفه فکبر اربعا و هم لا یظنون الا ان جنازته بین یدیه .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی مر گیا اٹھو اس پر نماز پڑھو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں حضور نے چار تکبیریں کہیں صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔

صحیح ابوعوانہ میں انھیں سے ہے :

فصلینا خلفه و نحن لا نری الا ان الجنازة قد منا .

ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔

امام واحدی نے اسباب نزول قرآن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کی
کہ فرمایا:

كشف للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى رآه و صلى عليه .
نجاشی کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ظاہر کر دیا گیا تھا حضور نے اسے دیکھا
اور اس پر نماز پڑھی۔

نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال دارالکثر میں ہوا وہاں ان پر نماز نہ ہوئی تھی لہذا حضور اقدس صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں پڑھی۔

احمد و ابن ماجہ حدیث بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم خرج بهم فقال صلوا على اخ لكم مات
بغير ارضكم قالوا من هو قال النجاشي .

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو آبادی سے باہر لے جا کر فرمایا کہ اپنے بھائی کی نماز
جنازہ پڑھو جس کا انتقال دوسرے ملک میں ہوا ہے صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کون ہے فرمایا کہ شاہ
حبشہ نجاشی ہے۔ (مولف)

مسند ابوداؤد طیاسی میں حدیث بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اتاه موت النجاشي فقال ان اخاكم مات
بغير ارضكم فقوموا فصلوا عليه .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور نجاشی کے مرنے کی خبر آئی تو فرمایا کہ تمہارا بھائی

دوسرے ملک میں مر گیا ہے کھڑے ہو کر اس پر نماز پڑھو۔ (مولف)

بعض کو ان (نجاشی) کے اسلام میں شبہ تھا یہاں تک کہ بعض نے کہا حبشہ کے ایک کافر پر نماز پڑھی۔
طبرانی کی روایت میں ہے کہ اس کا قائل ایک منافق تھا۔

اس نماز سے مقصود ان کی اشاعت اسلام تھی، اس لیے مصلیٰ میں تشریف لے گئے کہ جماعت کثیر ہو۔
ایک حدیث میں صریح ہے کہ حضور نے جانب حبشہ نماز پڑھی۔ اسے طبرانی نے روایت کیا۔

نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانب جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب
ہی کو ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۴ ص ۶۹، ۷۰۔ الہادی الحاجب)

احمد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نعی النجاشی لاصحابہ ثم قال استغفروا لہ ثم خرج باصحابہ الی المصلی ثم قام فصلى
بہم کما یصلی علی الجنازۃ .

امام احمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو
نجاشی بادشاہ کے مرنے کی خبر دی پھر فرمایا کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کرو اور اپنے اصحاب کو لے کر
عید گاہ کی طرف نکلے پھر اس طرح نماز پڑھائی جس طرح جنازہ پر نماز ہوتی ہے۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۰)

جنازہ غائب پر نماز جائز نہیں مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی و معاویہ بن معاویہ اور
امرائے موتہ پر پڑھی تو یہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور یہ کہ ان کا جنازہ حضور رحمت
عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھا پردت اٹھا دینے گئے تھے۔ (مولف)

تلک الغرائق العلیٰ کی بحث

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبلیغ و انداز کی غرض سے مشرکوں کے آگے سورہہ والنجم کی تلاوت فرما رہے تھے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کریمہ پر پہنچے افرایتم اللات و العزی و مناة الثالثة الآخری (کیا تم نے لات و عزی اور ایک اور تیسرے مناة کو نہ دیکھا) تو شیطان نے دخل اندازی کی اور مشرکوں کے کانوں میں یہ آواز پہنچائی

تلک الغرائق العلیٰ و ان شفاعتھن لترتجیٰ

یہ وہ بلند مرتبہ اصنام ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔

پھر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورہہ تمام فرمائی تو سجدہ کیا دوسرے مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا مشرکوں نے بھی مسلمانوں کی موافقت کی، وہ بھی سجدے میں چلے گئے اس وقت مسجد حرام میں کوئی کافر ایسا نہ تھا جس نے سجدہ نہ کیا ہوا مگر امیہ بن خلف نے سجدہ نہ کیا بلکہ اس نے ایک مٹھی مٹی لی اور اسے سر سے لگا کر کہا بس اتنا ہی کافی ہے۔ پھر مشرکین خوش ہو کر کہنے لگے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمارے بتوں کو یاد کیا اور ان کی تعریف کی اور ان کی شفاعت کا اثبات کیا۔ ہم بھی ان بتوں کے ساتھ اتنا ہی اعتقاد رکھتے ہیں ہم ان کو خالق، رازق، جلانے اور مارنے والا نہیں جانتے۔ جب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق کر لیا تو ہم ان سے صلح کرتے ہیں ان سے اور ان کے ساتھیوں سے ظلم و ستم کا ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ یہ خبر گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور شیطان نے اسے خوب پھیلایا۔ جب حبشہ کے مہاجرین کو یہ خبر پہنچی تو وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ پڑے۔

اس واقعہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حزن و ملال میں ڈال دیا تو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تسلی خاطر کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

و ما ارسلنا من قبلك من رسول ز لا نبى الا اذا تمنى القى الشيطان فى امنيته
فينسخ الله ما يلقي الشيطان ثم يحكم الله آياته و الله علیم حكيم .

اے محبوب! آپ سے پہلے جتنے بھی نبی و رسول ہم نے بھیجے جب وہ تلاوت کرتے تو شیطان نے ان کی تلاوت میں دخل اندازی کی ہے تو ہم شیطان کی دخل اندازی کو منسوخ کر کے اپنی آیتوں کو محکم بناتے ہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

جب یہ آیت کافروں کے کانوں میں پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمارے معبودوں کی قدر و منزلت کے بارے میں جو کہا تھا اب وہ اس سے پشیمان ہو گئے ہیں ہم بھی صلح کا ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

لیکن اس قصہ کی صحت اور اس حادثہ کے وقوع میں اہل علم کلام کرتے ہیں۔

● قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الشفا میں بحث کر کے اس کی اصلیت کو شافی و وافی طریقہ پر ضعیف قرار دیا ہے۔

● امام فخر الدین رازی بھی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ قصہ باطل ہے جسے زندیقوں نے گڑھا ہے۔

● بعض کہتے ہیں کہ یہ زبیری کی افتراءت میں سے ہے۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ زبان حق ترجمان صاحب و ما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی (وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہی کلام فرماتے ہیں جو وحی کی جائے) سے بتوں کی تعریف ہو جائے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن میں ایسی چیز کا قصداً یا سہواً اضافہ فرمائیں جو قرآن میں سے نہ ہو۔ خصوصاً ایسی چیز کا اضافہ جو توحید کے سلسلہ میں اپنی لائی ہوئی چیز کے منافی و برخلاف ہو۔

• امام بیہقی فرماتے ہیں کہ نقل و روایت کے اعتبار سے یہ نادر و غریب قصہ ثابت ہے اور ان کے راویوں میں کلام کیا گیا ہے کہ یہ سب کے سب مطعون ہیں۔

• امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورہ والنجم کو ختم کر کے سجدہ کیا آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں، مشرکوں اور بنی و انس نے سجدہ کیا، اس روایت میں غرائق والی بات نہیں ہے۔ اس کو ارباب صحاح نے بطریق کثیر روایت کیا ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بتوں کی تعظیم کو جائز قرار دیتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ لہذا ہم عقل و نقل سے جانتے ہیں کہ یہ قصہ من گھڑت اور باطل ہے اسی طرح جمہور علماء و محدثین فرماتے ہیں۔ لیکن ان کی ایک جماعت مثلاً ابو حاتم، طبری، ابن منذر، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، اور ابو معشر وغیرہ نے ان راویوں سے اسے روایت کیا جن میں سے اکثر راوی ضعیف، واہی، منقطع، مرسل، منظر ب اور غیر صحیح ہیں۔ قطع نظر ان کی صحت کے ان تمام وجود سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ توجیہ و تاویل کے ذریعہ ظاہر سے ان کا انزاج کیا جائے تاکہ ان محذورات و ممنوعات سے جو مذکور ہیں انھیں نکالا جائے۔ وہ بلا شبہ توجیہات و تاویلات کی راہ میں ایسے طریقوں پر چلے ہیں جو مسلک بعیدہ ہیں اور تسلی و تشفی کے موجب نہیں ہیں۔ مثلاً۔

(۱) بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر (معاذ اللہ) ایسی غنودگی کی حالت میں جاری ہوا جس میں معلوم ہی نہ ہوا کہ کیا کلمے نکل رہے ہیں اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنی آیتوں کو محکم فرمایا۔ اسے طبری نے قنادہ سے روایت کیا ہے قاضی عیاض نے اس کی تردید کی ہے اس لیے کہ حضور اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر شیطان کا کسی حالت میں غالب آنا ہی جائز نہیں خواہ نیند ہی میں کیوں نہ ہوں۔

(۲) کچھ لوگ اس طرح کی تاویل بعید کرتے ہیں کہ شیطان نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجبور و منظر کیا کہ ایسے کلمات ذہن اقدس سے نکالیں (معاذ اللہ) تو آپ سے یہ کلمات بے اختیاری میں نکل گئے۔ یہ تاویل پہلی تاویل سے بھی بدتر فاسد اور نامعقول ہے۔ اس لیے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان.

یعنی اے شیطان تیرا میرے بندوں پر کوئی غلبہ و اختیار نہیں۔

اگر شیطان میں ایسی قدرت و قوت ہوتی تو پھر کسی بندے کو طاعت کی قوت نہ ہوتی۔

(۳) بعض لوگ اس کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں اور ان کا وصف یہی بیان کرتے ہیں تو وہ اوصاف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذہن شریف سے متعلق ہو گئے (معاذ اللہ) اور یہ حضور کے حافظہ میں باقی رہا اور سہواً حضور کی زبان مبارک پر وہی کلمات آ گئے۔ اس تاویل کو بھی قاضی عیاض نے مردود قرار دیا ہے۔

(۴) بعض لوگ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت شریفہ آیہ کریمہ، ومن اثناء الثالثة الاخری پر پہنچی تو مشرکین ڈرے کہ اس کے آگے ہمارے معبودوں کی مذمت و برائی بیان فرمائیں گے تو مشرکین نے ان کلمات کے بولنے میں جلدی کی اور انھوں نے حضور کی تلاوت میں ان کلمات کو ملا دیا جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ وہ تلاوت قرآن کے وقت

شوروغل مچاتے اور قسم قسم کی بولیاں بولتے تھے۔ پھر ان کلمات کو شیطان لعین کی طرف منسوب کر دیا گیا کیوں کہ اسی کے ورغلانے اور ابھارنے سے مشرکوں نے یہ حرکت کی تھی۔ یا شیطان سے مراد شیاطین کی جنس ہے جس میں انسانی شیطان بھی شامل ہیں۔

(۵) بعض اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلاوت قرآن میں ترتیل فرماتے اور ہر آیت کے سرے پر وقفہ اور سکوت فرماتے تھے اور شیطان اس گھات میں لگ گیا کہ کسی سکتہ میں اپنی آمیزش کر دے چنانچہ اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقفہ اور سکتہ میں حضور ہی کی آواز کے مشابہ ترنم میں ان کلمات کو ادا کر دیا اور جو آپ کے قریب تھے انہوں نے گمان کر لیا کہ یہ کلمات بھی (معاذ اللہ) حضور نے ہی ادا کیے ہیں۔ پھر انہوں نے اسے پھیلا دیا۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل احسن و عمدہ ہے۔ اور قاضی ابن العربی نے بھی جو کہ اعظم علماء مالکیہ میں سے ہیں اسے مستحسن قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آئیہ کریمہ میں خبر دی ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین میں سنت الہیہ جاری رہی ہے کہ جب وہ کلام فرماتے تو شیطان اپنی طرف سے اس میں کچھ کلمے ملاتا رہا ہے اور یہ آئیہ کریمہ (جو اوپر مذکور ہوئی) اس بات پر نص ہے کہ شیطان نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت میں آمیزش کر کے بڑھا دیا تھا نہ یہ کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ان کلمات کو ادا فرمایا تھا۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں نے جب یہ افواہ سنی کہ مکہ کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو ان کے لیے اپنے وطن سے دور قیام کرنا اب از بس مشکل ہو گیا۔ ان

میں سے اکثر واپس چلے آئے لیکن جب یہاں پہنچے تو انھیں اس افواہ کی حقیقت معلوم ہوئی اور ان کے ہم وطنوں نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا اور خوب جی بھر کر ان کو ستانا شروع کیا۔

جتنا عرصہ یہ لوگ ان کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے تھے اس کی بھی کسر نکال دی تو رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی اللہ کے یہ بندے اس سرزمین کی طرف پھر روانہ ہو گئے جہاں وہ آزادی سے اپنے مالک حقیقی کی عبادت کر سکتے تھے۔ اس دفعہ ان کے ہمراہ کئی دوسرے مسلمان بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے اب ان کی تعداد تراسی تھی۔ مہاجر خواتین کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا پہلے چار خواتین نے ہجرت کی تھی اب ان کی تعداد اٹھارہ ہو گئی ان میں سے گیارہ کا تعلق قریشی خاندانوں سے تھا اور باقی سات دوسرے قبائل سے تھیں۔ اس قافلہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب بھی شریک تھے۔ ابن اسحاق نے ان کو مہاجرین کے پہلے قافلہ میں شامل کیا ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ کی تحقیق یہ ہے کہ آپ نے دوسرے قافلہ کے ہمراہ حبشہ کا قصد کیا۔

دوسری مرتبہ ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ شامل تھے۔ انھیں بہت افسوس تھا کہ وہ دوسری مرتبہ بھی ہجرت کر کے جا رہے ہیں لیکن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت و ہمراہی کا شرف حاصل نہیں۔ آپ نے ازراہ تاسف اس امر کا ذکر بارگاہ رسالت میں کیا :

فہجرتنا الاولى و هذه الآخرة الى النجاشي و لست معنا.

یا رسول اللہ ہماری پہلی اور یہ دوسری ہجرت نجاشی کی طرف ہے اور حضور ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔

فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم انتم مهاجرون الى الله والى لكم

هاتان الهجرتان جميعا.

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس مت کرو تمھاری یہ دونوں ہجرتیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور میری طرف ہیں۔

یہ سن کر حضرت عثمان نے عرض کی فحسبنا یا رسول اللہ اگر ایسا ہے تو ہم راضی ہیں ہمیں اتنا ہی کافی ہے۔ (مولف)

(مدارج النبوة جلد دوم، سیرت الرسول)



شعب ابی طالب

و

جنات کی آمد و بیعت

و انما صرفنا الیٰسٰن نزلنا من العجم. بسعورہ الفراء ، فلما حضر وہ فالو را ارضنورا فلما قضیٰ و لو را الیٰ قوم منزلہ۔
 اور جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا کر قرآن سنتے ، پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس
 میں بولے خاموش رہو ، پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کی طرف ڈر سنا تے پلٹے۔

(سورۃ الاحقاف ۲۹ / کنز الایمان)

شعب ابی طالب کے نبوی

اعلان نبوت کے ساتویں سال کے نبوی میں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے بہادران قریش بھی دامن اسلام میں آگئے تو غیظ و غضب میں یہ لوگ آپ سے باہر ہو گئے اور تمام سرداران قریش اور مکہ کے دوسرے کفار نے یہ اسکیم بنائی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور آپ کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے اور ان لوگوں کو کسی تنگ و تاریک جگہ میں محصور کر کے ان کا دانہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ یہ لوگ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائیں چنانچہ اس خوفناک تجویز کے مطابق تمام قبائل قریش نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم کے خاندان والے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔

- (۱) کوئی شخص بنو ہاشم کے خاندان سے شادی بیاہ نہ کرے۔
- (۲) کوئی شخص ان لوگوں کے ہاتھ کسی قسم کے سامان کی خرید و فروخت نہ کرے۔
- (۳) کوئی شخص ان لوگوں سے میل جول، سلام و کلام اور ملاقات و بات چیت نہ کرے۔
- (۴) کوئی شخص ان لوگوں کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ جانے دے۔

منصور بن عکرمہ نے اس معاہدہ کو لکھا اور تمام سرداران قریش نے اس پر دستخط کر کے اس دستاویز کو کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا۔ ابو طالب مجبوراً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے تمام خاندان والوں کو لے کر پہاڑ کی اس گھاٹی میں جس کا نام ”شعب ابی طالب“ تھا پناہ گزیں ہوئے۔ ابو لہب کے سوا خاندان بنو ہاشم کے کافروں نے بھی خاندانی حمیت و پاسداری کی بناء پر اس معاملہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور سب کے سب پہاڑ کے اس تنگ و تاریک درہ میں محصور ہو کر قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور یہ تین برس کا زمانہ اتنا سخت اور کٹھن گزرا کہ بنو ہاشم درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑے

پکا پکا رکھاتے تھے اور ان کے بچے بھوک پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر دن رات رویا کرتے تھے سنگ دل اور ظالم کافروں نے ہر طرف پہرہ بٹھادیا تھا کہ کہیں سے بھی گھائی کے اندر دانہ پانی نہ جانے پائے۔

مسلسل تین سال تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خاندان بنو ہاشم ان ہوش ربامصائب کو جھیلتے رہے یہاں تک کہ خود قریش کے کچھ رحم دلوں کو بنو ہاشم کی ان مصیبتوں پر رحم آ گیا اور ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑنے کی تحریک چلائی چنانچہ ہشام بن عمرو عامری، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابو البختری، زمعہ بن الاسود وغیرہ یہ سب مل کر ایک ساتھ حرم کعبہ میں گئے اور زہیر نے جو عبدالمطلب کے نواسے تھے کفار قریش کو مخاطب کر کے اپنی پر جوش تقریر میں یہ کہا کہ اے لوگو! یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم لوگ تو آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے بچے بھوک پیاس سے بے قرار ہو کر بلبلارہے ہیں۔ خدا کی قسم جب تک اس وحشیانہ معاہدہ کی دستاویز پھاڑ کر پاؤں سے نہ روند دی جائے گی میں ہرگز ہرگز چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

یہ تقریر سن کر ابو جہل نے تڑپ کر کہا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس معاہدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے زمعہ نے ابو جہل کو لاکار اور اس زور سے ڈانٹا کہ ابو جہل کی بولتی بند ہو گئی۔ اسی طرح مطعم بن عدی اور ہشام بن عدی نے بھی خم ٹھونک کر ابو جہل کو جھڑک دیا اور ابو البختری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ اے ابو جہل اس ظالمانہ معاہدہ سے نہ ہم پہلے راضی تھے اور نہ اب ہم اس کے پابند ہیں۔

اسی مجمع میں ایک طرف ابو طالب بھی بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا کہ اے لوگو! میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کی دستاویز کو کیڑوں نے کھا ڈالا ہے اور صرف جہاں جہاں خدا کا نام لکھا ہوا تھا اس کو کیڑوں نے چھوڑ دیا ہے لہذا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس دستاویز کو نکال کر دیکھو اگر اور واقعی اس کو کیڑوں نے کھا لیا ہے جب تو اس کو چاک کر کے پھینک دو اور اگر میرے بھتیجے کا کہنا غلط ثابت ہوا تو میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ یہ سن کر مطعم بن عدی کعبہ

کے اندر گیا اور دستاویز کو اتار لایا اور سب لوگوں نے اس کو دیکھا تو واقعی بجز اللہ کے نام کے پوری دستاویز کو کیڑوں نے کھا لیا تھا۔ مطعم بن عدی نے سب کے سامنے اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیا اور پھر قریش کے چند بہادر باوجودیکہ یہ سب کے سب اس وقت کفر کی حالت میں تھے ہتھیار لے کر گھائی میں پہنچے اور خاندان بنو ہاشم کے ایک ایک آدمی کو نکال کر لائے اور ان کو ان کے مکانوں میں آباد کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰ سالہ نبوی کا ہے۔ منصور بن عکرمہ نے اس دستاویز کو لکھا تھا اس پر یہ قبر الہی ٹوٹ پڑا کہ اس کا ہاتھ شل ہو کر سوکھ گیا۔

غم کا سال ۱۰ نبوی

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعب ابی طالب سے نکل کر اپنے گھر میں تشریف لائے اور چند ہی روز کفار قریش کے ظلم و ستم سے کچھ امان ملی تھی کہ ابو طالب بیمار ہو گئے اور گھائی سے باہر آنے کے آٹھ مہینے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

ابو طالب کی وفات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایک بہت ہی جاں گداز روح فرسا حادثہ تھا کیوں کہ بچپن سے جس طرح پیار و محبت کے ساتھ ابو طالب نے آپ کی پرورش کی تھی اور زندگی کے ہر موڑ پر جس جاں نثاری کے ساتھ آپ کی نصرت و دست گیری کی اور آپ کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر جس طرح آلام و مصائب کا مقابلہ کیا اس کو بھلا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس طرح بھول سکتے تھے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ کی وفات

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ابھی ابو طالب کے انتقال کا زخم تازہ ہی تھا کہ ابو طالب کی وفات کے تین دن یا پانچ دن کے بعد حضرت نبی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی دنیا سے رحلت فرمائیں۔ مکہ میں ابو طالب کے بعد سب سے زیادہ جس ہستی نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات گرامی

تھی۔ جس وقت دنیا میں کوئی آپ کا مخلص مشیر اور غم خوار نہیں تھا حضرت بی بی خدیجہ ہی تھیں کہ ہر پریشانی کے موقع پر پوری جاں نثاری کے ساتھ آپ کی غم خواری اور دل داری کرتی رہتی تھیں اس لیے ابو طالب اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں کی وفات سے آپ کے مددگار اور غم گسار دونوں ہی دنیا سے اٹھ گئے جس سے آپ کے قلب نازک پر عظیم صدمہ گزرا کہ آپ نے اس سال کا نام ”عام الحزن“ (غم کا سال) رکھ دیا۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رمضان ۱۰ء نبوی میں وفات پائی بوقت وفات ۶۵ برس کی عمر تھی مقام حنون (قبرستان جنت المعلیٰ) میں مدفون ہوئیں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس ان کی قبر میں اترے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کی لاش مبارک کو زمین کے سپرد فرمایا۔

طائف کا سفر

مکہ والوں کے عناد اور سرکشی کو دیکھتے ہوئے جب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوسی نظر آئی تو آپ نے تبلیغ اسلام کے لیے مکہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا رخ کیا چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے طائف کا بھی سفر فرمایا۔ اسی سفر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور مال دار لوگ رہتے تھے ان رئیسوں میں عمیر کا خاندان تمام قبائل کا سردار شمار کیا جاتا تھا یہ لوگ تین بھائی تھے عبد یلیل، مسعود اور حبیب، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تینوں کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی ان تینوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ انتہائی بیہودہ اور گستاخانہ جواب دیا ان بد نصیبوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ طائف کے شریر غنڈوں کو ابھار دیا کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ برا سلوک کریں چنانچہ

غنڈوں لفتگوں کا یہ شریری گروہ ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑا اور آپ کے موزے اور نعلین مبارک خون سے بھر گئے چنانچہ آپ زخموں سے بے تاب ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ ظالم انتہائی بے دردی کے ساتھ آپ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر آپ پر پتھروں کی بارش کرتے اور ساتھ ساتھ طعنہ زنی کرتے اور گالیاں دیتے، تالیاں بجاتے، ہنسی اڑاتے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑ دوڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آنے والے پتھروں کو اپنے بدن پر لیتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بچاتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی خون میں نہا گئے اور زخموں سے نڈھال ہو کر بے قابو ہو گئے یہاں تک کہ آخر میں آپ نے انگور کے باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ مکہ کے ایک مشہور کافر عقبہ بن ربیعہ کا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال دیکھ کر عقبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ کو آپ پر رحم آ گیا اور کافر ہونے کے باوجود خاندانی حمیت نے جوش مارا چنانچہ ان دونوں کافروں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے باغ میں ٹھہرایا اور اپنے نصرانی غلام، عداس کے ہاتھ سے آپ کی خدمت میں انگور کا ایک خوشہ بھیجا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر خوشہ کو ہاتھ لگا یا تو عداس تعجب سے کہنے لگا کہ اس اطراف کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولا کرتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارا وطن کہاں ہے؟ عداس نے کہا کہ میں شہر ”غینوا“ کا رہنے والا ہوں آپ نے فرمایا کہ وہ یونس بن متی کا شہر ہے وہ بھی میری طرف خدا کے پیغمبر تھے، یہ سن کر عداس آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور فوراً ہی آپ کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

اس سفر کے مدتوں بعد ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اے عائشہ! وہ دن میرے لیے جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا جب میں نے طائف میں وہاں کے ایک سردار عبد یاسیل کو اسلام کی دعوت دی اس نے دعوت اسلام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور اہل طائف نے مجھ پر پتھراؤ کیا میں اس رنج و غم میں سر جھکائے پھلتا رہا

یہاں تک کہ مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر میرے ہوش و حواس بجا ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جب میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ ایک بدلی مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اس بادل میں سے حضرت جبریل علیہ الصلاۃ و السلام نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور ان کا جواب سن لیا ہے، اب آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے تاکہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پہاڑوں کا فرشتہ مجھے سلام کر کے عرض کرنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور انہوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ سب کچھ سن لیا ہے اور مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اور میں آپ کا حکم بجالاؤں اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ابوبقیس اور قعیقان دونوں پہاڑوں کو ان کفار پر الٹ دوں تو میں الٹ دیتا ہوں یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اپنے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔

قبائل میں تبلیغ اسلام

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ حج کے زمانے میں جب کہ دور دور کے عربی قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام قبائل میں دورہ فرما کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، اسی طرح عرب میں جا بجا بہت سے میلے لگتے تھے جن میں دور دراز کے قبائل عرب جمع ہوتے تھے چنانچہ عکاظ، مجنہ، ذوالحجاز کے بڑے بڑے میلوں میں آپ نے قبائل عرب کے سامنے دعوت اسلام پیش فرمائی۔ عرب کے قبائل بنوعامر، محارب، فزارہ، عنان، مرہ، سلیم، عبس، نصر، کندہ، کلب، عذرہ، حضارہ وغیرہ ان سب مشہور قبائل کے سامنے آپ نے اسلام پیش فرمایا مگر آپ کا چچا ابولہب ہر جگہ آپ کے ساتھ جاتا اور آپ کسی قبیلے کے سامنے وعظ فرماتے تو ابولہب چلا چلا کر یہ کہتا کہ یہ دین سے پھر گیا ہے یہ جھوٹ کہتا ہے۔

قبیلہ بنو ذہل بن شیمان کے پاس جب آپ تشریف لے گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے اس قبیلہ کے سردار، مفروق، آپ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے کہا کہ اے قریشی برادر! آپ لوگوں کے سامنے کون سا دین پیش کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں پھر آپ نے سورۃ انعام کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ یہ سب آپ کی تقریر اور قرآنی آیتوں کی تاثیر سے انتہائی متاثر ہوئے لیکن یہ کہا کہ ہم اپنے اس خاندانی دین کو بھلا اک دم کیسے چھوڑ سکتے ہیں جس پر ہم برسہا برس سے کار بند ہیں اس کے علاوہ ہم ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے زیر اثر اور رعیت ہیں اور ہم یہ معاہدہ کر چکے ہیں کہ ہم بادشاہ کسریٰ کے سوا کسی اور کے زیر اثر نہیں رہیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی صاف گوئی کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ خیر خدا اپنے دین کا حامی و ناصر اور معین و مددگار ہے۔ (مولف)

(مدارج النبوة، جلد دوم۔ سیرت مصطفیٰ)



جنات کی آمد و بیعت

جب اہل طائف نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پریشانی اور مصیبت کی حالت میں مکہ کی جانب مراجعت فرمائی، راستہ کے کنارے ایک باغ میں پہنچے جب اس باغ کے محافظ و نگہبان نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پریشانی کا اثر دیکھا تو اس کی رگ رحم حرکت میں آئی اور انگور کا ایک خوشہ اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ جس کا نام ”عداس“ تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جب حضور نے انگور کا خوشہ کھانے کے لیے دست مبارک رکھا تو بسم اللہ پڑھی اس پر عداس نے حضور کی طرف دیکھا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں نے اس طرف کے لوگوں کے منہ سے ایسا کلمہ نہیں سنا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عداس سے دریافت فرمایا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم مرد صالح حضرت یونس بن متی کے قریہ کے رہنے والے ہو عداس نے کہا آپ حضرت یونس کو کیسے جانتے اور پہچانتے ہیں؟ فرمایا وہ میرے بھائی اور میری مانند خدا کے نبی ہیں۔ عداس نے کہا آپ کا نام کیا ہے فرمایا میرا نام محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہے۔ عداس نے کہا میں نے مدت سے آپ کا نام دیکھا ہے اور آپ کی تعریف میں نے توریت میں پڑھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبعوث فرمائے گا، مکے والے آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو نکال دیں گے بالآخر آپ کی مدد ہوگی اور آپ کا دین روئے زمین میں پھیل جائے گا۔ اس کے بعد عداس نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں قدمہائے مبارک کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو طالب نے وفات پائی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پا پیاہ طائف تشریف لے گئے اور طائف والوں کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا آپ نے مغموم و

محزون حالت میں واپسی پر ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور دو رکعت ادا کر کے دعا مانگی جس میں امت کے در ماندوں اور بے چاروں کے لیے تلقین و ہدایت ہے۔

واپسی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "وادی نخلہ" میں پہنچے (وادی نخلہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے) وہاں آپ نے ایک شب قیام فرمایا جب آپ نے رات میں نماز کے لیے قیام فرمایا تو شہر نصیبین (جو ملک شام میں ہے) کے سات جن اور ایک روایت میں نوجنوں نے آپ کی تلاوت قرآن کی آواز سنی۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو جنات کی یہ جماعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر آئی اور حضور نے انھیں ایمان کی دعوت دی اور وہ ایمان لے آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو انھوں نے کہا:

يا قومنا انا سمعنا كتابا انزل من بعد موسى ، كذا في روضة الاحباب .

(اے ہماری قوم ہم نے وہ کتاب سنی ہے جو حضرت موسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نازل

ہوئی ہے)

مواہب لدنیہ میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ اور ہی روایت منقول ہے جس کے مطابق جنات کے کچھ لوگوں نے قرآن کریم سنا لیکن وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر موجود نہ ہوئے اور اس مرتبہ انھوں نے صرف قرآن کی سماعت پر ہی اکتفاء کیا، پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اس کے بعد فوج در فوج جنات کی قوم آنے لگی اور ٹولیوں کی ٹولیاں بن کر قرآن کریم سننے کے لیے آئیں اور ایمان لاتی رہیں۔ مگر وہ ظاہر ہو کر سامنے نہیں آئے نا دیدہ مسلمان ہوئے۔

منقول ہے کہ حرم کے نزدیکی درختوں میں سے ایک درخت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام کیا اور اس نے خبر دی کہ یا رسول اللہ جنات کی قوم آپ سے ملاقات کے لیے آئی ہوئی ہے جو مقام

حجون میں ٹھہری ہوئی ہے (حجون ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی بلندی میں واقع ہے) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے استقبال کے لیے مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے ہمراہ لیا اور مقام حجون پہنچے جب آپ حجون کی گھائی میں اترے تو اپنی انگشت مبارک سے زمین پر ایک دائرہ کھینچا اور حضرت ابن مسعود سے فرمایا اس دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا تا کہ کوئی آفت تمہیں نہ پہنچے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوئے اور نماز میں سورہ طہ کی تلاوت فرمائی ایک روایت میں بارہ ہزار اور ایک روایت میں چھ ہزار جنات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھیں نماز کے بعد ان سب کو دعوت اسلام دی اور سب مسلمان ہو گئے۔

مروی ہے کہ جنات کی قوم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نبوت پر گواہی مانگی تو ایک درخت کو جو اس وادی کے کنارے کھڑا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قریب بلایا وہ سامنے آکھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنات نے اپنے اور اپنے جانوروں کے کھانے کے لیے مجھ سے توشہ مانگا ہے، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنات کے لیے استخوان یعنی ہڈیاں اور ان کے چوپایوں کے لیے سرگین (گوبر) مقرر فرمائی۔ اور حضور نے جنات سے فرمایا جب تم ہڈیوں کو لے کر خدا کا نام لو گے تو حق تعالیٰ اس پر اتنا گوشت پیدا فرمادے گا کہ تم سیر ہو جاؤ گے اور جب تم اپنے چوپایوں کے لیے سرگین لو گے تو حق تعالیٰ اس میں دانے اور غلے پیدا فرمادے گا۔ اسی بناء پر شریعت میں ہڈی اور سرگین سے استنجا کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ واپس ہوئے تو آپ یکا یک مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے مبادا مکہ والوں نے طائف اور ثقیف کے لوگوں کی حرکتیں اور ان کی شناختیں اور منافقتیں نہ سن لی ہوں اور وہ ایسی ہی بدسلوکی کرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے کسی کو قریش کے قبائل کی

طرف امان و پناہ کے لیے بھیجا مگر کسی نے نہ مانا، یہاں تک کہ مطعم بن عدی نے اپنی امان و پناہ میں لینے کا وعدہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، حجر اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (مولف) (مدارج النبوه، دوم)

جنات کی خوراک

جنات کی خوراک وغیرہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

قوم جن کے وفد جو بارگاہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اپنے اور اپنے جانوروں کے لیے خوراک طلب کی ان سے ارشاد ہوا۔

لکم کل عظم ذکر اسم اللہ علیہ یقع فی ایدیکم او فر ما یکون لحما و کل بعرۃ علف لدوا بکم .

تمہارے لیے ہر ہڈی ہے جس پر اللہ عزوجل کا نام پاک لیا جائے یعنی حلال مذکی جانور کی ہڈی ہو وہ تمہارے ہاتھ میں اس حال پر ہوگی جیسی اس وقت تھی جب اس پر گوشت پورا اور کامل تھا۔ (یعنی گوشت چھڑائی ہوئی ہڈی تمہیں مع گوشت ملے گی) اور ہر میٹھی تمہارے چوپایوں کے لیے چارو ہے۔

پھر انسانوں سے ارشاد ہوا۔

فلا تستنجوا بہما فانہما طعام اخوانکم .

ہڈی اور میٹھی سے استنجاء نہ کرو کہ وہ تمہارے بھائیوں کی خوراک ہے۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲/۱۷۰)

جن سب سے پہلے نماز فجر میں آئے

بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی حدیث
مجی الجن الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول البعث انہم اتواہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
سلم و هو یصلی باصحابہ صلاة الفجر.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدس میں
جنوں کے آنے کی حدیث میں ہے کہ زمانہ بعثت کے آغاز میں جنات بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
میں اس وقت آئے جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ (مولف)
قال الزرقانی المراد بالفجر رکعتان اللتان کان یصلیہما قبل طلوع الشمس.
امام زرقانی فرماتے ہیں کہ فجر سے مراد وہ دو رکعت ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طلوع
آفتاب سے پہلے پڑھتے تھے۔ (مولف)

لیلۃ الجن میں وضو

ذکر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی تفسیر نبیذ التمر الذی توضع بہ
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ الجن فقال تمیرات القیتھا فی الماء.
لیلۃ الجن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس نبیذ سے وضو فرمایا تھا اس کے بارے میں
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبیذ تمر ہے جس میں نے چند چھوہارے
پانی میں ڈالے تھے۔ نبیذ اگر رقیق و سیال ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱/۳۵۰۔ النور والنورق)



ہجرت سے قبل مدینہ میں آفتاب رسالت کی ضیاءِ پاشیاں

مدینہ نوری بستی ہے
جہاں رحمت برقی ہے

﴿الَّذِينَ يَبْعُونَ نِسَاءَهُمْ إِلَىٰ بَعَثَةِ اللَّهِ بِرِئَاسَةِ اللَّهِ فَوَجَّاهُمْ إِلَىٰ بَعَثَةِ اللَّهِ﴾

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

(الفتح، ۱۰)

ہجرت سے قبل مدینہ میں آفتاب رسالت کی ضیاء پاشیاں

مدینہ منورہ کا پرانا نام ”یثرب“ ہے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شہر میں سکونت فرمائی تو اس کا نام ”مدینۃ النبی“ پڑ گیا پھر یہ نام مختصر ہو کر ”مدینہ“ مشہور ہو گیا، تاریخی حیثیت سے یہ بہت پرانا شہر ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اس شہر میں عرب کے دو قبیلے ”اوس“ اور ”خزرج“ اور کچھ یہودی آباد تھے۔ اوس و خزرج کفار مکہ کی طرح بت پرست اور یہودی اہل کتاب تھے۔ اوس و خزرج پہلے تو بڑے اتفاق و اتحاد کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے مگر پھر عربوں کی فطرت کے مطابق ان دونوں قبیلوں میں لڑائیاں شروع ہو گئیں یہاں تک کہ آخری لڑائی جو تاریخ عرب میں ”جنگ بعاث“ کے نام سے مشہور ہے اس قدر ہولناک اور خون ریز ہوئی کہ اس لڑائی میں اوس و خزرج کے تقریباً تمام نامور بہادر لڑ بھڑ کر کٹ مر گئے اور یہ دونوں قبیلے بے حد کمزور ہو گئے۔ یہودی اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے مگر چونکہ وہ تعلیم یافتہ تھے اس لیے اوس و خزرج ہمیشہ یہودیوں کی علمی برتری سے مرعوب اور ان کے زیر اثر رہتے تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس تعلیم و تربیت کی بدولت اوس و خزرج کے تمام پرانے اختلافات ختم ہو گئے اور یہ دونوں قبیلے شیر و شکر کی طرح گھل مل کر رہنے لگے۔ اور چونکہ ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی اپنے تن من دھن سے بے پناہ امداد و نصرت کی اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان خوش بختوں کو ”انصار“ کے معزز لقب سے سرفراز فرمادیا اور قرآن کریم نے بھی جاں نثاران اسلام کی نصرت رسول و امداد مسلمین پر ان خوش نصیبوں کی مدح و ثنا کا جا بجا خطبہ پڑھا اور از روئے شریعت انصار کی محبت اور ان کی جناب میں حسن عقیدت تمام امت مسلمہ کے لیے لازم الایمان قرار پایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مدینہ میں اسلام کیوں کر پھیلا

انصار گو بت پرست تھے مگر یہودیوں کے میل جول سے اتنا جانتے تھے کہ نبی آخر الزماں کا ظہور ہونے والا ہے اور مدینہ کے یہودی اکثر انصار کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج کو دھمکیاں بھی دیا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ظہور کے وقت ہم ان کے لشکر میں شامل ہو کر تم بت پرستوں کو دنیا سے نیست و نابود کر ڈالیں گے اس لیے نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کا یہود اور انصار دونوں کو انتظار تھا۔

ﷺ نبوی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معمول کے مطابق حج میں آنے والے قبائل کو دعوت اسلام دینے کے لیے منی کے میدان میں تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی آیتیں سنا کر لوگوں کے سامنے اسلام پیش فرمانے لگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منیٰ میں عقبہ (گھائی) کے پاس جہاں آج ”مسجد عقبہ“ ہے تشریف فرما تھے کہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی آپ کے پاس آگئے۔ آپ نے ان لوگوں سے ان کا نام و نسب پوچھا پھر قرآن کی چند آیتیں سنا کر ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس سے یہ لوگ بے حد متاثر ہو گئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر واپسی میں یہ کہنے لگے کہ یہودی جس نبی آخر الزماں کی خوش خبری دیتے رہے ہیں۔ یقیناً وہ نبی ہی ہیں۔ لہذا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی ہم سے پہلے اسلام کی دعوت قبول کر لیں یہ کہہ کر سب ایک ساتھ مسلمان ہو گئے اور مدینہ جا کر اپنے اہل خاندان اور رشتہ داروں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ ان چھ خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابوہیثم بن تیہان

(۲) حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ

(۳) حضرت عوف بن حارث

(۴) حضرت رافع بن مالک

(۵) حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ

(۶) حضرت جابر بن عبد اللہ بن ریاب۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

بیعت عقبہ اولیٰ

دوسرے سال ۱۲ھ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے بارہ اشخاص منیٰ کی اس گھاٹی میں چھپ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل کیا تاریخ اسلام میں اس بیعت کا نام ”بیعت عقبہ اولیٰ“ ہے۔

ساتھ ہی ان لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست بھی کی کہ احکام اسلام کی تعلیم کے لیے کوئی معلم بھی ان لوگوں کے ساتھ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا وہ مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر ٹھہرے اور انصار کے ایک ایک گھر میں جا جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور روزانہ ایک دو نئے آدمی آغوش اسلام میں آنے لگے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی بہادر اور بااثر شخص تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو انھوں نے پہلے تو اسلام سے نفرت و بیزاری ظاہر کی مگر جب حضرت مصعب بن عمیر نے ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا تو ایک دم ان کا دل پسند ہو گیا اور اس قدر متاثر ہوئے کہ سعادت ایمان سے سرفراز ہو گئے ان کے مسلمان ہوتے ہی ان کا قبیلہ اوس بھی دامن اسلام میں آ گیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ

اس کے ایک سال بعد ۱۳؎ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے تقریباً ۷۲ بہتر اشخاص نے منیٰ کی اسی گھاٹی میں اپنے بت پرست ساتھیوں سے چھپ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اور یہ عہد کیا کہ ہم لوگ آپ کی اور اسلام کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیں گے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انھوں نے مدینہ والوں سے کہا کہ دیکھو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے خاندان بنی ہاشم میں ہر طرح محترم اور باعزت ہیں ہم لوگوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے اب تم لوگ ان کو اپنے وطن میں لے جانے کے خواہش مند ہو تو سن لو اگر مرتے دم تک تم لوگ ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یہ سن کر حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ طیش میں آ کر کہنے لگے کہ ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بات کاٹتے ہوئے یہ کہا کہ یا رسول اللہ ہم لوگوں کے یہودیوں سے پرانے تعلقات ہیں اب ظاہر ہے کہ ہمارے مسلمان ہو جانے کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر اپنے وطن مکہ چلے جائیں یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ تم لوگ اطمینان رکھو کہ تمہارا خون میرا خون ہے اور یقین کرو کہ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے میں تمہارا ہوں اور تم میرے۔ تمہارا دشمن میرا دشمن اور تمہارا دوست میرا دوست ہے۔

جب انصار یہ بیعت کر رہے تھے تو حضرت سعد بن زرارہ یا حضرت عباس بن نھلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میرے بھائیو! تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ تم لوگ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ خوب سمجھ لو کہ یہ عرب و عجم کے ساتھ اعلان جنگ ہے انصار نے طیش میں آ کر نہایت ہی پر جوش لہجے میں کہا کہ ہاں ہاں ہم

لوگ اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ بیعت ہو جانے کے بعد آپ نے اس جماعت میں سے بارہ آدمیوں کو نقیب (سردار) مقرر فرمایا ان میں نو آدمی قبیلہ خزرج کے اور تین اشخاص قبیلہ اوس کے تھے جن کے مبارک نام یہ ہیں۔

- | | | | |
|-----|-------------------------|-----|-----------------|
| (۱) | ابو امامہ اسعد بن زرارہ | (۲) | سعد بن ربیع |
| (۳) | عبداللہ بن رواحہ | (۴) | زابع بن مالک |
| (۵) | براء بن معرور | (۶) | عبداللہ بن عمرو |
| (۷) | سعد بن عبادہ | (۸) | منذر بن عمرو |
| (۹) | عبادہ بن ثابت | | |

یہ نو آدمی قبیلہ خزرج کے ہیں۔

- | | | | |
|------|-------------------|------|--------------|
| (۱۰) | اسید بن حضیر | (۱۱) | سعد بن خثیمہ |
| (۱۲) | ابوالہیثم بن تہان | | |

یہ تین شخص قبیلہ اوس کے ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

اس کے بعد یہ تمام حضرات اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔ صبح کے وقت جب قریش کو اس کی اطلاع پہنچی تو وہ آگ بگولا ہو گئے اور ان لوگوں نے ڈانٹ کر مدینہ والوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے بیعت کی ہے۔ انصار کے کچھ ساتھیوں نے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اپنی لاعلمی ظاہر کی یہ سن کر قریش واپس چلے گئے مگر جب تحقیق و تفتیش کے بعد کچھ انصار کی بیعت کا حال معلوم ہوا تو قریش غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے اور بیعت کرنے والوں کی گرفتاری

کے لیے تعاقب کیا مگر قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی اور کو نہیں پکڑ سکے۔ قریش حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ مکہ لائے اور ان کو قید کر دیا۔ مگر جب جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن امیہ کو پتہ چلا تو ان دونوں نے قریش کو سمجھایا کہ خدا کے لیے سعد بن عبادہ کو فوراً چھوڑ دو ورنہ تمہاری ملک شام کی تجازت خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہ سن کر قریش نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید سے رہا کر دیا اور وہ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔

(مولف)

(مدارج النبوة - سیرت مصطفیٰ)



ہجرت مدینہ

قسمت ثور و حرا کی حرص ہے
چاہتے ہیں دل میں گہرا غار ہم

لَا تُعْرَدُهُ فَغَرَ عُورَهُ اللَّهُ لَوْلَا عَرْجُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَأَنبَتِ فِي السَّمَاءِ الْأَعْيُنُ لَوِ اسْمَعُوا لَعَابَهُ اللَّهُ
 نَعْرَهُ لَوْ أَنَّهُ مَعَا فَا نَزَلَ اللَّهُ مَكْبَةً عَلَيْهِ وَرِثْرَةً فَجَعَلَهُمْ نُرُوجًا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السَّمْفِي وَ
 كَلِمَةَ اللَّهِ فِي الْعُلْبَاءِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ عَلِيمٌ

اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے
 جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ
 ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سینہ اتار دیا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور
 کافروں کی بات نیچے ڈالی اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورۃ التوبہ/۳۰)

ہجرت مدینہ

مدینہ منورہ میں جب اسلام اور مسلمانوں کو پناہ مل گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو عام اجازت دے دی کہ وہ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے لوگ بھی مدینہ روانہ ہونے لگے۔ جب کفار قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی مگر چھپ چھپ کر لوگوں نے ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بہت سے صحابہ کرام مدینہ منورہ چلے گئے صرف وہی حضرات مکہ میں رہ گئے جو یا تو کافروں کی قید میں تھے یا اپنی مفلسی کی وجہ سے مجبور تھے۔

کفار کا نفرنس

جب مکہ کے کافروں نے یہ دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں ہو گئے اور مدینہ جانے والے مسلمانوں کو انصار نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے تو کفار مکہ کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی مدینہ چلے جائیں اور وہاں سے اپنے حامیوں کی فوج لے کر مکہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔

چنانچہ اس خطرہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے کفار مکہ نے اپنے دارالندوۃ (پنچائت گھر) میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی۔ اور یہ کفار مکہ کا ایسا زبردست نمائندہ اجتماع تھا کہ مکہ کا کوئی بھی ایسا دانشور اور بااثر شخص نہ تھا جو اس کانفرنس میں شریک نہ ہوا ہو۔

خصوصیت کے ساتھ ابوسفیان، ابو جہل، عتبہ، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث، ابوالختری، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ تمام سردازان قریش اس مجلس میں موجود تھے۔ شیطان

لعین بھی کبل اوڑھے ایک بزرگ شیخ کی صورت میں آگیا۔ قریش کے سرداروں نے نام و نسب پوچھا تو بولا کہ میں شیخ نجد ہوں اس لیے اس کانفرنس میں آگیا ہوں کہ میں تمہارے معاملہ میں اپنی رائے بھی پیش کروں۔

یہ سن کر قریش کے سرداروں نے ابلیس کو بھی اپنی کانفرنس میں شریک کر لیا۔ اور کانفرنس کی کارروائی شروع ہو گئی۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ پیش ہوا تو ابوالہختری نے یہ رائے دی کہ ان کو کسی کوٹھری میں بند کر کے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دو اور ایک سوراخ سے کھانا پانی ان کو دے دیا کرو۔

شیخ نجدی (شیطان) نے کہا کہ یہ رائے اچھی نہیں خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے ان کو کسی مکان میں قید کر دیا تو یقیناً ان کے جاں نثار اصحاب کو اس کی خبر لگ جائے گی اور وہ اپنی جان پر کھیل کر ان کو قید سے چھڑائیں گے۔

ابوالاسود ربیعہ بن عمرو عامری نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو مکہ سے نکال دو تا کہ یہ کسی دوسرے شہر میں جا کر رہیں اس طرح ہم کو ان کے قرآن پڑھنے اور ان کی تبلیغ اسلام سے نجات مل جائے گی۔

یہ سن کر شیخ نجدی نے بگڑ کر کہا کہ تمہاری اس رائے پر لعنت، کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے کلام میں کتنی منہاس اور تاثیر و دل کشی ہے؟ خدا کی قسم اگر تم لوگ ان کو شہر بدر کر کے چھوڑ دو گے تو پورے ملک عرب میں لوگوں کو قرآن سنانا کر تمام قبائل عرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیں گے اور پھر اپنے ساتھ ایک عظیم لشکر کو لے کر تم پر ایسی یلغار کر دیں گے کہ تم ان کے مقابلہ سے عاجز و لاچار ہو جاؤ گے اور پھر بجز اس کے کہ تم ان کے غلام بن کر رہو کچھ بنائے نہ بنے گی اس لیے ان کو جلا وطن کرنے کی بات ہی مت کرو۔

ابو جہل بولا کہ صاحبو! میرے ذہن میں ایک رائے ہے جو اب تک کسی کو نہیں سوچھی یہ سن کر سب کے کان کھڑے ہو گئے اور سب نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ کہیئے وہ کیا ہے؟ تو ابو جہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک مشہور بہادر تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہو اور سب یکبارگی حملہ کر کے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالیں۔ اس تدبیر سے خون کا جرم تمام قبیلوں کے سر پر رہے گا۔ ظاہر ہے کہ خاندان بنو ہاشم اس خون کا بدلہ لینے کے لیے تمام قبیلوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے لہذا یقیناً وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم لوگ مل جل کر آسانی کے ساتھ خون بہا کی رقم ادا کر دیں گے۔

ابو جہل کی یہ خونی تجویز سن کر شیخ نجدی مارے خوشی کے اچھل پڑا اور کہا کہ یہ تدبیر بالکل درست ہے اس کے سوا اور کوئی تجویز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تمام شرکاء کانفرنس نے اتفاق رائے سے اس تجویز کو پاس کر دیا اور مجلس شوریٰ برخواست ہو گئی اور ہر شخص یہ خوفناک عزم لے کر اپنے اپنے گھر چلا گیا۔

ہجرت رسول کا واقعہ

جب کفار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل پر اتفاق کر کے کانفرنس ختم کر چکے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام رب العالمین کا حکم لے کر نازل ہو گئے۔ کہ اے محبوب! آج کی رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جائیں۔

چنانچہ عین دوپہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سب گھر والوں کو ہٹا دو کچھ مشورہ کرنا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان یہاں آپ کی اہلیہ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے سوا اور کوئی نہیں (اس وقت حضرت عائشہ سے حضور کا نکاح ہو چکا تھا) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو بکر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت فرمادی ہے حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بھی ہمراہی کا شرف عطا فرمائیے آپ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار مہینے سے دو اونٹنیاں بول کی پتی کھلا کھلا کر تیار کی تھیں کہ ہجرت کے وقت یہ سواری کے کام آئیں گی۔ عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے ایک اونٹنی آپ قبول فرمائیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ قبول ہے مگر میں اس کی قیمت دوں گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادل ناخواستہ (فرمان رسالت سے مجبور ہو کر) اس کو قبول کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس وقت بہت کم عمر تھیں لیکن ان کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سامان سفر درست کیا اور توشہ دان میں کھانا رکھ کر اپنی کمر کے پٹکے کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے۔ ایک سے توشہ دان کو باندھا اور دوسرے سے مشک کا منہ باندھا۔ یہ وہ قابل فخر شرف ہے جس کی بناء پر ان کو ”ذات النطاقین“ (دو پٹکے والی) کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کافر کو جس کا نام عبد اللہ بن اریق تھا جو راستوں کا ماہر تھا راہ نمائی کے لیے اجرت پر نوکر رکھا اور ان دونوں اونٹنیوں کو اس کے سپرد کر کے فرمایا کہ تین راتوں کے بعد وہ ان دونوں اونٹنیوں کو لے کر غار ثور کے پاس آجائے۔ یہ سارا نظام کر لینے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مکان پر تشریف لائے۔

کاشانہ نبوت کا محاصرہ

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق کاشانہ نبوت کو گھیر لیا اور انتظار کرنے لگے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو جائیں تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ اس وقت گھر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس صرف علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

کفار مکہ اگرچہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے مگر اس کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امانت و دیانت پر کفار کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے قیمتی مال و سامان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھتے تھے چنانچہ اس وقت بھی بہت سی امانتیں کاشانہ نبوت میں تھیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو اور میرے چلے جانے کے بعد تم قریش کی تمام امانتیں ان کے مالکوں کو سونپ کر مدینہ چلے آنا۔

یہ بڑا ہی خوفناک اور بڑے سخت خطرے کا موقع تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان سے کہ تم قریش کی ساری امانتیں لوٹا کر مدینہ چلے آنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین کامل تھا کہ میں زندہ رہوں گا اور مدینہ پہنچوں گا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر جو آج کانٹوں کا بچھونا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے پھولوں کی بیج بن گیا اور آپ بستر پر صبح تک آرام کے ساتھ میٹھی میٹھی نیند سوتے رہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بستر نبوت پر جان ولایت کو سلا کر ایک مٹھی خاک ہاتھ میں

لی اور سورہٴ تیس کی ابتدائی آیتوں کو تلاوت فرماتے ہوئے نبوت خانہ سے باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے کافروں کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے مجمع سے صاف نکل گئے نہ کسی کو نظر آئے نہ کسی کو کچھ خبر ہوئی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجمع میں موجود تھا اس نے ان لوگوں کو خبر دی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو یہاں سے نکل گئے اور چلتے وقت تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے چنانچہ ان کو رنجتوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ان کے سروں پر خاک اور دھول پڑی ہوئی تھی۔

اے شہر مکہ!

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام حزورہ کے پاس کھڑے ہو گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا کہ :

اے شہر مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ہی قرار داد ہو چکی تھی وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کہ کفار مکہ ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اس طرح خاردار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات غار ثور پہنچے۔

تاجدار کائنات غار ثور میں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خود غار ثور میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی اور اپنے بدن کے کپڑے پہاڑ پہاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا سوراخ کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یار غار کے پاؤں میں کانٹا مگر حضرت صدیق جانثار نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خواب راحت میں خلل نہ پڑ جائے مگر درد کی شدت سے یار غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرور کائنات کے رخسار پر نثار ہو گئے جس سے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور اپنے یار غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے پوچھا ابو بکر کیا ہوا؟ عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی سارا درد جاتا رہا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین رات اس غار میں رونق افروز رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوان فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ رات کو غار کے منہ پر سوتے اور صبح سویرے ہی مکہ چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا تدبیریں کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر حضور سے عرض کر دیتے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ رات گئے چراگاہ سے بکریاں لے کر غار کے پاس آجاتے اور ان بکریوں کا دودھ دونوں عالم کے تاجدار اور ان کے یار غار پی لیتے تھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو غار ثور میں تشریف فرما ہو گئے ادھر کا شانہ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کفار جب صبح کو مکان میں داخل ہوئے تو بستر نبوت پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ظالموں نے تھوڑی دیر آپ سے پوچھ گچھ کر کے آپ کو چھوڑ دیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاش و جستجو میں مکہ اور اطراف و جوانب کا چپہ چپہ چھان مارا یہاں تک کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور تک پہنچ گئے مگر غار کے منہ پر

اس وقت خداوندی حفاظت کا پہرہ لگا ہوا تھا یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالاتن دیا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے یہ منظر دیکھ کر کفار قریش آپس میں کہنے لگے کہ اس غار میں کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالاتنی نہ کبوتری یہاں انڈے دیتی۔

کفار کی آہٹ پا کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ گھبرائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب ہمارے دشمن اس قدر قریب آگئے ہیں کہ اگر وہ اپنے قدموں پر نظر ڈالیں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تحزن ان اللہ معنا.

مت گھبراؤ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر سکون و اطمینان کا ایسا سکینہ اتار دیا کہ وہ بالکل ہی بے خوف ہو گئے۔

بہر حال چوتھے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکم ربیع الاول کے دن غار ثور سے باہر تشریف لائے۔ عبد اللہ بن اریقظ جس کو راہ نمائی کے لیے کرایہ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوکر رکھ لیا تھا وہ قرارداد کے مطابق دو اونٹنیاں لے کر غار ثور پر حاضر تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور ایک اونٹنی پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے اور عبد اللہ بن اریقظ آگے آگے پیدل چلنے لگے اور عامر راستہ سے ہٹ کر ساحل سمندر کے غیر معروف راستوں سے سفر شروع کر دیا۔

سوانح کا انعام

ادھر اہل مکہ نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا

اس کو ایک سواونٹ انعام ملے گا۔ اس گراں قدر انعام کے لالچ میں بہت سے لالچی لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاش شروع کر دی اور کچھ لوگ تو منزلوں دور تک تعاقب میں گئے۔

ام معبد کی بکری

دوسرے روز مقام ”قدید“ میں ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے مکان پر آپ کا گزر ہوا ام معبد ایک ضعیفہ عورت تھی جو اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھی رہا کرتی تھی اور مسافروں کو کھانا پانی دیا کرتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے کچھ کھانا خریدنے کا قصد کیا مگر اس کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کے خیمہ کے ایک جانب ایک بہت ہی لاغر بکری ہے۔ دریافت فرمایا کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ ام معبد نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دو دلوں۔ ام معبد نے اجازت دے دی اور آپ نے بسم اللہ پڑھ کر جو اس کے تھن کو ہاتھ لگایا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا اور اتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور ام معبد کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔ یہ معجزہ دیکھ کر ام معبد اور ان کے خاوند دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

روایت ہے کہ ام معبد کی یہ بکری ۱۸ ہفتے تک زندہ رہی اور برابر دودھ دیتی رہی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب عام الرماد کا سخت قحط پڑا کہ تمام جانوروں کے تھنوں کا دودھ خشک ہو گیا اس وقت بھی یہ بکری صبح و شام برابر دودھ دیتی رہی۔

سراقہ کا گھوڑا

جب ام معبد کے گھر سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے تو مکہ کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جعشم تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر تعاقب کرتا نظر آیا قریب پہنچ کر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ مگر سواونٹوں کا انعام کوئی معمولی چیز نہ تھی،

انعام کے لالچ نے اسے دوبارہ ابھارا اور وہ حملہ کی نیت سے آگے بڑھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے پتھر پللی زمین میں اس کے گھوڑے کا پاؤں گھسنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ یہ معجزہ دیکھ کر خوف و دہشت سے کانپنے لگا اور امان امان پکارنے لگا۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل رحم و کرم کا سمندر تھا سراقہ کی لاچارگی اور گریہ زاری پر آپ کا دریائے رحمت جوش میں آگیا دعا فرمادی تو زمین نے اس کے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد سراقہ نے عرض کیا کہ مجھ کو امن کا پروانہ لکھ دیجیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سراقہ کے لیے امن کی تحریر لکھ دی سراقہ نے اس تحریر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا اور واپس لوٹ گیا۔

راستہ میں جو شخص بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتا تو سراقہ اس کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ میں نے بڑی دور تک بہت زیادہ تلاش کیا مگر آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرف نہیں ہیں۔ واپس لوٹتے ہوئے سراقہ نے کچھ سامان سفر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔

سراقہ اس وقت تو مسلمان نہیں ہوئے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت نبوت اور اسلام کی صداقت کا سکھ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ اور جنگ طائف و حنین سے فارغ ہو کر جعرانہ میں پڑاؤ کیا تو سراقہ اسی پروانہ امن کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے اور اپنے قبیلہ کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

واضح رہے کہ یہ وہی سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے علم غیب سے غیب کی خبر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اے سراقہ تیرا کیا حال ہوگا جب

تجھ کو ملک فارس کے بادشاہ کسریٰ کے دونوں کنگن پہنائے جائیں گے؟

اس ارشاد کے برسوں بعد جب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن دربار خلافت میں لائے گئے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق و تحقیق کے لیے وہ کنگن حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنادیے اور فرمایا کہ اے سراقہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے جس نے ان کنگنوں کو بادشاہ فارس کسریٰ سے چھین کر سراقہ بدوی کو پہنادیا۔

حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۴ھ میں وفات پائی جب کہ حضرت عثمان غنی تحت خلافت پر رونق افروز تھے۔

شہنشاہ رسالت مدینہ میں

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد آمد کی خبر چوں کہ مدینہ میں پہلے سے پہنچ چکی اور عورتوں بچوں تک کی زبانوں پر آپ کی تشریف آوری کا چرچا تھا اس لیے اہل مدینہ آپ کے دیدار کے لیے انتہائی مشتاق و بے قرار تھے روزانہ صبح سے نکل نکل کر شہر کے باہر سراپا انتظار بن کر استقبال کے لیے تیار رہتے تھے اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے تھے۔

ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہل مدینہ آپ کی راہ دیکھ کر واپس جا چکے تھے کہ ناگہاں ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری مدینہ کے قریب آن پہنچی ہے۔ اس نے باواز بلند پکارا کہ اے مدینہ والو! لو تم جس کا روزانہ انتظار کرتے تھے وہ کاروان رحمت آگیا، یہ سن کر تمام انصار بدن پر ہتھیار سجا کر اور وجد و شادمانی سے بے قرار ہو کر دونوں عالم کے تاجدار کا استقبال کرنے کے لیے اپنے گھروں سے نکل پڑے اور نعرہ تکبیر کی آوازوں سے

تمام شہر گونج اٹھا۔

سرور عالم کلثوم بن ہدم کے مکان میں

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں آج مسجد قبا بنی ہوئی ہے ۱۲ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے اور قبیلہ عمرو بن عوف کے خاندان میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ اہل خاندان نے اس فخر و شرف پر کہ دونوں عالم کے میزبان ان کے مہمان بنے اللہ اکبر کا پر جوش نعرہ مارا۔

چاروں طرف سے انصار جوش مسرت میں آتے اور بارگاہ رسالت میں صلاۃ و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے۔ اکثر صحابہ کرام جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ لوگ بھی اس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حکم نبوی کے مطابق قریش کی امانتیں واپس لوٹنا کر تیسرے دن مکہ سے چل پڑے تھے وہ بھی مدینہ آگئے اور اسی مکان میں قیام فرمایا اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے خاندان والے ان مقدس مہمانوں کی مہمان نوازی میں دن رات مصروف رہنے لگے۔

مسجد قباء

”قباء“ میں سب سے پہلا کام ایک مسجد کی تعمیر تھی اس مقصد کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک زمین کو پسند فرمایا جہاں خاندان عمرو بن عوف کی کھجوریں سکھائی جاتی تھیں اسی جگہ آپ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی یہی وہ مسجد ہے جو آج بھی مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔

مسجد الجمعة

چودہ یا چوبیس روز کے قیام میں مسجد قبا کی تعمیر فرما کر جمعہ کے دن آپ قبا سے شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں قبیلہ بنی سالم کی مسجد میں پہلا جمعہ آپ نے پڑھا۔ یہی وہ مسجد ہے جو آج تک ”مسجد الجمعة“ کے نام سے مشہور ہے۔

اہل شہر کو خبر ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جذبات شوق میں مشتاقانہ استقبال کے لیے دوڑ پڑے آپ کے دادا عبدالمطلب کے نہالی رشتہ دار، بنو النجار، ہتھیار لگائے، قبا سے شہر تک دو رو یہ صفیں باندھے ستانہ وار چل رہے تھے آپ راستہ میں تمام قبائل کی محبت کا شکر یہ ادا کرتے اور سب کو خیر و برکت کی دعائیں دیتے ہوئے چلے جا رہے تھے شہر قریب آ گیا تو اہل مدینہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور یہ استقبالیہ اشعار پڑھنے لگیں۔

طلع البدر علينا

من ثنيتات الوداع



وجب الشكر علينا

مادع الله داع

ہم پر چاند طلوع ہو گیا وداع کی گھاٹیوں سے، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک اللہ سے دعا مانگنے والے دعا مانگتے رہیں۔

ايها المبعوث فينا

جئت بالامر المطاع

انت شرفت المدینة

مرحباً یا خیر داع

اے وہ ذات گرامی جو ہمارے اندر مبعوث کیے گئے آپ وہ دین لائے جو اطاعت کے قابل ہے۔ آپ نے مدینہ کو مشرف فرمایا تو آپ کے لیے خوش آمدید ہے۔ اے بہترین دعوت دینے والے۔

فلبننا ثوب یمن

بمد تلیق الرقاع

فملیک اللہ ملی

ماسمی للہ ساع

تو ہم لوگوں نے یمنی کپڑے پہنے حالاں کہ اس سے پہلے پیوند جوڑ جوڑ کر کپڑے پہنا کرتے تھے تو آپ پر اللہ تعالیٰ اس وقت تک رحمتیں نازل فرمائے جب تک اللہ کے لیے کوشش کرنے والے کوشش کرتے رہیں۔

مدینہ کی ننھی ننھی بچیاں جوش مسرت میں جھوم جھوم کر اور دف بجا بجا کر یہ گیت گاتی تھیں۔

نحن جوار من بنی النجار

یا حذا محمد من جار

ہم خاندان، بنو النجار کی بچیاں ہیں واہ کیا ہی خوب ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان بچیوں کے جوش مسرت اور ان کی والہانہ محبت سے متاثر ہو کر پوچھا کہ اے بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ تو بچیوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ جی ہاں جی ہاں یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں۔

چھوٹے چھوٹے لڑکے اور غلام جھنڈ کے جھنڈ مارے خوشی کے مدینہ کی گلیوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد آمد کا نعرہ لگاتے ہوئے دوڑتے پھرتے تھے۔

صحابی رسول براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو فرحت و سرور اور انوار و تجلیات حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف لانے کے دن ظاہر ہوئے نہ اس سے پہلے کبھی ظاہر ہوئے نہ اس کے بعد۔

ابوایوب انصاری کا مکان

تمام قبائل انصار جو راستہ میں تھے انتہائی جوش مسرت کے ساتھ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے گھروں کو شرف نزول بخشیں مگر آپ ان سب محبین سے یہی فرماتے کہ میری اونٹنی کی مہار چھوڑ دو جس جگہ خدا کو منظور ہوگا اس جگہ میری اونٹنی بیٹھ جائے گی۔

چنانچہ جس جگہ آج مسجد نبوی شریف ہے اس کے پاس حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا اسی جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر میں لے گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں کے مکان پر قیام فرمایا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوپر کی منزل پیش کی مگر ملاقاتیوں کی آسانی کا

لحاظ فرماتے ہوئے نیچے کی منزل کو پسند فرمایا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں وقت آپ کے لیے کھانا بھیجتے اور آپ کا بچا ہوا کھانا تبرک سمجھ کر میاں بیوی کھاتے۔ کھانے میں جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا حصول برکت کے لیے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جگہ سے لقمہ اٹھاتے اور اپنے ہر قول و فعل سے بے پناہ ادب و احترام اور عقیدت و جاں نثاری کا مظاہرہ کرتے۔

ایک مرتبہ مکان کے اوپر کی منزل پر پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا تو اس اندیشہ سے کہ کہیں پانی بہہ کر نیچے کی منزل میں نہ چلا جائے اور حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف نہ ہو جائے حضرت ابو ایوب انصاری نے سارا پانی اپنے لحاف میں خشک کر لیا۔ گھر میں یہی ایک لحاف تھا جو گیلما ہو گیا رات بھر میاں بیوی نے سردی کھائی مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذرہ برابر تکلیف پہنچ جائے یہ گوارا نہیں کیا۔

سات مہینے تک حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی شان کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ جب مسجد نبوی اور اس کے آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان حجروں میں اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ (مولف) (مدارج النبوة جلد ۲۔ سیرت مصطفیٰ)

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فرط عقیدت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یہ تحریر فرمایا ہے :

صحیح حدیث میں ہے جب حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت فرما کر سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں مقیم ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اولش جب ان کے گھر

جاتا وہ اور ان کے گھر والے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک کے نشان کی جگہ سے کھاتے۔ (فتاویٰ رضویہ ج اول، ص ۳۱۹)

بیر رومہ کے بدلے میں عثمان نے جنت خریدی

جب مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں آئے یہاں کا پانی پسند نہ آیا وہ شور تھا بنی غفار سے ایک شخص کی ملک میں ایک شیریں چشمہ مسمی بہ رومہ تھا وہ اس کی ایک مشک نیم صاع کو بیچتے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا بعنیہا بعین فی الجنة .

یہ چشمہ میرے ہاتھ ایک چشمہ بہشت کے عوض بیچ ڈال عرض کی یا رسول اللہ میری اور میرے بچوں کی معاش اسی میں ہے مجھ میں طاقت نہیں۔ یہ خبر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی وہ چشمہ مالک سے پینتیس ہزار روپے میں خرید لیا پھر خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی

یا رسول اللہ اتجعل لی مثل الذی جعلت لہ عینا فی الجنة ان اشتريتها.

یا رسول اللہ کیا جس طرح حضور اس شخص کو چشمہ بہشتی عطا فرماتے تھے اگر میں یہ چشمہ اس سے خرید لوں تو حضور مجھے عطا فرمائیں گے؟ قال نعم۔

فرمایا ہاں۔ عرض کی میں نے بیر رومہ خرید لیا اور مسلمانوں پر وقف کر دیا۔

اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابن عساکر نے بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اشتري عثمان بن عفان من رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الجنة مرتین یوم رومة و یوم جيش العسرة

عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جنت خرید لی بیر رومہ کے دن

اور لشکر کی تنگ دستی کے روز۔ اسے حاکم و ابن عدی اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔
(الامن والعلی)

فرضیت جمعہ

حدیث میں ہے: ان الجمعة فرضت على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و هو بمكة قبل الهجرة. كما اخرجه الطبراني عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما.
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قبل ہجرت مکہ میں جمعہ فرض ہوا۔ جیسا کہ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

فلم یکن اقامتها من اجل الکفار فلما هاجر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و من هاجر معه من اصحابه الی المدینة لبث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی بنی عمرو بن عوف بضع اربعة عشر ایام و لم یصل الجمعة.

یعنی غلبہ کفار کے سبب سے مکے میں جمعہ قائم نہیں ہوا پھر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بعض صحابہ نے حضور کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ کے قریب یعنی قبائلیں عمرو بن عوف کے خاندان میں تقریباً چودہ دن ٹھہرے اور جمعہ کی نماز نہیں پڑھی۔ (مولف)
(فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۷۳۸)

مکہ میں جمعہ فرض ہونے کی خبر غریب و مرجوح ہے صحیح یہ ہے کہ بعد ہجرت سال اولیٰ بنی سالم میں فرض ہوا۔

فی شرح الموطا للزرقانی الاية (یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ) مدنیة فتدل علی انها فرضت بالمدينة و علیہ الاکثر.

زرقانی کی شرح موطا میں ہے کہ آیت جمعہ مدنیہ ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔

و قال الشيخ ابو حامد فرضت بمكة. قال الحافظ و هو غريب .

اور شیخ ابو حامد نے کہا کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوا۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ غریب ہے۔

(مولف)

سب سے پہلا جمعہ

وفي شرح الموطا للزرقاني انه صلى الله تعالى عليه وسلم في سفر الهجرة لما خرج من قبا يوم الجمعة حين ارتفع النهار ادر كته الجمعة في بني سالم بن عوف فصلاها بمسجدهم فسمى مسجد الجمعة و هي اول جمعة صلاها صلى الله تعالى عليه وسلم ذكره ابن اسحاق .

امام زرقانی کی شرح موطا میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر ہجرت میں قبا سے جمعہ کے دن اس وقت تشریف لے چلے جب دن تھوڑا بلند ہو چکا تھا تو بنی سالم میں جمعہ کا وقت ہو گیا تو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد بنی سالم میں نماز جمعہ پڑھی، ان لوگوں نے اس مسجد کا نام ”مسجد جمعہ“ رکھ دیا اور یہی سب سے پہلا جمعہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ادا فرمایا۔ ابن اسحاق نے اسے اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے (فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۶۸۸)

ہجرت سے حضور کی تخصیص

ابن جریر و ابو یعلیٰ و بزار اور بیہقی روایت کرتے ہیں :

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فیہ قولہ عزوجل لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حین ذکر ما اعطی الانبیاء السابقین علیہم الصلاة و السلام من الفضائل) اعطیتک ثمانیۃ اسہم الاسلام و الهجرة و الجہاد و الصلاة و الصدقة و صوم رمضان و الامر بالمعروف و النهی عن المنکر .

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی (اس میں یہ ہے کہ جب انبیائے سابقین علیہم الصلاة و السلام کے فضائل و مناقب کا ذکر اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا) تو فرمایا کہ میں نے تم کو آٹھ حصے عطا فرمائے، اسلام اور ہجرت و جہاد اور نماز و صدقہ اور رمضان کے روزے و امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ (مؤلف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۲، ص ۱۹۶)

بہترین ہجرت

امام احمد عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کچھ مسائل پوچھے ازاں جملہ یہ کہ سب سے بہتر ہجرت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان تہجر ما کرہ ربک .

یہ کہ جو بات تمہارے رب کو ناپسند ہے اس سے کنارہ کرو۔ (فتاویٰ افریقہ ۲۲)

ہاتف نے ہجرت کی خبر دی

ابونعیم حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی :
یہ ایک شب صحرائے شام میں تھے ہاتف جن نے انھیں بعثت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر دی صبح راہب کے پاس جا کر قصہ بیان کیا کہا :

قد صدقوک ینخرج من الحرم و مهاجرہ الحرم و هو خیر الانبیاء
جنوں نے تجھ سے سچ کہا حرم سے ظاہر ہوں گے اور حرم کو ہجرت فرمائیں گے اور وہ تمام انبیاء سے

بہتر ہیں۔

ابن عساکر، ابو نعیم، خرائطی بعض صحابہ ثعمیین سے راوی :
ہم ایک شب اپنے بت کے پاس تھے اور اسے ایک مقدمہ میں بیچ کیا تھا ناگاہ ہاتف نے پکارا

یا ایہا الناس ذوی الاصلنام

ما انتم و طائش الاجلام

●

و سند الحکم الی الاصلنام

ہذا نبی سید الانام

●

اعدل ذی حکم من الحکام

یصدع بالنور وبالاسلام

●

مستعلن فی البلد الحرام

اے بت پرستو! کیا حال ہے تمہارا اور یہ کم عقلیاں اور پتھروں کو بیچ بنانا یہ ہے نبی تمام جہان کا
سردار ہر حاکم سے زیادہ عادل نور و اسلام کا آشکار کرنے والا حرم محترم میں ظہور فرمانے والا ہے۔

ہم سب ڈر کر بت کو چھوڑ گئے اور اس شعر کے چرچے رہے یہاں تک کہ ہمیں خبر ملی حضور اقدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں ظہور فرما کر مدینہ تشریف لائے۔ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)

حضرت شعیا اور حضور کی ہجرت

ابن ابی حاتم وہب بن منبہ سے راوی :

اللہ عزوجل نے شعیا علیہ الصلاۃ والسلام پر وحی بھیجی میں نبی امی کو بھیجنے والا ہوں اس کے سبب بہرے کان اور غافل دل اور اندھی آنکھیں کھول دوں گا، اس کی پیدائش مکے میں ہے اور ہجرت گاہ مدینہ، اور اس کا تخت گاہ ملک شام میں ضرور اس کی امت کو سب امتوں سے جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئیں بہتر و افضل کروں گا میں ان کی کتاب پر کتابوں کو ختم فرماؤں گا اور ان کی شریعت پر شریعتوں اور ان کے دین پر سب دینوں کو تمام کر دوں گا۔

کعب احبار کو ہجرت اقدس کی اطلاع

ابونعیم وابن عساکر حضرت کعب احبار سے راوی انہوں نے فرمایا میرے باپ اعلم علمائے توراہ تھے اللہ عزوجل نے جو کچھ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا وہ اپنے علم سے کوئی شئی مجھ سے نہ چھپاتے جب مرنے لگے مجھے بلا کر کہا اے میرے بیٹے تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تجھ سے نہ چھپائی مگر ہاں دو ورق روک رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آپہنچا میں نے اس اندیشے سے تجھے ان دونوں ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو اور تو اس کی پیروی کر لے یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے اس میں وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگا دی ہے ابھی ان سے تعرض نہ کرنا نہ انہیں دیکھنا جب وہ نبی جلوہ فرما ہو اگر اللہ تعالیٰ تیرا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا یہ کہہ وہ مر گئے ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے مجھے ان دونوں ورقوں کے دیکھنے کا ثروت ہر چیز سے زیادہ تھا میں نے طاق کھولا ورق نکالے تو کیا دیکھا ہوں کہ ان میں لکھا ہے :

محمد رسول اللہ خاتم النبیین لا نبی بعدہ مولدہ بمکہ و مهاجرہ بطیبہ.

محمد اللہ کے رسول ہیں سب انبیاء کے خاتم ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی پیدائش مکے میں اور ہجرت مدینے کو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

احبار کی زبان پر ہجرت رسول کا تذکرہ

ابونعیم سعد بن ثابت سے راوی :

یہود بنی قریظہ و بنی نضیر کے علماء حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے جب سرخ ستارہ چمکا تو انہوں نے خبر دی کہ وہ نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کا نام پاک احمد ہے ان کی ہجرت گاہ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لا کر رونق افروز ہوئے یہود براہ حسد و بغاوت منکر ہو گئے۔ فلما جاء ہم ما عرفوا کفروا بہ فلعنة اللہ علی الکافرین.

ابونعیم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی میں نے مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے سنا کہ میں ایک روز بنی عبدالاشہل میں بات چیت کرنے گیا تو یوشع یہودی بولا اب وقت آگاہے ایک نبی کے ظہور کا جس کا نام احمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ حرم سے تشریف لائیں گے ان کا حلیہ و وصف یہ ہوگا میں اس کی باتوں سے تعجب کرتا اپنی قوم میں آیا وہاں بھی ایک شخص کو ایسا ہی بیان کرتے پایا میں بنی قریظہ میں گیا وہاں بھی ایک مجمع میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک ہو رہا تھا، ان میں سے زبیر بن باطا نے کہا:

قد طلع الکوکب الاحمر الذی لم یطلع الا لخروج نبی و ظہورہ و لم اجد الا

احمد و ہذہ مهاجرہ .

بے شک سرخ ستارہ طلوع ہو کر آیا یہ تارا کسی نبی ہی کی ولادت و ظہور پر چمکتا ہے اور اب میں کوئی نبی نہیں پاتا سوا احمد کے اور یہ شہران کی ہجرت گاہ ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت حاطب کی حاضر جوابی

مقوقس بادشاہ مصر نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (جب یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لے کر مقوقس کے دربار میں گئے) امتحاناً پوچھا کہ جب تم انھیں نبی کہتے ہو تو انھوں نے دعا کر کے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک فرما دیا جب انھوں نے ان سے ان کا شہر مکہ چھڑایا تھا حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کیا تو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول اللہ نہیں مانتا انھوں نے دعا کر کے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک کر دیا جب انھوں نے انھیں پکڑا اور سولی دینے کا ارادہ کیا تھا مقوقس بولا :

انت الحکیم الذی جاء من عند الحکیم

تم حکیم ہو کہ حکیم کامل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے آئے۔ اسے بیہتی نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

عبداللہ بن سلام کا اظہار خوشی

بیہتی دلائل میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہ چاہنا اور حضور کے صفت و نام و ہیئت اور جن جن باتوں کی ہم حضور کے لیے توقع کر رہے تھے سب پہچان لیں تو میں نے خاموشی کے ساتھ اسے دل میں رکھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے مجھے خبر رونق افروزی پہنچی میں نے تکبیر کہی میری پھوپھی بولی اگر تم موسیٰ بن عمران علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آنا سنتے تو اس سے زیادہ کیا کرتے میں نے کہا اے پھوپھی خدا کی قسم وہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں جس بات پر موسیٰ بیچھے گئے تھے اسی پر یہ بھی مبعوث

ہوئے، وہ بولی :

یا ابن اخی اھو النبی الذی کنا نخبر بہ انه یبعث مع الساعۃ .

اے میرے بھتیجے کیا یہ وہ نبی ہیں جن کی ہم خبر دیئے جاتے تھے کہ وہ قیامت کے ساتھ مبعوث ہوں گے میں نے کہا ہاں۔

خاتم المہاجرین

ابو یعلیٰ، طبرانی و شاشی و ابو نعیم فضائل الصحابہ میں اور ابن عساکر و ابن النجار حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موصولاً اور رویانی و ابن عساکر محمد بن شہاب زہری سے مرسلأراوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما عم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں (مکہ معظمہ سے) عرضی حاضر کی کہ مجھے اذن عطا ہو تو ہجرت کر کے (مدینہ طیبہ) حاضر ہو جاؤں اس کے جواب میں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمان نافذ فرمایا۔

یا عم قم مکانک الذی انت فیہ فان اللہ یختم بک الہجرۃ کما ختم بی النبوة .
اے چچا اطمینان سے رہو کہ تم ہجرت میں خاتم المہاجرین ہونے والے ہو جس طرح میں نبوت میں خاتم النبیین ہوں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضور کی آمد اور اہل مدینہ کا اظہار مسرت

امام احمد رضا بریلوی انتہائی والہانہ انداز میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچنے کی منظر کشی کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں :

اللہ اللہ! مدینہ طیبہ میں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے، زمین

وآسمان میں خیر مقدم کی صدا میں گونج رہی ہیں، خوشی و شادمانی ہے کہ درود یوار سے نیکی پڑتی ہے مدینے کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہو رہا ہے باچھیں کھلی جاتی ہیں دل ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے، سینوں پر جامے تنگ جاموں میں قبائے گل رنگ، نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے فرش سے عرش تک نور کا بقعہ بنا ہے اور پردہ نشین کنواریاں شوق دیدار محبوب کردگار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ

طلع البدر علينا

من ثنات الوداع



وجب الشکر علينا

مادع اللہ داع

بنی التجار کی لڑکیاں کوچے کوچے کو نغمہ سرائی ہیں کہ

نحن جوار من بنی النجار

یا حذا محمد من جار

(جزاء اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوة)

غار ثور میں صدیق کی جاں نثاری

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں جس عشق و عقیدت کا مظاہرہ کیا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک موقع پر امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :

جان کا رکھنا سب سے زیادہ فرض اہم ہے، امام الصدیقین اکمل الاولیاء والعارفین، سیدنا

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کو حفظ جان پر مقدم رکھا۔

سفر ہجرت میں جب آفتاب رسالت و ماہتاب صدیقیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برج ثور بیت الشرق قمر میں اجتماع نیرین کی طرح غار ثور پر جلوہ فرما ہوئے، صدیق اکبر نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! غار چند ہزار سال کا تھا، بہت سوراخ تھے صدیق نے سنگ ریزوں سے، پھر کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ان سے بند کیے ایک سوراخ رہ گیا اس میں پاؤں کا انگوٹھا رکھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلایا، حضور نے ان کے زانو پر سر انور رکھ کر آرام فرمایا۔ وہاں ایک سانپ مدت سے بہ تمنائے دیدار فائض الانوار حضور پر نور سید البرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رہتا تھا کہ اس نے قرون سابقہ میں علمائے امم سابقہ کو باہم ذکر کرتے سنا تھا کہ حضور اقدس نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت اور غار ثور میں اقامت فرمائیں گے۔ سانپ نے اپنا سر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انگوٹھے پر رگڑا انھوں نے جانا کہ سانپ ہے۔ مگر اس خیال سے کہ جان جائے مگر محبوب کی نیند میں خلل نہ آئے پاؤں نہ ہٹایا۔ یہاں تک کہ اس نے کاٹا صدیق نے بکمال ادب جنبش نہ کی مگر شدت ضبط کے باعث آنسو نکل کر رخسار محبوب رب العالمین پر پڑے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشم جاں فزا کھلی صدیق سے حال پوچھا عرض کی:

لدغت بابی و انت و امی یا رسول اللہ

یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے سانپ نے کاٹا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعاب دہن اقدس لگا دیا فوراً آرام ہو گیا۔

(ما خود از حیات اعلیٰ حضرت جلد اول)

اشعار

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ہجرت اور غار ثور وغیرہ سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

قسمت ثور و حرا کی حرص ہے
چاہتے ہیں دل میں گہرا غار ہم



جان ہیں جان کیا نظر آئے
کیوں عدو گرد غار پھرتے ہیں

(حدائق بخشش)



مسجد نبوی اور اس کی تعمیر

ہراک دیوار و در پر مہر نے کی ہے جسیں سائی
نگار مسجد اقدس میں کب سونے کا پانی ہے

رب انزلنی منزلاً مبارکاً وانزلت خیر المنزلیں

اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے

(سورۃ المؤمنون/۴۰)

مسجد نبوی اور اس کی تعمیر

مدینہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مسلمان باجماعت نماز پڑھ سکیں اس لیے مسجد کی تعمیر نہایت ضروری تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے قریب ہی بنو النجار کا ایک باغ تھا آپ نے مسجد تعمیر کرنے کے لیے اس باغ کو قیمت دے کر خریدنا چاہا۔ ان لوگوں نے یہ کہہ کر یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم خدا ہی سے اس کی قیمت (اجر و ثواب) لیں گے مفت میں زمین مسجد کی تعمیر کے لیے پیش کر دی لیکن چوں کہ یہ زمین اصل میں دو یتیموں کی تھی آپ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی زمین مسجد کے لیے نذر کرنی چاہی مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال سے آپ نے اس کی قیمت ادا فرمادی۔

اس زمین میں چند درخت، کچھ کھنڈرات اور کچھ مشرکوں کی قبریں تھیں آپ نے درختوں کے کاٹنے اور مشرکین کی قبروں کو کھود کر پھینک دینے کا حکم دیا پھر زمین کو ہموار کر کے خود آپ نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ اور کچی اینٹوں کی دیوار اور کھجور کے ستونوں پر کھجور کی پتیوں سے چھت بنائی جو بارش میں نیپکتی تھی۔

اس مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام کے ساتھ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور صحابہ کرام کو جوش دلانے کے لیے ان کے ساتھ آواز ملا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجز کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

اللہم لا خیر الا خیر الا خیرۃ

فاغفر الانصار و المهاجرة

اے اللہ بھلائی تو صرف آخرت ہی کی بھلائی ہے لہذا اے اللہ تو انصار و مهاجرین کو بخش دے۔

اسی مسجد کا نام ”مسجد نبوی“ ہے۔ یہ مسجد ہر قسم کی دنیاوی تکلفات سے پاک اور اسلام کی سادگی کی پچی اور صحیح تصویر تھی۔ اس مسجد کی عمارت اول طول و عرض میں ۶۰/۶۰ ساٹھ گز لمبی اور ۵۴/۵۴ چوڑی تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا تھا۔ مگر جب قبلہ بدل کر اربعہ کی طرف ہو گیا تو مسجد کے شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کیا گیا اس کے بعد مختلف زمانوں میں مسجد نبوی کی تجدید و توسیع ہوتی رہی۔

ازواج مطہرات کے مکانات

مسجد نبوی کے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لیے حجرے بھی بنوائے۔ اس وقت تک حضرت بی بی سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکاح میں تھیں اس لیے دو ہی مکان بنوائے۔ جب دوسری ازواج مطہرات آتی گئیں تو دوسرے مکانات بننے لگے یہ مکانات بھی بہت ہی سادگی کے ساتھ بنائے گئے تھے۔ دس دس ہاتھ لے، چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے، کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کی پتیوں کی چھت، وہ بھی اتنی نیچی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا، دروازوں میں کواڑ بھی نہ تھے، کبل یا ناٹ کے پردے پڑے رہتے تھے۔

اللہ اکبر یہ ہے شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ کاشانہ نبوت جس کی آستانہ بوسی اور درباری جبریل علیہ السلام کے لیے سرمایہ سعادت اور باعث افتخار تھی۔

مہاجرین کے گھر

مہاجرین جو اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے ان لوگوں کی سکونت کے لیے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی ہی کے قرب و جوار میں انتظام فرمایا۔ انصار نے بہت بڑی قربانی دی کہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے اپنے مکانات اور زمینیں دیں اور مکانات کی تعمیرات میں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی جس سے مہاجرین کی آباد کاری میں بڑی سہولت ہو گئی۔

سب سے پہلے جس انصاری نے اپنا مکان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور ہبہ کے نذر کیا اس خوش نصیب کا نام نامی حضرت حارثہ بن نعمان ہے چنانچہ ازواج مطہرات کے مکانات حضرت حارثہ بن نعمان ہی کی زمین میں بنائے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

منبر شریف

ہجرت کے آٹھویں یا ساتویں سال مسجد نبوی شریف میں منبر بنایا گیا جس میں کھڑے ہو کر آپ خطبہ دیتے تھے اس سے پہلے منبر نہ تھا اور منبر شریف کے بننے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور جب منبر بن گیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس منبر پر تشریف لائے تو وہ ستون حضور کے فراق میں رونے لگا۔ یہ حدیث مشہور اور حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہے۔

محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف کے بننے سے پہلے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو خطبہ عالی رتبہ سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر شریف بنا تو روز جمعہ ستون کے آگے سے گزر کر منبر پر تشریف لائے جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز مبارک سنی اور حضور کو اپنے آگے نہ پایا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ستون ایسا روتا تھا جیسے کسی اونٹ کا بچہ گم ہو جائے اور وہ اونٹ روئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بچہ ماں کو بلانے کے لیے جس طرح روتا ہے وہ ایسا روتا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اس شخص کی مانند روتا ہے جس کا محبوب و معشوق اس سے جدا ہو جائے اور وہ اس کی محبت میں روئے۔ چنانچہ اس ستون کے رونے سے حاضرین مسجد کے دل بھر آئے اور وہ بھی رونے لگے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس طرح اس نے آہ وزاری کی کہ وہ پھٹ گیا چنانچہ حاضرین کو گمان ہوا

کہ وہ گر پڑے گا اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے، بعض اپنی جگہ سے اچھل پڑے، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف سے اترے اور اس ستون کے پاس تشریف لے گئے اور اس پر دست اقدس رکھ کر اس کو آغوش مبارک سے لپٹا لیا اور فرمایا اگر تو چاہے تو تجھے باغ میں لوٹا دیں اور تجھے اپنی جگہ جمادیں تاکہ تو دوبارہ سرسبز و شاداب ہو کر پھل دے اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت کی زمین میں جمادیں تاکہ تو جنت کی کیاریوں اور اس کے چشموں کے پانی سے سیراب ہو اور انبیاء و اولیاء اور صلحاء تیرے پھل تناول فرمائیں۔

جتنی دیر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ستون کو اپنے آغوش مبارک میں لیے رہے فرماتے

۔۔۔

نعم قد فعلت نعم قد فعلت .

ہاں میں نے کیا ہاں میں نے کیا۔

صحابہ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ کیا کہتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا جنت میں؟ تو اس نے جنت میں رہنا پسند کیا اس پر میں نے کہا قد فعلت .

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان هذا قد بکی لما فقد من الذکر .

یہ ستون ذکر سے محرومی کی بنا پر رویا ہے۔

منبر شریف اٹل غابہ کی لکڑی کا بنایا گیا۔ اٹل ایک درخت کا نام ہے جو چوب گز کے مشابہ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابہ ایک جنگل کا نام ہے جہاں بہت درخت ہیں مدینہ طیبہ سے نو میل کے فاصلہ پر ہے۔

منبر شریف کا طول بقول صحیح دو گز تھا اور چوڑائی ایک گز۔ ہر سیڑھی کی چوڑائی ایک بالشت تھی، خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ تک یہ منبر اپنے حال پر رہا۔ سب سے پہلے جس نے اس پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا وہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے اپنی خلافت کے چھ سال بعد نجلی سیڑھی سے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا اس سیڑھی پر کھڑے ہونے لگے جو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلوس مبارک کی جگہ تھی، اور سبب یہ بتایا کہ آقا اور خادم میں مساوات کا امکان ہی نہیں بر خلاف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشست گاہ کے کہ وہاں تو ہم مساوات ممکن ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی امارت کے زمانہ میں سب سے پہلے منبر شریف پر غلاف چڑھایا۔ جس وقت کہ شام سے مدینہ منورہ آئے اور پناہ کے منبر رسول کو وہاں سے شام منتقل کر کے لے جائیں جب انہوں نے منبر شریف کو اپنی جگہ سے ہلایا تو ایسی تاریکی پھیلی کہ سارا شہر تاریک ہو گیا، آفتاب کو گہن لگا حتیٰ کہ دن میں ستارے نظر آنے لگے کہ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خیال محال سے باز آگئے اور پشیمان ہو کر صحابہ کرام سے معذرت خواہی کرنے لگے میرا مقصد اس کی دیکھ بھال تھی کہ اسے گھن وغیرہ تو نہیں لگا۔ اس کے بعد چھ درجے اور بڑھائے اور منبر شریف کو اس کے اوپر رکھا تا کہ بلند ہو جائے اور تمام حاضرین مسجد خطیب کو دیکھ سکیں۔ جیسا کہ تاریخ مدینہ میں ہے۔

روضۃ الاحباب میں اس طرح منقول ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے مروان کو جو مدینہ کا حاکم تھا لکھا کہ منبر شریف کو مدینہ طیبہ سے شام منتقل کر دے، ممکن ہے کہ پہلے مروان کو بھی لکھا ہو اور جب وہ خود شام سے مدینہ منورہ آئے تو خود انہوں نے ایسا ارادہ کیا ہو یا اس کے بعد مروان کو

لکھا ہو۔ (مولف)

(مدارج النبوة جلد دوم۔ سیرت مصطفیٰ)

منبر رسول کا مقام

بخاری اور مسلم میں ہے:

ما بین بنتی و منبری روضة من رهاض الجنة

میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

اور بعض روایتوں میں ہے کہ:

ما بین قبری و منبری و زاد البخاری و منبری علی حوضی .

میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے اور بخاری نے زیادہ کیا ہے کہ میرا منبر میرے حوض

پر ہے۔

اور بعض روایتوں میں ہے:

و ان منبری علی ترعة من ترع الجنة

بیشک میرا منبر جنت کے ترعوں میں سے ایک ترعہ کے اوپر ہے۔

ترعہ کی تفسیریں مختلف ہیں۔

بعض نے اس کی تفسیر دروازے سے کی ہے بعض نے زینہ سے اور بعض نے اس باغ سے کی ہے

جو بلند جگہ پر واقع ہو۔

ایک دن سرود عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف پر کھڑے تھے فرمایا کہ اس وقت میرا قدم

جنت کے ترعوں میں سے ایک ترعہ پر ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا میں اس وقت اپنے حوض کے عقر پر کھڑا ہوں۔

عقر وہ مقام ہے جہاں سے حوض میں پانی آتا ہے۔

منبر شریف کے نزدیک جھوٹی قسم کھانے والے پر سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر منبر شریف کے پاس کوئی شخص اس غرض سے جھوٹی قسم کھائے کہ کسی مسلمان کا حق تلف کرے گا تو وہ دوزخ میں جانے کے لیے تیار رہے۔

حدیث میں آیا ہے :

فعلیہ لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعین .

اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔

بعض حدیثوں میں آیا ہے :

ما بین حجرتی و مصلاتی روضة من ریاض الجنة .

میرے حجرے اور میرے مصلے کے درمیان میں جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔

بعض تو یہ کہتے ہیں کہ منبر کا حوض پر ہونا اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کے پاس نیک عمل کیے جاتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ اس وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوض پر پہنچ کر اس کا پانی پینے کو ملے گا۔

اور بعض دوسرے علماء کا خیال ہے کہ وہ منبر شریف جس کو سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

اپنے قدم سے مشرف فرمایا ہے کل بروز قیامت جس طرح تمام مخلوق وہاں جمع ہوگی یہ منبر بھی جس کو ترے جنت کہا گیا ہے حوض کے کنارے رکھا جائے گا تعظیماً لنبیہ و تنویہاً لشانہ (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور شان کے لیے)

ایک جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ یہ خبر اس منبر کے لیے ہے جو قیامت کے دن سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حوض پر اس منبر کے علاوہ دوسرا منبر رکھا جائے گا۔

لیکن یہ قول حدیث کی عبارت سے بالکل علیحدہ ہے کیوں کہ آپ تو فرماتے ہیں کہ میرے منبر اور میرے حجرے کے درمیان ایک روضہ ہے ریاض جنت سے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ اس کلام سے تو یہی منبر سمجھا جاتا ہے۔ (مولف)

(جذب القلوب الی دیار المحبوب)

مسجد نبوی کی مشعلیں

مسجد نبوی شریف کی مشعلوں سے متعلق امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

عالم مدینہ طیبہ امام اجل سید ابوالحسن علی نور الدین بن عبد اللہ سمودی مدنی قدس سرہ معاصر امام اجل جلال الملہ والدین سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ نے (کہ دونوں حضرات کی وفات شریف ۹۱۱ھ میں ہوئی) کتاب مستطاب خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصنیف ۸۹۳ھ کے باب رابع کی شانزدہ گانہ فصلوں میں فصل ۱۱ روضۃ اقدس کے تزک و احتشام و شیشہ آلات و سامان روشنی کے بیان میں وضع فرمائی اور فصل ۱۲ مسجد مقدس کے ستونوں، چراغوں وغیرہ کے بیان میں جدا لکھی۔ اس فصل مسجد میں فرمایا:

بصحن مسجد اربع مشاعل تشعل فی لیالی الزیارات المشہورۃ و ما علمت

اول من احدثها و بالمسجد سلاسل کثیرۃ للقنادیل عملت بعد الحریق المرتب للوقوف

منها يزيد و ينقص لما لا يخفى .

مسجد کریم کے صحن میں چار مشعلیں ہیں کہ زیارت کی مشہور راتوں میں روشن کی جاتی ہیں اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ اول اول یہ مشعلیں کس نے رکھیں۔ اور مسجد میں قندیلوں کی بہت زنجیریں ہیں کہ آتشزدگی کے بعد بنیں اور ان کی روشنی کا رات بگھٹتا بڑھتا ہے جس کا سبب ظاہر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۱۵۵۔ بریق المنار)

زمانہ ولید میں تعمیر اور قدم مبارک کا ظاہر ہونا

و قد انكشفت قدم لما انهدم جدار الحجرة الشريفة في زمن الوليد ففزع الناس و ظنوا انها قدم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فاوجدوا احدا يعلم ذلك حتى قال لهم عروة لا والله ما هي قدم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ما هي الا قدم عمر رضى الله تعالى عنه كما في صحيح البخارى .

ولید کے زمانہ میں جب (مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے) حجرہ مقدسہ کی دیوار کو توڑا گیا تو قدم مبارک ظاہر ہو گیا جس سے لوگ گھبرا گئے اور سمجھا کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے پھر سب لوگوں کو جمع کر کے اسے بتایا گیا یہاں تک کہ عروہ نے لوگوں سے کہا کہ خدا کی قسم یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم مبارک نہیں ہے یہ تو امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ۴/۱۰۱)

مسجد نبوی میں چالیس نمازیں

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسے میری مسجد میں چالیس نمازیں

فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ و نفاق سے آزادیاں لکھی جائیں۔ (فتاویٰ رضویہ ۳/۷۲۳۔ انوار البشارۃ)

مسجد نبوی میں نماز کا ثواب

حدیث: میری اس مسجد میں نماز اور مسجدوں کی ہزار نماز سے افضل ہے سوا مسجد الحرام کے۔

اسے احمد وائمہ ستہ نے روایت کیا ہے۔ (النیرۃ الوضیۃ شرح الجوهرة المفضیۃ)

مسجد نبوی کا طول و عرض

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مسجد مبارک حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں جنوباً شمالاً یعنی دیوار قبلہ سے پائیں مسجد تک سو گز طول رکھتی تھی اور اسی قدر شرقاً و غرباً عرض تھا اور پائیں یعنی جانب شمال ایک مسقف دالان جنوب رو یہ تھا جسے صفہ کہتے اور اہل صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں سکونت رکھتے یہ بھی جزء مسجد تھا۔

علامہ رحمۃ اللہ سندی تلمیذ امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام نسک متوسط اور مولانا علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقطط میں فرماتے ہیں:

(حدہ) ای حدود المسجد الاول من المشرق من وراء المنبر نحو مائة ذراع و من المغرب الاسطوانة الخامسة من المنبر و من الشام حيث ينتهي مائة ذراع من محرابه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و هو معلوم لاهل المدينة بالعلامة الموضوعه . اهـ ملخصاً.

مسجد اول کے حدود جانب مشرق سے منبر کے علاوہ سو گز ہے اور جانب مغرب منبر اطہر سے پانچواں ستون اور جانب شام سے جہاں مسجد ختم ہوتی ہے محراب اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سو گز ہے اور اہل مدینہ کو وہاں رکھی ہوئی علامت سے یہ معلوم ہے۔ (مولف)

علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

اهل الصفة فقراء المهاجرين و من لم يكن له منهم المنزل يسكنه فكانوا يابون
الى مظلل في مسجد المدينة .

صفہ والے مہاجرین کے فقراء تھے اور اصحاب صفہ میں سے جن کے لیے رہنے کا گھر نہ تھا وہ مسجد
مدینہ کی ایک سایہ دار جگہ میں رہتے تھے۔

(مؤلف)

صحیح بخاری شریف میں ہے :

(باب نوم الرجال في المسجد) و قال ابو قلابة عن انس رضى الله تعالى عنه
قدم رهط من عكل على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فكانوا في الصفة.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ عکل کی ایک جماعت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئی تو وہ لوگ مسجد نبوی کے چبوترے میں رہتے تھے۔

(مؤلف)

وقال عبد الرحمن بن ابي بكر رضى الله تعالى عنهما قال كان اصحاب
الصفة الفقراء .

عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ چبوترہ میں رہنے والے لوگ فقراء تھے۔

(مؤلف)

علامہ احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں :

الصفة بضم الصاد و تشدید الفاء موضع مظل في اخريات المسجد النبوي
تاوى اليه المساكين .

صفہ صاد کے پیش اور فاء کی تشدید کے ساتھ وہ سایہ دار جگہ جو مسجد نبوی کے آخر میں تھی جہاں پر مسائین ربا کرتے تھے۔ (مولف)

اب مشاہدہ کرنے والا جانتا ہے کہ محراب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ محراب امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانب شمال ہے پائیں مسجد کو پیمائش کرتے آئے تو سوگز کی مساحت ایک حصہ صحن میں آئی اور قطعاً معلوم کہ زمانہ اقدس میں جس قدر بنائے مسجد تھی اس میں کمی نہ ہوئی بلکہ افزونیاں ہی ہوتی آئیں تو واجب کہ اس وقت بھی یہ سوگز مع محن تھی اور جب کہ صفہ تک جزء مسجد تھا۔

(فتاویٰ رضویہ ۳/۵۷۹۔ التبصیر المنجد)

مسجد نبوی کی تعمیر حضور نے فرمائی

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مسجد مدینہ طیبہ بنا فرمائی تو وہ ایک نخلستان تھا جس میں شریکین دفن ہوتے تھے فامر بقبور المشرکین۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مشرکوں کی قبریں کھود کر وہ نجس مٹی پھینک دی گئی پھر وہاں مسجد کریم تعمیر فرمائی۔ جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۴۳۶)

مسجد نبوی کے تین دروازے تھے

مسجد نبوی کے دروازوں کا تعین کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی ارشاد فرماتے ہیں :

زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صرف ایک اذان ہوتی تھی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے حضور کے سامنے مواجہ اقدس میں مسجد کریم کے

دروازہ پر، زمانہ اقدس میں مسجد شریف کے صرف تین دروازے تھے ایک مشرق کو جو حجرۃ شریفہ کے متصل تھا جس میں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اس کی سمت پر ایک باب جبرئیل ہے دوسرا مغرب میں جس کی سمت پر اب باب الرحمتہ ہے، تیسرا شمال میں جو خاص محاذی منبر اطہر تھا۔

صحیح بخاری شریف میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے :

دخل رجل يوم الجمعة من باب كان وجاه المنبر و رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قائم يخطب فاستقبل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قائما فقال يا رسول الله . الحديث .

ایک آدمی جمعہ کے دن اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر اطہر کے سامنے تھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اس شخص نے کھڑے ہو کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الحديث۔

اس دروازے پر اذان جمعہ ہوتی تھی کہ منبر کے سامنے بھی ہوئی اور مسجد سے باہر بھی۔ زمانہ صدیق اکبر و عمر فاروق و ابتدائے خلافت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہی ایک اذان ہوتی رہی جب لوگوں کی کثرت ہوئی اور شتابی حاضری میں قدرے کسل واقع ہوا امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اذان شروع خطبہ سے پہلے بازار میں دلوانی شروع کی۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۴۹۵)

حضرت عثمان نے مسجد نبوی میں توسیع کی

جامع ترمذی شریف میں امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

رحم اللہ عثمان زاد فی مسجد ناحتی و معنا هذا مختصر .

اللہ تعالیٰ عثمان پر رحمت فرمائے اس نے ہماری مسجد شریف بڑھادی یہاں تک کہ اس میں ہم سب نمازیوں کی وسعت ہوگئی۔
(فتاویٰ رضویہ ۳/۱۳۷)

منبر رسول اور اس کا احترام

منبر رسول کے زینے اور اس کے ادب و احترام سے متعلق امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

منبر خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنوایا اور اس پر خطبہ فرمایا: جیسا کہ صحیحین وغیرہما میں سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔

منبر اقدس کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں۔

رد المحتار میں ہے:

منبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ثلث درج غیر المسماة بالمستراح .

منبر اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تین زینے تھے اوپر کے اس تختے کے علاوہ جس پر بیٹھتے تھے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درجہ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے۔

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے پر پڑھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر۔

جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا، سب پوچھا گیا فرمایا اگر

دوسرے پر بیٹھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر

ہوں لہذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں۔

اصل سنت اول و وجہ پر قیام ہے

و ما فعله الصديق فكان تادبا منه مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم و ما

فعل الفاروق فكان تادبا مع الصديق رضى الله تعالى عنهما

اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کا

ادب و احترام ہے اور جو عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ

ان کا ادب ہے۔ (مولف)

بلندی منبر سے اصل مقصود یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اس کی آواز سنیں۔

(فتاویٰ رضویہ ۳/۷۰۰)

حدیث عبد اللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے کہ انھوں نے منبر انور سرور اطہر صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے موضع جلوس اقدس کو اپنے چہرے سے لگایا۔

نافع نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کو سلام

کرتے ہوئے سو مرتبہ یا اس سے بھی زائد دیکھا آپ قبر پر تشریف لاتے اور کہتے نبی علیہ السلام اور ابو بکر کو

سلام ہو، پھر واپس چلے جاتے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ منبر پر حضور کے بیٹھنے کی جگہ کو مس کر کے اپنے چہرے

سے لگاتے تھے۔

یہ دونوں حدیثیں امام ابن سعد نے کتاب الطبقات میں روایت کیں۔

(ابن المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال)

مسجد نبوی کی توصیف میں امام احمد رضا بریلوی یوں گویا ہیں :

ہر ایک دیوار و در پر مہر نے نَہ ہے جسیں سائی
نگار مسجد اقدس میں کب ہونے کا پانی ہے

(حدائق بخشش)



اذان کی ابتدا

رَأَيْتَ نَحْمًا حَلَبَ تَوْبَاهُ إِخْفَرَاهُ فَاسْتَبَدَّ الْقَبْلَةُ فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ (الفتح) فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا لَرَوَا حَمَلًا نَاءَ اللَّهُ تَعَالَى
 سبز لباس میں ملبوس ایک شخص نے قبلہ کی طرف رخ کر کے اذان دی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک یہ خواب حق ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔
 (سیرت بن ہشام ۲/۱۷۷)

اذان کی ابتداء

اذان مدینہ طیبہ میں ۱۰ھ میں شروع ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ ۲۰ھ میں ہوئی اور مشہور یہ ہے کہ تعیین وقت کے سلسلے میں جس میں سب نماز کے لیے جمع ہو جائیں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باہم مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ کیا صورت اختیار کی جائے؟

- کسی نے کہا کہ ناقوس بجانا چاہیے جس طرح کہ نصاریٰ نماز کے لیے بجاتے ہیں۔
- کسی نے کہا کہ یہودیوں کی طرح قرن یعنی سینگ پھونکنا چاہیے۔
- کسی نے کہا کسی بلند جگہ پر آتش روشن کرنی چاہیے۔

سب نے ان چیزوں کو ناپسند کیا اس پر عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کو صاحب الاذان کہتے ہیں خواب میں دیکھا کہ ایک مرد آسمان سے نیچے آیا اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے، عبد اللہ بن زید نے اس سے کہا اے بندۂ خدا اس ناقوس کو بیچتے ہو؟ اس نے کہا تم اس کا کیا کرو گے انھوں نے کہا میں اس سے لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤں گا۔ اس نے کہا میں تم کو اس سے بہتر چیز سکھاتا ہوں تو اس نے اللہ اکبر، اللہ اکبر آخر تک مخصوص کیفیت کے ساتھ سکھایا، اسی طرح اقامت بھی سکھائی۔

جب انھوں نے صبح کی تو اپنا خواب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا، حضور نے فرمایا لرویا حق انشاء اللہ یقیناً انشاء اللہ تعالیٰ یہ خواب حق ہے۔

جاؤ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ کیوں کہ ان کی آواز بلند تر، نرم تر اور شیریں تر ہے۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذان سنی تو دوڑتے ہوئے اور اپنی چادر کھینٹتے ہوئے آئے عرض کی یا رسول اللہ میں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہے جو عبد اللہ بن زید نے بیان کیا اس

پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا **اللہ الحمد** .

اگر ایسا ہی ہے تو ان دونوں خواب میں یا تمہارے خواب کی موافقت پر اللہ تعالیٰ ہی کو حمد ہے کہ اس نے اپنی طرف سے الہام فرمایا اور صدق و صواب کا راستہ دکھایا۔

بعض روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی خواب دیکھا تھا۔ امام غزالی نے فرمایا کہ دس صحابہ نے دیکھا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ چودہ صحابہ نے دیکھا تھا جن میں سے سات صحابی انصار میں سے تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں آئے تو جواب دینے میں تاخیر فرمائی کیوں کہ اس سے قبل اس کی وحی آ رہی تھی۔

اور امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے اور سر پر پردہ عزت میں حاضری ہوئی جو کہ کبریائے حق کا محل خاص تھا وہاں ایک فرشتہ نمودار ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل سے دریافت کیا یہ فرشتہ کون ہے؟ جبریل نے عرض کیا کہ قسم ہے اس خدائے ذوالجلال کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں بارگاہ رب العزت میں سب سے زیادہ مقرب بندہ ہوں میں نے اس فرشتہ کو اس ساعت سے پہلے جب سے کہ مجھے پیدا کیا گیا ہے نہیں دیکھا۔ پھر اس فرشتے نے کہا: **اللہ اکبر، اللہ اکبر**۔ پردہ جلال کے پیچھے سے آواز آئی میرے بندے تو نے سچ کہا میں اکبر ہوں اس کے بعد اذان کے بقیہ کلمات کو بیان کیا۔

تحقیق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج میں اذان کے کلمات کو سنا لیکن حکم نہ ہوا کہ ان کلمات اذان کو نماز کے لیے کہا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بغیر اذان کے نماز ادا فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور یہاں اس باب میں صحابہ کے ساتھ مشورہ کیا۔ بعض صحابہ نے اذان کو خواب میں سنا اس پر وحی آئی کہ ان کلمات کو جو آسمان پر سنا تھا زمین پر اذان کا طریقہ اختیار کرو۔ (مولف) (مدارج النبوة جلد اول)

عبداللہ بن زید نے خواب میں اذان دیکھی

ابتداءً اذان کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں :

مسند احمد و سنن ابی داؤد وغیرہما میں عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث تعلیم اذان میں ہے فرشتے نے کہا یوں کہا کرو:

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر ، أشهد أن لا إله إلا الله ، أشهد أن لا إله إلا الله أشهد أن محمد رسول الله أشهد أن محمد رسول الله ، حي على الصلاة ، حي على الصلاة ، حي على الفلاح ، حي على الفلاح ، الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله .
عبداللہ بن زید نے فرمایا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں نے عرض کی حضور نے فرمایا:

ان هذه لرؤيا حق انشاء الله تعالى ثم امر بالتأذين فكان بلال مولیٰ ابی بکر یؤذن بذلك .

انشاء اللہ تعالیٰ یہ خواب بیشک حق ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال مولیٰ ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اذان کا حکم دیا۔ (فتاویٰ رضویہ ۲/۴۷۳)

ابوالشیخ کتاب الاذان میں روایت کرتے ہیں :

عن عبد الله بن زيد الانصاري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیت فیما یری النائم
کان رجلا علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول اللہ اکبر اللہ اکبر اربعا .
الحديث

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ
ایک شخص سبز جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر الخ (مولف)
و فی اخرى عنہ رأیت رجلا علیہ ثوبان اخضران و انا بین النوم و الیقظان فقام
علی سطح المسجد فجعل اصبعہ فی اذنیہ و نادى ، الحديث .

دوسری روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نیم خوابی
کی حالت میں ایک شخص کو سبز جوڑا پہنے ہوئے دیکھا کہ وہ مسجد کی چھت پر کھڑا اپنے کانوں میں انگلیاں
ڈالے ہے اور ندادے رہا ہے یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر الخ (مولف)

ابوداؤد و ابوبکر بن ابی شیبہ کی حدیث میں ہے :

جاء رجل من الانصار فقال يا رسول الله رأیت رجلا کان علیہ ثوبان اخضران
فقام علی المسجد فاذن .

ایک انصاری نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی میں نے ایک
آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دو ہرے رنگ کے کپڑے تھے اس نے مسجد پر کھڑے ہو کر اذان دی۔ (مولف)
ابوبکر بن ابی شیبہ کی دوسری روایت اور ابوالشیخ کی کتاب الاذان میں ہے۔

ان عبد الله بن زيد الانصاري جاء الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال يا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رأيت في المنام كان رجلا و عليه بردان اخضران على جذمة حائط فاذن ، الحديث .

عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے دیکھا جو کہ ایک منہدم دیوار پر کھڑے ہو کر اذان دے رہا تھا۔
(مولف)

سنن سعید بن منصور میں عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے ہے :

ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اهتم للصلوة كما يجمع الناس لها فانصرف عبد الله بن زيد فرأى الاذان في منامه فلما اصبح غدا فقال يا رسول الله رأيت رجلا على سقف المسجد و عليه ثوبان اخضران ينادى بالاذان ، الحديث .

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لیے جمع کیا۔ حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی، دوسرے روز صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی سبز جوڑا پہنے چھت پر اذان دے رہا تھا۔ (مولف) (شائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر)

پہلی اذان

ابن ماجه عن عبد الله بن زيد رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ان صاحبكم قد راى رؤيا فاخرج مع بلال الى المسجد فالفها عليه و ليناد بلال فانه اندى صوتا منك قال فخرجت مع بلال الى المسجد فجعلت القيها

علیہ و ہوینادی بہا۔

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے تو اے عبداللہ، بلال کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ تم تلقین کرو اور وہ پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دہراتے۔ (مولف)

نوار کے گھر کی چھت پر اذان

طبقات ابن سعد میں ہے: عن نوار ام زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالت کان بیتی اطول بیت حول المسجد فكان بلال یؤذن فوقہ من اول ما یؤذن الی ان بنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المسجد فكان یؤذن بعد علی سقف المسجد و قد رفع له شیء فوق ظہرہ .

حضرت زید بن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداء سے اسی پر اذان دیتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد بنالی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کر دیا تو اسی پر اذان دینے لگے۔ (مولف)۔ (شائم العنبر)

سفر میں اذان

امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں :

صحیح بخاری شریف کی حدیث باب الاذان للمسافر میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم

ایک سفر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس تھے موذن نے اذان ظہر دینی چاہی فرمایا ابرد وقت ٹھنڈا کر۔

کچھ دیر کے بعد پھر موذن نے اذان دینی چاہی فرمایا ابرد وقت ٹھنڈا کر۔ دیر کے بعد موذن نے سہ بارہ اذان کا ارادہ کیا فرمایا ابرد وقت ٹھنڈا کر، اور یوں ہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے حتیٰ ساوی الظل التلول یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔ اس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے تو جب گرمی سخت ہو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو۔

(فتاویٰ رضویہ ۲/۲۵۵)

یہی مضمون دوسرے مقام پر اس طرح ہے :

كنا مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في السفر فاراد المودن ان يؤذن الظهر فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ابرد ثم اراد ان يؤذن فقال له ابرد حتى رايانا في التلول . الحديث .

ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے موذن نے ارادہ کیا کہ ظہر کی اذان دے حضور نے ارشاد فرمایا ٹھنڈا کر پھر چاہا کہ اذان دے پھر فرمایا ٹھنڈا کر یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھے۔

اور مسلم میں ابراہیم کے طریق میں شعبہ سے موذن کا تین بار ارادہ اور حضور کا یہی حکم فرمانا وارد

(فتاویٰ رضویہ ۲/۴۴۲)

ہوا۔

حضور کی اذان

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذان سے متعلق ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا

بریلوی فرماتے ہیں :

در مختار اور ضیاء مقدسی میں ہے :

انه عليه الصلاة والسلام اذن في سفر بنفسه و اقام و صلى الظهر .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں بذات خود اذان و اقامت کہی اور نماز

(مولف)

پڑھی۔

ترمذی میں ہے :

انه صلى الله تعالى عليه وسلم اذن في سفر و صلى اصحابه .

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں اذان دی اور اپنے اصحاب کی امامت فرمائی۔

(مولف)

تحفہ امام ابن حجر مکی میں ہے :

انه صلى الله تعالى عليه وسلم اذن مرة في سفر فقال في تشهد اشهد اني

رسول الله .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تو کلمہ شہادت میں فرمایا: اشهد

(فتاویٰ رضویہ ۲/۳۶۷)

انی رسول اللہ . (مولف)

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود اذان دی ہے یا

نہیں؟

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں تھے آپ اور آپ کے صحابہ

سب سوار تھے اوپر بارش تھی اور نیچے کچھڑ اور کچھڑ کی وجہ سے سواری سے نیچے اترنا دشوار تھا اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان کہی اور سب نے سوار یوں پر ہی نماز ادا کی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ اذان کہنے سے مراد یہ طریق مجاز اذان کا حکم دینا ہے۔

اور مسند امام احمد اور دارقطنی کی روایت میں اس کی صراحت بھی آئی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان کہنے کا حکم فرمایا۔ (مولف)

(مدارج النبوة جلد اول)

حضور کو اذان کی تعلیم

بزار حضرت امیر المؤمنین مولیٰ المسلمین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی :

حق جل وعلا نے اپنے رسول کو اذان سکھانی چاہی جبریل براق لے کر حاضر ہوئے حضور سوار ہو کر اس حجاب عظمت تک پہنچے جو رحمن جل مجدہ کے نزدیک ہے پردے سے ایک فرشتہ نکلا اور اذان کہی، حق جل وعلا نے ہر کلمہ پر موذن کی تصدیق فرمائی پھر فرشتے نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست اقدس تھام کر حضور کو آگے کیا حضور نے تمام اہل سماوات کی امامت فرمائی جن میں آدم و نوح علیہما الصلاۃ والسلام بھی شامل تھے اس روز حق تبارک و تعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شرف تمام اہل آسمان و زمین پر کامل کر دیا۔

اسی کی مثل ابو نعیم نے بطریق امام محمد بن حنفیہ ابن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کی اس کے اخیر میں ہے۔

ثم قيل لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم تقدم فام اهل السماء فتم له الشرف على سائر الخلق.

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا گیا آگے بڑھے حضور نے تمام اہل آسمان کی امامت فرمائی اور جمیع مخلوقات الہی پر حضور کا شرف کامل ہوا۔
(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین)



حضور علیہ السلام کا یہودیوں سے

تاریخی معاہدہ

اور انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يهاجروا مَالَكُمْ مِنْ دَوْلَتِهِمْ مِنْ نَحْيٍ هُنَّ يهاجروا دَوْلَتَهُمْ وَكَمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ
 (النحل 106) بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مَبْنَانٌ

اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہیں ان کا ترکہ کچھ نہیں پہنچتا جب تک ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین
 میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے، مگر ایسی قوم پر کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے۔ (الانفال)

حضور علیہ السلام کا یہودیوں سے تاریخی معاہدہ

مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں کی ایک طاقتور جمعیت موجود تھی وہ معاشی لحاظ سے بھی خوش حال تھے اور اہل کتاب ہونے کے باعث علمی طور پر بھی اوس و خزرج پر فوقیت رکھتے تھے۔ یہاں کے معاشرہ میں اس وقت تک اتحاد اور ایک رگی پیدا نہیں ہو سکتی تھی جب تک ان یہودیوں کو بھی اپنے ساتھ نہ ملایا جاتا۔ نیز اسلام کے اولین دشمن رؤسا مکہ ابھی تک مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے تھے اور کسی وقت بھی وہ اس چھوٹی سی بستی پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ ان تمام اندرونی اور بیرونی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک وسیع البیہ منشور کی ضرورت تھی اس لیے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایسی دستاویز تیار کی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ یہاں کے یہودیوں کو بھی شامل کیا گیا۔ اس دستاویز کے ذریعہ مدینہ طیبہ کے جملہ باشندوں کا بلا امتیاز مذہب و قومیت اندرونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک اتحاد عمل میں لایا گیا۔ اس منشور کا ترجمہ یہ ہے :

(۱) یہ تحریری دستاویز ہے اللہ کے نبی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی قریش، یثرب کے اہل ایمان اور ان لوگوں کے باب میں جو ان کے اتباع میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔

(۲) یہ (تمام گروہ) دنیا کے (دوسرے) لوگوں سے ممتاز و متمیز ایک علیحدہ (سیاسی) وحدت متصور ہوں گے۔

(۳) مہاجرین جو قریش میں سے ہیں علیٰ حالہ دیتوں اور خوں بہاؤ وغیرہ کے یہ معاملات میں اپنے قبیلہ کے طے شدہ رواج پر عمل کریں گے اپنے قیدیوں کو مناسب فدیہ دے کر چھڑائیں گے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں گے۔

(۴) اور بنو عوف بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خوں بہا وغیرہ کا طریقہ ان میں حسب سابق قائم رہے گا ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

(۵) اور بنو حارث بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خوں بہا کا طریقہ ان میں حسب دستور سابق رہے گا ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

اسی طرح بنو ساعدہ، بنو حسم، بنو نجار، بنو عمرو بن عوف، بنو البیت، اور بنو الاوس بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے ان میں خون بہا کا جو طریقہ رائج ہے حسب دستور وہی باقی رہے گا ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

(۶) اہل ایمان اپنے کسی زیر بار قرض دار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ قاعدہ کے مطابق فدیہ دیت اور تاوان ادا کرنے میں اس کی مدد کریں گے۔

(۷) کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو کوئی مومن حلیف نہ بنائے گا۔

(۸) تمام تقویٰ شعار مومنین متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی کرے، ظلم، گناہ اور تعدی کے جھکنڈوں سے کام لے اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلانے ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۹) کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کرے گا۔

(۱۰) اللہ کا ذمہ اور پناہ سب کے لیے یکساں ہے ادنیٰ ترین مسلمان بھی کافر کو پناہ دے سکتا ہے اہل

ایمان دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں باہم بھائی اور مددگار و کارساز ہیں۔

(۱۱) یہودیوں میں سے جو بھی ہمارا اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی اور ان یہود پر نہ تو ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی دشمن کی مدد کی جائے گی۔

(۱۲) تمام اہل ایمان کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے کوئی مومن قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا اور اسے مسلمانوں کے درمیان عدل و مساوات کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

(۱۳) جو لشکر ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہوگا اس کے افراد آپس میں باری باری ایک دوسرے کی جانشینی کریں گے۔

(۱۴) اہل ایمان کفار سے انتقام لینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۱۵) تمام تقویٰ شعار مسلمان اسلام کے احسن اور اقوم طریق پر ثابت قدم رہیں گے۔

(۱۶) مدینہ کا کوئی مشرک قریش کے کسی شخص کو مالی یا جانی کسی طرح کی پناہ نہ دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلے پر اس (قریشی) کی حمایت و مدد کرے گا۔

(۱۷) جو شخص ناحق کسی مومن کا خون کرے گا اسے مقتول کے عوض بطور قصاص قتل کیا جائے گا مگر یہ کہ اس مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہا لینے پر رضا مند ہو جائے اور تمام اہل ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے۔

(۱۸) کسی ایمان والے کے لیے جو اس دستور العمل کے مندرجات کی تعمیل کا اقرار کر چکا ہے اور اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے یہ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ وہ کوئی نئی بات نکال کر فتنہ انگیزی کے ذمہ دار کی حمایت کرے یا اسے پناہ دے جو ایسے کسی (مجرم) کی حمایت و نصرت کرے گا یا اسے پناہ

دے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کے غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور جہاں اس کی نہ تو توبہ قبول کی جائے گی نہ کوئی فد یہ لیا جائے گا۔

(۱۹) جب تم مسلمانوں میں کسی قسم کا تنازعہ ہوگا تو اسے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

(۲۰) جب تک جنگ رہے یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ مل کر مصارف اٹھائیں گے۔

(۲۱) یہود بنی عوف اور ان کے حلفاء و موالی سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت متصور ہوں گے یہودی اپنے دین پر رہنے کے مجاز ہوں گے اور مومن اپنے دین پر کار بند رہیں گے البتہ جس نے ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو وہ محض اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا۔

اسی طرح یہود بنی نجار، یہود بنی حارث، یہود بنی ساعدہ، یہود بنی جشم، یہود بنی الاوس، یہود بنی ثعلبہ، بنی بھنہ، بنی الشطیبہ، موالی ثعلبہ، اور یہودی قبائل کی ذیلی شاخوں کو وہی کچھ حقوق و مراعات ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہیں، ہر ایک پر اس دستاویز کی وفا شعاری لازم ہے نہ کہ عہد شکنی، البتہ جو ظلم اور عہد شکنی کا مرتکب ہو تو خود اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔ اور یہ کہ ان قبائل میں سے کوئی فرد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا۔

(۲۲) کسی ماریا زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور ان میں جو فرد یا جماعت قتل ناحق یا خون ریزی کا ارتکاب کرے تو اس کا وبال اور ذمہ داری اس کی ذات اور اس کے اہل و عیال پر ہوگی ورنہ ظلم ہوگا اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس سے بری الذمہ ہے۔

(۲۳) یہودیوں پر ان کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے مصارف کا۔

(۲۳) اور اس صحیفہ والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے تو تمام فریق (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے نیز خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے اور ان کا شیوہ وفاداری ہوگا نہ کہ عہد شکنی اور ہر مظلوم کی بہر حال حمایت و مدد کی جائے گی۔

(۲۵) اور اس صحیفہ والوں کے لیے حدود یثرب (مدینہ) کا داخلی علاقہ حرم کی حیثیت رکھے گا۔

(۲۶) پناہ گزین، پناہ دہندہ کی مانند ہے نہ کوئی اس کو ضرر پہنچائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کرے گناہ گار بنے۔

(۲۷) کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۲۸) اور اس صحیفہ کے ماننے والوں میں اگر کوئی نئی بات پیدا ہو (جس کا ذکر اس دستاویز میں نہیں) یا کوئی اور جھگڑا جس سے کسی نقصان اور فساد کا اندیشہ ہو تو اس متنازعہ فیہ امر میں فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اللہ کی تائید اس شخص کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

(۲۹) قریش مکہ اور اس کے حامیوں کو کوئی پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۳۰) یثرب (مدینہ) پر جو بھی حملہ آور ہو تو اس کے مقابلہ میں یہ سب (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۳۱) ان مسلمانوں میں جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کے لیے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کر لیں گے اسی طرح اگر وہ (یہود) کسی ایسی صلح کی دعوت دیں تو مومنین بھی اس دعوت کو قبول کر لیں گے مگر یہ کہ کوئی دین و مذہب کے لیے جنگ کرے۔

(۳۲) تمام لوگ اپنی اپنی جانب کے علاقہ کی مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے۔

(۳۳) یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم کو اس کے جرم کے عواقب سے بچانے کے لیے آڑے نہ آئے گا جو جنگ کے لیے نکلے یا کسی اور جگہ نقل مکانی کرے وہ بھی اور جو گھر (مدینہ) میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا حقدار ہوگا اس پر کوئی مواخذہ نہیں البتہ صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جرم کے مرتکب ہوں اور جو اس نوشتہ کی وفا شعاری اور احتیاط سے تعمیل کرے گا تو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس کے نگہبان اور خیر اندیش ہیں۔

اس دستاویز کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم ہے اور اگر کوئی اختلاف معاہدہ کے شرکاء میں رونما ہو جائے تو اس کے حل کا یہ طریقہ طے پایا ہے کہ اس متنازعہ معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیصلہ حتمی اور قطعی ہوگا۔ نیز اس میں ثواب و عقاب کا بھی ذکر موجود ہے کہ تمام عوامل اسے ایک ایسا دستور قرار دیتے ہیں جو سرتاپا اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔

اس منشور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ تو کسی شخص اور قبیلہ کے کسی حق کو غصب کیا گیا ہے اور نہ کسی پر مذہبی عقیدہ میں کوئی جبر کیا گیا ہے نہ ان کے معاشرہ میں رواج پذیر رسوم و رواج کو چھیڑا گیا ہے اور نہ ان کے نجی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت بے جا کی گئی ہے۔ مدینہ کے لوگ جو مدت دراز سے جنگ کی بھٹی میں جل رہے تھے ان کو باہمی امن و صلح کی ضمانت دی جا رہی ہے اسی لیے تمام اہل یشرب نے قبائلی اور مذہبی اختلافات کے باوجود اس منشور کو صدق دل سے قبول کر لیا۔

اس منشور سے پہلے عرب حد درجہ انفرادیت کا شکار تھے وہ نہ کسی قانون کے پابند تھے اور نہ کسی قوت حاکمہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے عادی تھے ان میں سے اگر کوئی قتل ہو جاتا تو اس کا انتقام لینا ان کی اپنی قوت بازو پر منحصر تھا وہ اپنی حق تلفی کا مداوا اپنے زور سے کیا کرتے تھے وہاں کوئی ایسی اجتماعی قوت نہ تھی جو ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دے۔ لیکن اس منشور میں ان ساری

انفرادیتوں کو زندہ درگور کر دیا گیا اور اس نے نئے معاشرہ میں ایک ایسی مرکزی قیادت قائم کر دی جس کی طرف ہر موقع پر رجوع کر سکتے تھے جب ان کی جان و مال اور آبرو پر کوئی دست درازی کرتا۔ وہ اصول انفرادیت جو اسلام سے قبل عرب کی معاشرت کا طرہ امتیاز تھا اس نوشتہ کے ذریعہ اجتماعیت سے بدل دیا گیا یوں طوائف المملو کی کا بھی خاتمہ ہو گیا اور نسلی و مذہبی لحاظ سے منتشر افراد ایک لڑی میں پیرو دیے گئے اور تمام باشندوں کو یکساں حقوق میسر آ گئے۔

انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات

حضرات مہاجرین چوں کہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بالکل خالی ہاتھ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر مدینہ آئے تھے اس لیے پردیس میں مفلسی کے ساتھ وحشت و بے گانگی اور اپنے اہل و عیال کی جدائی کا صدمہ محسوس کرتے تھے اس میں شک نہیں کہ انصار نے ان مہاجرین کی مہمان نوازی اور دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن مہاجرین دیر تک دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے کیوں کہ وہ لوگ ہمیشہ سے اپنے دست و بازو کی کمائی کھانے کے خوگر و عادی تھے اس لیے ضرورت تھی کہ مہاجرین کی پریشانیوں کو دور کرنے اور ان کے لیے مستقل ذریعہ معاش مہیا کرنے کے لیے کوئی انتظام کیا جائے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین میں رشتہ اخوت و بھائی چارگی قائم کر کے ان کو بھائی بھائی بنا دیا جائے تاکہ مہاجرین کے دلوں سے اپنی تنہائی اور بے کسی کا احساس دور ہو جائے اور ایک دوسرے کے مددگار بن جانے سے مہاجرین کے ذریعہ معاش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔

چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع فرمایا اس وقت مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔ پھر

مہاجرین و انصار میں سے دو دُشمن کو بلا کر فرماتے گئے کہ ”یہ اور تم بھائی بھائی ہو“ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد فرماتے ہی یہ رشتہ اخوت بالکل حقیقی بھائی جیسا رشتہ بن گیا چنانچہ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر اپنے گھر کی ایک ایک چیز سامنے لا کر رکھ دی اور کہہ دیا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں اس لیے ان سب سامانوں میں آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ حد ہو گئی کہ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو حضرت عبدالرحمن بن عوف مہاجر کے بھائی قرار پائے تھے، ان کی دو بیویاں تھیں حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میری ایک بیوی جسے آپ پسند کریں میں اس کو طلاق دے دوں اور آپ اس سے نکاح کر لیں۔

اللہ اکبر! اس میں شک نہیں کہ انصار کا یہ ایثار ایک ایسا بے مثال شاہکار ہے کہ اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ مگر مہاجرین نے کیا طرز عمل اختیار کیا یہ بھی ایک قابل تقلید تاریخی کارنامہ ہے۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مخلصانہ پیش کش کو سن کر حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکر یہ کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ یہ سب مال و متاع اور اہل و عیال آپ کو مبارک فرمائے مجھے تو آپ صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے انھوں نے مدینہ کے مشہور بازار ”قیقاع“ کا راستہ بتا دیا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار گئے اور کچھ گھمی اور کچھ پیچ خرید کر شام تک بیچتے رہے۔ اسی طرح روزانہ وہ بازار جاتے رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کافی مال دار ہو گئے اور ان کے پاس اتنا سرمایہ جمع ہو گیا کہ انھوں نے شادی کر کے اپنا گھر بسا لیا۔ جب یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے بیوی کو کتنا مہر دیا؟ عرض کیا کہ پانچ درہم برابر سونا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تمہیں برکتیں عطا فرمائے تم دعوتِ ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی بکری ہو۔

اور رفتہ رفتہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجارت میں اتنی خیر و برکت اور ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول ہے کہ میں مٹی کو چھو دیتا تو سونا بن جاتی، منقول ہے کہ ان کا سامان تجارت سات سو

اونٹوں پر لدا کرتا تھا اور جس دن مدینہ میں ان کا تجارتی سامان پہنچتا تھا تو تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح دوسرے مہاجرین نے بھی دکانیں کھول لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی تجارت کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے۔ دوسرے مہاجرین نے بھی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی۔ غرض باوجود یکہ مہاجرین کے لیے انصار کا گھر مستقل مہمان خانہ تھا مگر مہاجرین زیادہ دنوں تک انصار پر بوجھ نہیں بنے بلکہ اپنی محنت اور بے پناہ کوششوں سے بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

مہاجرین کے درمیان عقد مواخات

مشہور مؤرخ اسلام علامہ ابن البرکات قول ہے کہ یہ عقد مواخات (بھائی چارہ کا معاہدہ) تو انصار و مہاجرین کے درمیان ہوا اس کے علاوہ ایک خاص عقد مواخات مہاجرین کے درمیان بھی ہوا۔ جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مہاجر کو دوسرے مہاجر کا بھائی بنا دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عثمان و حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جب بھائی چارہ ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا لیکن مجھے آپ نے کسی کا بھائی نہیں بنایا آخر میرا بھائی کون ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

انت اخی فی الدنيا و الآخرة .

یعنی تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

نماز کی رکعتوں میں اضافہ

اب تک فرض نمازوں میں صرف دو ہی رکعتیں تھیں مگر ہجرت کے سال اول ہی میں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ظہر و عصر و عشا میں چار چار رکعتیں فرض ہو گئیں لیکن سفر کی حالت میں اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں اسی کو ”نماز قصر“ کہتے ہیں جو سفر کی حالت میں ادا کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن زبیر کی پیدائش

۱۔ ۵ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت ہوئی۔ ہجرت کے بعد مہاجرین کے یہاں سب سے پہلے بچہ جو پیدا ہوا وہ یہی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں ان کی والدہ حضرت بی بی اسماء جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی ہیں۔ پیدا ہوتے ہی ان کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں بیٹھا کر اور کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈال دی۔ اس طرح سب سے پہلی غذا جو ان کے شکم میں پہنچی وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیدائش سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی اس لیے کہ مدینہ کے یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں نے مہاجرین پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔

تحويل قبلہ

جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں رہے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو خداوند تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ آپ اپنی نمازوں میں ”بیت المقدس“ کو اپنا قبلہ بنائیں۔ چنانچہ آپ سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر آپ کے دل کی تمنا یہی تھی کہ کعبہ ہی کو قبلہ بنایا جائے۔ چنانچہ آپ اکثر آسمان کی طرف چہرہ اٹھا اٹھا

کہ اس کے لیے وحی الہی کا انتظار فرماتے رہے یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قلبی آرزو پوری فرمانے کے لیے قرآن کی یہ آیت نازل فرمادی۔

قد نرى قلب وجھک فی السماء فلنولينک قبلة ترضها فول وجھک شطر المسجد الحرام .

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منھ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منھ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔ (البقرہ، ۱۴۴)

ایک دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبیلہ بنی سلمہ کی مسجد میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے کہ حالت نماز ہی میں یہ وحی نازل ہوئی اور نماز ہی میں آپ نے بیت المقدس سے مڑ کر خانہ کعبہ کی طرف اپنا چہرہ کر لیا اور تمام مقتدیوں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ اس مسجد کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا، ”مسجد القبلتین“ کہتے ہیں اور آج یہ تاریخی مسجد زیارت گاہ خواص و عوام ہے جو شہر مدینہ سے تقریباً دو کلومیٹر دور جانب شمال مغرب واقع ہے۔

اس قبلہ بدلنے کو ”تحویل قبلہ“ کہتے ہیں۔ تحویل قبلہ سے یہودیوں کو بڑی سخت تکلیف پہنچی جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے تو یہودی بہت خوش تھے اور فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بھی ہمارے ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے ہیں مگر جب قبلہ بدل گیا تو یہودی اس قدر برہم اور ناراض ہو گئے کہ وہ یہ طعنہ دینے لگے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) چوں کہ ہر بات میں ہم لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں اس لیے انہوں نے محض ہماری مخالفت میں قبلہ بدل دیا ہے۔

اسی طرح منافقین کا گروہ بھی طرح طرح کی نکتہ چینی اور قسم قسم کے اعتراضات کرنے لگا تو ان دونوں گروہوں کی زبان بندی اور دہن دوزی کے لیے خداوند کریم نے یہ آیتیں نازل فرمائیں :

سيقول السفهاء من الناس ما ولهم عن قبلتهم التي كانوا عليها قل لله المشرق
المغرب يهدي من يشاء الى صراط مستقيم.

اب کہیں گے بے وقوف لوگ کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے تم
فرمادو کہ پورب و پچھتم سب اللہ ہی کا ہے جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔

و ما جعلنا القبلة التي الا لنعلم من يتبع الرسول ممن ينقلب على عقبه و ان
كانت لكبيرة الا على الذين هدى الله.

اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا
ہے اور کون اٹنے پاؤں پھرتا ہے اور بیشک یہ بھاری تھی مگر ان پر جنہیں اللہ نے ہدایت کی۔ (البقرة- ۱۴۳)

پہلی آیت میں یہودیوں کے اعتراض کا جواب دیا گیا کہ خدا کی عبادت میں قبلہ کی کوئی خاص
جہت ضروری نہیں ہے۔ اس کی عبادت کے لیے پورب، پچھتم، اتر، دکھن سب جہتیں برابر ہیں اللہ تعالیٰ جس
جہت کو چاہے اپنے بندوں کے لیے قبلہ مقرر فرمادے لہذا اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

دوسری آیت میں منافقین کی زبان بندی کی گئی ہے جو تحویل قبلہ کے بعد ہر طرف یہ پروپیگنڈہ
کرنے لگے تھے کہ پیغمبر اسلام تو اپنے دین کے بارے میں خود ہی متردد ہیں کبھی بیت المقدس کو قبلہ مانتے
ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ کعبہ قبلہ ہے۔ آیت میں تحویل قبلہ کی حکمت بتا دی گئی کہ منافقین جو محض نمائشی مسلمان
بن کر نمازیں پڑھا کرتے ہیں وہ قبلہ کے بدلتے ہی بدل گئے اور اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اس طرح ظاہر
ہو گیا کہ کون صادق الایمان ہے اور کون منافق؟ اور کون رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرنے
والا ہے اور کون دین سے پھر جانے والا؟ (مولف) (سیرت الرسول، مدارج النبوة، سیرت مصطفیٰ)



جہاد و قتال کا حکم

وہ چقا چاق خنجر سے آتی صدا
مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

لَا تَقْرَبُوا مَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ يَسْتَعْتَبُونَكُمْ وَاللَّهُ عَالِمُ الْمُحْتَلِبِينَ

پرواگئی (اجازت) عطا ہوئی انھیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے

(سورۃ الحج ۳۹ / کنز الایمان)

جہاد و قتال کا حکم ۲

اب تک یعنی (۲ھ سے پہلے) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے صرف یہ حکم تھا کہ دلائل اور مواعظِ حسنہ کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہیں اور مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر کا حکم تھا۔ اس لیے کافروں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر مسلمانوں نے انتقام کے لیے کبھی ہتھیار نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے لیکن ہجرت کے بعد جب سارا عرب اور یہودی ان مٹھی بھر مسلمانوں کے جانی دشمن ہو گئے اور ان مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دینے کا عزم کر لیا تو خداوند قدوس نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ جو لوگ تم سے جنگ کی ابتداء کریں ان سے تم بھی لڑ سکتے ہو۔

چنانچہ ۱۲ صفر ۲ھ تواریخ اسلام میں وہ یادگار دن ہے جس میں خداوند کردگار نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور یہ آیت نازل فرمائی کہ

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و ان اللہ علی نصرہم لقدیر۔

جس سے لڑائی کی جاتی ہے ان (مسلمان) کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیوں کہ وہ (مسلمان) مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

حضرت امام محمد بن شہاب زہری علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ جہاد کی اجازت کے بارے میں یہی وہ آیت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی مگر تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جہاد کے بارے میں سب سے پہلے جو آیت اتری وہ یہ ہے

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم۔

خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم لوگوں سے لڑتے ہیں۔

بہر حال ۲۔ ھ میں مسلمانوں کو خداوند تعالیٰ نے کفار سے لڑنے کی اجازت دے دی مگر ابتدا میں یہ اجازت مشروط تھی یعنی صرف انھیں کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔ مسلمانوں کو ابھی تک اس کی اجازت نہیں ملی تھی کہ وہ جنگ میں اپنی طرف سے پہل کریں۔ لیکن حق واضح ہو جانے اور باطل ظاہر ہو جانے کے بعد چوں کہ تبلیغ حق اور احکام الہی کی نشر و اشاعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض تھی اس لیے تمام ان کفار سے جو عناد کے طور پر حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے جہاد کا حکم نازل ہو گیا خواہ وہ مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کریں یا نہ کریں۔ کیوں کہ حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد حق کو قبول کرنے کے لیے مجبور کرنا اور باطل کو جبراً ترک کرانا یہ عین حکمت اور بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لیے انتہائی ضروری تھا۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ ہجرت کے بعد جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں اگر پورے ماحول کو گہری نگاہ سے بغور دیکھا جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب لڑائیاں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر مسلط کی گئیں اور غریب مسلمان بدرجہ مجبوری تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئے، مثلاً مندرجہ ذیل چند واقعات پر ذرا تنقیدی نگاہ سے نظر ڈالیے۔

(۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر انتہائی بیکسی کے عالم میں مدینہ چلے آئے تھے، چاہئے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اب اطمینان سے بیٹھ رہتے کہ ان کے دشمن یعنی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمان ان کے شہر سے نکل گئے، مگر ہوا یہ کہ ان کافروں کے غیظ و غضب کا پارہ اتنا چڑھ گیا کہ اب یہ لوگ اہل مدینہ کے بھی دشمن جان بن گئے۔

چنانچہ ہجرت کے چند روز بعد کفار مکہ نے رئیس انصار، عبداللہ بن ابی کے پاس دھمکیوں سے بھرا

ہوا ایک خط بھیجا، عبد اللہ ابن ابی وہ شخص ہے کہ واقعہ ہجرت سے پہلے تمام مدینہ والوں نے اس کو اپنا بادشاہ مان کر اس کی تاج پوشی کی تیاری کر لی تھی، مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہ اسکیم ختم ہو گئی، چنانچہ اسی غم و غصہ میں عبد اللہ بن ابی عمر بھر منافقوں کا سردار بن کر اسلام کی بیخ کنی کرتا رہا اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مصروف رہا۔

بہر کیف کفار مکہ نے اس دشمن اسلام کے نام جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہ ہے کہ :

تم نے ہمارے آدمی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے، ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر دو، یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے تمام لڑنے والے جوانوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار مکہ کے اس تہدید آمیز اور خوفناک خط کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے عبد اللہ بن ابی سے ملاقات فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ، کیا تم اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرو گے؟ چوں کہ اکثر انصار دامن اسلام میں آچکے تھے اس لیے عبد اللہ بن ابی نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور کفار مکہ کے حکم پر عمل نہیں کر سکا۔

(۲) ٹھیک اسی زمانے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ سے مکہ گئے اور پرانے تعلقات کی بنا پر ”امیہ بن خلف“ کے مکان پر قیام کیا، جب امیہ ٹھیک دوپہر کے وقت ان کو ساتھ لے کر طواف کعبہ کے لیے گیا تو اتفاق سے ابو جہل سامنے آ گیا اور ڈانٹ کر کہا کہ اے امیہ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ امیہ نے کہا کہ یہ مدینہ کے رہنے والے سعد بن معاذ ہیں۔ یہ سن کر ابو جہل نے تڑپ کر کہا کہ تم لوگوں نے بے دھرموں (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ) کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم امیہ کے ساتھ میں نہ ہوتے تو بیچ کر واپس نہیں جاسکتے تھے۔

حضرت سعد بن معاذ نے بھی انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اگر تم لوگوں نے ہم کو کعبہ کی زیارت سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔

(۳) کفار مکہ نے صرف انہی دھمکیوں پر بس نہیں کیا بلکہ وہ مدینہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ بنانے لگے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے اور صحابہ کرام آپ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ کفار مکہ نے سارے عرب پر اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے تمام قبائل میں یہ آگ بھڑکا دی تھی کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ بالا تینوں وجوہ کی موجودگی میں ہر عاقل کو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ ان حالات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حفاظت خود اختیاری کے لیے کچھ نہ کچھ تدبیر کرنی ضروری ہی تھی تاکہ انصار و مہاجرین اور خود اپنی زندگی کی بقا اور سلامتی کا سامان ہو جائے۔

چنانچہ کفار مکہ کے خطرناک ارادوں کا علم ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اور صحابہ کی حفاظت خود اختیاری کے لیے دو تدبیروں پر عمل درآمد کا فیصلہ فرمایا۔

اولی : یہ کہ کفار مکہ کی شامی تجارت جس پر ان کی زندگی کا دار و مدار ہے اس میں رکاوٹ ڈال دی جائے تاکہ وہ مدینہ پر حملہ کا خیال چھوڑ دیں اور صلح پر مجبور ہو جائیں۔

دوم : یہ کہ مدینہ کے اطراف میں جو قبائل آباد ہیں ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے تاکہ کفار مکہ مدینہ پر حملہ کی نیت نہ کر سکیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہی دو تدبیروں کے پیش نظر صحابہ کرام کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کو مدینہ کے اطراف میں بھیجنا شروع کر دیا، اور بعض بعض لشکروں کے ساتھ خود بھی تشریف لے

گئے، صحابہ کرام کے یہ چھوٹے چھوٹے لشکر کبھی کفار مکہ کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے جاتے تھے اور کہیں بعض قبائل سے معاہدہ امن و امان کرنے کے لیے روانہ ہو جاتے تھے۔ کہیں اس مقصد سے بھی جاتے تھے کہ کفار مکہ کی شامی تجارت کا راستہ بند ہو جائے۔ اسی سلسلہ میں کفار مکہ اور ان کے حلیفوں سے مسلمانوں کا ٹکراؤ شروع ہوا اور چھوٹی بڑی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، انھیں لڑائیوں کو تاریخ اسلام میں غزوات و سرایا کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ (مولف)

(سیرت مصطفیٰ)

عدم قتال کا حکم منسوخ ہے

پہلے پہل مسلمانوں کو صبر و شکیب کی تلقین کی گئی اور جنگ و جدال سے روکا گیا تھا مگر جب کفار مکہ مسلمانوں کے درپے آزار ہو گئے تو مجبوراً انھیں اپنا وطن عزیز مکہ مکرمہ کو چھوڑنا پڑا تو اب خالق کائنات نے کفار و مشرکین سے جہاد و قتال کا حکم فرمایا جس سے عدم قتال کا حکم منسوخ ہو گیا آیات و تفاسیر کی روشنی میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں :

آیہ کریمہ (انما ینہکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین ، اللہ تمہیں ان سے منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے لڑے) میں ایک قول یہ ہے کہ مطلق کفار مراد ہیں جو مسلمانوں سے نہ لڑے ان کے نزدیک وہ ضرور آیات قتال و غلظت سے منسوخ ہے۔

اجلہ ائمہ تابعین مثل امام عطاء بن ابی رباح استاذ امام اعظم ابو حنیفہ (جن کی نسبت امام اعظم فرماتے ہیں ما را یت افضل من عطاء میں نے ان سے افضل کسی کو نہ دیکھا) و عبد الرحمن بن زید بن اسلم مولیٰ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم و قوادہ تلمیذ حضرت انس خادم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کے منسوخ ہونے کی تصریح فرمائی۔ جلالین شریف میں بتایا کہ یہی اصح ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے :

اختلفوا في المراد من الذين لم يقاتلوكم فالاكثر على انهم اهل العهد الذين عاهدوا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على ترك القتال و المظاهرة في العداوة و هم خزاعة كانوا عاهدوا الرسول على ان لا يقاتلوه و لا يخرجوه فامر الرسول عليه الصلاة و السلام بالبر و الايفاء الى مدة اجلهم و هذا قول ابن عباس و مقاتل بن حيان . و مقاتل بن سليمان و محمد بن سائب الكلبي ، و قال مجاهد الذين آمنوا بمكة و لم يهاجروا و قيل هم النساء و الصبيان .

و عن عبد الله بن الزبير انها نزلت في اسماء بنت ابي بكر قدمت امها قتيبة عليها و هي مشركة بهدايا فلم تقبلها و لم تاذن للدخول فامرها النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ان تدخلها و تقبل منها و تكرمها تحسن اليها ، و قيل الآية في المشركين و قال قتادة نسختها آية القتال .

اس میں اختلاف ہوا کہ وہ جو تم سے دین میں نہ لڑے ان سے کون لوگ مراد ہیں اکثر اہل تاویل اس پر ہیں کہ ان سے اہل عہد مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ نہ حضور سے لڑیں گے نہ دشمن کی مدد کریں گے اور وہ بنی خزاعہ ہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ نہ لڑیں گے نہ مسلمانوں کو مکہ معظمہ سے نکالیں گے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان کے ساتھ نیک سلوک فرمائیں اور ان کا عہد مدت موعود تک پورا کریں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس و مقاتل بن حیان و مقاتل بن سلیمان و محمد بن سائب کلبی کا یہی قول ہے۔ اور امام مجاہد نے فرمایا وہ مسلمانان مکہ مراد ہیں جنہوں نے ابھی ہجرت نہ کی تھی اور بعض نے کہا عورتیں اور بچے مراد ہیں۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں اتری ان کی ماں قتیلہ بحالت کفران کے پاس کچھ ہدیے لے کر آئیں انہوں نے نہ

ہدیے قبول کیے نہ انھیں آنے کی اجازت دی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا کہ اسے آنے دیں اور اس کے ہدیے قبول کریں اور اس کی خاطر اور اس کے ساتھ نیک سلوک کریں، اور بعض نے کہا آیت دربارہ مشرکین ہے۔ قتادہ نے کہا وہ آیہ جہاد سے منسوخ ہوگئی۔

جمل میں قرطبی سے ہے :

ہی مخصوصة بالذین آمنوا و لم یہاجر و ا و قیل یعنی بہ النساء و الصبیان لانہم ممن لا یقاتل فاذن اللہ فی برہم حکاہ بعض المفسرین و قال اکثر اہل التاویل ہی محکمة و احتجوا بان اسماء بنت ابی بکر سألت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم هل تصل امہا حین قدمت الیہا مشرکة قال نعم ، خرجه البخاری و مسلم اھ

یہ آیت خاص ہے ان کے بارے میں جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی اور بعض نے کہا اس سے عورتیں اور بچے مراد ہیں اس لیے کہ وہ لڑنے کے قابل نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ مالی نیک سلوک کی اجازت دی۔ اسے بعض مفسرین نے نقل کیا اور اکثر اہل تاویل نے کہا آیت محکم ہے اور اس سے سند لائے کہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا، کیا اپنی ماں سے کچھ نیک سلوک کریں جب وہ ان کے پاس بحالت شرک آئی تھیں فرمایا ہاں! اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے :

اخرج عبد بن حمید و ابن المنذر عن مجاہد فی قوله لا ینہکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم الا یہ قال ان تستغفروا لہم و تبرواہم و تقسطوا الیہم ہم الذین آمنوا بمکة و لم یہاجر و ا . اھ

عبد بن حمید اور ابن المنذر نے امام مجاہد سے تفسیر کریمہ لا ینہکم میں روایت کی، فرمایا معنی آیت یہ ہیں کہ اللہ تمہیں منع نہیں فرماتا کہ تم ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ان سے نیک سلوک و انصاف کا برتاؤ برتو اس سے مراد کون لوگ ہیں وہ جو مکہ میں ایمان لائے تھے اور ہجرت کی۔

تفسیر جامع البیان میں بہ سند صحیح ہے :

حدیثی یونس قال اخبرنا ابن وهب قال قال ابن زید و سألته عن قول الله عز وجل لا ینہکم الله الاية فقال هذا قد نسخ نسخه القتال .

مجھ سے یونس نے حدیث بیان کی کہ مجھ کو ابن وہب نے خبر دی کہا جب میں نے امام ابن زید سے کریمہ لا ینہکم اللہ کے بارے میں پوچھا فرمایا یہ منسوخ ہے حکم جہاد نے اسے نسخ فرمادیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے :

اخرج ابو داؤد فی تاریخه و ابن المنذر عن قتادة لا ینہکم الله الاية نسختها اقلوا المشركين حيث وجدتموهم .

ابو داؤد نے اپنی تاریخ اور ابن المنذر نے تفسیر میں قتادہ سے روایت کی لا ینہکم اللہ کو اس آیت نے منسوخ فرمادیا کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

اسی میں ہے :

ابن ابی حاتم و ابو الشیخ عن مقاتل فی قوله تعالى و قاتلوا المشركين كافة قال نسخت هذه الاية كل آية فيها رخصة .

ابن ابی حاتم و ابو الشیخ نے اپنی تفسیروں میں مقاتل سے روایت کی کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد

نے کہ سب مشرکوں سے قتال کرو اس سے پہلے جتنی آیتوں میں کچھ رخصتیں تھیں سب منسوخ فرمادیں۔

تفسیر ارشاد العقل السليم میں زیر کریمہ :

يا ايها النبي جاهد الكفار و المنافقين و اغلظ عليهم ہے۔ قال عطا نسخت

هذه الآية كل شي من العفو و الصفح.

امام عطاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کافروں کے ساتھ معافی و درگزر کی جتنی اجازتیں تھیں سب

اس آیت کریمہ نے منسوخ فرمادیں۔

تفسیر عنایۃ القاضی میں زیر کریمہ لا ینہکم اللہ ہے :

هذه الآية منسوخة بقوله تعالى 'اقتلوا المشركين الآية .

یہ آیت اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ تلوار کے گھاٹ اتار دو۔

تفسیر خطیب شربنی پھر فتوحات البیہ میں ہے:

كان هذا الحكم و هو جواز مولات الكفار الذين لم يقاتلوا في اول الاسلام

عند المواعدة و ترك الامر بالقتال ثم نسخ بقوله تعالى 'فاقتلوا المشركين حيث

وجدتموهم.

یہ حکم کہ جو کفار مسلمانوں سے نہ لڑیں ان کے ساتھ کچھ نیک سلوک کیا جائے ابتدا میں تھا کہ لڑائی

موقوف تھی اور جہاد کا حکم نہ تھا۔ پھر یہ حکم اس آیت کریمہ سے منسوخ ہو گیا کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ گردن مارو۔

جلالین شریف میں ہے:

هذا قبل الامر بجهادهم.

یہ اجازت اس وقت تک تھی کہ جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا۔

حکم جہاد

سورہ براءت میں ارشاد فرمایا :

يا ايها النبي جاهد الكفار والمنفقين و اغلظ عليهم و ما وهم جهنم و بنس
المصير .

اے نبی! کافروں اور منافقوں پر جہاد فرمائیے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیے اور ان کا ٹھکانہ
دوزخ ہے اور وہ کیا بری پھرنے کی جگہ ہے۔

پھر اسی سورت میں ارشاد فرمایا :

يا ايها الذين آمنوا قاتلوا الذين يلونكم من الكفار و ليجدوا فيكم غلظة .

اے ایمان والو! اپنے پاس کے کافروں سے لڑو اور تم پر فرض ہے کہ وہ تم پر درستی پائیں۔

یہ حکم بھی جمیع کفار کو عام ہے حکمت یہی ہے کہ پہلے پاس والوں کو زیر کیا جائے جب وہاں اسلام کا
تسلط ہو جائے تو اب جو اس سے نزدیک ہیں وہ پاس والے ہوئے وہ زیر ہو جائیں تو اب جو ان سے قریب
ہیں یوں ہی یہ سلسلہ شرقاً غرباً منجھائے زمین تک پہنچے۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا اور بعونہ تعالیٰ ایسا ہی
بروجہ اتم و کمال زمانہ امام موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہونے والا ہے۔

اور ارشاد فرمایا :

حتى لا تكون فتنة و يكون الدين كله لله .

یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔

یہاں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کفار پر درشتی کرو، مومنین کو حکم ہوا کافروں پر سختی کرو، اس میں نہ کوئی تخصیص ہے نہ تردید نہ تقلید اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نیک سلوک اور سختی و درشتی باہم متنافی ہیں۔ پہلے نیک سلوک کی اجازت تھی اب درشتی و سختی کا حکم ہوا تو وہ اجازت ضرور منسوخ ہو گئی۔ اجماع امت ہے کہ جہاد کفار محاربین بالفعل سے مخصوص نہیں مدافعت و جارحانہ قطعاً دونوں طرح کا حکم ہے۔ اجازت کا مدافعتانہ میں حصر پہلے تھا پھر قطعاً منسوخ ہو گیا۔

مبسوط شمس الائمة سرحی و کفایہ و عنایہ و تبیین و بحر الرائق و رد المحتار و غیر ہا میں ہے :

و اللفظ للباہرتی قوله تعالى فان قاتلوكم فاقتلوهم منسوخ بیانہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان فی الابتداء مأموراً بالصفح و الاعراض عن المشرکین بقوله فاصفح الصفح الجمیل و اعرض عن المشرکین الآیة ثم امر بالدعاء الی الدین بالموعظة و المجادلة بالاحسن بقوله تعالى ادع الی سبیل ربک بالحکمة الآیة . ثم اذن بالقتال اذ كانت البداءة منهم بقوله فان قاتلوكم فاقتلوهم ثم امر بالقتال ابتداء فی بعض الازمان بقوله تعالى فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشرکین الآیة . ثم امر بالبداءة بالقتال مطلقاً فی الازمان کلها و فی الاماکن باسرها فقال تعالیٰ حتی لا تكون فتنة الآیة و قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ و بالیوم الآخر الآیة .

یہ ارشاد کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو ان کو قتل کرو منسوخ ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابتداء میں یہ حکم تھا کہ مشرکوں سے درگزر اور روگردانی فرمائیں ارشاد تھا اچھی طرح درگزر کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔ پھر حضور کو حکم ہوا کہ سمجھانے اور خوبی کے ساتھ دلیل قائم فرمانے سے دین کی طرف بلاؤ کہ ارشاد تھا اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کے ساتھ بلاؤ۔ پھر اجازت فرمائی گئی کہ ان کی طرف سے قتال کی ابتداء ہو تو لڑو۔ ارشاد تھا کہ جن سے قتال کیا جائے انھیں پروا نہ گی ہے اور ارشاد تھا کہ اگر

وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو۔ پھر بعض اوقات ابتداء قتال کا حکم ہوا۔ ارشاد فرمایا جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو۔ پھر مطلقاً ابتداء بالقتال کا حکم ہوا سب زمانوں اور سب مکانوں میں۔ ارشاد ہوا ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے۔ اور فرمایا ان سے لڑو جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔

جہاد فرض کفایہ ہے

کنز میں ہے :

الجهاد فرض كفاية ابتداء.

جہاد کی پہل کرنا فرض کفایہ ہے۔

بحر الرائق میں ہے :

مفيد لا فترضة و ان لم يبدونا للعمومات اما قوله تعالى فان قاتلوكم فاقتلوهم منسوخ یہ عبارت فائدہ دیتی ہے کہ جہاد فرض ہے اگرچہ کافر پہل نہ کریں کہ آیتیں عام ہیں اور وہ جو فرمایا تھا کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کر دو وہ منسوخ ہے۔

ہدایہ میں ہے :

قتال الكفار واجب و ان لم يبدوا للعمومات

کافروں سے لڑنا واجب ہے اگرچہ وہ پہل نہ کریں کہ احکام عام ہیں۔

قتال کا صریح حکم

فتح القدر میں ہے :

صريح قوله صلى الله تعالى عليه وسلم في الصحيحين وغيرهما امرت ان

اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله يوجب ان نبداهم بادننى تامل . اه اقول و كذا قوله تعالى قاتلوهم حتى لا تكون فتنة و يكون الدين كله لله .

صحیحین وغیرہما میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاف ارشاد مجھے حکم ہوا کہ لوگوں سے قتال فرماؤں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ ادنیٰ غور سے واجب فرماتا ہے کہ ہم ان سے قتال کی پہل کریں۔ (فتح القدر کی عبارت تمام ہوئی) اور میں کہتا ہوں یوں ہی رب العزت کا ارشاد کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔)

نیز اسی میں زیر حدیث رأی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امرأة مقتولة فقال هاه ما كانت هذه تقاتل . (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت مقتول دیکھی تو فرمایا ارے یہ تو لڑنے کے قابل نہ تھی) ہے۔

الحدیث صحیح علی شرط الشیخین فقد علل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القتل بالمقاتلة فثبت انه معلول بالحرابة فلزم قتل ما كان مظنة له بخلاف ما لیس ایاہ .

یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ قتل کی علت قتال ہے تو ثابت ہوا کہ قتل وہی کیا جائے گا جو لڑنے کا شخص ہے تو جسے لڑنے کے قابل سمجھا جائے شریعت میں اس کا قتل لازم ہوا بخلاف اس کے جو اس کے لائق ہی نہ ہو۔

اجماع و اتفاق ہے کہ معاہدین و ذراری محل جہاد ہی نہیں تو کلمہ جاہد وا، قاتلوا سے ان کی طرف ذہن نہ جائے گا۔

فتح القدر میں ہے :

و ما الظن الا ان حرمة قتل النساء و الصبيان اجماع .

گمان اس کے سوا کسی کی طرف نہیں جاتا کہ عورتوں بچوں کا قتل حرام ہونے پر اجماع ہے۔

جہاد میں کافروں سے مدد لینے کی ممانعت

تفسیر لباب التاویل میں ہے :

ان عبادة بن صامت كان له حلفاء من يهود فقال يوم الاحزاب يا رسول الله
معى خمسة مائة من اليهود و قد رأيت ان استظهر بهم على العدو فنزلت هذه الآية
(لا يتخذ المؤمنون الكافرين اولياء) يعنى انصار او واعوانا (من دون المؤمنين) اى
من غير المؤمنين و المعنى لا يجعل المؤمن و لا يته لمن هو غير مؤمن نهى الله
المؤمنين ان يوالوا الكفار او يلا طفوهم لقراية بينهم او محبة او معاشرة و المحبة فى
الله و البغض فى الله باب عظيم و اصل من اصول الايمان .

یعنی عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ یہودی حلیف تھے غزوہ احزاب میں انہوں
نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں میری رائے ہوتی ہے کہ دشمن پر ان سے مدد
لوں اس پر یہ آئیہ کر یہ اتری کہ مسلمان غیر مسلم کو مددگار نہ بنائیں یہ مسلمانوں کو حلال نہیں اللہ تعالیٰ نے
مسلمانوں کو منع فرمایا کہ رشتے خواہ یا رانے خواہ نرے میل کے باعث کافروں سے دوستانہ برتیں یا ان
سے لطف و نرمی کے ساتھ پیش آئیں اور اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے عداوت ایک عظیم باب اور
ایمان کی جڑ ہے۔

مدارک شریف پارہ ۶ میں ہے :

ای لا تتخذوہم اولیاء تنصروہم و تستنصروہم و توأخونہم و تعاشروہم

معاشرۃ المسلمین .

یعنی رب عزوجل فرماتا ہے کافروں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کے معاون ہو ان سے اپنے لیے مدد چاہو انھیں بھائی بناؤ اور دنیوی برتاؤ ان کے ساتھ مسلمانوں سا رکھو ان سب سے منع فرماتا ہے۔

تفسیر کبیر پارہ ۶ میں ہے :

الممراد ان اللہ تعالیٰ امر المسلم ان لا يتخذ الحبيب و الناصر الا من المسلمین .

یعنی مراد آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم فرماتا ہے کہ صرف مسلمانوں ہی کو اپنا دوست و مدد گار بنائیں۔

اسی میں ہے :

لا تتخذوهم اولياء ای لا تعتمدوا علی الاستنصار بهم و التودد اليهم .

یعنی مراد آیت یہ ہے کہ کافروں کی مدد و یاری پر اعتماد نہ کرو۔

تفسیر ابوالسعود و تفسیر فتوحات الہیہ میں زیر آیہ مذکورہ ہے :

نہو عن موالا تہم لقراۃ او صداقة جاہلیۃ و نحوہما من اسباب المصادقة و

المعاشرۃ و عن الاستعانة بهم فی الغز و سائر الامور الدینیۃ .

یعنی مسلمان منع کیے گئے کافروں کی دوستی سے خواہ وہ رشتہ داری ہو یا اسلام سے پہلے کا یا رانہ یا کسی

سبب یاری خواہ میل جول کے سبب۔ اور منع کیے گئے اس سے کہ جہاد یا کسی دینی کام میں کافروں سے

استعانت کریں۔

جہاد میں کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت

ارشاد فرمایا :

فان تولوا فخذوہم و اقتلوہم حیث ثقتموہم و لا تتخذوا منہم ولیا و لا

نصیرا

اگر کافر ایمان لانے سے منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو نہ دوست

بناؤ نہ مددگار۔

اس آیت کریمہ میں ولی کے ساتھ لفظ نصیر خود ہی صاف ارشاد ہے کہ انہیں دوست ٹھہرانا بھی حرام

اور مددگار بنانا بھی حرام۔

تفسیر مدارک التنزیل میں ہے :

(فان تولوا) عن الایمان (فخذوہم و اقتلوہم حیث وجدتموہم و لا تتخذوا

منہم ولیا و لا نصیرا) و ان بذلوا لکم الولایة و النصر فلا تقبلوا منہم (الا الذین یصلون

الی قوم) و یتصلون بہم و الاستثناء من قوله فخذوہم و اقتلوہم دون الموالاة .

اگر وہ ایمان لانے سے منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ مارو اور ان میں کسی کو نہ دوست بناؤ

نہ مددگار اور اگر وہ بلا معاوضہ بھی تمہاری دوست داری و مددگاری بگھاریں جب بھی قبول نہ کرو مگر جو اہل

معاہدہ سے ملیں۔ یہ پکڑنے اور قتل کرنے سے استثناء ہے نہ دوستی سے کہ وہ تو ہر کافر سے مطلقاً حرام ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے :

ای جانبوہم رأسا و لا تقبلوا منہم ولایة و لا نصرة .

یعنی ان سے بالکل دور رہو اور ان کی دوستی و مدد کچھ قبول نہ کرو۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے :

ای جانبوہم مجانبة کلیة و لا تقبلواہم ولا یة و لا نصرۃ ابدًا.

یعنی کافروں سے بالکل کنارہ کش رہو اور کبھی ان کی دوستی و مدد قبول نہ کرو۔

تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے :

قال الطیبی لا من و لا تتخذوا و ان کان اقرب لان اتخاذا الولی منهم حرام

مطلقاً.

طیبی نے کہا دوست یا مددگار بنانے کی ممانعت سے استثناء نہیں اگرچہ وہ قریب تر ہے اس لیے کہ کافروں میں سے کسی کو دوست بنانا حرام ہے اگرچہ معاہد ہو۔

اقول: اس پر خود سیاق کریمہ دال کہ قتل و قتال ہی کے منع و رخصت کا ذکر ہے یوں ہی عموم حکم نفس استثناء کا مفاد کہ مجاہدین متصلین بالمعاہدین و معاہدین غیر جانبدار طرفین مستثنیٰ فرمائے۔

حضور نے جہاد میں مشرکین سے مدد نہیں لی

صحیح مسلم و سنن اربعہ و مشکل الآثار امام طحاوی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کو تشریف لے چلے سنگستان و برہ میں (کہ مدینہ طیبہ سے چار میل ہے) ایک شخص جس کی جرأت و بہادری مشہور تھی حاضر ہوا اصحاب کرام اسے دیکھ کر خوش ہوئے اس نے عرض کی میں اس لیے حاضر ہوا کہ حضور کے ہمراہ رکاب رہوں اور قریش سے جو مال ہاتھ لگے اس میں سے میں بھی پاؤں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اتومن باللہ و رسولہ کیا تو اللہ و رسول پر

ایمان رکھتا ہے کہ انہ فرمایا فارجمع فلن نستعین بمشرك تو پلٹ جاہم ہرگز کسی مشرك سے مدد نہ چاہیں گے۔

پھر حضور تشریف لے چلے جب ذوالکلیفہ پہنچے (کہ مدینہ طیبہ سے چھ میل ہے) وہ پھر حاضر ہوا صحابہ خوش ہوئے کہ واپس آیا وہی پہلی بات عرض کی اور حضور نے وہی جواب ارشاد فرمایا کہ کیا تو اللہ و رسول پر ایمان لاتا ہے کہ انہ فرمایا فارجمع فلن نستعین بمشرك واپس جاہم ہرگز کسی مشرك سے مدد نہ لیں گے۔

پھر حضور تشریف لے چلے جب وادی میں پہنچے وہ پھر آیا اور صحابہ خوش ہوئے اس نے وہی عرض کی حضور نے فرمایا کیا تو اللہ و رسول پر ایمان لاتا ہے عرض کی ہاں فرمایا فنعم اذن ہاں اب چلو۔

امام احمد و اسحاق ابن راہویہ مسانید اور امام بخاری تاریخ اور ابو بکر بن ابی شیبہ مصنف اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک میں ضییب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ (یعنی غزوہ بدر) کو تشریف لیے جاتے تھے میں اور میری قوم سے ایک شخص حاضر ہوئے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کسی معرکہ میں جائے اور ہم نہ جائیں (یہ قوم خزرج سے تھے کہ انصار سے ایک بڑا گروہ ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں مسلمان ہوئے؟ کہ انہ فرمایا فانا لا نستعین بالمشرکین علی المشرکین۔

تو ہم مشرکوں سے مشرکوں پر مدد نہیں چاہتے۔

اس پر ہم دونوں اسلام لائے اور ہمراہ رکاب اقدس شریک جہاد ہوئے۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح لاسناد ہے یوں ہی تنقیح میں اس کے رجال کی توثیق کی۔

امام واقدی مغازی اور امام اسحاق بن راہویہ مسند اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر و

معجم اوسط میں ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا ارشاد ہوا یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی یہود بنی قینقاع قوم عبد اللہ بن سلام حلفائے عبد اللہ بن ابی (یہ لفظ طحاوی ہیں اور لفظ ابن راہو یہ یوں ہیں۔ عرض کی گئی یہ عبد اللہ بن ابی ہے اپنے حلیفوں کے ساتھ کہ قوم عبد اللہ بن سلام کے یہود ہیں۔ اور لفظ واقعہ میں ہے یہ ابن ابی کے حلیف یہودی ہیں اور لفظ طبرانی میں ہے یہ عبد اللہ بن ابی ہے چھ سو یہودیوں کے ساتھ کہ اس کے حلیف ہیں) فرمایا کیا اسلام لے آئے؟ عرض کی گئی، نہ، وہ اپنے دین پر ہیں۔ فرمایا قل لہم فلیرجعوا فاننا لا نستعین بالمشرکین علی المشرکین۔

ان سے کہہ دو لوٹ جائیں ہم مشرکوں پر مشرکوں سے مدد نہیں لیتے۔

استعانت کی بعض روایات کا حال

بعض روایات کہ ان احادیث صحیحہ بلکہ آیات صریحہ کے مقابل پیش کی جاتی ہیں ان میں کوئی صحیح و مفید مدعائے مخالف نہیں محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں انھیں ذکر کر کے فرمایا و لا شک ان ہذہ لا تقاوم احادیث المنع فی القوۃ فکیف تعارضھا۔

کوئی شک نہیں کہ یہ روایتیں قوت میں احادیث منع کو نہیں پہنچتیں تو کیوں کر ان کے معارض ہو سکتی ہیں۔

خود ابو بکر حازمی شافعی نے کتاب الاعتبار میں حدیث صحیح مسلم دربارہ ممانعت روایت کر کے کہا و ما یعارضہ لا یوازیہ فی الصحۃ و الثبوت فتعذر ادعاء النسخ۔

اور اس کا خلاف جن روایتوں میں آیا ہے وہ صحت و ثبوت میں ان کے برابر نہیں تو ممانعت استعانت کو منسوخ ماننے کا ادعا ناممکن ہے۔

یہ اجمالی جواب بس ہے اور مجمل تفصیل یہ کہ یہاں دو واقعے پیش کیے جاتے ہیں جن سے احادیث منع کو منسوخ بتاتے ہیں کہ وہ واقعہ بدر واحد ہیں۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں کہ ان کے کئی برس بعد ہے بعض یہود بنی قینقاع سے یہود خیبر پر استعانت فرمائی۔ پھر ۸ھ غزوہ حنین میں صفوان ابن امیہ سے اور وہ اس وقت مشرک تھے۔ تو اگر ان پہلے واقعات میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشرک یا مشرکوں کو رد فرمانا اس بناء پر تھا کہ حضور کو رد و قبول کا اختیار تھا جب تو حدیثوں میں کوئی مخالفت ہی نہیں اور اگر اس وجہ سے تھا کہ مشرکوں سے استعانت ناجائز تھی تو ظاہر ہے کہ بعد کی حدیث نے ان کو منسوخ کر دیا۔

یہ تمام و کمال کلام امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ان سے فتح اور فتح سے رد الکتار میں نقل کیا اور تاواقفوں نے نہ سمجھا۔ یہ بعینہ کتاب الاعتبار حازمی شافعی میں امام شافعی سے مروی ہے۔

حيث قال قرأت على روح بن بدر اخبرك احمد بن محمد بن محمد بن احمد في كتابه عن ابي سعيد الصيرفي اخبرنا ابو العباس انا الربيع انا الشافعي قال الذي روى مالك كما روى . رد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مشرکا و مشرکین فی غزاة بدر و ابي ان يستعين الا بمسلم ثم استعان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعد بدر في غزوة خيبر بيهود من بنى قينقاع كانوا اشداء و استعان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في غزوة حنين سنة ثمان بصفوان بن امية و هو مشرک فالرد الاول ان كان بان له الخيار بان يستعين بمشرك و ان يرد كماله رد المسلم من معنى مخافة او شدة به فليس واحد من الحديثين مخالفا للآخر و ان كان رده لانه لم ير ان يستعين بمشرك فقد نسخه ما بعده من استعانة بالمشركين اذا خرجوا طوعا و يرضح لهم و لا يسهم لهم و لا يثبت عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم انه

اسہم لہم . انتہی .

میں نے روح بن بدر پر پڑھا کہ آپ کو محمد بن محمد بن احمد نے اپنی کتاب میں ابو سعید صیرفی سے خبر دی کہ انہوں نے کہا، ہمیں ابو العباس نے خبر دی کہ ہمیں ربیع نے خبر دی کہ ہمیں امام شافعی نے خبر دی کہ وہ جو امام مالک نے روایت فرمایا وہ ایسا ہی ہے جیسا انہوں نے روایت فرمایا۔ غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مشرک اور دو مشرکوں کو واپس فرمادیا اور غیر مسلم سے استعانت کرنا قبول نہ فرمایا۔ پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے بعد غزوہ خیبر میں بنی قینقاع کے کچھ یہودیوں سے کام لیا کہ زور آور تھے اور ۸ ہجری غزوہ حنین میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے جس وقت میں کہ وہ مشرک تھے کچھ امداد لی تو پہلا رد فرمادینا اگر اس بنا پر تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ کسی مشرک سے کام لیں یا اسے واپس فرمادیں جیسا انہیں مسلمان کے واپس فرمادینے کا اختیار ہے اس پر کسی خوف یا مشقت کے باعث۔ جب تو حدیثوں میں باہم کچھ اختلاف ہی نہیں اور اگر وہ واپس فرمادینا اس بنا پر تھا کہ حضور نے مشرک سے مدد لینا ناجائز جانا تو بعد کے واقعہ نے مشرکوں سے کام لیا اسے منسوخ کر دیا۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ مشرکوں سے لڑنے میں مشرکوں سے مدد لے جب کہ وہ اپنی خوشی سے لڑنے کو چلیں اور غنیمت میں سے انہیں کچھ تھوڑا سا دیا جائے پورا حصہ نہ دیا جائے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ حضور نے انہیں پورا حصہ دیا ہو۔

اس کے بعد جو فقرہ فتح ہے وہ بھی زیرِ قال الشافعی داخل اور انہیں کا قول ہے جسے بیہتہ شافعی نے ان سے روایت کیا۔

نصب الرایۃ میں ہے :

قال الشافعی لعلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما رد المشرک الذی ردہ فی

غزوة بدر رجاء اسلامه و قال و ذلك واسع للامام ان يرد المشرك اوياذن له . انتهى
و كلام الشافعي كله نقله البيهقي عنه .

امام شافعی نے فرمایا کہ وہ مشرک جسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوة بدر میں واپس فرمادیا تھا شاید یہ اس امید کی بنا پر ہو کہ وہ اسلام لے آئے گا۔ اور امام شافعی نے کہا سلطان اسلام کو گنجائش ہے چاہے مشرک کو واپس کر دے یا اجازت دے۔ انتہی۔ اور امام شافعی کا یہ سارا کلام بیہقی نے ان سے روایت کیا۔

(یہود سے استعانت کا جواب) اسہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقوم من

اليهود قاتلوا معه .

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو جنھوں نے ہمراہ رکاب اقدس قتال کیا تھا حصہ عطا فرمایا۔ اس سے استعانت کہاں ثابت ممکن کہ انھوں نے بطور خود قتال کیا ہو۔

صفوان بن امیہ سے استعانت کے روشن جواب

مدہا قصہ صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کا قبل از اسلام غزوة حنین شریف میں ہمراہ رکاب اقدس ہونا ضرور ثابت ہے مگر ہرگز ہرگز نہ ان سے قتال منقول نہ یہی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے قتال کو فرمایا ہو صرف اس قدر ہے کہ سوزرہ خود بکتر اور ایک روایت میں چار سوان سے عاریت لیے اور بطمع پردیش سرکار عالم مدار کہ مولفۃ القلوب سے تھے ہمراہ لشکر ظفر پیکر ہو لیے ان کی مراد بھی پوری ہوئی اور اسلام بھی پختہ و راسخ ہو گیا سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غنائم سے اتنا عطا فرمایا اتنا عطا فرمایا کہ یہ بجا اختیار کھٹے و اللہ ما طابت بهذا الانفس نبی .

خدا کی قسم اتنی عطا میں خوش دلی سے دینا نبی کے سوا کسی کا کام نہیں اشہد ان لا اله الا الله و

اشہد ان محمدا عبده و رسوله . صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .

امام ابن سعد طبقات پھر حافظ الشان عسقلانی اصحابہ فی تمییز الصحابہ میں ان ہی صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں :

لم يبلغنا انه غزا مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم .
ہمیں روایت نہ پہنچی کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جہاد کیا ہو۔
امام طحاوی مشکل الآثار میں فرماتے ہیں :

صفوان كان معه لا باستعانة منه ففى هذا ما يدل على انه انما امتنع من الاستعانة به و با مثاله و لم يمنعهم من القتال معه باختيار لذلك .
یعنی صفوان خود ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہو لیے تھے حضور نے ان سے استعانت نہ فرمائی اس میں دلیل ہے اس پر کہ حضور مشرکوں سے استعانت سے باز رہتے تھے اور وہ اپنے اختیار سے ہمراہی میں لڑیں اس سے منع نہ فرماتے تھے۔

اسی میں ہے :

حدثنا ابو امية قال حدثنا بشير بن عمر الزهراني قال قلت لمالك اليبسي ابن شهاب كان يحدث ان صفوان ابن امية سار مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فشهد حنيناً و الطائف و هو كافر قال بلى و لكن هو سار مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولم يامرہ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم .

ہم سے ابو امیہ نے حدیث بیان کی کہ ہم سے بشر بن عمر زہرانی نے حدیث بیان کی کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گزارش کی کہ کیا زہری یہ حدیث بیان نہ کرتے تھے کہ صفوان نے اپنے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس چل کر حنین و طائف کے غزووں میں بحالت کفر حاضر

ہوئے فرمایا ہاں مگر وہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ ہو لیے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نہیں فرمایا تھا۔

علامہ جلال الدین ابوالحسن یوسف حنفی معاصر میں فرماتے ہیں :

لا مخالفة بين حديث صفوان و بين قوله صلى الله تعالى عليه وسلم لا نستعين بمشرك لان صفوان قتاله كان باختياره دون ان يستعين به النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و ان الاستعانة بالمشرك جائزة لكن تخليتهم للقتال جائزة لقوله تعالى لا تتخذوا بطانة من دونكم و الاستعانة اتخاذا بطانة و قتالهم دون استعانة بخلاف ذلك .

یعنی حدیث صفوان اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے کچھ مخالف نہیں کہ صفوان کا قتال کو جانا اپنے اختیار سے تھا نہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے استعانت فرمائی ہو مشرک سے استعانت حرام ہے لیکن وہ خود لڑیں تو لڑنے دینا جائز ہے اس لیے کہ رب عزوجل نے فرمایا، غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ مشرک سے استعانت کرنا اسے رازدار بنانا ہے اور بلا استعانت خود اس کے لڑنے میں یہ بات نہیں۔

استعانت ذمی سے جائز حربی سے حرام

اقول : یہ مسئلہ کہ ذمی اگر مسلمانوں کے ہمراہ قتال کرے یا راستہ بتائے تو سلطان اسے غنیمت سے کچھ عطا فرمائے جو مسلمانوں کے حصہ سے کم ہو اور راہ بتانے میں بقدر اجرت۔ تمام متون مثل ہدایہ و وقایہ و تحفۃ الفقہاء و کنز و وافی و مختار و اصلاح و غرر و ملتقى و تنویر اور ان کے سوا جن جن کتب میں اس کا ذکر ہے جیسے خزائنہ المقتسمین و اشاہد و النظائر وغیر ہا سب میں ذمی کے ساتھ مقید ہے حتیٰ کہ علامہ محمد بن عبدالرحمن دمشقی نے رمة الامم اور امام عبدالوہاب شعرانی نے میزان الشریعہ میں اسے ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی

قید کے ساتھ ذکر کیا۔ رحمۃ اللہ کی عبارت یہ ہے۔

اتفقوا علی ان من حضر الغنیمۃ من مملوک او امرأۃ او صبی او ذمی فلهم الرضخ
علماء کا اتفاق ہے کہ غلام یا عورت یا لڑکا یا ذمی جو غنیمت میں حاضر ہوں تو انھیں کچھ دیا جائے گا پورا
حصہ نہیں بعض شراح نے اسی سے مسئلہ استعانت استنباط کیا۔

در مختار میں ہے :

لا لعبد و صبی و امرأۃ و ذمی و رضخ لهم اذا باشروا القتال او كانت المرء
ة تقوم بمصالح المرضى او دل الذمی علی الطريق.

غلام اور لڑکے اور عورت اور ذمی کے لیے غنیمت کا حصہ نہیں ہاں کچھ دیا جائے گا اگر لڑکی یا عورت
مریضوں کی تیمارداری کرے یا ذمی راستہ بتائے۔

ذمی کتابی سے استعانت جائز مشرک سے حرام ہے

امام اہل زینت حنفیت سیدنا احمد طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس میں اور تخصیص فرمائی اور اسی کو
حضرت سیدنا امام اعظم و جملہ ائمہ حنفیہ کا مذہب بتایا کہ مسئلہ استعانت کا کتابی سے خاص ہے۔ جہاد میں
وقت حاجت دے ہوئے یہودی یا نصرانی سے مدد لے سکتے ہیں مشرک سے اصلاً جائز نہیں۔

مشکل الآثار میں استعانت بمشرک سے ممانعت کی حدیثیں روایت فرمائیں پھر استعانت بہ
یہود کی حدیث اعتراضاً وارد کی پھر اس کے جواب میں فرمایا:

لیس فی ذلک ما یخالف شیئا ما رویناہ فی هذا الباب لان الیہود لیسوا من
المشرکین الذین قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الآثار الاول انه لا

نستمین بهم اولنک عبدة الاوثان و هولاء اهل الكتاب و الغلبة لنا لانا الاعلون عليهم
و هم اتباع لنا و هكذا حكمهم الآن عند كثير من اهل العلم منهم ابو حنيفة و اصحابه
رضى الله تعالى عنهم يقولون لا باس بالاستعانة باهل الكتاب فى قتال من سواء هم اذا
كان حكمنا هو الغالب و يكرهون ذلك اذا كان احكامنا بخلاف ذلك و نعوذ بالله
من تلك الحال .

وہ حدیثیں کہ اس باب میں ہم نے ذکر کیں یہ روایت کچھ ان سے مخالفت نہیں رکھتی اس لیے کہ
یہود مشرک نہیں ہیں جن کے بارے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اگلی حدیثوں میں فرمایا کہ ہم ان سے
استعانت نہیں کرتے، وہ بت پرست ہیں اور یہ کتابی ہیں اور غلبہ ان پر ہمیں کو ہے کہ ہم ہی ان پر بالادست
ہیں اور وہ ہمارے تابع ہیں اور اب بھی اکثر علماء کے نزدیک ان کا یہی حکم ہے۔ ازاں جملہ امام اعظم ابو حنیفہ
اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم، وہ فرماتے ہیں غیر کتابی کافروں کے مقابلہ میں کتابیوں سے مدد لینے
میں حرج نہیں جب کہ ہمارا ہی حکم غالب ہو اور کتابیوں سے بھی مدد لینے کو ناجائز رکھتے ہیں جب کہ حالت
اس کے خلاف ہو یعنی وہ ہمارے تابع و پیرو نہ ہوں اور اس حالت سے اللہ کی پناہ۔

مقتصر علامہ یوسف حنفی میں ہے :

الممتنع الاستعانة بالمشرك و اليهود ليسوا من المشركين هكذا حكمهم
عند ابي حنيفة و اصحابه اذا كان حكمنا هو الغالب بخلاف ما اذا لم يكن غالباً نعوذ
بالله .

مشرک سے استعانت ناجائز ہے اور یہودی مشرک نہیں امام اعظم اور ان کے تلامذہ کے نزدیک
یہی حکم ہے جب کہ ہمارا ہی حکم غالب ہو۔ بخلاف اس کے کہ معاذ اللہ ہمارا حکم ان پر غالب نہ ہو۔

اقسام استعانت اور ان کے احکام

اقول: تحقیق مقام بتوفیق منعم یہ ہے کہ یہاں استعانت کی تین حالتیں ہیں۔

التجا، اعتماد، استخدام

التجا: یہ کہ قلیل گروہ اپنے کو ضعیف و کمزور یا عاجز پا کر کثیر و قوی و طاقتور جتھے کی پناہ لے اپنا کام بنانے کے لیے اس کا دامن پکڑے یہ بدلہ اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دینا ہوگا اور انھیں خواہی نہ خواہی ان کے اشارے پر چلنا ان کی پس روی کرنی پڑے گی۔

اعتماد: یہ کہ گروہ مساوی سے یارا نہ گانٹھیں انھیں اپنا یا اور ویار و معین و مددگار بنائیں ان کی مدد و موافقت سے اپنے لیے غلبہ و عزت و کامیابی چاہیں۔ یہ اگر چہ اپنے آپ کو ان کے رحم پر چھوڑ دینا نہیں مگر ان کی ہمدردی و خیر خواہی پر اعتماد یقینا ہے۔ کوئی عاقل خون کے پیاسے دشمن بدخواہ کو معین و ناصر نہ بنائے گا۔ یہاں مساوات کے یہی معنی نہیں کہ ہر طرح قوت میں ہمارا ہم سنگ ہو بلکہ خود سر گروہ کہ ہمارے ہاتھ میں مجبور نہیں اور ہمارے ساتھ اظہار بدخواہی کر سکتا ہے۔ اسی شق میں ہے کہ باوصف خود سری اسے ناصر بنانا بے اعتماد نہ ہوگا۔ یہ دونوں صورتیں کفار کے ساتھ یقیناً نصوص قطعیہ قرآنیہ سے حرام قطعی ہیں۔ جن کی تحریم کو پہلی اور دوسری دو ہی آیتیں کافی و دوانی ہیں ہرگز کوئی مسلمان انھیں حلال نہیں کہہ سکتا۔

استخدام: یہ کہ کافر ہم سے دبا ہو اس کی چٹیا ہمارے ہاتھ میں ہو کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو وہ اگر چہ اپنے کفر کے باعث یقیناً ہمارا بدخواہ ہوگا مگر بے دست و پا ہے ہم سے خوف و طمع رکھتا ہے۔ خوف شدید کے باعث اظہار بدخواہی نہ کر سکے گا بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہوگا۔

الحمد للہ یہ تقریر فقیر غفرلہ التقدر نے تقہا لکھی تھی پھر امام شمس الائمہ سرخسی کی شرح سیر صغیر امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھی عظیم و جلیل تائید ملی، امام طحاوی و علامہ یوسف حنفی کی عبارتیں گزریں کہ جواز اس وقت ہے جب ہمارا ہی حکم غالب ہو۔ اور امام ابو جعفر کا ارشاد کہ ہم ہی بلند و بالا ہوں اور وہ ہمارے تابع۔ بعینہ یہی شرط سیر صغیر میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے امام محمد نے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا :

سالته عن المسلمین يستعینون باهل الشرك علی اهل الحرب قال لا بأس بذلك اذا كان حکم الاسلام هو الظاهر الغالب .

میں نے عرض کی کہ مسلمان اگر حربیوں پر مشرکوں سے مدد لیں تو کیسا ہے فرمایا مضا لفقہ نہیں بشرط کہ اسلام ہی کا حکم روشن و زبردست ہو۔

مسخر کافر سے استعانت جائز ہے

ارشاد ہوا، لان قتالهم بهذه الصفة لا عزاز الدين و الاستعانة عليهم باهل الشرك كاستعانة بالكلاب .

دو ورق پہلے فرمایا :

و الاستعانة باهل الذمة كاستعانة بالكلاب .

یعنی اس لیے کہ جب وہ اس حالت پر ہوں تو ان کا لڑنا ہمارے ہی دین کے اعزاز کو ہوگا اور حربیوں پر ان ذمی مشرکوں سے استعانت ایسی ہوگی جیسے شکار میں کتوں سے مدد لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ہمارے ہاتھ میں کتوں کی طرح مسخر ہوں کہ ان کا فعل ہمارے ہی لیے ہو، ہمارے ہی دین کے اعزاز کے واسطے ہو۔

کتے سے شکار میں استعانت کب جائز ہوتی ہے جب کہ وہ وقت شکار سارا کام ہمارے ہی لیے کرے اس میں سے اپنے واسطے کچھ نہ کرے اگر شکار مارا اور ماشہ بھر اس کا گوشت کھالیا شکار حرام ہے۔ تو استخدام بتایا اور وہ بھی سب سے ذلیل تر یعنی جیسے کتے سے خدمت لیتے ہیں اور شرط فرمادی کہ وہ خود سری سے یکسر نکل کر محض ہمارے لیے آلہ بن گئے ہوں یہ نہ ہوگا مگر اسی صورت میں کہ ہم نے منہج کی۔

استعانت کے جواز و عدم جواز کے پہلو

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

اور اس کے لیے ضرور ہے کہ وہ معدودے چند ذلیل قلیل ہوں کہ بڑا گروہ ہو تو ممکن کہ میدان میں پہنچ کر کافروں کا لشکر دیکھ کر شرارت پر آئے اور پھن دکھائے۔ ممکن کہ یہی حکمت ہو کہ روز احد چھ سو یہود کو واپس فرما دیا کہ یہ بڑا جتھا ہوا خصوصاً اس حالت میں کہ مسلمان صرف سات سو اور مغلطائی کی روایت میں چھ ہی سوتھے اور غزوہ خیبر میں حسب روایت واقدی صرف دس یہود کو ہمراہی کا حکم فرمایا کہ مسلمان ایک ہزار چار سوتھے۔ اور غزوہ حنین میں تو صفوان جیسے ستر اسی بھی مان لیجیے تو کچھ نہ تھے کہ الہی لشکر بارہ ہزار تھا جس کی کثرت کا ذکر خود قرآن عظیم میں ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے علماء ان مسائل میں ذمی و کافر بصیغہ مفرد لکھتے ہیں نہ بصیغہ جمع۔

استخدام کی چار صورتیں اور ان کے احکام

استخدام کی چار صورتیں ہیں۔

اول : اس سے ایسی استعانت جس میں وہ ہمارا راز دار و خیل کار بنے یہ مطلقاً حرام ہے۔

فرماتا ہے جلا و علا :

ام حسبتم ان تتركوا و لما يعلم الله الذين جاهدوا منكم و لم يتخذوا من دون الله و لا رسوله و لا المؤمنين و ليجة و الله خير بما تعملون.

کیا اس گھمنڈ میں ہو کہ یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے اور ابھی وہ لوگ اعلانیہ ظاہر نہ ہوئے جو تم میں سے جہاد کریں اور اللہ و رسول و مسلمین کے سوا کسی کو اپنا راز و خیل کا رنہ بنائیں اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ اس لیے حدیث میں ان سے مشورہ لینا ناجائز فرمایا۔

کافر کو محرری پر نوکر رکھنے کی ممانعت

تفسیر کبیر میں ہے :

ان المسلمین كانوا يشاررونهم في امورهم و يؤانسونهم لما كان بينهم من الرضاع و الحلف ظنا منهم انهم و ان خالفوهم في الدين فهم ينصحون لهم في اسباب المعاش فنهاهم الله تعالى بهذه الآية عنه فممنع المؤمنين ان يتخذوا بطانة من غير المؤمنين فيكون ذلك نهيا عن جميع الكفار و قال يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوى و عدوكم اولياء و مما يوكد ذلك ما روى انه قيل لعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ههنا رجل من اهل الحيرة نصراني لا يعرف اقوى حفظا و لا احسن خطا منه فان رأيت ان نتخذه كاتباً فامتنع عمر من ذلك و قال اذن اتخذت بطانة من غير المؤمنين .

یعنی کچھ مسلمان بعض یہود سے اپنے معاملات میں مشورہ کرتے اور باہم دل بہلاتے کہ کسی سے دودھ کی شرکت تھی کوئی کسی کا حلیف تھا یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اگرچہ دین میں ہمارے خلاف ہیں دنیوی باتوں میں تو ہماری خیر خواہی کریں گے۔ اس آئیہ کریمہ میں رب العزت جل و علانے انہیں منع فرمادیا اور حکم دیا کہ کسی غیر مسلم کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ تو یہ نہ صرف یہود بلکہ جملہ کفار سے ممانعت ہوئی اور اللہ عز و جل نے

فرمایا اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو یار نہ بناؤ۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوئی کہ ان سے عرض کی گئی کہ شہر حیرہ میں ایک نصرانی ہے اس کا سا حافظہ اور عمدہ خط کسی کا معلوم نہیں، حضور کی رائے ہو تو ہم اسے محرر بنالیں۔ امیر المؤمنین نے اسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ ایسا ہو تو میں غیر مسلم کو راز دار بنانے والا شہروں گا۔

تفسیر لباب التاویل وغیرہ پارہ ۶ میں ہے۔

روی ان ابا موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت لعمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لی کتابا نصرانیا فقال مالک و له قاتلک اللہ الا اتخذت حنیفا یعنی مسلما اما سمعت قول اللہ عزوجل یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود و النصارى اولیاء قلت له دینہ ولی کتابتہ قال لا اکرمہم اذا اهانہم اللہ و لا اعزہم اذا اذلہم اللہ و لا اقربہم اذا ابعدهم اللہ قلت لا یتم امر البصرۃ الا بہ فقال مات النصرانی و السلام یعنی ہب انہ مات فما تصنع بعد فما تعمل بعد موتہ فاعملہ الآن و استعن عنہ بغيرہ من المسلمین .

یعنی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ میں نے امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم سے عرض کی میرا ایک محرر نصرانی ہے فرمایا تمہیں اس سے کیا علاقہ، خدا تم سے سمجھے کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر بنایا کیا تم نے یہ ارشاد الہی نہ سنا کہ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو یار نہ بناؤ میں نے عرض کی اس کا دین اس کے لیے ہے مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے فرمایا میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا جب کہ انھیں اللہ نے خوار کیا، نہ انھیں عزت دوں گا جب کہ انھیں اللہ نے ذلیل کیا، نہ ان کو قرب دوں گا جب کہ اللہ نے انھیں دور کیا۔ میں نے عرض کی بصرہ کا کام بے اس کے پورا نہ ہوگا فرمایا مر گیا نصرانی والسلام۔ یعنی فرض کرو کہ وہ مر گیا اس کے بعد کیا کرو گے۔ جو جب کرو گے اب کرو اور کسی مسلمان کو مقرر

کر کے اس سے بے نیاز ہو جاؤ۔

کافر کی تعظیم حرام ہے

دوم: اسے بعض مسلمانوں پر کوئی عہدہ و منصب دینا جس میں مسلم پر اس کا استعلا ہو مثلاً مسلمان فوج کے کسی دستے کا افسر بنانا یہ بھی حرام ہے۔ ابھی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گزرا کہ اللہ نے انھیں خوار کیا میں گرامی نہ کروں گا۔ اللہ نے انھیں ذلت دی میں عزت نہ دوں گا۔ کتب حدیث میں یوں ہے کہ جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے محرری پر مقرر کیا امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں فرمان میں لکھا۔

ليس لنا ان نأتمنهم و قد خونهم الله و لا ان نرفعهم و قد وضعهم الله و لا ان نعزهم و قد امرنا بان يعطوا الجزية عن يدوهم صاغرون.

ہمیں روا نہیں کہ کافروں کو امین بنائیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں خائن بتایا ہے یا ہم انھیں رفعت دیں حالاں کہ اللہ سبحانہ نے انھیں پستی دی یا انھیں عزت دیں حالاں کہ ہمیں حکم ہے کہ کافر ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں۔

در مختار میں ہے :

يمنع من استكتاب و مباشرة يكون بها معظما عند المسلمين و تمامه في الفتح و في الحاوي ينبغي ان يلازم الصغار بينه و بين المسلم في كل شيء و عليه فيمنع من القعود حال قيام المسلم عنده و في البحر و بحر م تعظيمة .

یعنی ذمی کافر کو محرر بنانا یا اور کوئی ایسا عمل سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو جائز نہیں اس کا پورا بیان فتح القدر میں ہے۔ حاوی میں ہے وہ مسلمان کے ساتھ ہر معاملہ میں دبا ہوا ذلیل رہے تو

جب تک اس کے پاس کوئی مسلمان کھڑا ہو اسے بیٹھنے نہ دیں گے یہ بحر الرائق میں ہے اور اس کی تعظیم حرام ہے۔

ہدایہ میں ہے :

قالوا الا حق ان لا يتركوا ان يركبوا الا للضرورة و اذار كبوا للضرورة فينزلوا في مجامع المسلمين .

علماء نے فرمایا سزاوار تو یہ ہے کہ انھیں سوار ہونے ہی نہ دیں مگر (مرض وغیرہ کی) ناچاری سے پھر جب مجبوری کو سوار ہوں تو یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں کے مجمع میں اتر لیں۔

سوم: بے حاجت اس سے استعانت کرنا یہ بھی ناجائز ہے۔

در مختار میں ہے :

مفادہ جواز الاستعانة بالكافر عند الحاجة .

اس عبارت سے سمجھا گیا کہ حاجت کے وقت کافر (ذمی) سے استعانت جائز ہے۔

اسی میں ردالمحتار سے ہے :

اما بدونها فلا لانه لا يؤمن غدرة

حاجت نہ ہو تو جائز نہیں کہ کچھ اطمینان نہیں کہ وہ بد عہدی نہ کرے گا۔

مقبور کافر سے صرف استعانت جائز ہے

چہارم: اب ایک صورت یہ رہی کہ دے ہوئے مقبور کافر سے بشرط حاجت ایسی استعانت نہ

اسے راز دار و دخیل کار بنانا ہونے کسی مسلمان پر اس کا استعلاء۔ یہ ہے وہ جس کی ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رخصت دی۔

کافر سے استعانت کا ایک اور جواب

امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

قوله صلى الله تعالى عليه وسلم فارجع فلن استعين بمشرك و قد جاء في الحديث الآخر ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم استعان بصفوان بن امية قبل اسلامه فاخذ طائفة من العلماء بالحديث الاول على اطلاقه و قال الشافعي و آخرون ان كان الكافر حسن الراى فى المسلمين و دعت الحاجة الى الاستعانة به استعين و الا فيكره حمل الحديثين على هذين الحالين.

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ واپس جاؤ ہم ہرگز کسی مشرک سے استعانت نہ کریں گے اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے اس حال میں امداد لی کہ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ تو ایک جماعت علماء نے پہلی حدیث کا مطلق حکم اختیار کیا اور شافعی اور کچھ اوروں نے کہا کافر اگر مسلمانوں کے حق میں نیک رائے رکھتا ہو اور اس سے استعانت کی حاجت پڑے تو کی جائے گی ورنہ منع ہے امام شافعی نے ان دونوں حدیثوں کو ان دونوں حالوں پر محمول کیا۔

شرط حاجت تو صاف ذکر فرمائی اور شرط اول کا یوں اشعار کیا کہ کسی کافر کی رائے مسلمانوں کے بارے میں اچھی ہو تو اس سے استعانت جائز ہے۔ اسی شرط کو حازمی شافعی نے یوں ذکر کیا۔

والشأنی فی ان یکونوا فمّن یوثق بهم فلا تخشى نائرتهم فمتی فقد هذان

الشرطان لم یجز للامام ان یتعین بهم

یعنی حاجت کے ساتھ دوسری شرط یہ ہے کہ ان کافروں پر وثوق ہو کہ ان کی شرارت کا اندیشہ نہ رہے، ان دونوں شرطوں میں سے کوئی کم ہوگی تو سلطان اسلام کو کافروں سے استعانت جائز نہ ہوگی۔

اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے اور اللہ سب سے زیادہ سچا ہے لا یالونکم خیالاً و دواما عنتم۔ کافر تمہاری بدخواہی میں گئی نہ کریں گے تمہارا مشقت میں پڑنا ان کی دلی تمنا ہے تو محال ہے کہ خود سر کافر مسلمانوں کے لیے کوئی اچھی رائے رکھیں ان کی خیر خواہی پر وثوق ہو سکے ان کا خود سر کافر ہونا ہی ان پر پورا بے اطمینانی کا پورا موجب ہے۔

محقق علی الاطلاق فتح القدر باب الموادعة میں فرماتے ہیں:

لعل خوف الخيانة لازم للعلم بكفرهم و كونهم حربا علينا.

امید یہ ہے کہ خوف خیانت آپ ہی لازم ہے کہ ان کا کافر اور ہم سے مقاتل ہونا معلوم ہے۔

تو مسلمانوں کے خیر خواہ و قابل وثوق نہیں ہو سکتے مگر معدود چند ذلیل قلیل مجبور و مقہور کافر جن کو سرکشی کی مجال نہیں و لہذا تمام علماء نے مسئلہ رضح کو ذمی کے ساتھ مقید فرمایا اور اسے بصیغہ مفرد ذکر کیا۔

جہاد کے اقسام

تنبیہ: جہاد کہ اعظم وجوہ ازالہ منکر ہے اسی کی تین قسمیں ہیں۔

جنائی، لسانی، سنائی۔

جہاد جنائی: یعنی کفر و بدعت و فسق کو دل سے برا جاننا جو ہر کافر مبتدع فاسق سے ہے اور ہر مسلمان کہ اسلام پر قائم ہو، کرتا ہے مگر جنہوں نے اسلام کو سلام اور اپنے آپ کو مشرکین و کفار کا غلام کیا ان کی راہ جدا ہے۔ ان کا دین غیر دین خدا ہے۔

لسانی : کہ زبان و قلم سے رو۔

جہاد سنانی : کفار و مشرکین سے معرکہ آرائی کرنا۔
(الحجۃ المکرمۃ فی آیۃ المکتوبۃ)

منافقین کو مسجد سے نکال دیا گیا

صدر اسلام میں مسلمانوں میں منافقین کا اختلاط تھا مگر اللہ عزوجل نے صاف ارشاد فرمادیا تھا کہ یہ گھال میل جو ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں یوں رہنے نہ دے گا ضرور خبیثوں کو طیبوں سے الگ کر دے گا۔ قال اللہ تعالیٰ و ما کان اللہ لیذر المؤمنین عنی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب۔

اس کے بعد بھری مسجد میں خاص جمعے کے دن علی رؤس الاشہاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نام بنام ایک ایک کو فرمایا اخرج یا فلاں فانک منافق اے فلاں نکل جا تو منافق ہے۔ نماز سے پہلے سب کو نکال دیا (یہ حدیث طبرانی و ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی)

مخالفین دین کے ساتھ یہ برتاؤ ان کا ہے جنہیں رب العزت عز جلالہ رحمۃ للعالمین فرماتا ہے جن کی رحمت، رحمت الہیہ کے بعد تمام جہان کی رحمت سے زیادہ ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کفار و منافقین پر سختی کا حکم

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا یا ایہا النبی جاہد الکفار و المنافقین و اغلظ علیہم۔

اے نبی جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور ان پر شدت و سختی کر۔

یہ انہیں حکم دیتا ہے جن کی نسبت فرماتا ہے انک لعلی خلق عظیم بے شک تو بڑے

خلق پر ہے۔

تو معلوم ہوا کہ مخالفان دین پر شدت و غلظت منافی اخلاق نہیں یہی خلق حسن ہے۔

امام احمد رضا بریلوی اور فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز جمعہ میں دیر ہوگئی راستے میں دیکھا کہ چند لوگ مسجد سے لوٹے ہوئے آرہے ہیں آپ اس ندامت کی وجہ سے کہ ابھی میں نے نماز نہیں پڑھی ہے چھپ گئے، اور وہ اس ذلت کی وجہ سے جو مسجد شریف سے نکال دینے میں ہوئی تھی الگ چھپ کر نکل گئے۔

رب العزت تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يا ايها النبي جاهد الكفار و المنافقين و اغلظ عليهم .

اے نبی جہاد فرما اور سختی فرما کافروں اور منافقوں پر۔

اور فرماتا ہے جلا و علا:

محمد رسول الله و الذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم .

محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور جو ان کے ساتھی ہیں کفار پر سخت ہیں اور آپس

میں نرم دل۔

اور فرماتا ہے جل و علا۔

و ليجدوا فيكم غلظه

لازم کہ کفار تم میں سختی پائیں۔

تو ثابت ہوا کہ کافروں پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سختی فرماتے تھے۔ (المملو ظ حصہ اول)

۸۰/ اسی قیدی

و هو الذی کف ایدیہم عنکم و ایدیکم عنہم بیطن مکة من بعض ان اظفر کم علیہم و کان اللہ بما تعملون بصیرا .

وہی ہے ذات جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روکا اس کے بعد کہ تمہیں ان پر کامیابی عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

آیت مذکورہ بالا کے شان نزول کے ضمن میں امام بغوی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل فرمائی کہ اہل مکہ میں سے ستر مسیح افراد جبل معصیم سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر حملہ کی نیت سے اترے تو صحابہ کرام نے انہیں قیدی لیا اور پھر انہیں چھوڑ دیا۔ چنانچہ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں اسی افراد کا ذکر ہے۔ (تعلیقات رضا)

جہاد ذریعہ رزق ہے

احمد ابو یعلیٰ اور طبرانی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی :

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال بعثت بین یدی الساعة بالسيف حتی یعدوا اللہ تعالیٰ وحده لا شریک له و جعل رزقی تحت ظل رمحی . الحدیث .

حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قرب قیامت تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں ہے۔ (مولف)

ابن عدی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی :

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الزموا الجہاد تصحوا و تستغنوا
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہاد کو لازم کر لو، صحت یاب اور غنی ہو جاؤ گے۔

(مولف)

شیرازی القاب میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی :

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اطیب کسب المسلم سہمہ فی سبیل اللہ.
حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان کی بہترین کمائی جہاد کا مال غنیمت

(مولف)

ہے۔

قال المناوی فی التیسیر لان ما حصل بسبب الحرص علی نصرۃ دین اللہ

تعالیٰ لا شیء اطیب منه فهو افضل من البیع و غیرہ

مناوی نے تیسیر میں فرمایا کہ دین خدا کی نصرت و حمایت پر حرص کے سبب سے جو مال حاصل ہو

اس سے بہتر کوئی چیز نہیں، وہ بیع وغیرہ سے بھی افضل ہے۔

و فی رد المحتار عن المنتقی و مواہب الرحمن فی تفاضل انواع الکسب

افضلہ الجہاد ثم التجارۃ ثم الحراۃ ثم الصناعۃ .

رد المحتار و مواہب الرحمن وغیرہ میں اقسام کسب کی فضیلت میں ہے کہ سب سے بہتر و افضل کسب

جہاد، پھر تجارت، پھر زراعت و کاشت، پھر صنعت و حرفت ہے۔ (مولف) (خیر الامال فی حکم الکسب والسوال)

رسول جہاد

ابن سعد مجاہد کی سے مرسل راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا محمد و احمد انا رسول الرحمة انا رسول الملحمة انا المقفی و الحاشر.

میں محمد و احمد ہوں میں رسول رحمت ہوں میں رسول جہاد ہوں میں خاتم الانبیاء ہوں میں لوگوں کو
حشر دینے والا ہوں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

امام احمد و ابن سعد و ابن ابی شیبہ اور امام بخاری تاریخ اور ترمذی شمائل میں حضرت حذیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی مدینہ طیبہ کے ایک راستے میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے ملے
ارشاد فرمایا :

انا محمد و انا احمد و انا نبی الرحمة و نبی التوبة و انا المقفی و انا الحاشر و
نبی الملاحم .

میں محمد میں احمد ہوں میں رحمت کا نبی ہوں میں توبہ کا نبی ہوں میں سب میں آخر نبی ہوں میں حشر
دینے والا ہوں میں جہادوں کا نبی ہوں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی :

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یسمی فی الکتب القديمة احمد و
محمد و الاحی و المقفی و نبی الملاحم و حمطایا و فارقلیطا و ماذ ماذ .
اکلی کتابوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ نام تھے۔

احمد، محمد

ماحی : کفر و شرک کو مٹانے والا

مقفی : سب پیغمبروں سے پیچھے تشریف لانے والے۔

- نبی الملاحم : جہادوں کے پیغمبر
 حمطایا : حرم الہی کے حمایتی
 فارقلیطا : حق کو باطل سے جدا کرنے والے
 ماذاذ : سحرے پاکیزہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوة)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشارہ ابرو پر اپنی پیاری جانیں خدا کی راہ میں قربان کیں اور اسی کو اپنی زندگی کا تمغہ کمال سمجھا، امام احمد رضا بریلوی اپنے دیوان میں فرماتے ہیں :

اشعار

حسن یوسف پہ کشیں مصر میں انگشت زناں
 سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

شور تکبیر سے تھر تھراتی زمیں
 جنبش جیش نصرت پہ لاکھوں سلام

نعرہائے دلیراں سے بن گونجتے
 غرش کوس جرأت پہ لاکھوں سلام

•
 وہ چقاچاق خنجر سے آتی صدا
 مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

•
 ان کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں
 شیر غران سطوت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)



غزوات نبوی ﷺ

و فانتوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتروا الله لا يعب (المعنرين)

اور اللہ کی راہ میں لڑوان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔

(سورة البقرة، آیت ۱۹۰)

غزوات نبوی ﷺ ۲

غزوہ اور سریہ کی تعریف

اس میں ارباب سیر کی یہ اصطلاح جاری ہو چکی ہے کہ ہر وہ لشکر جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس خود موجود ہوں اسے ”غزوہ اور غزوات“ کہتے ہیں۔

اور جس لشکر میں خود موجود نہ ہوں بلکہ کوئی فوج روانہ فرمائی ہو اسے ”بعث اور سریہ“ کہتے ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ یعنی رات میں سیر کرنا ہے۔

اور اہل سیر کی اصطلاح میں لشکر کا وہ ٹکڑا جسے دشمن پر تاخت کے لیے بھیجا گیا ہو سریہ کہتے ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ لشکر کا وہ ٹکڑا ہے جو لشکر سے جدا ہو کر جائے پھر اسی لشکر میں

لوٹ کر شامل ہو جائے اور ان کی تعداد ۱۰۰ سے پانچ سو ۵۰۰ تک ہو۔ اور اگر پانچ سو سے زیادہ ہو اسے

منسر (بروزن منبر) کہتے ہیں۔ اور جو آٹھ سو سے زیادہ ہو اسے ”جیش“ کہتے ہیں۔ اگر چار ہزار سے زیادہ

ہو جائے تو حمل (بتقدیم جیم برحا) اور لشکر عظیم کو ”خمیس“ کہتے ہیں جس میں پانچ ٹکڑے ہوں۔ (۱) مقدمہ

(۲) قلب (۳) مینہ (۴) میسرہ اور (۵) ساقہ۔

اور کتبہ اور لشکر وہ ہے جو مجتمع ہو بکھرا ہوا نہ ہو۔

غزوات و سراپا کی تعداد

ان غزوات کی تعداد جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہو کر تشریف

لائے ستائیس ہے۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔

اور صاحب روضۃ الاحباب کے قول کے بموجب اکیس (۲۱) اور ایک اور قول کے بموجب چوبیس (۲۴) بھی منقول ہے۔ اس کی وجہ تطبیق بھی بیان کی گئی ہے اور تعجب ہے کہ وہ قول جو صحیح بخاری میں زید بن ارقم سے مروی ہے جو انیس (۱۹) غزوات کا ہے ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

نو ۹ غزوات ایسے ہیں جن میں قتال واقع ہوا ہے وہ یہ ہیں۔

- (۱) جنگ بدر ۲۔۵
- (۲) جنگ احد ۳۔۵
- (۳) جنگ مرسیع (بنی المصطلق) ۵۔۵
- (۴) جنگ احزاب (جنگ خندق) ۵۔۵
- (۵) جنگ بنو قریظہ ۵۔۵
- (۶) جنگ خیبر ۷۔۵
- (۷) فتح مکہ ۸۔۵
- (۸) جنگ حنین (ہوازن) ۸۔۵
- (۹) جنگ طائف ۸۔۵

جن اٹھارہ غزوات میں قتال واقع نہیں ہوا وہ حسب ذیل ہیں

- (۱) غزوة ابواء ۲۔۵
- (۲) غزوة بواط ۲۔۵
- (۳) غزوة بنی نضیر ۳۔۵
- (۴) غزوة بدر صغریٰ ۳۔۵

- (۵) غزوةِ عثيرة ۲ھ
- (۶) غزوةِ بدر اولیٰ ۲ھ
- (۷) غزوةِ قرقرة الکدئی ۲ھ
- (۸) غزوةِ سویق ۲ھ
- (۹) غزوةِ قینقاع ۳ھ
- (۱۰) غزوةِ غطفان ۳ھ
- (۱۱) غزوةِ نجران ۳ھ
- (۱۲) غزوةِ دومة الجندل ۵ھ
- (۱۳) غزوةِ ذات الرقاع ۶ھ
- (۱۴) غزوةِ ذی قرد ۶ھ
- (۱۵) غزوةِ بنو لحيان ۶ھ
- (۱۶) غزوةِ حدیبیہ ۶ھ
- (۱۷) غزوةِ وادی القریٰ ۷ھ
- (۱۸) غزوةِ جیش العسرة (تبوک) ۹ھ

سرائیا کی تعداد سینتالیس ۴۷ تھی اور بعض چھپن ۵۶ شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ سرایا کے نام

یہ ہیں۔

- (۱) سریہ دار ارقم ۲ھ
- (۲) سریہ سعد بن ابی وقاص بجانب وادی خرار ۲ھ
- (۳) سریہ عبداللہ بن جحش، بمقام بطن نخلہ ۲ھ
- (۴) سریہ عمیر بن عدی ۲ھ
- (۵) سریہ سالم بن عمیر ۲ھ
- (۶) سریہ قردہ ۲ھ
- (۷) سریہ رجب ۳ھ

- (۸) سریہ ابوسلمہ مخزومی، بمقام موضع قطن ۳ھ
- (۹) سریہ عبداللہ بن انیس بمقام بطن عربیہ ۳ھ
- (۱۰) سریہ بیر معونہ ۴ھ
- (۱۱) سریہ ابوعبیدہ بن الجراح بجانب سیف البحر ۵ھ
- (۱۲) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب بنی کلاب ۶ھ
- (۱۳) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب بنی ثعلبہ ۶ھ
- (۱۴) سریہ محمد بن مسلمہ بمقام نجد ۶ھ
- (۱۵) سریہ عکاشہ بن کھن بجانب بنی اسد ۶ھ
- (۱۶) سریہ زید بن حارثہ بمقام وادی القرئی ۶ھ
- (۱۷) سریہ زید بن حارثہ بمقام موضع جموم ۶ھ
- (۱۸) سریہ زید بن حارثہ، بمقام عیص ۶ھ
- (۱۹) سریہ زید بن حارثہ بجانب ام قرقہ ۶ھ
- (۲۰) سریہ زید بن حارثہ بسوائے چشمہ طرف ۶ھ
- (۲۱) سریہ زید بن حارثہ بجانب بخشی ۶ھ
- (۲۲) سریہ زید بن حارثہ، بمقام وادی القرئی باردوم ۶ھ
- (۲۳) سریہ عبدالرحمن بن عوف بجانب بنی کعب ۶ھ

- (۲۴) سریہ علی مرتضیٰ بجانب فدک ۶ ھ
- (۲۵) سریہ عبداللہ بن رواحہ بمقام خیبر ۶ ھ
- (۲۶) سریہ ابو بکر صدیق ۷ ھ
- (۲۷) سریہ عمر بن الخطاب ۷ ھ
- (۲۸) سریہ بشر بن سعد انصاری ۷ ھ
- (۲۹) سریہ غالب بن عید اللہ لیشی بجانب میفہ ۷ ھ
- (۳۰) سریہ غالب بن محمد اللہ بجانب بنی المویج ۷ ھ
- (۳۱) سریہ غالب لیشی بسوئے کدید ۸ ھ
- (۳۲) سریہ فدک ۸ ھ
- (۳۳) سریہ موتہ ۸ ھ
- (۳۴) سریہ عمرو بن العاص، بمقام ذات السلاسل ۸ ھ
- (۳۵) سریہ ابو عبیدہ بن الجراح، بمقام الخبط ۸ ھ
- (۳۶) سریہ ابو عامر اشعری، جنگ او طاس ۸ ھ
- (۳۷) سریہ علی مرتضیٰ، بجانب قبیلہ بنی طے ۹ ھ
- (۳۸) سریہ خالد بن ولید بجانب دومتہ الجندل ۹ ھ
- (۳۹) سریہ خالد بن ولید بجانب قبیلہ بنی حارث بن کعب ۱۰ ھ

(۴۰) سریہ جریر بن عبد اللہ بجلی بجانب ذی الکلاع بن کور، طائف ۵ھ

(۴۱) سریہ اسامہ بن زید بجانب بحر روم ۵ھ (مولف)

(مدارج النبوة جلد دوم، بحوالہ مردان عرب)

ہجرت کے بعد کا تقریباً کل زمانہ ”غزوات و سرایا“ کے اہتمام و انتظام میں گزرا اس لیے کہ اگر غزوات کی کم سے کم تعداد جو روایات میں آئی ہے۔ یعنی انیس اور سرایا کی کم سے کم تعداد جو روایتوں میں ہے یعنی سینتالیس، شمار کر لی جائے تو نو سال میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوٹی بڑی چھیا سٹھ لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لہذا غزوات و سرایا کا عنوان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا بہت ہی عظیم الشان حصہ ہے اور بحمدہ تعالیٰ ان بعض غزوات و سرایا کا تذکرہ مختصراً یہ ہے۔

سریہ حمزہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جب جہاد کی آیت نازل ہو گئی تو سب سے پہلے جو ایک چھوٹا سا لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا اس کا نام ”سریہ حمزہ“ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور اس جھنڈے کے نیچے صرف ۳۰ مہاجرین کو ایک لشکر کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا جو تین سو کی تعداد میں تھے اور ابو جہل ان کا سپہ سالار تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیف البحر تک پہنچے اور دونوں طرف سے جنگ کے لیے صف بندی بھی ہو گئی لیکن ایک شخص مجدی بن عمرو جہنی نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا بیچ میں پڑ کر لڑائی موقوف کرادی۔

سریہ عبیدہ بن الحارث

اسی سال ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الحارث

کو سفید جھنڈے کے ساتھ امیر بنا کر رابغ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس سر یہ کے علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب یہ لشکر ثنیہ مرہ کے مقام پر پہنچا تو ابوسفیان اور ابو جہل کے لڑکے عکرمہ کی کمان میں دو سو کفار قریش جمع تھے دونوں لشکروں کا سامنا ہوا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ یہ سب سے پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے کفار مکہ پر چلایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کل آٹھ تیر پھینکے اور ہر تیر نشانہ پر ٹھیک بیٹھا کفار ان تیروں کی مار سے گھبرا کر فرار ہو گئے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

سر یہ سعد بن ابی وقاص

اسی سال ماہ ذوالقعدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مقصد سے بھیجا تا کہ یہ لوگ کفار قریش کے ایک لشکر کا راستہ روکیں اس سر یہ کا جھنڈا بھی سفید رنگ کا تھا اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر کے علمبردار تھے۔ یہ لشکر راتوں رات سفر کرتے ہوئے جب پانچویں دن مقام خرار پر پہنچا تو پتہ چلا کہ مکہ کے کفار ایک دن پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں اس لیے کسی تصادم کی نوبت ہی نہیں آئی۔

غزوة ابواء

اس غزوة کو ”غزوة ودان“ بھی کہتے ہیں یہ سب سے پہلا غزوة ہے یعنی پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاد کے ارادے سے ماہ صفر ۲ھ میں ساٹھ مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکلے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا دیا اور مقام ”ابواء“ تک کفار کا پیچھا کرتے ہوئے تشریف لے گئے مگر کفار مکہ فرار ہو چکے تھے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

ابواء مدینہ سے اسی میل دور ایک گاؤں ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار ہے۔ یہاں چند دن ٹھہر کر قبیلہ بنو ضمرہ کے سردار ”نخشی بن عمرو ضمری“ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امداد باہمی کا ایک تحریری معاہدہ کیا۔ اور مدینہ واپس تشریف لائے۔ اس غزوہ میں پندرہ دن آپ مدینہ سے باہر رہے۔ اس معاہدہ کا متن یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ لِبَنِي ضَمْرَةَ بَانَہِمُ
 آمَنُونَ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ وَ اِنْ لَّهُمُ النَّصْرَةُ عَلٰی مَنْ رَامَهُمْ اِلَّا اَنْ يَّحَارِبُوْا فِیْ دِیْنِ
 اللّٰهِ مَا بَلَ بَحْرٍ صَوْفَةٍ وَ اِنْ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَاهُمْ لِنَصْرِهِ اَجَابُوْهُ
 عَلَیْہِمُ بِذٰلِكَ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِهِ وَ لَّهُمُ النَّصْرُ عَلٰی مَنْ بَرَّ مِنْہُمْ وَ اتَّقٰی .

اللہ کے نام سے جو بہت رحم کرنے والا اور ہمیشہ مہربانی فرمانے والا ہے۔ یہ تحریر محمد رسول اللہ کی طرف سے بنی ضمرہ کے لیے لکھی گئی ہے یعنی وہ امن سے رہیں گے، ان کی جان و مال کو امن ہوگا اور جو آدمی ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے گا انہیں اس کے مقابلہ میں مدد دی جائے گی۔ بجز اس کے کہ وہ اللہ کے دین میں لڑائی کرے۔ یہ معاہدہ باقی رہے گا جب تک سمندر کا پانی اون کو گیلا کرتا رہے گا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ان کو اپنی مدد کے لیے دعوت دیں گے تو وہ اس دعوت پر لبیک کہیں گے۔ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا ذمہ دار ہے اور ان کی مدد کی جائے گی جو ان پر حملہ کرے گا خواہ نیک اور متقی ہو۔

اس معاہدہ کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ صرف جنگ اور میدان سیاست کے ماہرین لگا سکتے ہیں۔ بنو ضمرہ اگرچہ ابھی تک اپنے مشرکانہ عقائد پر قائم تھے لیکن اب وہ اپنے ہم عقیدہ اہل مکہ کی انگلیخت پر مسلمانوں کے خلاف ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے اور ان سے کسی قسم کا تعاون نہیں کر سکتے تھے۔ یہ قافلہ پر قبضہ کرنے کی کامیابی سے بھی کہیں بڑی کامیابی تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی۔

غزوة بواط

ہجرت کے تیرہویں مہینے ۲ھ میں مدینہ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاکم بنا کر دو سو مہاجرین کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاد کی نیت سے روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کا جھنڈا بھی سفید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اس غزوہ کا مقصد کفار مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنا تھا اس قافلہ کا سالار امیہ بن خلف جمحی تھا اور اس قافلہ میں ایک سو قریشی کفار اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قافلہ کی تلاش میں مقام بواط تک تشریف لے گئے مگر کفار قریش کا کہیں سامنا نہیں ہوا اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر کسی جنگ کے مدینہ واپس تشریف لائے۔

غزوة صفوان

اسی سال کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ میں ڈاکہ ڈالا اور کچھ اونٹوں کو ہانک کر لے گیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علمبردار بنا کر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ وادی صفوان تک اس ڈاکو کا تعاقب کیا مگر وہ اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگا کہ ہاتھ نہیں آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس تشریف لائے۔

وادی صفوان بدر کے قریب ہے۔ اسی لیے بعض مورخین نے اس غزوہ کا نام غزوة بدر اولیٰ رکھا ہے۔ اس لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غزوة صفوان اور غزوة بدر اولیٰ دونوں ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں۔

غزوة ذی العشیرہ

اسی ۲ھ میں کفار قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر مکہ سے شام جا رہا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین صحابہ کو ساتھ لے کر اس قافلہ کا راستہ روکنے کے لیے مقام

”ذی العشرۃ“ تک تشریف لے گئے، جو یبوع کی بندرگاہ کے قریب ہے مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ بہت آگے بڑھ گیا ہے اس لیے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا مگر یہی قافلہ جب شام سے واپس لوٹا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی مزاحمت کے لیے نکلے تو جنگ بدر کا معرکہ پیش آ گیا۔ جس کا مفصل ذکر آگے آتا ہے۔

سر یہ عبد اللہ بن جحش

اسی سال ماہ رجب ۲ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر بنا کر ان کی ماتحتی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کا ایک جتھار روانہ فرمایا۔ دو دو آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لقاؤں میں ایک مہر بند خط دیا اور فرمایا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس لقاؤں کو کھول کر پڑھنا اور اس میں جو ہدایات لکھی ہوئی ہیں ان پر عمل کرنا۔ جب خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ درج تھا کہ تم طائف اور مکہ کے درمیان مقام نخلہ میں ٹھہر کر قریش کے قافلوں پر نظر رکھو اور صورت حال کی ہمیں برابر خبر دیتے رہو۔ یہ بڑا ہی خطرناک کام تھا کیوں کہ دشمنوں کے عین مرکز میں قیام کر کے جاسوسی کرنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا مگر یہ سب جان نثار بے دھڑک مقام نخلہ پہنچ گئے عجیب اتفاق کہ رجب کی آخری تاریخ کو یہ لوگ نخلہ میں پہنچے اور اسی دن کفار قریش کا ایک تجارتی قافلہ آیا۔ جس میں عمرو بن الحضرمی اور عبد اللہ بن مغیرہ کے دو لڑکے عثمان و نوفل اور حکم بن کیسان وغیرہ تھے اور اونٹوں پر کھجور اور دوسرا مال تجارت لدا ہوا تھا، امیر سر یہ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر ہم ان قافلہ والوں کو چھوڑ دیں تو یہ لوگ مکہ پہنچ کر ہم لوگوں کی یہاں موجودگی سے مکہ والوں کو باخبر کر دیں گے اور ہم لوگوں کو قتل یا گرفتار کر وادیں گے اور اگر ہم ان لوگوں سے جنگ کریں تو آج رجب کی آخری تاریخ ہے لہذا شہر حرام میں جنگ کرنے کا گناہ ہم پر عائد ہوگا۔ آخر یہی رائے قرار پائی کہ ان لوگوں سے جنگ کر کے اپنی جان کے خطرہ کو دفع کرنا چاہیے چنانچہ حضرت واقد بن عبد اللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تیرا یا تاک کر مارا کہ وہ عمرو بن الحضرمی کو لگا اور وہ

اسی تیر سے قتل ہو گیا اور عثمان و حکم کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا، نوفل بھاگ نکلا۔ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹوں اور ان پر لدے ہوئے مال و اسباب کو مال غنیمت بنا کر مدینہ لوٹ آئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا۔

جو لوگ قتل یا گرفتار ہوئے وہ بہت ہی معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا عبد اللہ بن حضرمی کا بیٹا تھا۔ عمرو بن الحضرمی پہلا کافر تھا جو مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان اور حکم، ان میں سے عثمان تو مغیرہ کا پوتا تھا جو قریش کا ایک بہت بڑا رئیس شمار کیا جاتا تھا۔ اور حکم بن کیسان عمرو مخزومی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے کفار قریش کو غیظ و غضب میں آگ بگولا بنا دیا اور ”خون کا بدلہ خون“ لینے کا نعرہ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں گونجنے لگا اور درحقیقت جنگ بدر کا معرکہ اسی واقعہ کا رد عمل ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ بدر اور تمام لڑائیاں جو کفار قریش سے ہوئیں ان سب کا بنیادی سبب عمرو بن الحضرمی کا قتل ہے جس کو حضرت واقد بن عبد اللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر غزوات کا ذکر سن ہجری کی ترتیب سے ان کے اصلی مقام پر آئے گا۔

اسلامی جنگوں میں مقتولین کی تعداد

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی مکرم و معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کی جو امانت سپرد کی گئی تھی مصائب و آلام کے ہزاروں طوفانوں کے باوصف بڑے احسن طریقہ سے اس امانت کو اس کے حقداروں تک پہنچا دیا۔ اس صادق و مصدوق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مساعی جمیلہ سے جو حیران کن انقلاب ایک قلیل مدت میں جزیرہ عرب میں رونما ہوا اس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

اس عظیم اور بے نظیر کارنامہ کو انجام دینے کے لیے گیارہ سالوں میں کفار و مشرکین کے ساتھ جتنی جنگیں لڑی گئیں ان میں فریقین کا کتنا جانی نقصان ہوا اس کی تفصیلات پڑھ کر آپ ششدر رہ جائیں گے۔ ابتدائی سرایا اور غزوات میں نہ دشمن کا کوئی آدمی قتل ہوا نہ کوئی کلمہ گو شہید ہوا۔ وہ غزوات و سرایا یہ ہیں۔

الابواء، سیف البحر، بواط، العشرہ، بدر اولیٰ

ان میں فریقین کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

● سر یہ عبد اللہ بن جحش میں کفار کا ایک آدمی عمرو بن حضری مارا گیا۔ اسلامی جنگوں میں یہ پہلا مقتول تھا۔

● غزوہ بدر الکبریٰ میں کفار کے ستر آدمی قتل ہوئے اور چودہ مسلمان شرف شہادت سے مشرف ہوئے۔

● غزوہ بدر کے بعد اپنے سنگین جرائم کی پاداش میں دو مشرکوں کو قتل کیا گیا، ایک کا نام نضر بن حارث اور دوسرا عقبہ بن ابی معیط تھا۔

● غزوہ سویق میں صرف ایک مشرک قتل ہوا۔

● غزوہ بنی سلیم میں تین انصاری شہید ہوئے۔

● غزوہ ذی امر میں جو نجد میں ہوا کوئی شخص نہیں مارا گیا۔

● یہودی قبیلہ بنی قینقاع کے جلا وطن کرنے کی کارروائی میں دو آدمی مارے گئے۔

● سر یہ زید بن حارثہ میں فریقین کا کوئی آدمی نہیں مارا گیا۔

● اس کے بعد اسلام دشمنی اور شرانگیزی کے باعث ان یہودیوں کو قتل کیا گیا، کعب بن اشرف،

- ابورافع سلام بن ابی الحقیق اور ان کے بعد کعب بن یہود اکو۔
- غزوة احد میں ستر مسلمان نعمت شہادت سے بہرہ ور ہوئے اور ۲۲ مشرک مقتول ہوئے۔
- غزوة حراء الاسد میں ایک بد زبان ابو عزی موت کے گھاٹ اتارا گیا۔
- یوم رجب میں چھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔
- بیر معونہ کے غدرانہ منصوبہ میں ستر مسلمانوں نے تاج شہادت زیب سر کیا۔
- اس کے بعد عمرو بن امیہ نے غلظی سے تین کافروں کو مار ڈالا ان میں سے دو کی دیت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ادا کی۔
- غزوة بنی نضیر میں ایک آدمی کام آیا۔
- غزوة ذات الرقاع میں ایک انصاری شہید ہوئے۔ وہ رات کو پہرہ دے رہے تھے کہ کافروں نے یکے بعد دیگرے انھیں تین تیروں کا نشانہ بنایا۔
- بدر آخری میں کوئی آدمی قتل نہیں ہوا۔
- غزوة خندق میں تین مشرک قتل کیے گئے اور چھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔
- غزوة بنو قریظہ میں دو مسلمان شہید ہوئے اور چھ یاسات یہودی مقتول ہوئے۔
- اس کے بعد خالد بن سفیان الہبذلی قتل ہوا۔
- غزوة ذی قرد میں پانچ افراد کام آئے۔
- غزوة بنی المصطلق میں دو آدمی کام آئے۔

- غزوة حدیبیہ میں ایک آدمی کام آیا۔
- غزوة خیبر میں زیادہ سے زیادہ جانین سے بیس آدمی مارے گئے۔
- اس کے بعد جو سرا یا بھیجے گئے ان میں فریقین کا کوئی فرد نہیں مارا گیا۔
- یہاں تک کہ جب بنی قضاء کی گوشالی کے لیے کعب بن عمر کی امارت میں سریہ روانہ کیا گیا اس میں چودہ آدمی مقتول ہوئے۔
- غزوة موتہ میں بارہ شخص مارے گئے۔
- غزوة فتح مکہ میں بھی بارہ آدمی مارے گئے۔
- غزوة حنین اور ہوازن میں چار مسلمان شہید ہوئے اور قبیلہ ثقیف کے کچھ کافر مارے گئے۔
- غزوة طائف میں بارہ مسلمان سعادت شہادت سے مشرف ہوئے۔
- غزوة تبوک میں صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔

دونوں فریقوں کے وہ مقتول جو جزیرہ عرب کے باشندے تھے ان کی تعداد چار سو چالیس ہے، ان مقتولوں میں وہ لوگ بھی شمار کیے گئے ہیں جنہیں دھوکہ اور غدر سے قتل کیا گیا تھا یا غلطی سے قتل ہوئے تھے ان میں آپ چھ یا سات سو یہودیوں کو بھی شمار کر لیں۔ جنہیں قتل کرنے کا حکم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا جنہیں خود یہودیوں نے اس قضیہ میں اپنا حکم تسلیم کیا تھا۔ فریقین کے تمام مقتولوں کی تعداد بشمول مقتولین بنی قریظہ ایک ہزار چالیس یا گیارہ سو چالیس بنتی ہے۔

اتنی قلیل جانی قربانیوں اور نقصانات سے نوع انسانی کو جو فائدہ پہنچا وہ بے مثال اور بے نظیر ہے کوشش بسیار کے باوجود اقوام و ممالک کی جنگوں کی تاریخ میں آپ کو اس کی مثال نہیں ملے گی ہرگز

نہیں ملے گی۔

اس کے مقابلہ میں جدید تہذیب اور سائنسی ترقی کی آغوش میں پرورش پانے والے یورپ کے دانش وروں اور حکم رانوں نے صرف اپنے اہل وطن کو ہی نہیں بلکہ ساری انسانی برادری کو نصف صدی سے کم عرصہ میں جن دو ہولناک عالم گیر جنگوں کا تحفہ دیا ہے ان کی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانے سے انسانی عقل و دانش قاصر ہے۔ پرامن شہری آبادیوں، ہسپتالوں، درس گاہوں بلکہ مذہبی عبادت گاہوں کو بھی جس سنگ دلی سے اپنی بہیمانہ بم باری کا نشانہ بنایا گیا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، ان کے تصور سے ہی انسانیت و شرافت کا سر، بارندامت سے خم ہے۔

دیگر ہر قسم کے نقصانات کو اگر آپ ایک لمحہ کے لیے نظر انداز بھی کر دیں فقط انسانی جانوں کے نقصانات کا ہی سرسری جائزہ لیں تو انسانی خون کی ارزانی کو دیکھ کر آپ پر لرزہ طاری ہو جائے گا، ناگاساکی اور ہیروشیما پر امریکہ کے ایٹم بموں نے جو قیامت برپا کی، کیا اس خوں چکاں داستان کو سننے کا آپ میں حوصلہ ہے؟ صرف جانی نقصانات کے اعداد و شمار پیش خدمت ہیں جو دوسری جنگ عظیم میں ہوئے۔

● اتحادی ممالک برطانیہ، امریکہ وغیرہ کا جانی نقصان ایک کروڑ چھ لاکھ پچاس ہزار ہے۔

● فریقین کا مجموعی جانی نقصان ڈیڑھ دو کروڑ کے قریب ہے۔

● صرف روس کے کچھتر لاکھ فوجی مارے گئے۔

● جاپان کے پندرہ لاکھ پچاس ہزار جوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

● جرمنی کے اٹھائیس لاکھ پچاس ہزار فوجیوں نے اپنی قیمتی زندگیوں کو جنگ کی کالی دیوی کے

چرنوں میں بھینٹ چڑھایا۔

انسانی جانوں کی ان عظیم اور ان گنت قربانیوں، بے محابہ خوں ریزیوں، تباہ کن بم باریوں، جنھوں

نے سینکڑوں نہیں ہزاروں بارونق شہروں کو راکھ کی ڈھیروں میں بدل دیا اتنی گراں قیمت ادا کرنے کے بدلے میں انسانیت کو کیا ملا۔ دیوار برلن۔ (مولف) (مدارج النبوة دوم، سیرت الرسول، سیرت مصطفیٰ)



غزوة بدر

جاں نثاران بدر و احد پر درود
حق گزاران بیعت پر لاکھوں سلام

وَلَمَّا نَسَرَ كُمُ الْوَالِدِ يُرْرًا وَاَتَمَّ الْاَوَّلَ فَاَتَقُوا لِلّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سرو سامان تھے تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکر گزار ہو

(سورۃ آل عمران، آیت ۱۲۳)

غزوة بدر ۲

ہجرت کے دوسرے سال غزوة بدر کا واقعہ پیش آیا، اس غزوة کو غزوة بدر کبریٰ اور غزوة بدر عظمیٰ بھی کہتے ہیں۔

بدر ایک بستی کا نام ہے جو بدر بن مخلد بن نصر بن کنانہ سے منسوب و مشہور ہے۔ اس نے اس جگہ پڑاؤ کیا تھا یہ بستی بدر بن حارث سے منسوب ہے۔ جس نے یہاں کنواں کھودا تھا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں ایک بوڑھا شخص مدتوں سے رہتا تھا جس کا نام بدر تھا، اس بناء پر اس بستی کو اسی نام سے منسوب کر دیا۔

یا اس کا نام اس بناء پر ہے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور اس کا پانی اتنا صاف و شفاف تھا کہ اس میں بدر کامل نظر آتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں یہ بہت عظیم غزوة تھا کیوں کہ اس کے ذریعہ دین کی عزت و شوکت روشن ہوئی اور اسلام کا ناموس تاباں ہوا۔

اس دن کو ”یوم الفرقان“ سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ اس سے حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز رونما ہوا تھا فرمایا یوم التقی الجمعان مطلب یہ کہ مسلمان اور کافر اس دن جمع ہوئے اور اس دن حق تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب فرمایا اور کفر کی بنیادوں کو شکست و پائمال کر کے ذلیل و خوار بنایا۔ حالاں کہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمنان دین کی تعداد زیادہ تھی اور کفار جنگ کے پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر اترتے اور تکبر کرتے آئے تھے مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عزت دی اور اپنے دین کو مضبوط و قوی فرمایا اور اس کے جاہ و جلال کے چہرے کو منور و روشن بنایا اور شیاطین کو ذلیل و خوار

کر کے ان کو رو سیاہ کیا اور اپنے مسلمان بندوں پر اس کا احسان ظاہر کرتے ہوئے فرمایا لقد نصرکم اللہ
ببدر و انتم اذلة .

یقیناً اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی در اس حال کہ تم بے سرو سامان تھے تاکہ جان لیس کہ مدد خدا
ہی کی طرف سے ہے نہ کثرت و قلت کی بناء پر۔ و ما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم .
کوئی مدد نہیں مگر عزت حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

غزوة بدر کب ہوا

اس غزوة کے لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کے انیسویں مہینہ میں بارہ رمضان
المبارک کو روانہ ہوئے تھے۔ بعضوں نے آٹھ رمضان کہا ہے اور قتال ۷ اور رمضان روز جمعہ واقع ہوا۔ بعض
نے کہا کہ شنبہ تھا۔

آپ نے حضرت ابولبابہ انصاری کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ بنایا تھا۔

مسلمانوں کی تعداد

اس غزوة میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت انصار بھی تھی، اس سے پہلے کسی غزوة
یا کسی سریہ میں انصار نے شرکت نہ کی تھی کیوں کہ بیعت عقبہ میں ان کے ساتھ یہ عہد و پیمان ہوا تھا کہ وہ
حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت اور دشمنان دین سے مدافعت اپنے گھروں میں کریں گے۔
چنانچہ انہوں نے واقعی کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حال میں نہ چھوڑا کہ کوئی آپ کے حال سے
تعرض کرتا۔

اس غزوة میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی۔ جن میں سے ستر (۷۷) مہاجرین

اور دو سو چھتیس (۲۳۶) انصار تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں صرف تین سو پانچ (۳۰۵) اصحاب تھے اسی (۸۰) مہاجرین اور بقیہ انصار تھے۔

اور بقیہ آٹھ اصحاب وہ تھے جو کسی عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے مگر اموال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا گیا تھا اہل سیران کو بھی اہل بدر میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے تین مہاجرین میں سے ہیں۔ ایک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی زوجہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علالت اور تیمارداری کے لیے رکے تھے، دوسرے طلحہ اور تیسرے سعید بن زید ہیں جو مشرکین کے قافلہ کی جستجو میں گئے ہوئے تھے اور پانچ انصار تھے۔

مسلمانوں کا سامان حرب

اس غزوہ میں مسلمانوں کے پاس تین گھوڑے، ستر اونٹ، چھ زرہیں اور آٹھ شمشیریں تھیں، اور ایک ایک اونٹ پر کئی کئی مسلمان سواری کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما شریک تھے۔ اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تو دونوں عرض کرتے یا رسول اللہ آپ سوار ہی رہیے ہم آپ کے رکاب کی سعادت میں پیدل چلیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اجر میں تم سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔

کفار کی تعداد

مشرکوں کی تعداد ایک ہزار یا نو سو یا پانچ سو پچاس جنگی مردوں کی تھی، ایک قول کے بموجب ایک ہزار سے کم اور نو سو سے زیادہ تھی۔ اور ان کے ساتھ سو گھوڑے اور سات سو یا کچھ زیادہ اونٹ تھے۔ جو پوری شوکت و کروفر اور مکمل ساز و سامان اور بڑے غرور و تکبر میں تھے ان کے سوار بھی زرہ پوش تھے اور پیادہ بھی

زرہ پوش تھے۔ ان کے ہمراہ گانے والی عورتیں اور آلات طرب بھی تھے۔ یہ جس پانی کے کنارے پڑاؤ کرتے وہاں کی ڈونیاں اور طوائفیں ساز بجا کر اور گا گا کر اہل اسلام پر زبان طعن دراز کرتی تھیں۔ قریش کے سرداروں میں سے ہر روز کوئی نہ کوئی سب کو کھانا دیتا اور ہر روز گیارہ اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔

غزوہ بدر کا سبب

بدر کا واقعہ مسلمانوں کے بغیر قصد و ارادہ اور منصوبہ بندی کے واقع ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام مسلمان اس جنگ کے لیے پہلے سے تیار نہ تھے وہ تو قریش کے اس بڑے قافلہ کی سرکوبی کے لیے مدینہ سے نکلے تھے جو شام سے آرہا تھا اس میں قریش کا کثیر مال تجارت تھا اور اس کا امیر قافلہ ابوسفیان تھا، اس میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے یہ قافلہ میں سواروں پر مشتمل تھا یہ لوگ جب بدر کے قریب پہنچ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع ملی آپ نے صحابہ سے فرمایا وہ قافلہ آرہا ہے جس کے ساتھ اموال کثیرہ بھی ہیں اور دشمنوں کی تعداد بھی بہت کم ہے لہذا اس کی سرکوبی کے لیے چلو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس طرح تمہیں سامان عطا فرمائے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے رب مسلمان پیادہ ہیں اپنے فضل سے انہیں سوار کر، یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرما یہ عریاں ہیں انہیں لباس دے، یہ فقیر ہیں انہیں تو نگری دے، چنانچہ جب یہ مدینہ منورہ واپس ہوئے تو ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے بکثرت اونٹ، کپڑے، رزق اور اموال نہ ملا ہو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو قافلہ کے حالات کی جستجو کے لیے بھیجا انہوں نے مدینہ منورہ واپس آ کر قافلہ کے حالات بتائے۔ جب ابوسفیان اس جگہ پہنچا تو وہاں کے لوگوں سے اس نے دریافت کیا کہ کیا تم کوئی خبر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کے جاسوسوں کی

رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا دو شتر سوار فلاں جگہ آ کر اترے تھے۔ ابوسفیان نے بسرعت اس جگہ پہنچ کر اونٹوں کی مینگنیوں کو چیر کر دیکھا کہ ان میں کھجور کی گٹھلیوں کے ریزے ہیں یا نہیں۔ وہ کہنے لگا خدا کی قسم ان اونٹوں نے یثرب کی کھجوروں کا چارہ کھایا ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے جاسوس تھے۔ چنانچہ اس نے اس راستہ کو چھوڑ دیا اور بدر کی طرف ساحلی راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا اور تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔

جب وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے ارادوں سے باخبر ہوا تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ مکرمہ اپنی مدد کے لیے روانہ کیا تاکہ وہ مکہ والوں کو بتائے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم پر تاخت کا ارادہ رکھتے ہیں اور جتنی جلد ممکن ہو وہ قافلہ کی مدد کے لیے پہنچیں اور اپنے اموال کی حفاظت کریں۔ ضمضم غفاری بسرعت تمام مکہ مکرمہ پہنچا اور کفار قریش کو حالات سے باخبر کیا جب ابو جہل لعین نے یہ خبر سنی تو کہنے لگا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب اس خیال میں ہیں کہ یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی جیسا ہے، خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔

خدا کا وعدہ

اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قریش کے نکلنے کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجلس مشاورت منعقد کی اور فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے یا تو قافلہ ہو یا قریش کا لشکر۔ مگر صحابہ کرام کے نزدیک قافلہ زیادہ عزیز تھا وہ کہنے لگے یا رسول اللہ آپ نے جنگ کرنے کا ہم سے ذکر کیوں نہ فرمایا تاکہ ہم اس کی تیاری کرتے اور ساز و سامان فراہم کرتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قافلہ تو ساحلی راستہ سے گزر گیا اور اب ابو جہل تمہارے مقابل آ رہا ہے صحابہ کہنے لگے یا رسول اللہ قافلے ہی کا پیچھا کیجیے اور قتال سے بچئے اس پر رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضب میں آئے۔

اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر نہایت عمدہ باتیں کہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی نفس ترین باتیں کیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی باتوں پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور انہیں دعائے خیر دی اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اپنے کام میں غور و فکر فرمائیے ان باتوں کو چھوڑیے، خدا کی قسم اگر آپ ہمیں عدن (ایک مقام کا نام ہے) لے جائیں گے تو ہم انصار میں سے کوئی ایک بھی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اس پر حضور نے ان کے لیے دعا خیر فرمائی۔ ان کے بعد حضرت مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے ساتھ ہیں آپ جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں ہم کبھی بھی وہ بات منہ سے نہ نکالیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ اذهب و ربک فقاتلانا الآبۃ

حضور آپ اور آپ کا رب دونوں جا کر لڑیں۔

اور ہم بھی آپ کے ساتھ ملک کر لڑنے والوں میں سے ہیں قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور جہاں آپ جائیں گے آپ کے ساتھ مل کر مردانہ وار لڑیں گے اگر چہ آپ برگ عماد تک جائیں (برگ عماد حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے) اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے مشورہ دو، یہ خطاب انصار کی طرف تھا اور اس سے مقصود ان سے استمراج و اسکشاف حال تھا۔

اس کلام کی شرح میں مفسرین کہتے ہیں کہ چوں کہ بیعت عقبہ کے وقت انصار نے کہا تھا کہ ہم

آپ کے اس عہد سے اس وقت تک باہر ہیں جب تک کہ آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز نہیں ہوتے اور جب آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز ہو جائیں گے تو یہ ہمارا عہد و پیمان ہے کہ ہم دشمن سے آپ کی حفاظت اور ان سے مدافعت کریں گے اور آپ کی ہر اس چیز سے حمایت کریں گے جس چیز سے اپنی جانوں، اپنی اولاد، اور اپنی بی بیوں کی حمایت کرتے ہیں۔

ان کی اس بات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضور کے ساتھ ان کی حمایت اس وقت تک مخصوص ہے جب تک آپ مدینہ میں تشریف فرما ہوں اور چوں کہ مذکورہ حالات میں حضور مدینہ میں تشریف فرما نہیں تھے اس لیے انصار کی حمایت شامل حال نہیں رہتی۔ حالاں کہ انصار کی مراد یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور ان کے یہاں اقامت فرمانے کے بعد ہمیشہ اور ہر حالت میں آپ کی خدمت و حمایت میں رہیں گے۔

اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ خطاب ہماری طرف ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم نے ہر چیز کی گواہی دی ہے جو آپ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور اپنے عہد و پیمان کے ذریعہ ہم نے آپ کو تصدیق فراہم کی ہے اور آپ کی سمع و طاعت اور فرماں برداری پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ دلایا ہے۔

لہذا اے اللہ کے رسول چلیے جہاں آپ کی مرضی ہو قسم ہے اس ذات کریم کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اگر آپ چلیں اور ہمیں دریا میں ڈال دیں تو ہم دریا میں بھی پھاند جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا، ہمیں اپنے دشمنوں کے ساتھ ڈبھیڑ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ہم دشمن سے ڈبھیڑ ہو جانے پر صبر کرنے والوں اور صادقوں میں سے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ہماری طرف سے آپ کو ایسا دکھائے گا جس سے آپ کے قلب و نظر کو روشنی اور ٹھنڈک

حاصل ہو، لہذا آپ جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں۔

حضرت سعد کی اس گفتگو سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنی برکت کے ساتھ تمہیں خوش رکھے تمہیں مژدہ ہو کہ فتح و نصرت تمہاری ہی ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک پر غالب فرماؤں گا خواہ قریش کا قافلہ ہو یا قریش کا لشکر۔ خدا کی قسم گویا میں ان کے ہلاک ہونے کی جگہ اور ان کا مقتل دیکھ رہا ہوں۔ اور اس کے بعد آپ نے کفار قریش کے بدر میں مارے جانے کے مقامات کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمین پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا یہ فلاں کے مرکز کرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مرکز کرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کا مقتل ہے اور فلاں کی جائے کشتن ہے اور ایک ایک مارے جانے والے کا نام اور اس کے مقتل کا نشان بتایا اور ان میں سے کوئی بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ کے برخلاف نہ مارا گیا۔

مدینہ کو واپسی

فتح کے بعد تین دن تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ”بدر“ میں قیام فرمایا پھر تمام اموال غنیمت اور کفار قیدیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے جب ”وادی صفراء“ میں پہنچے تو اموال غنیمت کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، جنگ بدر کے موقع پر بیمار تھیں اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دے دیا تھا اس لیے وہ جنگ بدر میں شامل نہ ہو سکے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے ان کو مجاہدین بدر

کے برابر ہی حصہ دیا اور ان کے برابر ہی اجر و ثواب کی بشارت بھی دی۔ اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اصحاب بدر کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔

مردوں سے کلام فرمانا

جب کفار کی لاشیں بدر کے گڑھے میں ڈال دی گئیں تو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر مقتولین کا نام لے کر اس طرح پکارا کہ اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے فلاں، اے فلاں کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟ ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو بالکل ٹھیک ٹھیک سچ پایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار کی لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو ان کو بڑا تعجب ہوا، چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ان بے روح کے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر قسم خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم (زندہ لوگ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے لیکن اتنی بات ہے کہ یہ مردے جواب نہیں دے سکتے۔

ضروری تنبیہ

بخاری وغیرہ کی اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کفار کے مردے زندوں کی بات سنتے ہیں تو پھر مومنین خصوصاً اولیاء، شہداء، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد یقیناً ہم زندوں کا سلام و کلام اور ہماری فریادیں سنتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب کفار کی مردہ لاشوں کو پکارا تو پھر خدا کے برگزیدہ بندوں یعنی ولیوں شہیدوں اور نبیوں کو ان کی وفات کے بعد پکارنا بھلا کیوں نہ جائز و درست ہوگا؟

اسی لیے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تو

قبروں کی طرف اپنا رخ انور کر کے یوں فرماتے کہ :

السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا و لکم انتم سلفنا و نحن بالاثر

یعنی اے قبر والو تم پر سلام ہو خدا ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم لوگ ہم سے پہلے چلے گئے

اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہی حکم دیا اور صحابہ کرام کو اس کی تعلیم دیتے تھے کہ

جب تم لوگ قبروں کی زیارت کے لیے جاؤ تو کہو۔

السلام علیکم اهل الدیار من المومنین و المسلمین و انا انشاء الله بکم

لاحقون نسال الله لنا و لکم العافیة .

ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ مردے زندوں کا سلام و کلام سنتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ جو لوگ سنتے

ہی نہیں ان کو سلام کرنے سے کیا حاصل؟

شہدائے بدر

جنگ بدر میں کل چودہ مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے۔ جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار

تھے۔ ان شہداء بدر میں سے تیرہ حضرات تو میدان بدر ہی میں مدفون ہوئے مگر حضرت عبیدہ بن حارث رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے چوں کہ بدر سے واپسی پر منزل ”صفراء“ میں وفات پائی اس لیے ان کی قبر شریف منزل

صفراء میں ہے۔

کفار کے لشکر سے ستر آدمی قتل ہوئے جن میں ابو جہل تھا، اس کے علاوہ لشکر کفار سے ستر آدمی قید

ہوئے جن میں حضرت عباد بن عبدالمطلب بھی تھے جو بعد میں ایمان لائے۔

دونوں لشکر کا موازنہ

اسلامی لشکر	کیفیت	لشکر کفار
۳۱۳	تعداد	۹۵۰
۷۰	اونٹ	۷۰۰
۳	گھوڑے	۱۰۰
۸	تکواریں	۹۵۰
۶	زرہیں	۹۵۰

مجاہدین بدر کے فضائل

جو صحابہ کرام جنگ بدر کے جہاد میں شریک ہو گئے وہ تمام صحابہ میں ایک خصوصی شرف کے ساتھ ممتاز ہیں۔ اور ان خوش نصیبوں کے فضائل میں ایک بہت ہی عظیم الشان فضیلت یہ ہے کہ ان سعادت مندوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ

بیشک اللہ تعالیٰ اہل بدر سے واقف ہے اور اس نے یہ فرما دیا ہے کہ تم اب جو عمل چاہو کرو بلاشبہ تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔ یا یہ فرمایا کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (مولف)

(مدارج النبوة جلد دوم، سیرت مصطفیٰ، مردان عرب)

بدر کی غنیمت میں عثمان کا حصہ

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

صحیح بخاری و ترمذی و مسند احمد میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے غزوة بدر میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زوجہ امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار تھیں، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ طیبہ میں شاہزادی کی تیمارداری کے لیے ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

ان لک اجر رجل ممن شهد بدرا و سهمہ .

بیشک تمہارے لیے حاضران بدر کے برابر ثواب اور حاضری کے مثل غنیمت کا حصہ ہے۔

یہ خصوصیت حضرت عثمان غنی کو عطا فرمادی حالانکہ جو حاضر جہاد نہ ہو غنیمت میں اس کا حصہ

نہیں۔

سنن ابی داؤد میں انھیں سے ہے

بضرب له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم و لم يضرب لاحد غاب غيره .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا اور ان کے سوا کسی غیر حاضر کو حصہ

(الامن والعلی)

نہ دیا۔

حضور نے مشرک سے مدد نہیں لی

صحیح مسلم و سنن اربعہ و مشکل الآثار امام طحاوی میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے

جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کو تشریف لے چلے سنگستان و برہ میں (کہ مدینہ طیبہ سے چار میل

ہے) ایک شخص جس کی جرأت و بہادری مشہور تھی حاضر ہوا اصحاب کرام اسے دیکھ کر خوش ہوئے اس نے

عرض کی میں اس لیے حاضر ہوا کہ حضور کے ہمراہ رکاب رہوں اور قریش سے جو مال ہاتھ لگے اس میں سے

میں بھی پاؤں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

أتومن بالله ورسوله .

کیا تو اللہ ورسول پر ایمان رکھتا ہے۔ کہا نہ، فرمایا:

فارجع فلن نستعين بمشرك .

تو پلٹ جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ چاہیں گے۔

پھر حضور تشریف لے چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے (کہ مدینہ طیبہ سے چھ میل ہے) وہ پھر حاضر ہوا صحابہ خوش ہوئے کہ واپس آیا وہی پہلی بات عرض کی اور حضور نے وہی جواب ارشاد فرمایا کہ کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے؟ کہا نہ، فرمایا:

فارجع فلن نستعين بمشرك .

واپس جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے۔

پھر حضور تشریف لے چلے جب وادی میں پہنچے وہ پھر آیا اور صحابہ خوش ہوئے اس نے وہی عرض کی حضور نے فرمایا کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے عرض کی ہاں فرمایا فنعم اذن . ہاں اب چلو۔

امام احمد و اسحاق بن راہویہ مسانید اور امام بخاری تاریخ اور ابو بکر بن ابی شیبہ مصنف اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک میں خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ (یعنی غزوة بدر) کو تشریف لیے جاتے تھے میں اور میری قوم سے ایک شخص حاضر ہوئے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کسی معرکہ میں جائے اور ہم نہ جائیں (یہ قوم خزرج سے تھے کہ انصار سے ایک بڑا گروہ ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں مسلمان ہوئے؟ کہا نہ، فرمایا :

فانا لا نستعين بالمشركين على المشركين .

تو ہم مشرکوں سے مشرکوں پر مدد نہیں چاہتے۔

اس پر ہم دونوں اسلام لائے اور ہمراہ رکاب اقدس شریک جہاد ہوئے۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح
الاسناد ہے یوں ہی تنقیح میں اس کے رجال کی توثیق کی۔
(الحجۃ المومنین)

کفار کی لاشوں سے خطاب

بدر میں جو کفار مقتول ہوئے انہیں ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے ان لاشوں سے خطاب فرمایا اس سلسلے میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے یہ روایات پیش فرمائی ہیں:
صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یرینا مصارع اهل بدر و ساق
الحديث الى ان قال فانطلق رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتى اتى اليهم فقال يا
فلان بن فلان و يا فلان بن فلان هل وجدتم ما وعدكم الله و رسوله حقا فاني قد وجدت
ما وعدني الله حقا قال عمر يا رسول الله كيف تكلم اجساد الارواح فيها قال ما انتم
باسمع لما اقول منهم غير انهم لا يستطيعون ان يردوا على شينا .

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں کفار بدر کی قتل گاہیں دکھاتے تھے کہ یہاں فلاں کا فرقتل
ہوگا اور یہاں فلاں، جہاں جہاں حضور نے بتایا تھا وہیں وہیں ان کی لاشیں گریں، پھر حکم حضور وہ جگہ ایک
کنویں میں بھر دیے گئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور نام بنام ان کفار لحام کو
ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر پکارا اور فرمایا تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ خدا اور رسول نے تمہیں دیا تھا کہ میں
نے تو پایا جو حق وعدہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ

حضور ان جسموں سے کیوں کر کلام کرتے ہیں جن میں رو حیں نہیں، فرمایا جو میں کہہ رہا ہوں اسے کچھ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں یہ طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔

صحیح بخاری شریف وغیرہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی۔

اطلع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی اهل القلب فقال وجدتم ما وعد ربکم حقا فقیل له اتدعو امواتا فقال ما انتم باسمع منهم و لکن لا یجیبون .

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہ بدر پر تشریف لے گئے جس میں کفار کی لاشیں پڑی تھیں پھر فرمایا تم نے پایا جو تمہارے رب نے تمہیں سچا وعدہ دیا تھا یعنی عذاب، کسی نے عرض کی حضور مردوں کو پکارتے ہیں ارشاد فرمایا تم کچھ ان سے زیادہ سننے والے نہیں پر وہ جواب نہیں دیتے۔

یوں ہی صحیح مسلم وغیرہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اور اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین دن بعد اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں فرمایا:

و الذی نفسہ بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منهم و لکنہم لا یقدرون ان یجیبوا .

قسم اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں جو فرما رہا ہوں اس کے سننے میں تم اور وہ برابر ہو مگر وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

طبرانی نے بسند صحیح عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

یسمعون کما تسمعون و لکن لا یجیبون .

جیسا تم سنتے ہو ویسا ہی وہ بھی سنتے ہیں مگر جواب نہیں دیتے۔

(فتاویٰ رضویہ۔ ج ۴، ص ۲۶۷، ۲۶۸۔ حیات الموات)

صحیح بخاری شریف میں ہے :

عن ابی طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر یوم بدر باربعة و عشرين رجلا من صنادید قریش فخذ فوالی طوی من اطواء بدر خبیث مخبث و کان اذا ظهر علی قوم اقام بالعرصة ثلث لیل فلما کان ببدر الیوم الثالث امر براحلته فشد علیها رحلها ثم مشی و تبعه اصحابه و قالوا ما نری ینطلق الا لبعض حاجته حتی قام علی شفة الرکی جعل ینادیهم باسمائهم و اسماء آبائهم یا فلان بن فلان و یا فلان بن فلان ایسرکم انکم اطعمتم اللہ و رسوله فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربکم حقا قال فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا رسول اللہ ما تکلم من اجساد لا ارواح لها فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و الذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم قال فتادة احياهم اللہ حتی اسمعهم قوله توبیخا و تصغیرا و نقمة و حسرة و ندما.

ابوظلمہ سے روایت ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے دن قریش کے بڑے بڑے بہادر اور قریش کے چوبیس سرداروں کے بارے میں حکم فرمایا کہ بدر کے کسی گندہ کنوئیں میں پھینک دیئے جائیں۔ اور حضور کا یہ دستور تھا کہ جب کسی قوم پر فتح پاتے تو اسی میدان میں تین راتیں قیام فرماتے۔ پھر جب فتح بدر کا تیسرا دن ہوا تو کوچ کرنے کا حکم فرمایا سامان سفر تیار کیا گیا حضور پیدل تشریف لے چلے اور صحابہ بھی پیچھے پیچھے گئے اور صحابہ کہنے لگے شاید کسی ضرورت کے لیے تشریف لیے جا رہے ہیں یہاں تک کہ

کنواں کے کنارے کھڑے ہو کر کفار کو ان کے اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنے لگے اے فلاں بن فلاں کیا تم کو خوش آرہی ہے یہ بات کہ کاش کہ تم نے اللہ ورسول کی اطاعت کی ہوتی؟ بیشک ہم نے تو وہ پایا جس کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا تو کیا تم نے وہ پایا جس کا تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا کلام کرتے ہیں ان بدینوں سے جن میں روہیں نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بخدا تم ان سے زیادہ میری بات نہیں سنتے۔ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حسرت وندامت اور توبیخ و تذلیل کے لیے اعادہ حیات فرما کر سنوایا۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۳۵۰۔ الوفاق المتین)

ایک اور مقام پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

غزوة بدر شریف میں مسلمانوں نے کفار کی نعشیں جمع کر کے ایک کنویں میں پاٹ دیں حضور کی عادت کریمہ تھی کہ جب کسی مقام کو فتح فرماتے تو وہاں تین دن قیام فرماتے تھے یہاں سے تشریف لے جاتے وقت اس کنویں پر تشریف لے گئے جس میں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں اور انھیں نام بنام آواز دے کر فرمایا ہم نے تو پایا لیا جو ہم سے ہمارے رب نے سچا وعدہ (یعنی نصرت کا) فرمایا تھا۔ کیوں؟ تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ (یعنی ناکار کا) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔

امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

یا رسول اللہ ما تکلم اجسادا لا ارواح فیہا۔

یا رسول اللہ کیا حضور بے جان جثوں سے کلام فرماتے ہیں۔ فرمایا ما انتم باسمع منہم تم کچھ

ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔ (المسلفو ظ حصہ دوم)

یہی مضمون دوسری جگہ اس طرح ہے آپ فرماتے ہیں:

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے دن سرداران کفار قریش سے چوبیس لاشیں ایک ناپاک گندے کنوئیں میں پھینکوادیں اور عادت کریمہ تھی کہ جو مقام فتح فرماتے وہاں تین شب قیام فرماتے جب بدر میں تیسرا دن ہوا ناقد شریف پر کجاوہ کسنے کا حکم دیا اور خود مع اصحاب کرام اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور ان کافروں کو نام بنام مع ولدیت پکار کر فرمایا کہ اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں ایسر کم انکم اطعمتم اللہ ورسولہ فانا وجدنا ما وعدنا حقا فہل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔

کیا اب تمہیں خوش آتا ہے کہ کاش اللہ ورسول کا حکم ماننا ہوتا ہم نے تو پایا جو ہمارے رب نے ہمیں سچا وعدہ دیا کیا تمہیں بھی ملا جو تمہارے رب نے سچا وعدہ تم سے کیا۔ (فتاویٰ افریقہ)

فرشتوں کی مدد

ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف اور ابوداؤد طیالسی و ابن منیع مسانید اور بیہقی سنن میں امیر المؤمنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ امدنی یوم بدر و حنین بملائکة یعمون هذه العمة ان العمامة حاجزة بین الکفر و الایمان .

بیشک اللہ عزوجل نے بدر و حنین کے دن ایسے ملائکہ سے میری مدد فرمائی جو اس طرز کا عمامہ باندھتے ہیں بیشک عمامہ کفر و ایمان میں فارق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۷۷)

بدر میں کفار کے مقام موت کی نشان دہی

صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

ندب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الناس فانطلقوا حتى نزلوا بدرا فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم هذا مصرع فلان و يضع يده على الارض ههنا و ههنا قال فما ما ط اى ما زال و ما تجاوز احدهم عن موضع يد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اعلان کر دیا تو وہ چلے یہاں تک کہ بدر میں اترے وہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمین پر جگہ جگہ دست اقدس رکھ کر بتایا کہ یہ فلاں کافر کے پچھڑنے کی جگہ ہے اور یہ فلاں کی، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا وہیں اس کی لاش گری اس سے اصلاً تجاوز نہ کی۔

ان ہی کی حدیث میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

و الذى بعثه بالحق ما اخطوا الحدود التى حدها رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم.

قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا جو حدیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے مقرر فرمادی تھیں کسی نے اس حد سے خطانہ کی۔ یہ بھی مسلم کی روایت ہے۔ (الدولة المکیة)

اشعار

شہداء و شرکاء بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی یوں رقم طراز ہیں۔

گرد مہ دست انجم میں رخشاں ہلال
بدر کی دفع ظلمت پہ لاکھوں سلام

جان نثاران بدر و احد پر درود
حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

غزوة بنی قینقاع

رمضان ۲ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگ بدر کے معرکہ سے واپس ہو کر مدینہ تشریف لائے اس کے بعد ہی ۱۵ شوال ۲ھ میں ”غزوة بنی قینقاع“ کا واقعہ پیش ہو گیا۔

مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، ان تینوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ مگر جنگ بدر کے بعد جس قبیلہ نے سب سے پہلے معاہدہ توڑا وہ قبیلہ بنی قینقاع کے یہودی تھے جو سب سے زیادہ بہادر اور دولت مند تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک برقع پوش عرب عورت یہودیوں کے بازار میں آئی دکان داروں نے شرارت کی اور اس عورت کو ننگا کر دیا اس پر تمام یہودی قبیلہ لگا کر ہنسنے لگے۔ عورت چلائی تو ایک عرب آیا اور دکان دار کو قتل کر دیا اس پر یہودیوں اور عربوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور یہودیوں کی اس غیر شریفانہ حرکت پر ملامت فرمانے لگے اس پر بنی قینقاع کے خبیث یہودی بگڑ گئے اور بولے کہ جنگ بدر کی فتح سے آپ مغرور نہ ہو جائیں مکہ والے جنگ کے معاملہ میں بے ڈھنگے تھے اس لیے آپ نے ان کو مار لیا اگر ہم سے آپ کا سابقہ پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ کس چیز کا نام ہے؟ اور لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ جب یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نصف شوال ۲ھ سنچر کے دن ان یہودیوں پر حملہ کر دیا یہودی جنگ کی تاب نہ لاسکے اور اپنے قلعوں کا پھاٹک بند کر کے قلعہ بند

ہو گئے مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بالآخر یہودی مغلوب ہو گئے اور ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے مشورہ سے ان یہودیوں کو شہر بدر کر دیا اور عہد شکن بد ذات یہودی ملک شام کے مقام ”اذرعات“ میں جا کر آباد ہو گئے۔

غزوة سويق

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جنگ بدر کے بعد مکہ کے ہر گھر میں سرداران قریش کے قتل ہو جانے کا ماتم برپا تھا اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطرب اور بے قرار تھا چنانچہ غزوة سويق اور جنگ احد وغیرہ کی لڑائیاں مکہ والوں کے اسی جوش انتقام کا نتیجہ ہیں۔ عتبہ اور ابو جہل کے قتل ہو جانے کے بعد اب قریش کا سردار ابوسفیان تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا کام غزوة بدر کا انتقام تھا۔ چنانچہ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا مسلمانوں سے بدلہ نہ لوں گا نہ غسل جنابت کروں گا نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔ لہذا جنگ بدر کے دو ماہ بعد ذوالحجہ ۲ھ میں ابوسفیان دو سو شتر سواروں کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف بڑھا اس کو یہودیوں پر بڑا بھروسہ بلکہ ناز تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ اس کی امداد کریں گے۔ اسی امید پر ابوسفیان پہلے، حی بن اخطب، یہودی کے پاس گیا مگر اس نے دروازہ بھی نہیں کھولا۔ وہاں سے مایوس ہو کر سلام بن مشکم سے ملا جو قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں کا سردار تھا اور یہود کے تجارتی خزانہ کا منیجر بھی تھا اس نے ابوسفیان کا پر جوش استقبال کیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام جنگی رازوں سے ابوسفیان کو آگاہ کر دیا۔ صبح کو ابوسفیان نے مقام ”عریض“ پر حملہ کیا یہ بستی مدینہ سے تین میل کی دوری پر تھی۔ اس حملہ میں ابوسفیان نے ایک انصاری صحابی حضرت سعد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا اور کچھ درختوں کو کاٹ ڈالا اور مسلمانوں کے چند گھروں اور باغات کو آگ لگا کر پھونک دیا۔ ان حرکتوں سے اس کے گمان میں اس کی قسم پوری ہو گئی۔

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کا تعاقب کیا لیکن ابوسفیان بدحواس ہو کر اس تیزی سے بھاگا کہ بھاگتے ہوئے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستوں کی بوریاں جو وہ اپنی فوج کے راشن کے لیے لایا تھا پھینکتا چلا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی زبان میں ستوں کو سویق کہتے ہیں اس لیے اس غزوة کا نام ”غزوة سویق“ پڑ گیا۔

۲۔ ہ کے متفرق واقعات

- (۱) اسی سال روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے اور نماز کی طرح روزہ و زکاۃ بھی مسلمان پر فرض ہو گئے۔
- (۲) اسی سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید الفطر کی نماز جماعت کے ساتھ عید گاہ میں ادا فرمائی، اس سے قبل عید الفطر کی نماز نہیں ہوئی تھی۔
- (۳) صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم اسی سال جاری ہوا۔
- (۴) اسی سال ۱۰ ارذو الحجہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بقر عید کی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔
- (۵) اسی سال ”غزوة قرقر الکرد“ و ”غزوة نجران“ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات بھی پیش آئے، جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی مگر ان غزوات میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔
- (۶) اسی سال حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی خانہ آبادی حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ ہوئی۔ یہ شادی انتہائی وقار اور سادگی کے ساتھ ہوئی۔ (مولف)

(مدارج النبوة دوم، سیرت مصطفیٰ)



غزوة احد

جاں نثاران بدر و احد پر درود
حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

﴿الَّذِينَ كَفَرُوا يَتَّبِعُونَكَ (مُؤْمِنِينَ) لِيُكْفِرُوا بِكَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَكَاذِبٌ كَرِيمٌ﴾
 بیشک کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں تو اب انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان پر پھتاوا
 ہوں گے پھر مغلوب کر دیئے جائیں گے۔
 (الانفال، ۳۶)

غزوة احد ۳

احد ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ چوں کہ حق و باطل کا یہ عظیم معرکہ اسی پہاڑ کے دامن میں درپیش ہوا اسی لیے یہ لڑائی، غزوة احد، کے نام سے مشہور ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں اس لڑائی کے واقعات کا خداوند عالم نے تذکرہ فرمایا ہے۔

غزوة احد کا سبب

جنگ بدر میں ستر کفار قتل اور ستر گرفتار ہوئے تھے اور جو قتل ہوئے ان میں سے اکثر کفار قریش کے سردار بلکہ تاجدار تھے، اس بناء پر مکہ کا ایک ایک گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور قریش کا بچہ بچہ جوش انتقام میں آتش غیظ و غضب کا تنور بن کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بے قرار تھا۔

عرب خصوصاً قریش کا یہ طرہ امتیاز تھا کہ وہ اپنے ایک ایک مقتول کے خون کا بدلہ لینے کو اتنا بڑا فرض سمجھتے تھے جس کو ادا کیے بغیر گویا ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی، چنانچہ جنگ بدر کے مقتولوں کے ماتم سے جب قریشیوں کو فرصت ملی تو انھوں نے یہ عزم کر لیا کہ جس قدر ممکن ہو جلد سے جلد مسلمانوں سے اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لینا چاہیے۔ چنانچہ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ اور امیہ کا لڑکا صفوان اور دوسرے کفار قریش جن کے باپ، بھائی، بیٹے جنگ بدر میں قتل ہو چکے تھے سب کے سب ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ مسلمانوں نے ہماری قوم کے تمام سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے اس کا بدلہ لینا ہمارا قومی فریضہ ہے لہذا ہماری خواہش ہے کہ قریش کی مشترکہ تجارت میں اسال جتنا نفع ہوا ہے وہ سب قوم کے جنگی فنڈ میں جمع ہو جانا چاہیے اور اس رقم سے بہترین ہتھیار خرید کر اپنی لشکری طاقت بہت جلد مضبوط کر لینی چاہیے۔ اور پھر ایک عظیم فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کر کے بانی اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دینا چاہیے۔

ابوسفیان نے خوشی خوشی قریش کی اس درخواست کو منظور کر لیا لیکن قریش کو جنگ بدر سے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آندھیوں اور طوفانوں کا مقابلہ، سمندر کی موجوں سے ٹکرانا، پہاڑوں سے ٹکر لینا بہت آسان ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشقوں سے جنگ کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے، اس لیے انھوں نے اپنی جنگی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کرنا نہایت ضروری خیال کیا چنانچہ ان لوگوں نے ہتھیاروں کی تیاری اور سامان جنگ کی خریداری میں پانی کی طرح روپیہ بہانے کے ساتھ ساتھ پورے عرب میں جنگ کا جوش اور لڑائی کا بخار پھیلانے کے لیے بڑے بڑے شاعروں کو منتخب کیا جو اپنی آتش بیانی سے تمام قبائل عرب میں جوش انتقام کی آگ لگادیں۔

عمر جمحی اور مسافع، یہ دونوں اپنی شاعری میں طاق اور آتش بیانی میں شہرہ آفاق تھے، ان دونوں نے باقاعدہ دورہ کر کے تمام قبائل عرب میں ایسا جوش اور اشتعال پیدا کر دیا کہ بچہ بچہ ”خون کا بدلہ خون“ کا نعرہ لگاتے ہوئے مرنے اور مارنے پر تیار ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑی فوج تیار ہو گئی۔

مردوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے معزز اور مال دار گھروں کی عورتیں بھی جوش انتقام سے لبریز ہو کر فوج میں شامل ہو گئیں جن کے باپ، بھائی، بیٹے، شوہر جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے، ان عورتوں نے قسم کھالی تھی کہ ہم اپنے رشتہ داروں کے قاتلوں کا خون پی کر ہی دم لیں گے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہند کے باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کے چچا کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا اس بناء پر ہند نے وحشہ کو جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا تو وہ اس کا رگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیا جائے گا۔

مدینہ پر چڑھائی

الغرض بے پناہ جوش و خروش اور انتہائی تیاری کے ساتھ لشکر کفار مکہ سے روانہ ہوا اور ابوسفیان اس لشکر جرار کا سپہ سالار بنا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں رہتے تھے انھوں نے ایک خط لکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار قریش کی لشکر کشی سے مطلع کر دیا، جب آپ کو یہ خوفناک خبر ملی تو آپ نے ۵ شوال ۳ھ کو حضرت عدی بن فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں لڑکوں حضرت انس اور حضرت مونس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جاسوس بنا کر کفار قریش کے لشکر کی خبر لانے کے لیے روانہ فرمایا چنانچہ ان دونوں نے آکر یہ پریشان کن خبر سنائی کہ ابوسفیان کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آ گیا ہے اور ان کے گھوڑے مدینہ کی چراگاہ (عریض) کی تمام گھاس چر گئے۔

مسلمانوں کی تیاری اور جوش

یہ خبر سن کر ۱۴ شوال ۳ھ جمعہ کی رات میں حضرت سعد بن معاذ و حضرت اسید بن حضیر و حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہتھیار لے کر چند انصاریوں کے ساتھ رات بھر کا شانہ نبوت کا پہرہ دیتے رہے، اور شہر مدینہ کے اہم ناکوں پر بھی انصار کا پہرہ بٹھا دیا گیا، صبح کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کو جمع فرما کر مشورہ طلب فرمایا کہ شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کی فوج کا مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر میدان میں یہ جنگ لڑی جائے؟ مہاجرین نے عام طور پر اور انصار میں سے بڑے بڑے بوڑھوں نے یہ رائے دی کہ عورتوں اور بچوں کو قلعوں میں محفوظ کر دیا جائے اور شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی بھی اس مجلس میں موجود تھا اس نے بھی یہی کہا کہ شہر میں پناہ گیر ہو کر کفار قریش کے حملوں کی مدافعت کی جائے، مگر چند کسن نوجوان جو جنگ بدر میں شریک نہیں

ہوئے تھے اور جوش جہاد میں آپ سے باہر ہو رہے تھے وہ اس رائے پر اڑ گئے کہ میدان میں نکل کر ان دشمنان اسلام سے فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب کی رائے سن لی پھر مکان میں جا کر ہتھیار زیب تن فرمایا اور باہر تشریف لائے۔ اب تمام لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ شہر کے اندر ہی رہ کر کفار قریش کے حملوں کو روکا جائے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار پہن کر اتار دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ اب تم لوگ خدا کا نام لے کر میدان میں نکل پڑو اگر تم لوگ صبر کے ساتھ میدان جنگ میں ڈنے رہو گے تو ضرور تمہاری فتح ہوگی۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کے قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور ایک ہزار کی فوج لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔

یہود کی امداد ٹھکرادی

شہر سے نکلنے ہی آپ نے دیکھا کہ ایک فوج چلی آرہی ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے حلیف یہودیوں کا لشکر ہے جو آپ کی امداد کے لیے آرہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

ان لوگوں سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جائیں ہم مشرکوں کے مقابلہ میں مشرکوں کی مدد نہیں لیں گے۔

چنانچہ یہودیوں کا یہ لشکر واپس چلا گیا پھر عبد اللہ بن ابی (منافقوں کا سردار) بھی جو تین سو آدمیوں کو لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آیا تھا یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا اور میری رائے کے خلاف میدان میں نکل پڑے لہذا میں ان کا ساتھ نہیں دوں گا۔

عبداللہ بن ابی کی بات سن کر قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ کے اور قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ کے لوگوں نے بھی واپس جانے کا ارادہ کر لیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں اچانک محبت اسلام کا ایسا جذبہ پیدا فرمادیا کہ ان لوگوں کے قدم جم گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان لوگوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :

اذھمت طائفتان منکم ان تفسلا و اللہ و لیھما و علی اللہ فلیتوکل المؤمنین۔
جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔

اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لشکر میں کل سات سو صحابہ رہ گئے جن میں کل ایک سو زره پوش تھے۔ اور کفار کی فوج میں تین ہزار اشرار کا لشکر تھا جن میں سات سو زره پوش جوان دو سو گھوڑے تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔

شہر سے باہر نکل کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی فوج کا معائنہ فرمایا اور جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس لوٹا دیا کہ جنگ کے ہولناک موقع پر بچوں کا کیا کام؟

بچوں کا جوش جہاد

مگر جب رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ تم بہت چھوٹے ہو تم بھی واپس چلے جاؤ تو وہ فوراً انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ ان کا قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور

وہ فوج میں شامل کر لیے گئے۔

حضرت سرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک کم عمر نوجوان تھے جب ان کو واپس کیا جانے لگا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رافع بن خدیج کو کشتی میں پھانسی لیتا ہوں اس لیے اگر وہ فوج میں لے لیے گئے ہیں تو پھر مجھ کو بھی ضرور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت ملنی چاہیے۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور واقعی حضرت سرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رافع بن خدیج کو زمین پر دے مارا اس طرح ان دونوں پر جوش نوجوانوں کو جنگ احد میں شرکت کی سعادت نصیب ہو گئی۔

اس جنگ میں مجاہدین انصار و مہاجرین بڑی دلیری اور جاں بازی سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے حضرت علی و حضرت ابو جہل و حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجاہدانہ حملوں نے مشرکین کی کمر توڑ دی کفار کے تمام علمبردار عثمان، ابوسعید، مسافع، طلحہ بن ابی طلحہ وغیرہ ایک ایک کر کے کٹ کٹ کر زمین پر ڈھیر ہو گئے، کفار کو شکست ہو گئی اور وہ بھاگنے لگے اور ان کی عورتیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر لشکر کفار کو جوش دلا رہی تھیں وہ بھی بدحواسی کے عالم میں اپنے ازار اٹھائے ہوئے برہنہ ساق بھاگتی ہوئی پہاڑوں پر دوڑتی ہوئی چلی جا رہی تھیں اور مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔

شہدائے کرام

اس جنگ میں ستر صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں چار مہاجر اور چھیالیس انصار تھے۔ اور تمیں کی تعداد میں کفار بھی نہایت ذلت کے ساتھ قتل ہوئے۔

مگر مسلمانوں کی مفلسی کا عالم یہ تھا کہ ان شہداء کرام کے کفن کے لیے کپڑا بھی نہیں تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ بوقت شہادت ان کے بدن پر صرف ایک اتنا بڑا کپڑا تھا کہ ان کی لاش کو قبر میں لٹانے کے بعد اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتا تھا اور اگر پاؤں چھپایا جاتا تھا

تو سر کھل جاتا تھا بالآخر سر چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی، شہدائے کرام خون میں لتھڑے ہوئے دو دو شہید ایک قبر میں دفن کیے گئے، جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو آگے رکھتے۔

قبور شہداء کی زیارت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی عمل رہا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ یا اللہ! تیرا رسول گواہ ہے کہ اس جماعت نے تیری رضا کی طلب میں جان دی ہے۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت تک جو مسلمان بھی ان شہیدوں کی قبروں پر زیارت کے لیے آئے گا اور ان کو سلام کرے گا تو یہ شہداء کرام اس کے سلام کا جواب دیں گے۔ (مولف)

(مدارج النبوة جلد دوم، سیرت مصطفیٰ)

حضرت طلحہ کا کارنامہ

امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

طلحہ بن عبید اللہ احد العشرة المبشرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں روز احد میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کندھالے کر ایک چٹان پر بٹھا دیا کہ مشرکین سے آڑ ہو گئی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پس پشت دست مبارک سے اشارہ فرمایا اور فرمایا

هذا جبریل يخبرني انه لا يراك يوم القيمة في هول الا انقذك منه .

یہ جبریل مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اے طلحہ وہ روز قیامت تمہیں جس کسی دہشت میں دیکھیں گے اس سے تمہیں چھڑا دیں گے۔ ابن عساکر نے اسے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (الامن والعلی)

حضور نے یہود سے مدد نہیں لی

امام واقدی مغازی اور امام اسحاق بن راہویہ مسند اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر و معجم اوسط میں ابو تمیمہ ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے جب تثنیہ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا ارشاد ہوا یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی یہود بنی قینقاع قوم عبد اللہ بن سلام حلفائے عبد اللہ بن ابی (یہ لفظ طحاوی ہیں اور لفظ ابن راہویہ یوں ہیں، عرض کی گئی یہ عبد اللہ بن ابی ہے اپنے حلیفوں کے ساتھ کہ قوم عبد اللہ بن سلام کے یہود ہیں، اور لفظ واقدی میں ہے یہ ابن ابی کے حلیف یہودی ہیں اور لفظ طبرانی میں ہے یہ عبد اللہ بن ابی ہے چھ سو یہودیوں کے ساتھ کہ اس کے حلیف ہیں) فرمایا کیا اسلام لے آئے؟ عرض کی گئی نہ وہ اپنے دین پر ہیں فرمایا:

قل لهم فليرجعوا فاننا لا نستعين بالمشركين على المشركين

ان سے کہہ دو لوٹ جائیں ہم مشرکوں پر مشرکوں سے مدد نہیں لیتے۔ (الحجۃ المکرمہ)

امام احمد رضا بریلوی نے شہدائے احد سے متعلق جو روایات پیش فرمائی ہیں انھیں الگ الگ

منوان کے تحت میں ملاحظہ فرمائیں۔

شہدائے احد کی تدفین کا حکم

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری شاہد و مشاہد مشہد احد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی :

امر بدفنہم بد ماہم و لم یفسلوا و لم یصل علیہم .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان شہدائے کرام کو ویسے ہی خون آلود دفن کرنے کا حکم فرمایا

اور انھیں غسل نہ دیا گیا نہ ان کی نماز ہوئی۔ اسے احمد نے سند جید سے اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۴۶۔ النہی الحاجز)

روایت کیا۔

شہدائے احد پر سلام و دعا

حدیث بخاری و مسلم و نسائی، عن عقبہ بن عامر ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
خروج یوما فصلى على اهل احد صلاته على الميت .

عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن نکلے تو شہدائے احد پر اس
طرح دعا فرمائی جس طرح میت پر دعا کی جاتی ہے۔ اس حدیث میں علماء نے صلاۃ سے دعا مراد لی
ہے۔ (مؤلف) (فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۴۰۔ النہی الحاجز)

ابن منذر و ابن مردویہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یأتی احدا کل عام فاذا بلغ
الشعب سلم على قبور الشهداء فقال سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار .

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال احد تشریف لے جاتے جب پہاڑ کی گھائی میں
پہنچتے تو شہداء کو سلام کہتے اور فرماتے تم پر سلام ہو تمہارے صبر کرنے پر تو آخرت کا گھر کیا ہی اچھا گھر ہے۔

(مؤلف)

امام ابن جریر اپنی تفسیر میں محمد بن ابراہیم سے راوی :

وقال كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ياتي قبور الشهداء على رأس كل
حول فيقول سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار و ابو بكر و عمر و عثمان .

یعنی سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء کی قبور پر تشریف لے جاتے اور

فرماتے تھے سلام علیکم الآیة اسکے بعد حضرت صدیق اکبر و فاروق اور ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔
(مولف)

تفسیر کبیر میں ہے: عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انه کان یاتی قبور الشهداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعة هكذا یفعلون۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم الآیة اور خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (مولف)
(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۱۹۲۔ الحجۃ الفائقہ)

شہداء سلام کا جواب دیتے ہیں

حاکم مستدرک میں بافادۃ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوة میں بطریق عطف بن خالد مخزومی عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ سے وہ اپنے والد ماجد عبد اللہ بن ابی فروہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیارت شہدائے احد کو تشریف لے گئے اور عرض کی:

اللہم ان عبدک و نیک یشہد ان هؤلاء شہداء و انه من زارہم و سلم علیہم الی یوم القیمة ردوا علیہ۔

الہی تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کو آئے گا اور ان پر سلام کرے گا یہ جواب دیں گے۔

تمہ حدیث، عطف کہتے ہیں میری خالہ مجھ سے بیان کرتی تھیں میں ایک بار زیارت قبور شہداء کو

گئی میرے ساتھ دو لڑکوں کے سوا کوئی نہ تھا جو میری سواری کا جانور تھا مے تھے میں نے مزارات پر سلام کیا،
جواب سنا اور آواز آئی و اللہ انا نعرفکم کما يعرف بعضنا بعضا۔

خدا کی قسم تم لوگوں کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو، میرے بدن پر بال کھڑے
ہو گئے سوار ہوئی اور واپس آئی۔

امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمر سے روایت کی، مجھے میرے باپ مدینہ طیبہ سے زیارت قبور احد کو
لے گئے جمعہ کا روز تھا صبح ہو چکی تھی، آفتاب نہ نکلا تھا، میں اپنے باپ کے پیچھے تھا جب مقابر کے پاس پہنچے
انہوں نے آواز بلند کہا۔ سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔

جواب آیا و علیک السلام یا ابا عبد اللہ۔

باپ نے میری طرف پھر کر دیکھا اور کہا کہ اے میرے بیٹے تو نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہ،
انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داہنی طرف کر لیا اور کلام مذکور کا اعادہ کیا، دوبارہ ویسا ہی جواب ملا، سہ بارہ کیا،
پھر وہی جواب ہوا۔ میرے باپ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر میں گر پڑے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۶۴۔ حیات الموات)

حضرت حمزہ کی شہادت اور نماز جنازہ

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور اس کا آقا جبر بن مطعم اس سے وعدہ کر چکا تھا تو اگر حضرت حمزہ کو قتل
کردے تو میں تجھ کو آزاد کر دوں گا۔ وحشی ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
تاک میں تھا جوں ہی آپ اس کے قریب پہنچے اس نے دور سے اپنا نیزہ پھینک کر مارا جو آپ کی ناف میں لگا
اور پشت کے پار ہو گیا۔ اس حال میں بھی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر اس کی طرف بڑھے مگر

زخم کی تاب نہ لا کر گر پڑے اور شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ (مولف)

(سیرت مصطفیٰ)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے :

ایک اثر مرسل ابو داؤد نے مراسل میں بسند ثقات ابو مالک غفاری تابعی سے روایت کیا۔

ان السی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی علی فتلی احد عشرة عشرة فی کل
عشرة حمرة رضى اللہ تعالیٰ عنہ حتی صلی علیہ سبعین صلاة .

بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر دس دس کر کے نماز جنازہ پڑھائی ہر
دس میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے یہاں تک کہ ان پر ۷۰ مرتبہ نماز پڑھی گئی۔ (مولف)

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :

شہدائے احد رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۷۰ ستر تھے جب دس دس پر نماز ہوئی سات نمازیں ہوں گی ستر

کیوں کر۔

ثم افول و بالله التوفیق : بعد تسلیم صحت حدیث غایت درجہ جو ثابت ہو گا وہ اس قدر کہ شہداء
پر فحشیں بدل بدل کر نمازیں ہو اکیں اور نعش مبارک سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم بدستور رکھی رہی، مجرد نہ
انھایا جانا مستلزم اعادۃ صلاۃ نہیں کہ یہ امر نیت حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم پر موقوف اور نیت
غیبت ہے اور غیب پر اطلاع نہیں، ممکن کہ ان کی نعش ہر بار کے برکات نازلہ میں شمول کے لیے رکھی گئی ہو۔
ظاہر ہے کہ ایسی جگہ روایت کا مبلغ صرف صورت ظاہرہ تک ہے نہ معنی باطن تک اور مطلب متدل کا ثبوت
اسی معنی باطن پر موقوف اور اس پر دلیل نہیں تو استدلال راسا ساقط، ہاں اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم خود اپنی زبان مبارک سے ایسا بیان فرماتے تو احتجاج صحیح تھا۔ و اذا لبس فلیس .

(فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۳۶۔ البھی الحاجز)

حضرت حمزہ کا مقام معرفت

ابن ابی الدنیا اور بیہقی دلائل میں عطف مخزومی کی خالہ سے راوی، ایک دن میں نے قبر سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نماز پڑھی اس وقت جنگل بھر میں کسی آدمی کا نام و نشان نہ تھا بعد نماز مزار مطہر پر سلام کیا جواب آیا اور اس کے ساتھ یہ فرمایا۔

من یرج من تحت قبر اعرفہ کما اعرف ان اللہ خلقنی و کما اعرف اللیل و النہار۔
جو میری قبر کے نیچے سے گزرتا ہے میں اسے ایسا پہچانتا ہوں جیسا یہ پہچانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس طرح رات اور دن کو پہچانتا ہوں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۶۴، حیات الموات)

حضرت حمزہ دافع بلا ہیں

ابن شاذان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ پر فرمایا:

یا حمزۃ یا کاشف الکربات

یا ذاب عن وجہ رسول اللہ

اے حمزہ، اے دافع بلا، اے حمزہ، اے چہرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دشمنوں کے دفع کرنے والے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱، ص ۸۱)

حضور ﷺ مصعب بن عمیر کی قبر پر

لشکر اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ابن قمیہ کافر جھپٹا اور ان کے

دائیں ہاتھ پر اس زور سے تلواریں چلا دی کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ اس جاں باز مہاجر نے جھپٹ کر اسلامی جھنڈے کو بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا مگر ابن لہیع نے تلواریں مار کر ان کے بائیں ہاتھ کو بھی شہید کر دیا دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے مگر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے پرچم اسلام کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے کھڑے رہے اور بلند آواز سے یہ آیت پڑھتے رہے کہ

و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل

پھر ابن لہیع نے ان کو تیر مار کر شہید کر دیا، (مولف) (سیرت مصطفیٰ)

طبرانی معجم اوسط میں عبد اللہ بن فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصعب بن عمیر اور ان کے ساتھیوں کے قبور پر ٹھہرے اور فرمایا:

و الذی نفسی بیدہ لا یسلم علیہم احد الا ردوا الی یوم القیمة .

قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو ان پر سلام کرے گا، جواب دیں گے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۶۳۔ حیات الموات)

غزوة غطفان

ربیع الاول ۳ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ نجد کے ایک مشہور بہادر "دعشور بن الحارث محارب" نے ایک لشکر تیار کر لیا ہے تاکہ مدینہ پر حملہ کرے۔ اس خبر کے بعد آپ چار سو صحابہ کرام کی فوج لے کر مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے جب دعشور کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے دیار میں آگئے تو وہ بھاگ نکلا اور اپنے لشکر کو لے کر پہاڑوں پر چڑھ گیا مگر اس کی فوج کا ایک آدمی جس کا نام "حسان" تھا گرفتار ہو گیا اور فوراً ہی کلمہ پڑھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

اتفاق سے اس روز زوردار بارش ہو گئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے لیٹ کر اپنے کپڑے سکھانے لگے پہاڑ کی بلندی سے کافروں نے دیکھ لیا کہ آپ بالکل اکیلے اور اپنے اصحاب سے دور بھی ہیں۔ ایک دم دعوں بجلی کی طرح پہاڑ سے اتر کر ننگی شمشیر ہاتھ میں لیے ہوئے آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک پر تلوار بلند کر کے بولا کہ بتائیے اب کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچالے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھ کو میرا اللہ بچالے گا۔ چنانچہ جبریل امین علیہ السلام دم زدن میں زمین پر اتر پڑے اور دعوں کے سینے میں ایک ایسا گھونسہ مارا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور دعوں عین عین ہو کر رہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ بول اب تجھ کو میری تلوار سے کون بچائے گا؟ دعوں نے کانپتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ ”کوئی نہیں“ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی بے کسی پر رحم آ گیا اور آپ نے اس کا قصور معاف فرما دیا۔ دعوں اس اخلاق نبوت سے بے حد متاثر ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔

اس غزوہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گیارہ یا پندرہ دن مدینہ سے باہر رہ کر واپس آ گئے۔

بعض مورخین نے اس تلوار کھینچنے والے واقعہ کو ”غزوة ذات الرقاع“ کے موقع پر بتایا ہے مگر حق یہ ہے کہ تاریخ نبوی میں اس قسم کے دو واقعات ہوئے ہیں۔ غزوة غطفان کے موقع پر سرانور کے اوپر تلوار اٹھانے والا ”دعوں بن حارث محاربی“ تھا جو مسلمان ہو کر اپنی قوم کے اسلام کا باعث بنا۔ اور غزوة ذات الرقاع میں جس شخص نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تلوار اٹھائی تھی اس کا نام ”غورث“ تھا اس نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ مرتے وقت تک اپنے کفر پر اڑا رہا البتہ اس نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کبھی جنگ نہیں کرے گا۔

۳۔ کے واقعات متفرقہ

ہجرت کے تیسرے سال میں مندرجہ ذیل واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے۔

- (۱) ۱۵ رمضان ۳ھ کو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی۔
- (۲) اسی سال حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی ہیں جو غزوہ بدر کے زمانہ میں بیوہ ہو گئی تھیں۔
- (۳) اسی سال حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔
- (۴) میراث کے احکام و قوانین بھی اسی سال نازل ہوئے اب تک میراث میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا ان کے حقوق کا مفصل بیان نازل ہو گیا۔
- (۵) اب تک مشرکہ عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے جائز تھا مگر ۳ھ میں اس کی حرمت نازل ہو گئی اور ہمیشہ کے لیے مشرکہ عورتوں کا نکاح مسلمانوں سے حرام کر دیا گیا۔
- (۶) اسی سال کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا گیا، یہ یہودیوں میں بہت ہی دولت مند تھا یہودی علماء اور یہود کے مذہبی پیشواؤں کو اپنے خزانہ سے تخواہ دیتا تھا، دولت کے ساتھ شاعری میں بھی با کمال تھا جس کی وجہ سے نہ صرف یہودیوں بلکہ تمام قبائل عرب پر اس کا ایک خاص اثر تھا۔ اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ (مولف) (سیرت مصطفیٰ)



ہجرت کا چوتھا سال

لَمَّا لَمَسْنَا لِيْلَىٰ حِينَ أَقْبَلْنَا
عَلَىٰ لَيْلَىٰ نَسَّ كَأَنَّ فِي اللَّهِ مَعْرَجِي

جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔

(از: حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ہجرت کا چوتھا سال

ہجرت کا چوتھا سال بھی کفار کے ساتھ چھوٹی بڑی لڑائیوں ہی میں گزرا۔ جنگ بدر کی فتح مبین سے مسلمانوں کا رعب تمام قبائل عرب پر بیٹھ گیا تھا۔ اس لیے تمام قبیلے کچھ دنوں کے لیے خاموش بیٹھ گئے لیکن جنگ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کا چرچا ہو جانے سے دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے کھڑے ہو گئے اور مجبوراً مسلمانوں کو بھی اپنے دفاع کے لیے لڑائیوں میں حصہ لینا پڑا۔ ۴ھ کی مشہور لڑائیوں میں سے چند یہ ہیں:

سریہ ابو سلمہ

یکم محرم ۴ھ کو ناگہاں ایک شخص نے مدینہ میں یہ خبر پہنچائی کہ طلحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد دونوں بھائی کفار کا لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لیے نکل پڑے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لشکر کے مقابلہ میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا جس میں حضرت ابوسبرہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے معزز مجاہدین و انصار بھی تھے لیکن کفار کو جب پتہ چلا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ لوگ بہت سے اونٹ اور بکریاں چھوڑ کر بھاگ گئے، جن کو مسلمان مجاہدین نے مال غنیمت بنا لیا اور لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔

سریہ عبداللہ بن انیس

محرم ۴ھ کو اطلاع ملی کہ، خالد بن سفیان ہزلی، مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج جمع کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے مقابلہ کے لیے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا۔ آپ نے موقع پا کر خالد بن سفیان ہزلی کو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر مدینہ لائے اور تاجدار دو عالم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری اور جاں بازی سے خوش ہو کر ان کو اپنا عصا عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اسی عصا کو ہاتھ میں لے کر جنت میں چہل قدمی کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کے دن یہ مبارک عصا میرے پاس نشانی کے طور پر رہے گا۔ چنانچہ انتقال کے وقت انہوں نے وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔

حادیہ رجب

مستان و مکہ کے درمیان ایک مقام کا نام ”رجب“ ہے یہاں کی زمین سات مقدس صحابہ کرام کے خون سے رنگین ہوئی، اس لیے یہ واقعہ سر یہ رجب کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دردناک سانحہ بھی ۴ھ میں پیش آیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ عقیل و قارہ کے چند آدمی بارگاہ رسالت میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب آپ چند صحابہ کرام کو وہاں بھیج دیں تاکہ وہ ہماری قوم کو عقائد و اعمال اسلام سکھادیں، ان لوگوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس منتخب صحابہ کو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں بھیج دیا جب یہ مقدس قافلہ مقام رجب پر پہنچا تو غدار کفار نے بد عہدی کی اور قبیلہ بنولعیان کے کافروں نے دوسو کی تعداد میں جمع ہو کر ان دس مسلمانوں پر حملہ کر دیا، مسلمان اپنے بچاؤ کے لیے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے کافروں نے تیر چلانا شروع کیا اور مسلمانوں نے ٹیلے کی بلندی سے سنگ باری کی کفار نے سمجھ لیا کہ ہم ہتھیاروں سے ان مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتے تو ان لوگوں نے دھوکہ دیا اور کہا کہ اے مسلمانو! ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں اور اپنی پناہ میں لیتے ہیں اس لیے تم لوگ ٹیلے سے اتر آؤ۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں

آنا گوارا نہیں کر سکتا یہ کہہ کر خدا سے دعا مانگی کہ یا اللہ! تو اپنے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما دے۔ پھر وہ جوش جہاد میں بھرے ہوئے ٹیلے سے اترے اور کفار سے دست بدست لڑتے ہوئے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔

چوں کہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ بدر کے دن بڑے بڑے کفار قریش کو قتل کیا تھا اس لیے جب کفار مکہ کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا پتہ چلا تو کفار مکہ نے چند آدمیوں کو مقام ربیع میں بھیجا ان کے بدن کا کوئی ایسا حصہ کاٹ کر لائیں جن سے شناخت ہو جائے کہ واقعی حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں۔ لیکن جب کفار آپ کی لاش کی تلاش میں اس مقام پر پہنچے تو اس شہید کی یہ کرامت دیکھی کہ لاکھوں کی تعداد میں شہد کی مکھیوں نے ان کی لاش کے پاس اس طرح گھیرا ڈال رکھا ہے جس سے وہاں تک پہنچنا ہی ناممکن ہو گیا ہے اس لیے کفار مکہ ناکام و نامراد واپس چلے گئے۔

باقی تین اشخاص حضرت خبیث و حضرت زید بن دثنہ و حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفار کی پناہ پر اعتماد کر کے نیچے اترے تو کفار نے بد عہدی کی اور اپنی کمان کی تانتوں سے ان لوگوں کو باندھنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی پہلی بد عہدی ہے اور میرے لیے اپنے ساتھیوں کی طرح شہید ہو جانا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ ان کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

لیکن حضرت خبیث اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافروں نے باندھ دیا تھا اس لیے یہ دونوں مجبور ہو گئے تھے۔ ان دونوں کو کفار نے مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ حضرت خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لیے اس کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا تا کہ ان کو قتل کر کے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔ اور حضرت زید بن دثنہ کو امیہ کے بیٹے صفوان نے قتل کرنے کے ارادہ سے

خریدا۔ حضرت ضعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں نے چند دن قید میں رکھا پھر حدود حرم کے باہر لے جا کر سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا حضرت ضعیب نے قاتلوں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی قاتلوں نے اجازت دے دی آپ نے بہت مختصر طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور فرمایا کہ اے گروہ کفار! میرا دل تو یہی چاہتا تھا کہ دیر تک نماز پڑھتا رہوں کیوں کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز تھی مگر مجھ کو یہ خیال آ گیا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھ لو کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں۔ کفار نے آپ کو سولی پر چڑھا دیا اس وقت آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

و لست ابا لی حین اقل مسلما

علی ای شق کان فی اللہ مصرعی

جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل کیا

جاؤں گا۔

و ذلک فی ذات الالہ و ان بشاء

یسارک علی اوصال شلو ممزع

یہ سب کچھ خدا کے لیے ہے اگر وہ چاہے گا تو میرے کٹے ہوئے جسم کے ٹکڑوں پر برکت نازل

فرمائے گا۔

حارث بن عامر کے لڑکے ابوسروہ نے آپ کو قتل کیا مگر خدا کی شان کہ یہی ابوسروہ اور ان

کے دونوں بھائی عقبہ اور جحیر پھر بعد میں مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیت کے شرف و اعزاز سے سرفراز

ہو گئے۔

حضرت خبیب کی قبر

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے مطلع فرمایا آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جو شخص خبیب کی لاش کو سولی سے اتار لائے اس کے لیے جنت ہے۔ یہ بشارت سن کر حضرت زبیر بن العوام و حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپتے ہوئے مقام تنعیم میں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سولی کے پاس پہنچے۔ چالیس کفار سولی کے پہرہ دار بن کر سو رہے تھے ان دونوں حضرات نے سولی سے لاش کو اتارا اور گھوڑے پر رکھ کر چل دیے۔ چالیس دن گزر جانے کے باوجود لاش تروتازہ تھی اور زخموں سے تازہ خون ٹپک رہا تھا صبح کو قریش کے ستر سوار تیز رفتار گھوڑوں پر تعاقب میں چل پڑے اور ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ گئے ان حضرات نے جب دیکھا کہ قریش کے سوار ہم کو گرفتار کر لیں گے تو انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش مبارک کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا خدا کی شان کہ ایک دم زمین پھٹی اور لاش مبارک کو نکل گئی اور پھر زمین اس طرح برابر ہو گئی کہ پھٹنے کا نشان بھی باقی نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ”بلیع الارض“ (جن کو زمین نکل گئی) ہے۔

حضرت زید کی شہادت

حضرت زید بن دہنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا تماشہ دیکھنے کے لیے کفار قریش کثیر تعداد میں جمع ہو گئے جن میں ابوسفیان بھی تھے جب ان کو سولی پر چڑھا کر قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا کہ کیوں اے زید! سچ کہنا اگر اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس طرح قتل کیے جاتے تو کیا تم اس کو پسند کرتے؟ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کی اس طعنہ زنی کو سن کر تڑپ گئے اور جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ اے ابوسفیان! خدا کی قسم میں اپنی جان کو قربان کر دینا عزیز سمجھتا

ہوں مگر میرے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس پاؤں کے تلوے میں ایک کاٹنا بھی چبھ جائے مجھے کبھی بھی یہ گوارا نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے بڑے بڑے محبت کرنے والوں کو دیکھا ہے مگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے عاشقوں کی مثال نہیں مل سکتی۔ صفوان کے غلام نسطاس نے تلوار سے ان کی گردن مار دی۔ (مولف)

(مدارج النبوة دوم، سیرت مصطفیٰ)



واقعہ پیر معونہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

صحابہ بیر معونہ رات کو درس و تلاوت قرآن مجید اور نماز میں مشغول رہتے تھے۔

(الحدیث)

واقعہ بیر معونہ

ماہ صفر ۲ھ میں ”بیر معونہ“ کا مشہور واقعہ پیش آیا ابو براء عامر بن مالک جو اپنی بہادری کی وجہ سے ملاعب الاسۃ (برچھیوں سے کھیلنے والا) کہلاتا تھا بارگاہ رسالت میں آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے نہ تو اسلام قبول کیا نہ اس سے کوئی نفرت نماہر کی بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ اپنے چند منتخب صحابہ کو ہمارے دیار میں بھیج دیجئے مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نجد کے کفار کی طرف سے خطرہ ہے ابو براء نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ میں سے ستر منتخب صالحین کو جو ”قراء“ کہلاتے تھے بھیج دیا، یہ حضرات جب مقام ”بیر معونہ“ پر پہنچے تو ٹھہر گئے اور صحابہ کے قافلہ سالار حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس اکیلے تشریف لے گئے جو قبیلہ کارمیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا اس نے خط کو پڑھا بھی نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے پیچھے سے حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا اور اس پاس کے قبائل یعنی رعل و ذکوان اور عصبہ و بنو لحيان وغیرہ کو جمع کر کے ایک لشکر تیار کر لیا اور صحابہ کرام پر حملہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ حضرات صحابہ کرام بیر معونہ کے پاس بہت دیر تک حضرت حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے مگر جب بہت زیادہ دیر ہو گئی تو یہ لوگ آگے بڑھے راستہ میں عامر بن طفیل کی فوج کا سامنا ہوا اور جنگ شروع ہو گئی، کفار نے حضرت عمرو بن امیہ ضمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام کو شہید کر دیا۔

انھیں شہدائے کرام میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کے بارے میں عامر بن طفیل کا بیان ہے کہ قتل ہونے کے بعد ان کی لاش بلند ہو کر آسمان تک پہنچی پھر زمین پر آ گئی اس کے بعد ان

کی لاش تلاش کرنے پر نہیں ملی کیوں کہ فرشتوں نے انھیں دفن کر دیا۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی اس لیے میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہا اور ان کی چوٹی کا بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے چل کر جب مقام ”قرقرہ“ میں آئے تو ایک درخت کے سائے میں ٹھہرے وہیں قبیلہ بنو کلاب کے دو آدمی بھی ٹھہرے ہوئے تھے جب وہ دونوں سو گئے تو حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا اور یہ سوچ کر دل میں خوش ہو رہے تھے کہ میں نے صحابہ کرام کے خون کا بدلہ لے لیا ہے۔ مگر ان دونوں شخصوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امان دے چکے تھے جس کا حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم نہ تھا۔

جب مدینہ پہنچ کر انھوں نے سارا حال دربار رسالت میں بیان کیا تو اصحاب بیر معونہ کی شہادت کی خبر سن کر سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا عظیم صدمہ پہنچا کہ تمام عمر شریف میں کبھی بھی اتنا رنج و صدمہ نہیں پہنچا تھا چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہینہ بھر تک قبائل رعل و ذکوان اور عصبہ و بنو لحيان پر نماز فجر میں لعنت بھیجتے رہے۔

اور حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ (مولف)

(مدارج النبوة دوم، سیرت مصطفیٰ)

رؤسائے نجد کے نام حضور کا مکتوب گرامی

امام احمد رضا بریلوی واقعہ بیر معونہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اقدس رؤسائے نجد و بنی عامر کے نام تھا۔

خمیس میں ہے :

و کتب کتابا الی رؤساء نجد و بنی عامر

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجد و بنی عامر کے رؤساء کے نام مکتوب گرامی لکھا۔ (مولف)

مدارج میں ہے، مکتوبے برؤسائے نجد و بنی عامر نوشت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجد اور بنی عامر کے سرداروں کو خط لکھا۔ (مولف)

کتب سیر میں تصریح ہے کہ اس (عامر بن طفیل) خبیث نے فرمان اقدس دیکھا تک نہیں، سیرت

ابن اسحاق و سیرت ابن ہشام و مواہب لدنیہ میں ہے

لما اتاه لم ينظر الى الكتاب .

جب اس کے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اقدس آیا تو اس نے دیکھا تک نہیں۔

(مولف)

حرام بن ملحان کی شہادت

(حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے کافروں کو دیا اور وہ ان سے بات کر رہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے ان کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

جعل يحدثهم فاوماوا الی رجل فاتاه من خلفه فطعنه .

یعنی حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کافروں کو پیام اقدس پہنچاتے اور ان سے باتیں فرما رہے تھے کہ

انہوں نے کسی کو اشارہ کیا اس نے پیچھے سے آکر نیزہ مارا (اور وہ شہید ہو گئے)

امام حافظ الشان عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا:

لم اعرف اسم الرجل الذى طعنه .

مجھے اس نیزہ مارنے والے کا نام نہ معلوم ہوا۔

زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ طبرانی میں بطریق ثابت حضرت انس سے ہے۔

ان قاتل حرام بن ملحان اسلم و عامر بن الطفیل مات کافرا .

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل بعد کو اسلام لے آیا اور عامر بن طفیل کافر ہی

(مولف)

مرا۔

عامر بن طفیل کی امداد طلبی

(عامر بن طفیل نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مختلف قبائل سے جب مدد اور کمک مانگی تو

بعض قبیلے نے معاہدہ کی وجہ سے مدد نہیں کی۔)

خمیس میں ہے :

استصرخ عامر بن الطفیل بنی عامر علی المسلمین فامتنعوا و قالوا لا نخفر

ذمة ابی براء عمک . الخ .

عامر بن طفیل نے مسلمانوں پر بنی عامر سے مدد طلب کی تو وہ لوگ باز رہے اور کہا کہ ہم تمہارے

(مولف)

چچا ابو براء کا ذمہ نہ توڑیں گے۔

مواہب لدنیہ میں ہے :

استصرخ علیہم بنی عامر فلم یجیبوہ و قالوا لن نخفرا بابرء و قد عقدلہم

عقدا و جوارا.

سیرت ابن ہشام میں ہے :

استصرخ علیہم بنی عامر فابوا ان یجیبوہ الی ما دعاهم الیہ و قالوا لن نخفر.

مسلمانوں پر لشکر کشی کے لیے بنی عامر سے مدد طلب کی گئی تو بنی عامر نے اسے قبول نہ کیا اور کہا کہ

ہمارا ان سے عقد و معاہدہ ہے ہم ابو براء کا ذمہ اور عہد ہرگز نہ توڑیں گے۔ (مولف)

مدارج میں ہے۔ تمامہ بنی عامر از جنگ مسلماناں ابا آوردند۔

بنی عامر کے سب لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنے سے انکار کیا۔ (مولف)

اصحاب معونہ کے رہبر

حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلب سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (اصحاب بیر معونہ

کی) رہبری کے لیے ہمراہ فرما دیا تھا۔

طبرانی بطریق عبداللہ بن لہیعہ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال ثم بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المنذر بن عمرو الساعدی و بعث

معہ المطلب السلمی لیدلہم علی الطریق الحدیث. ذکر فی الاصابة فی ترجمة المطلب.

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور ان کے

ہمراہ انھیں راستہ بتانے کے لیے مطلب سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ (مولف)

حضرت منذر کی شہادت

مندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عین معرکہ میں شہید ہوئے۔

معالم التنزیل میں ہے:

قتل المنذر بن عمرو و اصحابه الا ثلثة نفر كانوا في طلب ضالة لهم الخ.

حضرت منذر بن عمرو ساعدی اور ان کے ساتھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہو گئے سوا ان تین لوگوں کے جو کسی گم شدہ چیز کی تلاش میں گئے تھے۔ (مولف)

مدارج میں ہے:

تمامہ اصحاب شہید شدند الا منذر بن عمرو با او گفتند اگر خواہی ترا امان دہیم او امان ایساں را قبول نہ کر دو با ایساں مقاتلہ کر دتا شہید شد۔

مندر بن عمرو کے علاوہ تمام اصحاب شہید ہو گئے کافروں نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو ہم تم کو امان دے دیں گے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے امان کو قبول نہیں کیا اور لڑائی کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (مولف)

اکعب بن زید

سیرتین ابنائے اسحاق و ہشام میں ہے:

لما راؤهم اخذوا سيوفهم ثم قاتلوهم حتى قتلوا من عند آخرهم ير حمهم
الله الا كعب بن زيد اخا ابن دينار بن النجار فانهم تركوه وبه رمق فارتث من بين القتلى
فعاش حتى قتل يوم الخندق شهيدا ير حمه الله .

صحابہ کرام نے جب کافروں کو دیکھا تو تلواریں لیں اور ان سے لڑنے لگے یہاں تک کہ سب سے آخر میں اکعب بن زید کو قتل کیا اور انھیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ ان میں زندگی کا کچھ اثر باقی تھا تو وہ مقتولین کے درمیان سے زندہ بچ کر نکلے اور بعد تک زندہ رہے یہاں تک کہ جنگ خندق کے دن شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(مولف)

مواہب میں ہے :

قتلوا الی آخرہم الا کعب بن زید۔

خمیس میں ہے :

قتلوا من عند آخرہم الا کعب بن زید۔

(مولف)

کافروں نے سب سے آخر میں اکعب بن زید کو قتل کیا۔

شہداء معونہ کی حضور نے خبر دی

(جب تمام صحابہ کرام شہید ہو گئے اور کوئی خبر دینے والا نہیں تھا تو بذات خود غیب داں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی۔) حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی۔

ان اخوانکم لقوا المشرکین فاقطعوہم فلم یبق احد و انہم قالوا ربنا بلغ قومنا انا قد رضینا و قد رضی عنا ربنا فانا رسولہم الیکم قد رضوا و رضی عنہم (ربہم) رواہ الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تمہارے کچھ بھائی مشرکین سے ملے تو مشرکوں نے ان سے لڑائی کی، ان مومنوں میں سے کوئی باقی نہ رہا اور انھوں نے کہا کہ اے رب ہمارے ہماری قوم کو ہماری خبر دے دے کہ ہم راضی بالقضاء ہیں اور

ہم سے ہمارا رب راضی ہے تو ہم تمہاری طرف ان کے فرستادہ ہیں بیشک وہ راضی ہو گئے اور وہ ان سے راضی ہو گیا۔ اسے حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (مولف)

بیر معونہ کے اصحاب قراء تھے

اصحاب بیر معونہ کو قرا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ شب کو درس و تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے تھے۔ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

یتدا رسون القرآن باللیل و یصلون .

رات کو درس و تلاوت قرآن مجید اور نماز میں مشغول رہتے تھے۔ (مولف)

عمدة القاری کتاب الجہاد باب العون بالمدد میں ہے

سموا بہ لکثرة قراتہم .

کثرت سے پڑھنے کے سبب سے ان کا نام قراء رکھا گیا۔ (مولف)

انصار و مہاجرین

بیر معونہ کے اصحاب سب انصاری نہ تھے، بعض مہاجر بھی تھے۔

خمیس میں ہے

کان اکثرہم من الانصار و اربعة من المہاجرین .

زیادہ تر اصحاب انصاری تھے اور چار مہاجر تھے۔ (مولف)

مدارج میں ہے۔ اکثر ایشاں انصار بودند اور بعضے از مہاجراں۔

ان میں سے اکثر لوگ انصاری تھے اور بعض مہاجر۔

(مؤلف)

نیز خمیس میں ہے :

لم یکن القراء المذکورون کلہم من الانصار بل کان بعضهم من المهاجرین
مثل عامر بن فہیرۃ مولیٰ ابی بکر الصدیق و نافع بن بدیل بن ورقاء الخزاعی و غیرہما
رضی اللہ تعالیٰ عنہم .

قراء میں سے سب کے سب انصاری نہیں تھے بلکہ بعض مہاجرین بھی تھے جیسے حضرت ابو بکر
صدیق کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت نافع بن بدیل بن ورقاء خزاعی وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ
عنہم۔ (مؤلف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۵۰۳۔ اجتناب العمال)

قنوت نازلہ

جب قراء اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو بہت غمزدہ اور ملول ہوئے
اور بہت کرب محسوس فرمایا یہاں تک کہ ایک ماہ تک اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز تک فجر کی نماز میں
قنوت پڑھی اور رعل و ذکوان، عصیہ اور تمام قبائل نجد پر بددعا فرمائی۔ (مؤلف) (مدارج النبوة جلد دوم)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مدینہ طیبہ کے ستر (۷۰) جگر پاروں، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص پیاروں، اجلہ
علماء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کفار نے دغا سے شہید کر دیا۔ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا سخت و
شدید غم و الم ہوا۔ ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفار نانبجار پر لعنت فرماتے رہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۶۹۔ الہادی الحاجب)

حدیث میں ہے: قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہرا علی عدة

قبائل من الکفار

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار کے چند قبائل پر ایک مہینہ تک قنوت پڑھی۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۵۱۰)



غزوة بنو نضیر

ما قطع من لبنه او تركوها فائمة على اصولها فبافوا الله ولبغزى الفاسقین
 جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے کہ
 فاسقوں کو رسوا کرے۔ (الحشر، ۵)

غزوة بنو نضیر

حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ بنو کلاب کے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کا خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرما دیا تھا۔ اسی معاملہ کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبیلہ بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے کیوں کہ ان یہودیوں سے آپ کا معاہدہ تھا مگر یہودی درحقیقت بہت ہی بد باطن ذہنیت والی قوم ہیں۔ معاہدہ کر لینے کے باوجود ان خبیثوں کے دلوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی اور عناد کی آگ بھری ہوئی تھی ہر چند حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان بد باطنوں سے اہل کتاب ہونے کی بناء پر اچھا سلوک فرماتے تھے مگر یہ لوگ ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی اور بانی اسلام کی دشمنی میں مصروف رہے۔ مسلمانوں سے بغض و عناد اور کفار و منافقین سے ساز باز اور اتحاد ہی ہمیشہ ان غداروں کا طرز عمل رہا۔

چنانچہ اس موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے تو بظاہر بڑے اخلاق کا مظاہرہ کیا مگر اندرونی طور پر بڑی ہی خوفناک سازش اور انتہائی خطرناک منصوبہ بنا لیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ یہودیوں نے ان سب حضرات کو ایک دیوار کے نیچے بڑے احترام کے ساتھ بٹھایا اور آپس میں یہ مشورہ کیا کہ چھت پر سے ایک بہت ہی بڑا اور وزنی پتھر ان حضرات پر گرا دیں تاکہ یہ سب لوگ دب کر ہلاک ہو جائیں چنانچہ عمرو بن جحاش اس مقصد کے لیے چھت پر چڑھ گیا۔

محافظ حقیقی پروردگار عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہودیوں کی اس ناپاک سازش سے بذریعہ وحی مطلع فرما دیا اس لیے فوراً ہی آپ وہاں سے اٹھ کر چپ چاپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چلے آئے اور مدینہ تشریف لا کر صحابہ کرام کو یہودیوں کی اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور انصار

ومہاجرین سے مشورہ کے بعد ان یہودیوں کے پاس قاصد بھیج دیا کہ چونکہ تم لوگوں نے اپنی اس دسیسہ کاری اور قاتلانہ سازش سے معاہدہ توڑ دیا اس لیے اب تم لوگوں کو دس دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ تم اس مدت میں مدینہ سے نکل جاؤ اس کے بعد جو شخص بھی تم میں کا یہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔

شہنشاہ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر بنونضیر کے یہودی جلاوطن ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے مگر منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی ان یہودیوں کا حامی بن گیا اور اس نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ ہرگز ہرگز مدینہ سے نہ نکلو ہم دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں اس کے علاوہ بنوقریظہ اور بنوغطفان یہودیوں کے دو طاقتور قبیلے بھی تمہاری مدد کریں گے۔ بنونضیر کے یہودیوں کو جب اتنا سہارا مل گیا تو وہ شیر ہو گئے اور انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ چھوڑ کر نہیں جاسکتے آپ کے دل میں جو آئے کر لیجیے۔

یہودیوں کے اس جواب کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی امامت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرما کر خود بنونضیر کا قصد فرمایا اور ان یہودیوں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ دن تک قائم رہا قلعہ میں باہر سے ہر قسم کے سامانوں کا آنا جانا بند ہو گیا اور یہودی بالکل ہی محصور و مجبور ہو کر رہ گئے۔ مگر اس موقع پر نہ تو منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کی مدد کے لیے آیا نہ بنوقریظہ اور غطفان نے کوئی مدد کی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قلعہ کے محاصرہ کے ساتھ قلعہ کے آس پاس کھجوروں کے کچھ درختوں کو بھی کٹوا دیا کیوں کہ ممکن تھا کہ درختوں کے جھنڈ میں یہودی چھپ کر اسلامی لشکر پر چھاپہ مارتے۔ اور جنگ میں مسلمانوں کو دشواری ہو جاتی۔ ان درختوں کو کاٹنے کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ درخت نہ کاٹے جائیں کیوں کہ فتح کے بعد یہ سب درخت مال غنیمت بن جائیں گے اور مسلمان ان سے نفع اٹھائیں گے۔

اور کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ درختوں کے جھنڈ کو کاٹ کر صاف کر دینے سے یہودیوں کی کمین گاہوں کو برباد کرنا اور ان کو نقصان پہنچا کر غیظ و غضب میں ڈالنا مقصود ہے۔ لہذا ان درختوں کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔

اس موقع پر سورہ حشر کی یہ آیت اتری :

ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها فباذن اللہ و لیخزی

الفاسقین.

جو درخت تم نے کاٹے یا جن کو ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کے حکم سے تھاتا کہ خدا فاسقوں کو رسوا کرے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو درخت کاٹنے والے ہیں ان کا عمل بھی درست ہے اور کاٹنا نہیں چاہتے وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں کیوں کہ کچھ درختوں کو کاٹنا اور کچھ کو چھوڑ دینا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہیں۔

بہر حال آخر کار محاصرہ سے تنگ آ کر بنو نضیر کے یہودی اس بات پر تیار ہو گئے کہ وہ اپنا اپنا مکان اور قلعہ چھوڑ کر اس شرط پر مدینہ سے باہر چلے جائیں گے کہ جس قدر مال و اسباب وہ اونٹوں پر لے جاسکیں لے جائیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودیوں کی اس شرط کو منظور فرمایا اور بنو نضیر کے سب یہودی چھ سو اونٹوں پر اپنا مال و سامان لاد کر ایک جلوس کی شکل میں گاتے بجاتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ کچھ تو خیبر چلے گئے اور زیادہ تعداد میں ملک شام جا کر ”اذرعات“ اور ”آریحا“ میں آباد ہو گئے۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے گھروں کی مسلمانوں نے جب تلاشی لی تو پچاس لوہے کی ٹوپیاں، پچاس زرہیں، تین سو چالیس تلواریں نکلیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ میں آئیں۔ (مولف)

(مدارج النبوة دوم، سیرت مصطفیٰ)

ازواج مطہرات کا نفقہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو نضیر کے اموال غنیمت سے ازواج مطہرات کے لیے سال بھر کے اخراجات نکال لیتے تھے اس سلسلے میں امام احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں :

صحیحین میں امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے :

كان صلى الله تعالى عليه وسلم ينفق منه (اي مما افاء الله على رسوله من اموال بنى النضير) على اهله رزق سنة ثم يجمع ما بقى منه مجمع مال الله عز وجل .

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو نضیر کے اموال غنیمت میں سے اپنی ازواج مطہرات کے لیے ایک سال کا خرچ نکال لیا کرتے تھے پھر جو بچتا تھا اس کو اللہ کے بیت المال میں جمع فرمایا کرتے تھے۔

(مولف)

صحیحین میں امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے :

ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان ينفق على اهله نفقة سنتهم من هذا المال ثم ياخذ ما بقى فيجعله مجعل مال الله .

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس (بنو نضیر کے) مال غنیمت سے اپنی ازواج کے

لیے ایک سال کا نفقہ نکال لیا کرتے تھے اور جو باقی بچتا اس کو لے کر راہ خدا میں صرف فرمایا کرتے تھے۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۵۰۸)

بدر صغریٰ

جنگ احد سے لوٹتے وقت ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا چنانچہ شعبان یا ذوالقعدہ ۲ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ کا نظم و نسق حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرما کر لشکر کے ساتھ بدر میں تشریف لے گئے۔ آٹھ روز تک کفار کا انتظار کیا ادھر ابوسفیان بھی فوج کے ساتھ چلا ایک منزل چلا تھا کہ اس نے اپنے لشکر سے یہ کہا کہ یہ سال جنگ کے لیے مناسب نہیں ہے کیوں کہ اتنا زبردست قحط پڑا ہوا ہے کہ نہ آدمیوں کے لیے دانہ پانی ہے نہ جانوروں کے لیے گھاس چارا۔ یہ کہہ کر ابوسفیان مکہ واپس چلا گیا۔ مسلمانوں کے پاس کچھ مال تجارت بھی ساتھ تھا جب جنگ نہیں ہوئی تو مسلمانوں نے تجارت کر کے خوب نفع کمایا اور مدینہ واپس چلے آئے۔

۲ھ کے متفرق واقعات

(۱) اسی غزوة بنو نضیر کے بعد جب انصار نے کہا کہ یا رسول اللہ بنو نضیر کے جو اموال غنیمت میں ملے ہیں وہ سب آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو دے دیجیے ہم ان میں سے کسی چیز کے طلب گار نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوش ہو کر یہ دعا فرمائی۔

اللهم ارحم الانصار و ابناء الانصار و ابناء ابنا الانصار .

اے اللہ انصار پر اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔

(۲) اسی سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ

عنہما کی آنکھ میں ایک مرغ نے چونچ مار دی جس کے صدمے سے وہ دو رات تڑپ کر وفات پا گئے۔

(۳) اسی سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات ہوئی۔

(۴) اسی سال حضور نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح فرمایا۔

(۵) اسی سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وفات پائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا مقدس پیرہن ان کے کفن کے لیے عطا فرمایا اور ان کی قبر میں اتر کر ان کی میت کو اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا اور فرمایا کہ فاطمہ بنت اسد کے سوا کوئی شخص بھی قبر کے دبوچنے سے نہیں بچا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صرف پانچ ہی میت ایسی خوش نصیب ہوئی ہیں جن کی قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اترے۔

اول : حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

دوم : حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک لڑکا۔

سوم : عبداللہ مزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا لقب ذوالبجادیں ہے۔

چہارم : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا

پنجم : حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ محترمہ۔

(۶) اسی سال ۴ شعبان ۳۰ھ کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش ہوئی۔

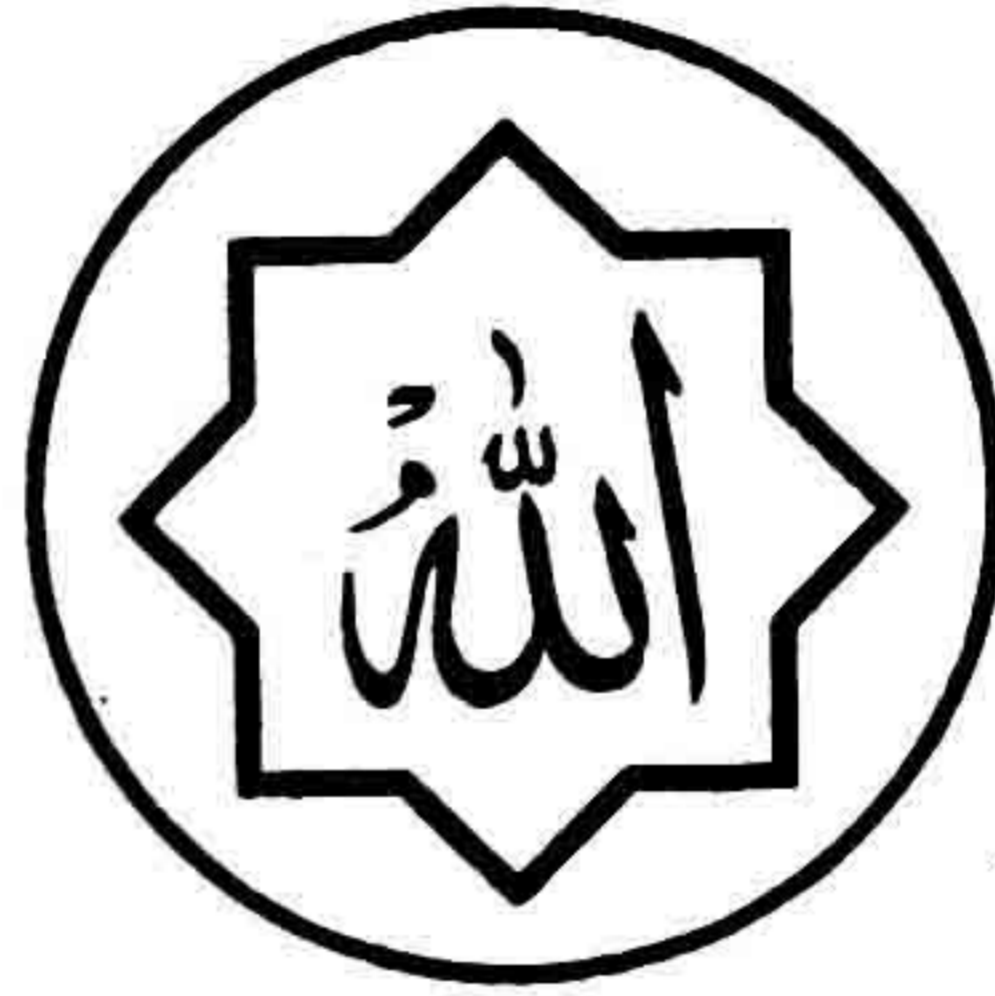
(۷) اسی سال ایک یہودی نے ایک یہودیہ عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہودیوں نے یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش کیا تو آپ نے تورات و قرآن دونوں کتابوں کے فرمان سے اس کو سنگسار کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

(۸) اسی سال طعمہ بن ابیرق نے جو مسلمان تھا، چوری کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کے حکم سے اس کا ہاتھ کٹوا دیا اس کے بعد طعمہ مکہ بھاگ گیا وہاں بھی اس نے چوری کی اہل مکہ نے اس کو قتل کر ڈالا یا اس نے دیوار سے گر کر خودکشی کر لی یا دریا میں پھینک دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔

(۹) بعض مورخین کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا اور بعض کے نزدیک ۶ھ میں اور بعض نے کہا کہ ۸ھ میں شراب حرام کی گئی۔ (مولف)

(مدارج النبوة دوم، سیرت مصطفیٰ)





غزوة ذات الرقاع

وَلَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَاصْرَحْ لَهُمُ الصَّلَاةُ فَلْتَنْتَمِطَنَّ مِنْهُمْ مَعْشَرٌ وَبِأَخْمُزٍ وَالرَّسُولُ مِنَ اللَّهِ
 اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہئے کہ ان میں ایک جماعت
 تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ (النساء: ۱۰۲)

غزوة ذات الرقاع ۵۵

سب سے پہلے قبائل، انمار و ثعلبہ، نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے چار یا چھ سو صحابہ کا لشکر اپنے ساتھ لیا اور ۱۰ محرم ۵ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر مقام، ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن آپ کی آمد کا حال سن کر یہ کفار پہاڑوں میں بھاگ کر چھپ گئے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ مشرکین کی چند عورتیں ملیں جن کو صحابہ کرام نے گرفتار کر لیا۔

اس وقت مسلمان بہت ہی مفلس اور تنگ دستی کی حالت میں تھے چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ سوار یوں کی اتنی کمی تھی کہ چھ چھ آدمیوں کی سواری کے لیے ایک ایک اونٹ تھا جس پر ہم لوگ باری باری سوار ہو کر سفر کرتے تھے۔ پہاڑی یا پتھر ملی زمین میں پیدل چلنے سے ہمارے قدم زخمی اور پاؤں کے ناخن جھڑ گئے تھے اس لیے ہم لوگوں نے اپنے پاؤں پر کپڑوں کے چھڑے لپیٹ لیے تھے یہی وجہ ہے کہ اس غزوة کا نام ”ذات الرقاع“ (پیوندوں والا غزوة) ہو گیا۔

بعض مورخین نے کہا کہ چوں کہ وہاں کی زمین کے پتھر سفید و سیاہ رنگ کے تھے اور زمین ایسی نظر آتی تھی گویا سفید اور کالے پیوند ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں لہذا اس غزوة کو ”ذات الرقاع“ کہا جانے لگا۔ اور بعض کا قول ہے کہ یہاں پر ایک درخت کا نام ”ذات الرقاع“ تھا اس لیے لوگ اس کو غزوة ذات الرقاع کہنے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ساری باتیں ہوں۔

امام سیرت ابن اسحاق کا قول ہے کہ سب سے پہلے اس غزوة میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ”صلوة الخوف“ پڑھی۔

ایک اعرابی کی شرارت

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس غزوہ میں ایک درخت کے سایہ میں محو خواب تھے ایک اعرابی آیا اور اپنی تلوار کھینچ کر حضور کے سر ہانے کھڑا ہو گیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ اعرابی نے کہا کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے؟ حضور نے فرمایا کہ اللہ! یہ سن کر اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، حضور اٹھے اور اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر فرمایا کون ہے جو تجھے مجھ سے روکے گا؟ اعرابی نے کہا مجھے بخش دیجیے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اعرابی نے کہا میں عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہ کروں گا اور نہ اس جماعت میں شریک ہوں گا جو آپ سے لڑے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا وہ اعرابی لوٹ کر اپنی قوم میں گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ اس کی مانند ایک اور قصہ غزوہ غطفان میں گزر چکا ہے۔

حضرت جابر کی شادی

اس غزوے کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک اونٹ پر سوار تھے وہ چاہتے تھے کہ اونٹ تیز چلے مگر وہ اونٹ بہت کمزور اور سست رفتار تھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر اپنا عصا شریف مارا تو وہ اونٹ تند و تیز رفتار ہو گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے پوچھا اتنی تیز کیوں چلتے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نئی شادی کی ہے، حضور نے فرمایا با کرہ سے کی ہے یا ثیبہ سے؟ عرض کی، ثیبہ سے، فرمایا با کرہ سے کیوں نہ کی تا کہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے اور نو یاسات بیٹیاں چھوڑی ہیں اس لیے میں نے زن ثیبہ کی ہے تا کہ وہ ان کی خدمت و تربیت کر سکے۔ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے اونٹ کو اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک اس پر سوار ہو کر

جائیں اور مدینہ میں سپرد کر کے اس کی قیمت وصول کر لیں جب مدینہ منورہ پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اونٹ کی قیمت ان کو دے دی اور اونٹ بھی انھیں کو عطا فرما دیا۔ (مؤلف)

(مدارج النبوة دوم، سیرت مصطفیٰ)

حضرت جابر کا اونٹ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اونٹ خریدنے والی روایت امام احمد رضا بریلوی نے اس طرح پیش کی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی :

قال غدوت مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وانا على ناضح قداعى فلا يكاد يسير فتلا حق بي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال ما لبعيرك فقلت قداعى فتخلف رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فزجره فدعا له فما زال بين يدي الابل قدامها يسير فقال لي كيف ترى بعيرك فقلت بهخير قد اصابته بركتك فقال افتبعه باوقية فبعته على ان لي فقار ظهره الى المدينة فلما قدم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المدينة غدوت عليه بالبعير فاعطاني ثمنه ورده على.

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں صبح سویرے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ چلا اور میں بار بردار اونٹ پر سوار تھا وہ اونٹ چلنے سے اس طرح عاجز آ گیا کہ گویا چلے گا ہی نہیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جابر تمہارے اونٹ کو کیا ہو گیا میں نے عرض کی نہیں چل رہا ہے۔ آپ اس کے پیچھے آئے اور اس کو ڈانٹا اور اس کے لیے تیز چلنے کی دعا فرمائی پھر اونٹ کے آگے چلتے رہے اور فرمایا اپنے اونٹ کو کیسا پاتے ہو میں نے عرض کی بہتر ہے آپ ہی کی برکت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس کو ایک اوقیہ میں فروخت کرو گے؟ تو میں نے اسے اس شرط پر بیچ دیا کہ مدینہ شریف تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں صبح کو اونٹ لے کر حاضر ہوا تو حضور نے مجھے اس کی قیمت واپس دے دی اور اونٹ بھی مرحمت فرما دیا۔ (مولف)

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ص ۶۴)





استاذ العلماء شیخ الفضلاء
 حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی
 بحمد اللہ اعزہ حکیرین اولادہ

3 جلدیں مکمل

صحیح بخاری شریف

متن و ترجمہ

فتوحات جہانگیری شیخ صحیح بخاری

تصنیف
 جامعہ العقول والمغول حوالہ القوم والاسول

جمال السنن

تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی
 واحد مفرد شیخ

ابوالعلاء محمد بن اسماعیل بن حنبلہ
 از دارالافتاء، مقالہ کتابیہ، و تبارک نامہ و کتابیہ

تقریباً 8 جلدیں مکمل

متن و ترجمہ

صحیح مسلم شریف

ابو الامین مسلم بن حجاج القشیری
 تفسیر اللہ تعالیٰ بقرآنہ و تفسیر صحیح حدیثہ

استاذین وقت سادات آیت ہون
 ابوالعلاء محمد بن مسلم بن حجاج
 اصلع النقیض اعراق فی السرداعین

3 جلدیں مکمل

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی تقریباً 300 تصانیف سے ماخوذ

3663 احادیث و آثار اور 555 افادلت رضویہ

پر مشتمل علوم و معارف کا گنج گرانمایہ

تالیف
 مفتی محمد ابوالحسن قادری صاحب ہیراتی
 راجہ تحفہ فرید

امجد الاحادیث

افادہ صدیقہ بقیۃ الطریقہ
 حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی

2 جلدیں مکمل

جامع الاحادیث

مولانا محمد حنیف خاں رضوی
 صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

10 جلدیں مکمل

مصنف
 صاحبزادہ مقبول احمد بریلوی

اظہار خطابت

ہر جلد میں
 2 ماہ کے خطبات

شبیر برادرز

زیبہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول
 ۴۰، اردو بازار لاہور
 فون: 042-7246006